

کیا تو نے
صحرا شنوں
کو سمجھتا

خبر میں

نظر میں

اذان

سحر میں



رَبِّهِ الْيَسَّيْنِ
قَوْلُ الْفَلَّاحِ الْغَوَّاسِ
مَوْلَا الْغَوَّاسِ الْغَوَّاسِ

میرزا حسن کمالیہاں قندھار کے رئیس

رئیسُ الاحرار

پیش گراں
در حد و گیراں

بشر آں باشد کہ ستر و لبر آں
فرد آں آید و حد و گیر آں

عزیر الرحمن جای اللہ نوری
ثم دہلوی



دارالعلوم دیوبند

Darul-uloom, Deoband (U. P.) India

بسم الله الرحمن الرحيم

Dated

Ref. No. _____

— ("رئیس الدوا") —

الحمد لله در صلاح علی عبادہ اندر منجلی - عزیز توحید مودنا عزیز ارمن ابن مودنا
جیب ارمنی در میانوی رحمہ اللہ نے "سین الاقرار" نامی - فوت مودنا علیہ السلام
رحمۃ اللہ علیہ کہ علی دینی اور سیاسی زندگی پر یہ کتاب حریف دی - حسین فوت ارمن
اور دونا کے خاندان کی مبارک ساری اور بیک اور دینی خواتین میری کامل اور شہنشاہی
ارقمہ کا میاں کہتے ہیں کہ وہ بیکار کر کے اپنے آج کی دنیا کا بہنو بیہ - اگر کہ انتقام کہ
سہیلی عظیم جلد میں دنیا کی بڑی دنیا کی شخصیت کے راہ بانیہ اور بیکار
کرنے کی مقصد کا سہارہ تصور کیا جائے -

کتاب کی مقبولیت کا سبب اس کی سادگی و سہولت ہے۔
لیکن عزیز موصوفہ اس کے بڑے فکرمند اور شاہکار کتاب ہے، اس کتاب کی اشاعت کیلئے مجھے کئی بار افتخار
شرف اور فخر حاصل ہوا ہے، میں نے اس کی تعریف کی ہے کہ اس کے بارے میں معلوم و پوچھ کے

۱۔ عالمہ سر منتخب یا عرفیہ فقہاء اور کچھ بھنزلہ اصل اور اہم کے ہیں۔
 چنانچہ دارالعلوم دہلی کے دارالمشاورہ میں اکابر سائنسہ دارالعلوم دارالافتاء دارالترغیب
 دارالانوار دارالکتاب دارالعلوم دارالافتاء دارالترغیب دارالانوار دارالکتاب دارالعلوم دارالافتاء دارالترغیب
 دارالانوار دارالکتاب دارالعلوم دارالافتاء دارالترغیب دارالانوار دارالکتاب دارالعلوم دارالافتاء دارالترغیب
 دارالانوار دارالکتاب دارالعلوم دارالافتاء دارالترغیب دارالانوار دارالکتاب دارالعلوم دارالافتاء دارالترغیب
 دارالانوار دارالکتاب دارالعلوم دارالافتاء دارالترغیب دارالانوار دارالکتاب دارالعلوم دارالافتاء دارالترغیب

تذکرہ کیا تو خود اس کے اوردن کے فائدہ کے لیے اپنی تصانیف - گم جو قسم کے نفعانہ اور
نہادہ تھیں - بزرگوار معلوم دیو بزرگوار کا استفادہ، خیرات عودہ انور شانہ نہ سرگرمی کے حصول

علم اور نیرت مرشد ماشاد عبدالقادر صاحب دکن پوری رحمتہ اللہ علیہ کے وہاں اور عدالتی مہمان و غیرہ پر
ارٹھی دینے کے لیے سہ ماہی بزرگوار کتاب "میں اللہ اور" انتہا کیا۔ جس نوعیت کی کتاب تھی

اسکی نوعیت کا مجھ سے تھا اور اس نوعیت کا انتہا بھی عمل میں آیا

کفر میں عزیز موصوفہ کتاب موصوفہ کی نوعیت اور میں اس طرح کہ تہائی وہاں تھے

وہاں سکینگی جیسے "نجات کھتر تعلیمت بھتر بھتر فتح پور"۔

ہم سکون خوشی کہ ایک تاریخ ساز شخصیت کی تاریخ اور تاریخ سازی و تہذیب و تمدن

وہ صفحات کا غنہ پر خوش ہو کر دنیا کے سامنے آئی۔ جسے متقبل کہ نسین بھی دین دیا تھا

سبق سکینگی سکینگی اور دن کے جہانم نہ سا زنا مرن پر مشعل راہ ناکر آگے بڑھ

سکینگی - فتوحات شانہ عزیز موصوفہ کو اس زمانہ پر پر خیر عطا فرما دین اور

اور اس کتاب کو مخلوق کے لیے نافع اور سبق آموز ٹھہریں۔ اس میں دعا از من و از جہان

مکملیت ہنرمند دار معلوم دیوبند

۱۳۹۶ھ
۱۴ ربیع الاول

بسلسلہ جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین

جلد چہارم

۷۸۶
چل مرے خاتمے بسم اللہ

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی
رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی

در حدیث دیگران



خوشتراں باشد کہ سر دل برآں
گفتہ آید در حدیث دیگران

مرتب

مولانا عزیز الرحمن جامع لدھیانوی ثم دہلوی

۵۲۹۶- کوچہ رحمن - چاندنی چوک - دہلی - ۶

”باب اول“

بدل اشتراک —

انتساب

رفیقہ حیات کلثوم خانم

بلال احمد

ہاجرہ بانو

رخسانہ عرف صبیحہ

رضوانہ عزیز

اپنے نواسے یا سرعزفات کے نام جس کی عمر ۱۳ نومبر ۱۹۷۷ء کو ایک سال کی
 مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے مورث اعلیٰ جو ساتویں پشت میں تھے جن
 نام حافظ مولوی جان محمد صاحب تھا۔ ان کا ارشاد تھا کہ میں ادرمیری اولاد محمد بن
 کے ساتھ آنے والے ان لوگوں میں سے تھے جو براہ راست عمر بن العزیز کے قریبی رشتہ
 تھے اور حضرت عمر بن العزیز حضرت عمر بن عبداللہ کی اولاد میں سے تھے۔ میں اس نسب
 فاروقی کے نام اس کتاب کا انتساب کرتا ہوں اور اسی کے ساتھ مذکورہ افراد کے
 نام جن کی کوششوں، کاوشوں اور مشوروں کے بعد یہ کتاب آپ کے سامنے پیش خدمت
 یہ بات بھی آپ کے سامنے انی چاہئے کہ مولانا جان محمد صاحب نے ہمارے خاندان
 مسلسل روایت و حکایت کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام سے علم دین اور علم دنیہ
 حاصل کیا تھا۔ وہ پیدائشی نابینا تھے لیکن ان کے علم کا کوئی احاطہ نہ تھا۔ وہ اپنی اولاد
 بتاتے تھے کہ ان کو علم خضریٰ حاصل ہے۔ اس خاندان کی تیرہ پشتوں سے مسلسل علم دین
 چلا آ رہا ہے اور اب اس چودھویں پشت میں بھی حافظ، قاری، محدث، مصنف، محقق
 مقرر اور بڑے بڑے علم ^{لوگ} جدیدہ سے فیض یاب ہیں۔ ان علماء اور فضلاء کی تعداد
 ایک سو کے قریب ہے جو سارے ہندوستان اور پاکستان میں مختلف مقامات پر



تاریخ میں ایک نئے باب کا
اضافہ تاریخی خط کا علس

प्रधान मंत्री भवन
PRIME MINISTER'S HOUSE
NEW DELHI

کتنی قربانیوں کے بعد ہم نے آزادی
حاصل کی۔ جس لوگوں نے ملک کی خاطر اپنی جانیں
قربان کیں اُن پر ہمیں ناز ہے اور آنے والی
نسلیں اُن سے سبق لیں گی۔ آج اہل تشاخص
اور کڑی محنت کی سخت ضرورت ہے۔ ان سے یہی
ہماری آزادی کی بنیاد پکی رہے گی۔

مجھے یہ جانکر خوشی ہے کہ آپ اپنے وطن
کی ترقی کیلئے ملک سے کام کر رہے ہیں۔ میں
آپ کی اس کوشش پر مبارکباد دیتی ہوں۔

اندرا گاندھی
(اندرا گاندھی)

30 ستمبر 1975

مولانا عزیز الرحمن لدھیانوی۔

جنرل سکرٹری تعلیمی سماجی مرکز۔ دہلی

ایک معصوم زندگانی ہے کامرانی ہی کامرانی ہے



”فاتح ہندوستان“

Smt. Indira Gandhi—Prime Minister

ایک یہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے۔ ۲۱ نکاتی پروگرام — اندراجی
ایک وہ ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑے۔ فوج میں بغاوت — اپوزیشن
۱۹ نومبر ۱۹۷۵ء کو اندراجی کے جنم دن پر اردو سے محبت اور جنگ آزادی
کے مسلم مجاہدین پر فخر و ناز اور حوصلہ افزائی پر بلال احمد آفس سکرٹری تعلیمی سماجی مرکز
نے ہندوستانی اقوام کی خیر سگالی کی وجہ سے تعلیمی سماجی مرکز سے شائع کیا۔
مولانا عزیز الرحمن لدھیانوی جامعہ کی گزشتہ چالیس سالہ خدمات پر اندراجی نے
حرف تحسین میں سب کچھ فرما دیا ہے
۱۹ نومبر ۱۹۷۵ء کو اندراجی کے جنم دن پر جاری کیا گیا



دین و دنیا سے دنیا والوں کو فیض یاب کر رہے ہیں۔ اس خاندان کی سب سے بڑی
خصوصیت یہ ہے کہ یہ مجاہدین ملک و ملت کا ایک ایسا خاندان ہے جس کی جدوجہد
آزادی مسلسل قائم رہی ہے۔ اس سلسلہ میں قید و بند اور پھانسی تک کے تمام
مصائب برداشت کئے گئے۔

عزیز الرحمن جامعی لدھیانوی ٹم دہلوی
۶ اگست ۱۹۷۵ء



یہ موجِ نفس کیا ہے تلوار ہے خودی کیا ہے تلوار کی ڈھال ہے

خودی جلوہ بدست خلوت پسند سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

اندھیرے اجالے میں ہے تابناک

من تو سے پیدا من و تو سے پاک

اقبال

تفصیل اشاعت

عزیز الرحمن جامعی لدھیانوی ثم دہلوی

رئیس الاحرار در حدیث دیگران

انسٹریٹ پریس لکی چھڑے والی۔ بارہ درہ شیر افگن

جمال پرنٹنگ پریس، جامع مسجد۔ دہلی ۶

۵۲۹۶۔ کوچہ رحمن۔ چاندنی چوک۔ دہلی ۶

تاج پرنٹنگ پریس۔ بلیمارن۔ دہلی

مرتب

کتاب

نقادیر

طباعت

اشاعت

ٹائٹل صفحہ

قیمت

ملنے کا پتہ

شائع کردہ

۵۲۹۶۔ کوچہ رحمن۔ چاندنی چوک۔ دہلی ۶

عزیز الرحمن جامعی لدھیانوی ثم دہلوی نے

۵۲۹۔ کوچہ رحمن۔ چاندنی چوک دہلی ۶۔ ۱۱۰۰۰۶ سے شائع کیا۔

پانچ سو ۵۰۰

تعداد

ملنے کا پتہ: ۵۲۹۶۔ کوچہ رحمن۔ چاندنی چوک۔ دہلی ۶ ۱۱۰۰۰۶

علاوہ محصول ڈاک۔

بدل اشتراک:

کمیشن: ۲۰ فیصدی پچیس کتابیں لینے والے کے لئے

پچیس کتابوں سے کم لینے والوں کے لئے کمیشن کی

شرح ۱۵ فی صد ہوگی۔ عزیز الرحمن جامعی

ہندوستان کی جنگ آزادی کے مجاہدین کی سرپرست اردو زبان کی محسن کامیرے
انگریزی خط کے جواب میں عزت مآب اندراجی کا اردو میں حوصلہ افزا جواب۔

TALIMI SAMAJI MARKAZ: 24/5, BARADARI SHER APGAR,
Ballimaran, Delhi-110006

September 4, '75

Smt. Indira Gandhi,
Hon'ble Prime Minister of India,
New Delhi.

My dear Hon'ble Indiraji,

I am one of the fortunates to listen your speech on AIR both in the night of 30th Aug. and morning of 31st. Aug., '75. During your speech you advised writers and social workers to pay visits to each and every village to collect stories and other data pertaining to the freedom struggle, so that the coming generations and the world can be benefitted by the same. I am very happy as I also believe in this idea and approach. I am struggling hard and for the last 30 years my pen is travelling for the noble service of the nation and the country. And till date I have compiled four volumes on this very subject. On the freedom fighters third volume has been published in the first week of this month itself, which is in conformity with the spirit and thoughts as outlined in your speech. You will be very happy to go through the same and your written message about it will be a great encouragement for me.

I am an old follower of yours. My father—late Maulana Hakimur Rahman Ludhianvi was a friend of your respected father and revered grand father—Shri Moti Lal Nehru. I am sending you herewith copies of letters which Panditji wrote to my father and to me as well.

I hailed you and sent you a detailed letter dt. 25.1.75 when you dissolved Parliament and there were fresh elections in which you gave a severe set back to the opposition by capturing 450 seats in the Parliament. I remember that you were harassed, stonned, abused and all type of hardships and obstacles were created in your way by those opponents and opportunists. I am also adding a copy of that letter to you herewith.

Having past good relations between us, I am venturing to request you to very kindly send me your blessings in writing as your father and grand-father did to us, myself being a social worker and a patriot.

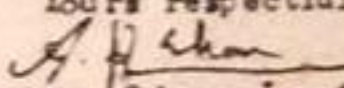
I have every hope that inspite of your heavy and busy schedule you will please spare some time and go through the enclosed letters etc. which will speak themselves.

You owe every credit for the bold steps taken by you for the betterment of the country and upliftment of the masses. Here I request you to very kindly give some sympathetic consideration to the deteriorating conditions of the freedom fighters and give them facilities and scholarships etc. in recognition of their services and fulfilling the promises made to them and for which they rightly deserve.

Besides collecting the data on freedom fighters, their compilation etc. will open many avenues for encouraging of the intellectuals for writing on your suggested lines, provided they be patronised and have hope of being appreciated by getting their deserved place in the society besides other facilities and amenities. If such steps are taken by your Government, you will be first in the independent Indian history for having done this great and unique service to the nation and the concerned intellectuals.

Awaiting for your kind acknowledgement.

Yours respectfully,


(Hakimur Rahman Jassai Ludhianvi)

دل زندہ و بیدار اگر ہو تو تہذیب بندے کو عطا کرتے ہیں جہنم نگراں اور

TALIMI SAMAJI MAHKAZ: 2456, BARADARI SHER AFZAN,
Ballimaran, Delhi-110006

Sept. 9, '75

Smt. Indira Gandhi Ji,
Hon'ble Prime Minister,
New Delhi.

Madam:

Recently you announced Emergency in the country
HAQTAI MEN AA PAHI THI SUKHAN GUSTAKHANA BAT
- Because -

- 1) Opposition parties were planning for a bloody revolution. Anand Margis and RSS have proved themselves to be anti-secular, anti-minority existence. They did what they can to defame the country by their misdeeds and now with their disappearance all are safe and happy particularly the minorities— say Muslims in particular;
- 2) Opposition inciting the police and the Army to revolt against the Government;
- 3) Traders have created conditions leading to extra-ordinary huge money circulation;
- 4) Smugglers have destroyed the economy of the nation;
- 5) Exporters have disrupted the Foreign Exchange position;
- 6) Essential commodities were beyond the reach and in some cases totally unavailable for the general public;
- 7) Opposition had planned to buried the democracy;
- 8) Law and order situation in streets and bazars has gone totally out of control and nobody was safe and secure;
- 9) The lives of peace-loving citizens were in danger;
- 10) 20-point programme being a must could not be implemented then.

TILKA ASHA' RATUN KAMILA (Arabic)

(These are ten complete and fundamental principles)

TUM SALAMAT RAHU HAZAR BARAS— MIR HAR BARAS KE DIN HON PACHAS HAZAR

God has given you courage, ability and understanding of the general public grievances and their redressal. You have taken a step towards that direction so that there may be peace loving citizens, peaceful and smooth running of the Democracy and there is no parallel example in the history of such a bold and concrete step having been taken by anyone in the country at any time. You have totally changed the social structure of the country as a result of which every one is happy and thankful to you. You are a search light and light tower to guide the destiny of the multi-coloured, multi-racial and multi-linguistic, with different faiths, people of India.

Urdu poet, Mir Taqi Mir, has rightly said and I can now claim that it was said for this day and for you alone:

MOH BAZM MEN - ITHA TO MIR NE DEKHA
PHIR US KE BA'D CHIRAGAN MEN ROHNI NA RAHEE

All those candles and lights have been put to an end by your exalted and excellent personality which were determined to burn the country and reduce it to ashes. I solicit your prayers and also pray for you

- that -

God give you long, healthy, happy life to serve the Nation, the minorities and the country and God also save you from all evils and evil-designs of those evil and ill-intentioned persons whose sole aim is 'NO INDIRA' only.

I am your brother— a peace loving citizen of India— and a person having previous closeness with your respected family.

Respectfully yours

(Asim Rehman Jasai Ludhianvi)

تعلیمی سماجی مرکز ۱۹۵۷ء میں کوچہ رحمان کی میدان کی کلاسوں سے شروع کیا گیا
اور آج ایک بلڈنگ میں قائم ہے اور تین ہزار بچوں کو تعلیم دی جا چکی ہے۔

ترتیب

- ۱۔ پیش لفظ عزیز الرحمن جمعی ۷
- ۲۔ مقدمہ جناب ہاشم قدوائی صاحب ۱۷
ریڈر شعبہ پولیٹیکل سائنس
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
- ۳۔ حبیب اور خاندان حبیب ۲۳
قاری محمد طیب صاحب مہتمم
دارالعلوم دیوبند
- ۴۔ پنجاب کا ہادی اور مربی ۳۰
قاری محمد طیب صاحب مہتمم
دارالعلوم دیوبند
- ۵۔ کیسے کہوں کہ درد کہاں ہے کہاں نہیں ۲۶
مفتی عتیق الرحمن صاحب ناظم
ندوۃ المصنفین - دہلی
- ۶۔ خاندان حبیب کی تاریخ ۳۷
مولانا محمد احمد صاحب رحمانی
مفتی پنجاب
- ۷۔ تیس سالہ زندگی گھر سے جیل تک ۳۳
مولانا خلیل الرحمن صاحب لدھیانوی
- ۸۔ مولانا حبیب الرحمن کی فراست و ہمدردی ۸۳
مولانا محمد عثمان صاحب فارقلیط
ایڈیٹر الجمعية دہلی
- ۹۔ مولانا حبیب الرحمن کی دینی فراست ۸۸
قاضی سجاد حسین صاحب شیخ الحدیث
مدرسہ عالیہ فتح پوری - دہلی
- ۱۰۔ یاد حبیب ۹۰
مولانا محمد احمد رحمانی مفتی پنجاب
- ۱۱۔ مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں ۹۳
سید اظہر شاہ قیصر کاشمیری
دارالعلوم دیوبند
- ۱۲۔ ذکر حبیب - سید محمد اظہر شاہ کاشمیری ۱۰۱
مدرس دارالعلوم - دیوبند
- ۱۳۔ مولانا حبیب الرحمن حضرت عمر فاروق
کے کردار کا عکس ہیں - ۱۲۵
جناب محمود علی خاں وزیر اوقاف - یوپی
- ۱۴۔ حبیب ہند - مولانا اخلاق حسین ۱۳۸
قاسمی - دہلی
- ۱۵۔ ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی ۱۳۳
اظہر صدیقی - دیوبند
- ۱۶۔ حبیب دوست کی پیشین گوئی ۱۳۷
ڈاکٹریدہ دیر سنگھ
- ۱۷۔ رئیس الاحرار - ضیاء الحسن فاروقی ۱۳۵
پرنسپل جامعہ کالج - جامعہ ملیہ اسلامیہ

۱۸۔ رئیس الاحرار منٹگری جیل میں۔ ۱۴۳۔ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ ۲۹۔

شورش کشمیری۔ مرحوم

۱۹۔ رئیس الاحرار کا قلمی چہرہ ۱۵۰۔

ناز انصاری

۲۰۔ ہوا کا نسخہ ذرا بدلے تو سب کچھ جان جاتے ۱۵۲۔

ناز انصاری

۲۱۔ ذہین رہنما۔ مولانا محمد میاں صاحب مرحوم

ناظم جمعیتہ علماء ہند۔ دہلی ۱۵۶۔

۲۲۔ اس جماعت کے تھے سردار حبیب الرحمن

غازی دہلوی ۱۶۰۔

۲۳۔ جس نے تاریخ عالم سے سلطنت برطانیہ

کو مٹا دیا۔ جانباز مرزا لاہوری ۱۶۳۔

۲۴۔ سید الاحرار

سید محمد سلیمان برکتی۔ علاء الدل پوری ۱۶۶۔

۲۵۔ رئیس الاحرار کی دو باتیں

مولانا منظور احمد نعمانی ۱۶۲۔

۲۶۔ حبیب قوم۔ مولانا قاضی زین العابدین

شیخ التفسیر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ۱۶۴۔

۲۷۔ رئیس الاحرار اب بھی زندہ ہے ۱۸۸۔

رنبیر۔ ایڈیٹر ملاپ۔ دہلی

۲۸۔ امام المجاہدین۔

شیخ الحدیث مولانا خیر محمد صاحب۔ ملتان مرحوم

مفتی عبدالحمید لدھیانوی۔ لائل پور

۲۹۔ رئیس الاحرار کی شخصیت ۱۹۰۔

مولانا عبدالباقی۔ مشہور ادیب و مدیر مرحوم

۳۱۔ مرد مومن غلام رسول جہر ۲۰۰۔

۳۲۔ صدر ناصراور رئیس الاحرار ۲۰۲۔

شیخ عبدالمنعم النمر

۳۳۔ راسخ الاعتقاد مسلمان ۲۰۸۔

مہاشہ کرشن۔ ایڈیٹر روزنامہ پرتاپ

۳۴۔ رئیس الاحرار۔ مولانا حفظ الرحمن

ناظم اعلیٰ جمعیتہ علماء ہند۔ دہلی ۲۱۰۔

۳۵۔ انھیں کی خاک میں پوشیدہ ہے یہ چنگاری

طہیر الدین صدیقی۔ ایم، اے، ایل، ایل، بی۔ علیگ ۲۱۱۔

۳۶۔ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی

چند نقوش و تاثرات

مولانا ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء

و صدر مدرس ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۱۶۔

۳۷۔ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

ڈاکٹر عابد اللہ غازی۔ ایم، اے، پی، ایچ، ڈی

ہارڈ ویئر سٹی امریکہ ۲۲۰۔

۳۸۔ حبیب۔ (نظم) شورش کشمیری مرحوم ۲۳۱۔

۳۹۔ سید الاحرار (نظم) اتجاہ اردو ۲۳۲۔

مُبَارک باد ————— سپریم کورٹ کے فیصلہ پر

اکھیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی

سپریم کورٹ کے تازہ فیصلہ پر مسز اندرا گاندھی سے زیادہ
ہندوستانی عوام مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اس فیصلہ سے قومی زندگی
میں نئے باب کا آغاز ہوا ہے جس نے سارے ملک میں مسرت کی
لہر دوڑادی ہے۔ اقلیتوں اور پسماندہ طبقات میں خصوصیت کے
ساتھ اطمینان پایا جاتا ہے کہ رجعت پسند طاقتوں کی ہار ہوئی ہے
اور اقلیتوں کو انصاف دلانے اور ان کی سابقہ محرومیوں کی تلافی
کرنے اور غریب طبقات کو اوپر اٹھانے کی مہم میں اب کسی
رکاوٹ کا اندیشہ نہیں رہا۔ مسز گاندھی کی پوزیشن اس فیصلہ
کے بعد اور زیادہ مستحکم ہو گئی ہے۔ یہ ہندوستان کی خوش قسمتی
ہے۔ اس فیصلہ سے ملک کے وقار میں بھی اضافہ ہوا ہے اور جمہوری
روایات کی برتری بھی ثابت ہو گئی ہے۔ مسز گاندھی کی پوزیشن
بے داغ ہو کر سامنے آ گئی ہے۔ اور ثابت ہو گیا ہے کہ وہ ملک
کی سچی لیڈر ہیں جنہوں نے قومی تعمیر نو کا بیس نکاتی پروگرام
پیش کیا ہے جس کے بارہ میں ہر شخص کی دلی خواہش ہے کہ وہ
مسز گاندھی کی قیادت میں جلد از جلد تکمیل کو پہنچے اور اقلیتوں
وغریب طبقات کو انصاف دلانے کی مہم بھی جلد از جلد کامیاب ہو۔

از عزیز الرحمن جامعی لدھیانوی ثم دہلوی

”جنرل سیکرٹری تعلیمی سماجی مرکز“ ۸ نومبر ۱۹۷۷ء



Phone:- 26 42 76

مولانا عزیز الرحمن جامعی لدھیانوی ثم دہلوی کتاب کی تصنیف میں مصروف

Maulvi (Ludhianvi) Aziz-ul-Rehman



To meet His Majesty King Saud of
Saudi Arabia.

The Prime Minister

requests the pleasure of your company

at lunch on Monday

Nov. 28 . 1955 at 1.15

R.S.V.P.—

Reception Officer,
Prime Minister's House

Invitation for Lunch by Pandit ji to meet H.M.King
Saud of S.Arabia. Total invitees 25 only. Before
Lunch Aziz-ur-Rehman and his brothers talked with
Smt. Indira ji for about one hour.

ہدیہ مبلغ دو روپے

رئیس الاحرار

حرف تحسین

دیدہ ادبیدار دور اندیش ری

”چل مرے خانے بسم اللہ“

از مولانا عزیز الرحمن جاسمی لدھیانوی ثم دہلوی

تاریخ کے ہر دور میں بعض شخصیتیں اس طرح ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ جن پر ساری قومی تعمیر کا انحصار ہوتا ہے۔ تاریخ اسلام میں امام ابو حنیفہ۔ امام غزالی، امام ابن تیمیہ اور ابن خلدون نے ایک ایسا مقام پیدا کیا جس کی دنیا آج تک معترفت ہے۔ اور حقائق نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ تاریخ اسلام میں اگر یہ شخصیتیں نہ ابھرنیں تو اسلامی دنیا کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔ چودھویں صدی کے اخیر تک اسلامی زندگی کے خدو خال اور اسلامی کردار کی تاریخ اب نقش کا بجز کی طرح اُن مٹ ہے۔

وہ ان بزرگوں کی فکری اور علمی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اسلام کے دینی اور سیاسی مزاج اور ضابطہ اخلاق کا مرتب شدہ نقشہ ہمارے سامنے ہے۔ یہ علماء سلف کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ہر صدی میں اسلام کے مجددین پیدا ہوئے۔ یہ بزرگ حق اور کلمہ حق کو بلند کرنے کے لئے قلم و تلوار کی وہ پوری آزمائشوں میں سے ہو کر گزرے۔ امام ابو حنیفہ کی شہادت اس بات کی دلیل ہے کہ کلیسائی نظام کے مقابلے میں علماء حق شہنشاہوں سے ٹکرائے اور یہ وہ زمانہ تھا جب کلیسا کے پادری بادشاہوں کی جوتیاں چاٹتے تھے۔ یورپ میں ظلم کو جائز قرار دیتے تھے۔ لیکن امام ابو حنیفہ سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ تک نین ہزار علماء اور محدثین نے اعلیٰ کلمہ الحق پر اپنی جانیں قربان کیں لیکن زندگی کے اعتقادات ادا کردار میں ایک حرف بھی کم نہ کیا۔

ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ کی جماعت نے جس استقامت، تدبیر اور فکر

سے کام کیا، وہ اپنی جگہ دنیا کے لئے قابلِ تقلید مثال ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا خاندان مجاہدین کے سلسلے کی ایک ایسی کڑی ہے جس کو شمار کئے بغیر ہندوستان کی اسلامی اور ملکی جدوجہد مکمل نہیں ہوتی۔ رئیس الاحرار کے افکار ایک ایسے انقلابی کے افکار تھے جو ہر حیثیت میں نطشے اور گونے کی شاعری پر سبقت لے گئے۔ انقلاب فرانس کے بانی روسو اور والیر اپنے زمانے کے مشہور باغیوں میں تھے۔ لیکن بغاوت کا جو انداز مولانا حبیب الرحمن نے پھیلایا وہ اپنی جگہ منفرد کردار ہے۔ ہندوستان میں اہل حق کی جماعت میں بہت سی شخصیتیں ابھریں، ان کا رنگ اور جدوجہد مقامی تھا۔ ہندوؤں میں برادران وطن کی جماعت میں بہت سے افراد سامنے آئے اور ان لوگوں نے آزادی کی جدوجہد میں ایک معیار قائم کیا۔ میری مراد پنڈت جواہر لال نہرو، پنڈت موتی لال نہرو اور مہاتما گاندھی سے ہے۔

گاندھی جی نے بھی اپنی رہنمائی کا فرض ادا کیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد علی دنیا میں ایک انفرادی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن افکار و کردار کی جو جھلک رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن میں پائی گئی وہ ہندوستان کی کسی بھی شخصیت میں نمودار نہ ہوئی۔ سیاسی زندگی میں مولانا حبیب الرحمن نے گاندھی جی سے بیسیوں دفعہ گفتگو کی اور ہر مرتبہ گاندھی جی کو مولانا کے خیالات اور ان کی حکمت عملی اور تدبیر سے اتفاق کرنا پڑا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۴۷ء کے بعد جمعیتہ العلماء کے دفتر میں پہلی نمائندہ کانفرنس میں ایک ہزار ڈیلی گیٹوں کے سامنے یہ اعلان کیا کہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن نے جس طرح ملک کی سیاست کا تجزیہ کیا اور رہنمائی کی ہے، اس کے بعد کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ میں کوئی بات آپ لوگوں سے کہوں۔ میری خواہش ہے کہ تمام ڈیلی گیٹ حضرات مولانا حبیب الرحمن کی رہنمائی پر غور کریں اور جو تجویزیں انھوں نے آپ کے سامنے رکھیں، ان کی تائید کی جائے۔ مولانا ابوالکلام کے اس اعتراف نے بڑے بڑے لوگوں کو چونکا دیا

اور مولانا حبیب الرحمن کی شخصیت اُبھر کر اس طرح سامنے آئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ اس زمانہ کا والی ٹیر اور روسو یہ ہی شخص ہے۔ امام ابو حنیفہ اور شاہ ولی اللہ کا درجہ آج اسے ہی دیا گیا ہے۔ حضرت عمر کا کردار اور تدبیر اس کے حصہ میں آیا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد جیسے انسانیت پسند انسان کا یہ اعتراف تاریخ کا کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ جس شخص نے کبھی گاندھی جی کے افکار کو قبول نہ کیا ہو۔ اور جو اپنے افکار کی تجلی میں کوہ طور کا درجہ رکھتا ہو۔ اسی کا کسی مجلس میں اس طرح اعتراف اور اقرار مولانا حبیب الرحمن کی فکری رہنمائی کو ایک ایسا درجہ عطا کرتا ہے، جو ہندوستان میں کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا۔ غور کیجئے جو شخص اپنی زندگی میں صدارت کے زمانے میں گاندھی جی کے مکان تک نہ گیا ہو۔ جس کی قلمی کاوشوں کا ہر فرد معترف ہو۔ وہ ایک ڈرامائی انداز میں جمعیتہ علماء ہند کے دفتر سے اتر اور سیدھا مولانا حبیب الرحمن کے مکان کو چہرہ رحمان دہلی میں پہنچ گیا۔ مولانا آزاد نے یہ بات ثابت کر دی کہ افکار کا جو خزانہ مولانا حبیب الرحمن کے پاس ہے وہ ہندوستان کے کسی دوسرے آدمی کو نصیب نہیں۔ افکار کی تخلیق انسانی زندگی کے بس کی بات نہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جسے چاہے دے، جسے چاہے نہ دے

ع یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

غزالی کا درجہ دنیائے اسلام میں اس لئے بڑا نہیں کہ وہ عربی کے ادیب یا خطیب تھے۔ بلکہ اس لئے ان کا درجہ بہت بڑا ہے کہ انھوں نے فکری رہنمائی میں کلیسا کی زندگی کو شکست دی اور یونانیوں کو ان کے فلسفہ کا وہ جواب دیا، جس کے بعد فلسفیوں سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی بھی اس دور میں غزالی کا دماغ اور ابن خلدون کی زبان لے کر پیدا ہوئے تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے ایک خط میں

اس بات کا اقرار کیا کہ وہ اپنے افکار میں ایک منفرد حیثیت کے مالک تھے وہ بہت ہی سوچ سمجھ کر کسی بات کا فیصلہ کرتے تھے، لیکن جب فیصلہ کر لیتے تو دنیا کی کوئی طاقت نہ تھی جو ان کے فیصلہ کو بدل دیتی۔ آخر کار مجھے شیخ عبداللہ کے بارے میں ان کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا۔

ہندوستان کی آزادی کے بعد ۱۲ سالہ زندگی میں کوئی ہفتہ ہی ایسا گزرا ہو جب کہ مولانا آزاد اور جواہر لال کا ٹیلیفون نہ آتا ہو کہ ضروری مشورہ کرنا ہے تشریف لائے۔

مرحوم رفیع احمد قدوائی رات کو ۲ بجے کاریں بھیج کر اس لئے بلواتے تھے کہ وہ ان سے رہنمائی حاصل کرنے کے آرزو مند تھے۔ ملکی اور بین الاقوامی مسائل پر وہ اپنی رائے کا اسی طرح اظہار کرتے تھے جیسے برطانوی پارلیمنٹ میں کبھی لارڈ برق بولا کرتے تھے۔

انگریزی نہ جاننے کے باوجود انگریزی سیاست کے گہرے رازوں سے وہ اس طرح واقف تھے جیسے گھر کا بھیدی ہو۔ مولانا حبیب الرحمن کے سیاسی افکار کی خوبی یہ تھی کہ اس میں تعصب اور تشدد کو کہیں دخل نہ تھا۔ یورپ کی نئی سائنسی ترقی اور برطانوی تدبیر کی وہ اس لئے تعریف کرتے تھے کہ انگریزی قوم کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے۔ کسی شخصیت کے افکار کی خوبی یہ ہے کہ وہ مستقبل کی نشان دہی کر رہا ہو۔ مولانا حبیب الرحمن میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود تھی۔

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے پاکستان کا اعلان سنتے ہی دیوبند کی ایک مجلس میں جس میں اکابر علماء شامل تھے صرف ایک جملہ کہا: ”پاکستان کے قیام کے بعد ہندوستان میں مسلمان بے جان ہو جائے گا اور پاکستان میں اسلام کی شکل بدل جائے گی۔“

مولانا کے قریبی حلقوں میں رہنے والے لوگ جانتے ہیں کہ گاندھی جی، جواہر لال اور مولانا آزاد کے سامنے حضرت مولانا مرحوم نے جس بے باکی کے ساتھ اپنے فکری رجحان کا اظہار کیا وہ ہندوستان میں کسی دوسرے کے بس کی بات نہ تھی۔

”گاندھی جی ان کی باتیں سن کر رو دیتے تھے۔ مولانا آزاد ان کے فکری

رجحانات کی تائید کرتے تھے۔ پنڈت خواہر لال ایک عقیدت مند کی طرح

ان کے خیالاتِ عالیہ سنتے تھے۔“

ایسے مقام پر ہونے کے باوجود جس قلندری اور درویشی کا مرحوم نے اظہار کیا، وہ اپنی جگہ بہت اہم اسلامی کردار ہے۔ وہ اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالقادر زید مجدکم رائے پوری کے دسترخوان پر بیٹھ کر ان چند ٹکڑوں کو نہایت ہی مقدس سمجھتے تھے جو شیخ کی طرف سے انہیں دیئے جاتے۔

انہوں نے کبھی اس بات کی تمنا نہ کی کہ کوئی بڑا عہدہ ملے۔ وہ ہر عہدے کو حق کی راہ میں کوہ گراں سمجھتے تھے۔ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ ہی ان کی ایک بات لُبھا گئی تھی کہ وہ ساری عمر اپنے مرید باصفا کی حق گوئی اور نورانیت کا بار بار تذکرہ فرماتے تھے۔ شیخ اپنے مرید سے ایک عاشق صادق کی طرح خیالات سنتے تھے اور مرید اپنے شیخ کی محبت و عشق میں شیخ کے جوتوں کو اٹھانا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتا تھا۔

جن لوگوں نے روحانی زندگی کے اس کردار کو دیکھا وہ جانتے ہیں کہ سیاسی زندگی کی معراج پر پہنچنے والا شخص اپنی ہستی کو شیخ کے سامنے کس طرح مٹاتا تھا۔ حضرت رائے پوری کی خدمت میں مولانا حبیب الرحمن نے چالیس سال گزارے۔ اور دینی معاملات اور افکار میں جس تفقہ کا ثبوت مولانا حبیب الرحمن نے دیا وہ آپ کو مولانا محمد احمد رحمانی کی اس مرتب شدہ کتاب میں ملے گا۔

دینی اور تبلیغی زندگی میں جس طرح انہوں نے مسلمانوں کی رہنمائی کی اور دینی افکار کو جن الفاظ میں انہوں نے پیش کیا۔ یہ الفاظ بھی ہندوستان کے بڑے بڑے مفکرین اور ادیبوں کو حاصل نہ ہو سکے۔ بڑے بڑے علمی اداروں سے کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ دارالمصنفین جلدوں پر جلدیں شائع کر سکتے ہیں۔ ہزار ہزار صفحہ کی کتاب میں جب تک قاری کو یہ نہ بتایا جائے کہ کتاب کا مقصد کیا ہے تو مطلب کی بات ہاتھ نہیں آتی۔ آخر مضمون کا مقصد کیا ہے۔ وہ کیا کہنا چاہتا

اور کس مقصد پر لانا چاہتا ہے۔ لیکن خوشی کی بات ہے کہ جو کتاب اس وقت قاری کے سامنے ہے وہ اپنے مفہوم اور مقصد اور افکار کو پوری طرح قاری پر واضح کرتی ہے۔ کوئی ایسی بات آپ کو نہ ملے گی جو الفاظ کی چاشنی میں پنہاں ہو گئی ہو۔ مولانا کے الفاظ کیا ہیں۔ یہ عشق کی تیغ جگر دار ہیں۔

ہم امید کرتا ہوں کہ قاری اس کتاب کی افادیت کو سامنے رکھتے ہوئے خوش ہو گا اور علمی طبقوں میں یہ احساس جاگ اٹھے گا کہ اس کتاب سے مسلمان ہی نہیں غیر مسلموں کو بھی بہت بڑا فائدہ پہنچے گا۔ غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی شکل و صورت جو بیان کی گئی اس میں تعصب اور جانبداری کو بہت بڑا دخل ہے۔ مولانا کے افکار میں کہیں بھی تعصب، جانب دار اور تشدد کا کوئی ذکر نہیں۔

قرآن مجید میں بلاغت کے ساتھ سادگی پائی جاتی ہے تاکہ ایک عام انسان کو بات سمجھ میں آجائے۔ یہ ہی قرآنی انداز مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا آپ اس کتاب میں پائیں گے۔ میں نے اپنی کتاب مضامین رئیس احرار میں پوری جانفشانی

اور محنت سے کام لیا ہے۔ دنیا میں زرد و بواہر کی وراثت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ لیکن جن لوگوں کے درنا علمی خزانوں کے مالک ہوں وہ ہی لوگ زندگی کے جہاد میں کامیاب و بامراد ہوتے ہیں۔ اور یہ خوشی کی بات ہے کہ رحمانی صاحب نے اس کتاب میں اپنے ہی خاندان کی علمی تحقیقات کو مرتب اور مدون کرنے کا ارادہ کیا۔ کسی خاندان کے خلف الرشید ہونے کی اس سے بڑی کیا سند ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے علمی اور فکری کارناموں کو دنیا کے سامنے پیش کرے۔ یہ ایک دینی ضرورت تھی جو خدا کے فضل و کرم سے پوری ہو گئی۔

بے شک مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی مولانا رحمانی کے والد تھے۔ لیکن وہ ایک دینی عالم اور سیاسی مفکر تھے۔ مولانا رحمانی نے اس دور کے ایک عظیم سیاست دان کی زندگی کے حالات کو مرتب کر کے علمی دنیا پر احسان فرمایا ہے۔ میں اپنے حرف تحمیں کو ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں جو الفاظ میرے خاندان کی تاریخی ناسندگی کرتے ہیں۔

لے اس کتاب میں مولانا رحمانی کا مضمون اپنے ۱۲ ہی خاندان پر ہے۔

حرف تحسین

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے مورث اعلیٰ جو ساتویں پشت میں تھے جن کا نام حفظ مولوی جان محمد صاحب تھا۔ ان کا ارشاد تھا کہ میں اور میری اولاد محمد بن قاسم کے ساتھ آنے والے ان لوگوں میں سے تھے جو ہمراہ راست عمر بن عبدالعزیز کے قریبی رشتہ دار تھے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت عمر بن عبداللہ کی اولاد میں سے تھے۔ میں اس نسبت فاروقی کے نام اس کتاب کا انتخاب کرتا ہوں اور اسی کے ساتھ مذکورہ افراد کے نام جن کی کوششوں کاوشوں اور مشوروں کے بعد یہ کتاب آپ کے سامنے پیش خدمت ہے۔

یہ بات بھی آپ کے سامنے آنی چاہئے کہ مولانا جان محمد صاحب نے ہمارے خاندان کی مسلسل روایت و حکایت کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام سے علم دین اور علم دنیا حاصل کیا تھا۔ وہ پیدائشی نابینا تھے، لیکن ان کے علم کا کوئی احاطہ نہ تھا۔ وہ اپنی اولاد کو بتاتے تھے کہ ان کو علم خضریٰ حاصل ہے۔ اس خاندان کا تیرہ پشتوں سے مسلسل علم دین چلا آرہا ہے اور اب اس چودھویں پشت میں بھی حافظ، قاری، محدث، مصنف، محرر، مقرر اور بہت سے لوگ علوم جدیدہ سے فیض یاب ہیں۔ ان علماء اور فضلاء کی تعداد ایک سو کے قریب ہے جو سارے ہندوستان اور پاکستان میں مختلف مقامات پر علم دین و دنیا سے دنیا والوں کو فیض یاب کر رہے ہیں۔ اس خاندان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مجاہدین ملک و ملت کا ایک ایسا خاندان ہے جس کی جدوجہد آزادی مسلسل قائم رہی ہے۔ اس سلسلہ میں قید و بند اور پھانسی تک کے تمام مصائب برداشت کئے۔

عزیز الرحمن جامی لدھیانوی ثم دہلوی
۵۲۹۶۔ کوچہ رحمن چاندنی چوک۔ دہلی
۶ اگست ۱۹۷۵ء

مقدمہ

جناب ہاشم قدوائی صاحب ریڈر شعبہ پولٹیکل سائنس علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

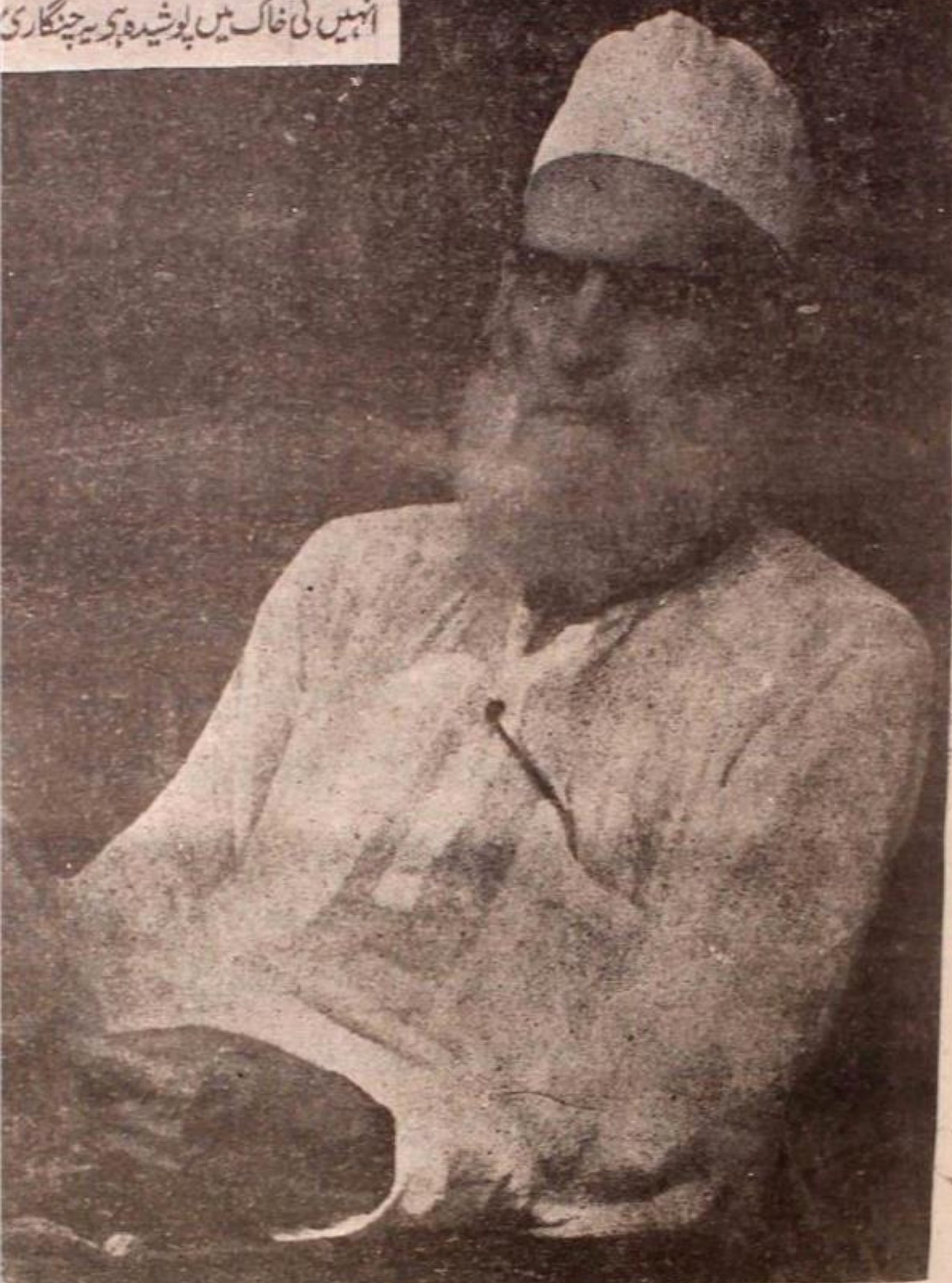
نقص بتنگ نظری اور جنبہ داری سے ہٹ کر اگر ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ لکھی جائے تو اس میں علمائے ربانین سر فرست ہوں گے۔ اس تاریخ کے نہ معلوم کتنے باب ان کے خون سے لکھے گئے ہیں۔ جب کبھی حوادث کی آندھی سے یہ خاک اڑتی ہے تو اندر سے ان شہدار کے خون کی گل کاری دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ کر دیتی ہیں۔ ان کے کارناموں کو کتنا ہی نظر انداز کرنے کی کوشش کی جائے لیکن ان پر عرصہ تک پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

ان کا تعلق کسی نہ کسی پنج سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے تھا اور ان نفوس قدسیہ میں صلابت دینی، علم اور اخلاق کے ساتھ ساتھ راہِ حق میں ایثار، فداکاری، فنایت، بے باکانہ حق گوئی، جابرانہ اور قاہرانہ اقتدار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے اعلیٰ مرتبہ پر اور راہ عزیمت میں مطلق ہراساں اور سراسیمہ نہ ہونا، پامردی اور استقامت کے جواہر ہائے بے بہا پائے جاتے تھے، استخلاصِ وطن اور اچھائے اسلام کی پہلی منظم تحریک میں حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم کی قیادت میں اور اس کے بعد ۱۸۵۷ء کے جہادِ حریت میں حضرت حاجی انداد اللہ، حضرت مولانا قاسم اور حضرت رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانوی کی سربراہی میں ان حضرات کا بہت ہی نمایاں اور بہت زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ رہا تھا۔

سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد اسلام کا ہندوستان میں باقی رہنا مشکل نظر آ رہا تھا لیکن ان ہی علمائے حق کی مردانہ وار کوششوں سے اسلام کا سرزمین ہند میں وجود قائم رہ سکا۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی
 زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
 انہیں کی خاک میں پوشیدہ یہ چنگاری



مہاتما گاندھی - مولانا آناد - پنڈت نہرو - ڈاکٹر اجندر پرشار - ڈاکٹر ذاکر حسین
 نے جن سے مشورے کئے اور رئیس الاحرار کے مشوروں کو قبول کیا - (ڈاکٹر تارا چند

محترم ڈاکٹر ذاکر حسین کو رنر بہار کا مکتوب گرامی

RAJ BHAWAN
PATNA

کتاب "ریس الاحرار"

۹ فر - ۶۲

مہینہ عزیز کا . . . اللہ کے

تین ہفتے کے ادب پر ہونے کا ادب کا کتاب "ریس الاحرار"

کی تھی . . . سب کا بڑا دور تو اس کا دور ہے . . .

بڑے کا قلم کے چھ ایک سفر ہیں آگیا . اب

نرم ہونے ہیں . . . ادب نے اپنے نئے دور میں ادب کی

کے ادب کی ہندو ایک ممتاز صوبہ اور حیات میں ایک

دسم صدی کی زندگی میں ایک قومی زندگی ہے اور ایک

سب سے بڑا جو چیزیں ادب کا اس میں ہیں

کوئی بڑا ہے تو ایک قومی لکھنے کو نہیں مدد ملے گی .

اس سب سے بڑا جمہوریت کا ادب ہے ایک نئے دور

اس کے دل کے غمگین ہیں . . . خدا کا ادب ہے اور ایک

اور ادب ہے ایک اور دور کا ادب ہے اور ایک

خیر طلب

راشٹری بھون - صدر جمہوریہ ہند

ان کی الہامی فراست نے اسلام، اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب کے دائمی بقا اور تحفظ کے لئے ملک کے طول و عرض میں آزاد عربی مدارس کا وہ نظام قائم کیا کہ جس کی نظیر دنیا کا کوئی دوسرا اسلامی ملک نہ پیش کر سکا۔ یہ تمام نثران حضرات کی عدیم المثال جانفشانی اور فقید المثال ایثار اور خلوص کا ثمرہ تھا۔ ان مدارس کا قیام مسلمان ہند کے لئے نعمت عظمیٰ ثابت ہوا اور ان ہی کی برکت سے ہندوستان میں اسلامی تہذیب اور شعائر اور ان کے آثار قائم رہ سکے اور ان میں سے بہت سے مدارس تحریک آزادی کی چھاؤنیاں بن گئے۔

۱۸۵۷ء کے جہاد حریت کی ناکامی کے بعد سید احمد خاں اور ان کے رفقاء نے ہندوستانی مسلمانوں کے بقا و تحفظ کے لئے انگریزی یا جدید مغربی تعلیم کے حصول کا پروگرام پیش کیا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر مسلمان انگریزی تعلیم سے بے بہرہ رہتے تو ان کا ہندوستان میں کوئی مستقبل نہ ہوتا اور ان کی زبانوں حالی و پس ماندگی کی کوئی حد و انتہا نہ رہتی۔ سید احمد خاں اس طبقے کے میر قافلہ تھے جو یہ کہتا تھا کہ مسلمان زمانے کی ہوا کے ساتھ چلیں اور انگریزی یا مغربی تہذیب و تمدن کو اختیار کر لیں تبھی ترقی کے راستے پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ مغربی تعلیم اور مغربی تہذیب کے پروگرام کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ حکومت وقت کے ساتھ غیر مشروط اور غیر متزلزل وفاداری سید احمد خاں کی تحریک کا خاص مقصد قرار پایا حتیٰ کہ مذہبی عقائد اور قرآن مجید کی تفسیر تک تجدّد اور فرنگیت سے نہ بچ سکی۔ انگریزوں نے اس تحریک کی پوری حوصلہ افزائی کی اور اس وجہ سے اس ملک کے لوگوں میں انگریزوں کی طرف سے ایک خاص قسم کا انس پیدا ہو گیا۔ خود سید احمد خاں کا یہ خیال تھا کہ وہ انگریز یا انگریزی حکومت کی مخالفت میں ادنیٰ بات تک سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس زمانے میں آئی، سی، ایس کا امتحان انگلستان میں ہوا کرتا تھا۔ جب کانگریس نے اپنے ابتدائی اجلاسوں میں اس کا مطالبہ کیا کہ یہ امتحان ہندوستان میں بھی منعقد ہوا کریں تو سید احمد خاں نے اس کی تائید کرنے سے انکار کیا۔ سٹراے۔ او ہیو م کے الفاظ میں وہ کانگریس کے موضوع

پر گفتگو کرتے وقت عقل سے عاری ہو جاتے تھے۔ ۱۸۸۸ء سے کانگریس کی مخالفت میں وہ اتنا آگے بڑھ گئے کہ وہ سرے سے ہندوستانی قوم پرستی کے وجود کے منکر ہو گئے۔ ان خیالات میں مسٹر بیک علی گڑھ کالج کے انگریز پرنسپل کے اثر کا بہت دخل تھا۔ چنانچہ مسٹر بدر الدین طیب جی کانگریس کے پہلے مسلمان صدر کے خط کے جواب میں ۲۴ جنوری ۱۸۸۸ء کو یہ رائے ظاہر کی کہ ”میں نیشنل کانگریس کے معنی نہیں سمجھ سکا، کیا یہ فرض کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں رہنے والی مختلف ذاتیں اور مختلف مسلکوں پر چلنے والے ایک قوم سے تعلق رکھتے ہیں یا کبھی ایک قوم ہو سکتے ہیں اور کیا ان کے مقاصد اور خیالات یکساں ہو سکتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ قطعاً ناممکن ہے اور جب یہ ناممکن ہے تو میرے خیال میں نیشنل کانگریس کی کوئی انجمن نہیں ہو سکتی۔ مجھے کانگریس کی ہر قسم اور ہر شکل پر سخت اعتراض ہے جو ہندوستان کو ایک قوم سمجھتی ہے۔ اس لئے کہ اس کی بنیاد غلط اصول پر ہے، یعنی یہ سارے ہندوستان کو ایک قوم سمجھتی ہے۔ آپ کو غالباً میرے یہ خیالات ناپسند ہوں اس لئے مجھے امید ہے اس قدر زیادہ لکھنے پر معاف کریں گے“ (بدر الدین طیب جی مصنفہ اے جی نورانی صفحات ۷۶-۷۵ ترجمہ از انگریزی)

جس وقت انگریزی طرز معاشرت اور تمدن کو اختیار کر لینے کی صدا میں بلند کی جا رہی تھیں اور اسے ملت اسلامیہ کی عین ہی خواہی کہا جا رہا تھا، ان علمائے اس کی مخالفت کی اور اس کے جواب میں ہر قسم کے طعنے سہے اور اپنے موقف سے ایک قدم نہ ہٹے۔ جہاں تک مغربیت کی مضرتوں کا تعلق تھا موجودہ زمانہ میں سرسید یا علی گڑھ تحریک کے سب سے بڑے شیدائی اور حامی پروفیسر رشید احمد صدیقی کا کہنا ہے کہ جہاں تک مغربیت سے احتیاط برتنے کا تعلق تھا سرسید اور امیر علی دونوں سے یہ طبقہ (مولویوں کا) زیادہ صاحب نظر نکلا۔

یہ صاحب نظر اور دور دور میں طبقہ ۱۹۴۷ء تک برابر استخلاص وطن کی تحریک میں

نصرۃ الابرار کی تشریح

رہیں الاحرار در حدیث دیگران میں دیکھئے۔ جو دسمبر ۱۹۷۵ء میں طبع ہو جائے گی۔ عزیز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آج کے تقریباً اٹھاون سال پہلے کے اکابر علمائے ہندوستان و بلوچ
و مدینہ منورہ اور صوفیائے عظام و مشائخ کرام کا فتویٰ

بابت جواز شرکت انڈین نیشنل کانگریس

اور عدم شرکت بہر صوت سرسید احمد خاں خپری علی گڑھی

موسس و باسند خلاصہ فتاویٰ

نصرۃ الابرار

جسکو

حضرت مولانا الشاہ عبدالعزیز صاحب لدھیانوی نے

جمعہ کے بعد تقریر میں ارشاد فرمایا۔ اور بیہقی وقت حضرت مولانا

محمد صاحب لدھیانوی نے تحریر فرمایا اور مدلل مبرہن کیا

ناچیز حافظ مشتاق احمد لدھیانوی

نوٹ۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے معافی نامہ اور حضرت کے بعد کانگریس کے فتویٰ کی تصدیق کرنا

مولانا رشید احمد کا فتویٰ ہے۔ تو یہ فتویٰ ضرور مولانا رشید احمد نے دیا ہے۔ (مرتب عزیز)

طبع اول لاہور پریس بیرون بھائی دروازہ لاہور ۱۸۸۶ء

طبع دوم جنڈ والیکٹرک پریس ۲۵ دسمبر ۱۹۳۵ء کو لدھیانہ سے شائع کی گئی

معذرت نامہ علماء بطور اختصار تحریر ہوتا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصیباً۔ بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ۔
 لدھیانہ سے ایک استفتاء اس مضمون کا آیا تھا کہ جو شخص ہنود کی اعانت
 اور مسلمانوں کو ضرر دیوے وہ کیسا ہے۔ بندہ نے جواب لکھا تھا کہ وہ
 فاسق ہے۔ یہ خلاصہ سوال و جواب کا ہے۔ اب وہ فتویٰ بندہ کا طبع ہوا
 اور اس کے اول تین صفحہ لکھے دیکھے جس سے معلوم ہوا کہ وہ سوال مولوی
 عبدالعزیز صاحب لدھیانوی کی نسبت ہے۔ اور وہ وجوہ اعانتہ و اضرار
 اس میں مصرح لکھے ہیں۔ لہذا بندہ راست راست کہہ کر مسلمانوں کو مطلع
 کرتا ہے اور اپنا ذمہ بری کرتا ہے کہ مولوی عبدالعزیز صاحب ہرگز ہرگز
 مصداق اس فتوے کے نہیں ہیں۔ اور جو امور ان کی طرف اس تحریر میں
 منسوب ہیں ان کی وجہ سے بندہ ہرگز ان کو محل اس جواب و فتویٰ کا نہیں
 جانتا۔ اگر سائل اس تفصیل کو درج سوال کرتا تو بندہ ہرگز یہ جواب لکھتا
 جو کچھ اس تحریر میں درج ہے اس کی تاویل صحیح ہے۔ اگر واقعی ان سے یہ امور
 ایسے ہی سرزد ہوئے ہیں اور اس عبارت میں جو گستاخ کلام نسبت
 مولوی صاحب کے ہے وہ سخت نازیبا ہے۔ بندہ کے نزدیک علماء کے
 شان میں ایسے کلام موجب ہتک اسلام و علم ہے۔ پس جو صاحب اس
 بندہ کو صادق جانتے ہیں اور جو بندہ کی تحریر کی وجہ سے مولوی عبدالعزیز صاحب

زبان اردو کے مضیبان کی خدمت میں

ہندوستان کے اردو داں علماء اور دانشور گزشتہ ۲۷ سال سے ہندی رسم الخط اور ہندی
 کے خلاف فتویٰ دے رہے ہیں۔ یہ پالیسی تھی علماء ہند کی جنہوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد فارسی
 اردو عربی زبان کو مٹا ہوا دیکھ کر انگریزوں اور انگریزی کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔ سرسید کے
 گھرانے والے آج انہیں علماء کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ لیکن ہائے مجاہد وطن اور علمائے دین سے

تن من دھن سے انتہائی پامردی اور استقامت سے شریک رہا اور بالآخر اس کی مساعی جلیلہ
 بار آور ہوئیں اور ملک دنیا کی سب سے بڑی سامراجی طاقت کی غلامی سے آزاد ہوا یہ دوسری
 بات ہے کہ آزادی کی بہت بڑی قیمت دینا پڑی اور جب اس کی (آزادی) صبح کا آفتاب
 طلوع ہوا تو وہ اتنا زیادہ دھندلا تھا کہ اس میں ان ایثار پیشہ اور خدا کا رسیہ سالاروں
 اور صف شکن جنرلوں کو پہچاننا مشکل تھا۔ آزادی کے حصول کے ساتھ اور اس سے پہلے
 جو دردناک اور المناک واقعات پیش آئے اور جس زبردست المیہ سے اس برصغیر کو دوچار
 ہونا پڑا۔ اس پر انسانیت کو شرم آنے لگی۔ اس افسوسناک صورت حال کی ذمے داری
 بے تدبیر مسلم لیگی قیادت پر تھی جو ذہنی اعتبار سے سید احمد خاں کی جانشین تھی اور احیائے
 ہندویت کے علم بردار کانگریس کی دائیں بازو کی قیادت پر تھی جو حکومت کی کرسیوں پر بیٹھنے
 کے لئے بے تاب اور مضطرب تھی اور جس کے سب سے بڑے لیڈر سردار دلہہ بھائی پٹیل، بقول
 مسٹر وی، پی مین سکریٹری وزارت ہائے ہند "دسمبر ۱۹۴۶ء یا شروع ۱۹۴۷ء میں
 تقسیم ہند کی تجویز منظور کر چکے تھے۔ علمدار کے اس صاحب نظر طبقے کو اس کا پورا اندازہ تھا کہ
 مسلم لیگ کا دو قومی نظریہ مسلمانوں کے لئے کس درجہ تباہ کن ہو گا اور تقسیم کا سودا ان کو کتنا
 زیادہ مہنگا پڑے گا، لیکن براہِ وجد باتیت، خوش خیالی کا کہ ان حضرات کی ان مستحکم
 مسکت اور لا جواب کر دینے والی دیلوں کو نہ سنا گیا بلکہ ان حضرات پر ہر قسم کا سب و شتم
 روار کھا گیا۔ ہندو پرستی اور ملت فروشی اور غداری کے خطابات سے نوازا گیا۔ ان پر حملے کئے
 گئے، ان کے جلسوں کو منتشر کیا گیا۔ حکومت کی پوری مشینری ہر طرح سے اس گروہ کی مخالف
 رہی۔ لیکن اس کی استقامت میں کوئی فرق نہ آیا اور بڑی بے جگری اور پامردی سے اس نے
 تقسیم ہند کی مضرتوں کی نشان دہی کی اور اس کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف درست ثابت
 ہوئی۔ اس سے اس گروہ کی سیاسی فراست کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن ان حقائق کے باوجود
 بعض حلقوں میں مسلمانوں کی سیاسی امامت کی دستار ان پر باندھی جاتی ہے جو برطانوی

حکومت کے غیر مشروط اور غیر متزلزل وفاداری کے علم بردار تھے اور جن کے نزدیک سب سے بڑی فرزانگی اور دانش مندی یہ تھی کہ زمانہ کی ہوا کے مطابق چلا جائے اور سیاسی فراست سے انھیں متصف کیا جاتا ہے کہ جنھیں تقسیم کے وقت چار ساڑھے چار کروڑ مسلمانوں کو قربان کر دینے میں کوئی باک نہ ہوا۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی علیہ الرحمۃ اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی تھے۔ ان کا تعلق ایسے خاندان سے تھا جو تقویٰ، علم دین، مجاہدانہ کارناموں اور سیاسی فراست کے لئے ممتاز تھا۔ آپ کے پیردادا حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانوی نے ۱۸۵۷ء کے جہاد حریت میں مسجد فتحپوری، چاندنی چوک دہلی میں انگریزوں کے خلاف کمانداری کی تھی اور ہندوستانیوں کی ہزیمت کے بعد ریاست پٹیالہ کے ایک گاؤں ستلانہ میں ۱۸۶۱ء تک مقیم رہے۔ وہاں قیام کے دوران آپ نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ حکومت کی طرف سے عام محافی کے اعلان کے بعد آپ اپنے متعلقین کے ہمراہ وطن مالوہ لدھیانہ روانہ ہوئے لیکن راستہ میں آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کے تینوں جلیل القدر صاحبزادگان یعنی حضرت مولانا محمد، حضرت مولانا عبدالعزیز اور حضرت مولانا عبداللہ لدھیانہ تشریف لائے اور علم دین اور فیوض روحانی سے لوگوں کو فیض یاب کرنا شروع کیا۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے سید احمد خاں نے ۱۸۸۸ء سے کانگریس کی مخالفت شروع کی اور انھوں نے مسلمانوں کو کانگریس میں شامل ہونے سے روکا۔ ان کے نزدیک سیاسی طور سے مسلمانوں کا کسی ایسی جماعت میں شامل ہونا جو انگریزوں سے حقوق اور اقتدار کا مطالبہ کرے اپنے موت کے وارنٹ پر دستخط کرنا تھا۔ ان کے نزدیک ہندوستانی قوم کا کوئی وجود نہ تھا۔ اس لئے انڈین نیشنل کانگریس کے قیام کا کوئی جواز نہ تھا۔ ان کے نزدیک گورنمنٹ اس زمانہ کی قانون بنانے والی کونسلوں میں صرف رئیس اور معزز لوگوں کو بلاتی تھی کیونکہ ملک

سے بدعتیہ ہوئے ہیں ان کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ ہرگز مصداق اس فتوے
بندہ کے نہیں ان سے معذرت کرنا اور معافی چاہنا اور اتحاد و محبت کرنا
لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ ولی التوفیق۔ کتبہ الراجی رحمۃ ربہ
رشید احمد گنگوہی عفی اللہ تعالیٰ عنہ [رحمۃ اللہ علیہ] تحریر جناب مولانا
مولوی رشید احمد صاحب کی درست ہے احمد علی عفی عنہ۔ جو تحریر جناب مولانا
مولوی رشید احمد صاحب نے فرمائی ہے درست ہے پیر محمد عفی عنہ [مہر] تحریر
مولانا صاحب درست ہے عنایت الہی عفی عنہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
تحریر مولوی صاحب ممدوح کی درست ہے ثابت علی عفی عنہ مدرس مظاہر علوم
سہارنپور۔ الحق باقال مولانا رشید احمد۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب۔
تحریر مولانا صاحب راست و درست ہے بندہ کے نزدیک مولوی عبد العزیز صاحب
و دیگر حضرات لدھیانوی ہرگز مخرب اسلام نہیں بلکہ معاون اسلام ہیں
مولانا محمد حسن عفی عنہ دیوبندی۔ انا ایضاً احمق۔ بندہ عبد اللہ خان۔ جو کچھ
حضرت مرشدنا مولانا رشید احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے وہ راست اور
بے کم و کاست ہے جناب مولوی عبد العزیز صاحب ہرگز اس قابل نہیں کہ
جیسے ان کی نسبت طبع ہول ہے بندہ و احمد عفی عنہ۔ یہ تحریر مولوی رشید احمد صاحب
کی درست ہے اور میں مولوی عبد العزیز صاحب و مولوی محمد و مولوی عبد اللہ
صاحبان کو بخوبی جانتا ہوں نہایت متقی اور ذی علم ہیں ان سے بہتر عالم
ملک پنجاب میں نہیں ہیں جو ایسے عالموں کو ناحق تہمت لگاوے اور جھوٹی
تحریر ان کی نسبت طبع کراوے وہ اس وغیرہ کا محل ہے والذین

دشمنی۔ علماء دین کی پالیسی کا اقرار کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ عزیز الرحمن جاسمی لدھیانوی ۲ نومبر ۱۹۵۷ء
آج بھی وطن پر قربان ہونے والوں کو بھرے جلسوں میں گالیاں دی جاتی ہیں۔
ہندی اور ہندی والوں سے ٹکر لے کر پھانسی لگو تو جانیں۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حق کرشمہ ساز کے
غیر کی زبان سے یہ دوستی — اور۔ اپنی مکی زبان کے خلاف یہ فتوے

[illegible]

لنما تبتعدوا عما في الية ليجزى لكم الزكوة نعم من اسيركم هذه

HISTORY OF

THE FREEDOM MOVEMENT

IN INDIA, رابہ لہذا لیسٹ رجسٹر

موت [ج] اندر فاعل مجرب جتس، جس لہر فی بے لہو ایستہ ہا

جزء الثالث من كتابه **VOLUME THREE** جلد سوم

مجلس الفیاض من غزل الحیات بآداب و شجرت، رکی غنیمت به لفظ و معنی و بیرون

بکون کیم لایمت سرخینیا نی. مالیش لایا من الی قیاس چنی بد

تاریخ عالمی کے نام سے TARA CHAND

[Handwritten note:]

[illegible]

والمطرب بالانچه خبر یکی لغو پاشی ز نامه نامشروع

[illegible][illegible]

کتابخانه عمومی مسجد جامع کاشان

[Decorative initial letter]

PUBLICATIONS DIVISION

MINISTRY OF INFORMATION AND BROADCASTING
GOVERNMENT OF INDIA

٦٩ في هذا الموضع - بين يديها كتابا في اللغة الانجليزية

یہ لکھنا کہ یہ مسیح ہے یا نہ وہ نیکو شخص ہے

بارہ دیکھ شیریں فغان بلبلان سے ہلالی احمد آفسر سیکرٹری تعلیمی سبھاچی مرکز

۱- یتیمیت و یتیمخانه

— ایک لکھنؤ کے رہنے والے ہیں —

کے رئیس اسے پسند نہیں کرتے تھے کہ ادنیٰ قوم یا ادنیٰ درجہ کے آدمی خواہ وہ کتنے تعلیم یافتہ لائق ہوں حکومت کریں اور گورنمنٹ مجبور ہے کہ وہ ان کونسلوں میں کامبر صرف معزز لوگوں کو بنائے، انہیں اندیشہ تھا چونکہ مسلمان تعداد میں کم ہیں اور تعلیمی اعتبار سے پس ماندہ اس لئے اگر ہندوستان میں نمائندہ حکومت کسی بھی قسم کی قائم ہوئی تو اس میں مسلمانوں کا نقصان ہوگا، بقول سر رضا علی جوہر سید اسکول کے خاص آدمی تھے اور جوہر سید کے جانشین اول محسن الملک کے پرائیویٹ سکریٹری تھے سر سید اور مسٹر بیکن نے مسلمانوں کو آنکھیں بند کر کے برٹش گورنمنٹ پر بھروسہ کرنے کا سبق پڑھایا۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے دادا حضرت مولانا محمد اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا عبدالعزیز نے اپنی مومنانہ فراست اور سیاسی باخ نظرئی کے ماتحت اس کانگریس دشمن پالیسی کی مخالفت کی اور مسلمانوں کی کانگریس میں شرکت کے حوالہ میں "نفرت الابرار" کے نام سے دسمبر ۱۸۸۸ء میں ایک فتویٰ شائع کیا۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن اپنے اسلاف کرام کی جملہ امتیازی خصوصیتوں کے حامل تھے۔ عظیم تحریک خلافت سے لے کر حصول آزادی تک وہ انتہائی پامردی اور استقامت سے جہاد حریت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ آپ کا شمار ہندوستان کے جلیل القدر رہنماؤں میں تھا۔ آپ نے تیرہ سال چھ ماہ کی عمر جیلوں میں گزاری اور آپ نے اپنی صحت جیسی بیش بہا متاع کو ملک و قوم کی بھینٹ چڑھایا اور جملہ مصائب بخندہ پیشانی برداشت کئے۔ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ان کا بہت ہی اہم کردار رہا۔ تقریباً ۴۰ سال تک وہ اس میدان کے شہسوار رہے۔ وہ سیاست اور اس کی باریکیوں کو خوب سمجھتے تھے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ وہ بحر سیاست کے شناسا اور تھے اور معاملہ فہمی میں اپنی مثال آپ تھے، بقول شورش کاشمیری وہ اسلام کے واضح تصور کا صحیح فکری منظر تھے وہ جدید اور قدیم تصورات کے مجمع البحرین تھے۔

ان کی سیاسی فراست اور تدبیر کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ برطانیہ کے
 نزدیک ترین مدبر سر اسٹیفورڈ کرپس جن کا ہندوستان کی آزادی کے مذاکرات کے سلسلہ
 میں بڑا نمایاں حصہ رہا تھا حضرت مولانا کی گفتگو سے بہت متاثر ہوئے اور انھیں ہندوستان
 کے سربراہ اور وہ سیاست دانوں میں شمار کیا۔

وہ ساری عمر فرقہ پرستی اور تعصب کے خلاف سرگرم عمل رہے۔ انھوں نے نہ تو مسلم
 فرقہ پرستوں کو بخشا اور نہ ہندو فرقہ پرستوں اور نہ ان تنگ نظر ہندو کانگریسیوں کو، جو
 کانگریسیت کے لباوے میں کھڑے تھے کہ ہندو فرقہ پرست تھے۔ جس وقت مسلمانوں کی
 اکثریت جذباتیت کا شکار ہو رہی تھی اور پاکستان کی تحریک کا غلغلہ بلند تھا حضرت مولانا
 ان چوٹی کے مسلم قوم پرور علماء اور رہنماؤں میں تھے جنھوں نے پوری قوت کے ساتھ اس
 تحریک کی مخالفت کی اور یہ بتایا کہ اس سے مسلمانوں کو کس درجہ ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا
 اور اس سے انگریز کو کس درجہ فائدہ ہوگا اور اس کی ڈپلومیسی کتنی زیادہ کامیاب ہوگی،
 لیکن افسوس ہے کہ دوسرے قوم پرور مسلم رہنماؤں کی طرح حضرت مولانا کی ان باتوں پر
 کان نہ دھرا گیا اور پھر وہ سب کچھ دیکھنے میں آیا جس پر آج تک انسانیت ماتم کناں ہے۔
 ہندوستانی سیاست کا یہ کٹنا بڑا المیہ ہے کہ قوم پرور مسلمانوں کی بات نہ مسلم فرقہ
 پرستوں نے سنی نہ کانگریس نے۔ خلافت کی تحریک کے کمزور پڑنے کے بعد سے ۱۹۴۶ء تک
 قوم پرور مسلمانوں نے جمعیۃ علماء، مجلس احرار، مسلم یونیورسٹی بورڈ، الہ آباد اتحاد کانفرنس
 ۱۹۲۷ء کی مسلم زعماء کی کانفرنس، آزاد مسلم کانفرنس اور آل انڈیا مسلم مجلس کے پلیٹ
 فارموں سے ہندو مسلم مفاہمت کی تجویزیں پیش کیں، حضرت مولانا لدھیانوی ان ساری
 کوششوں میں پیش رہے، لیکن براہو ہندو تنگ نظری کا کہ ان تجویزوں کو قابل اعتنا نہ سمجھا گیا
 اور بالآخر اس کا المناک نتیجہ تقسیم ہند میں نکلا۔ کاروان آزادی کے اس بوڑھے اور شیر دل
 اور صف شکن جنرل کو یہ دن بھی دیکھنا پڑا کہ گھر بار لٹا، وطن مالوف چھٹا اور یہ سب اس

VIII. AHRARS

In 1857 the leading family of the Ulama of Ludhiana threw in their lot with the revolutionaries. At Bahadur Shah's command they marched to Delhi fighting their way through British forces. Abdul Qadir, the head of the family and his sons showed indomitable courage during the operations of the siege. When Delhi fell they retired to the jungles of Patiala and evaded all attempts of the government to arrest them. On the proclamation of general amnesty they decided to return to Ludhiana. Abdul Qadir died on the way, but his family was warmly welcomed by the people.

The sons resumed their ancestral profession of religious teaching. In 1885 when the Indian National Congress met they welcomed its formation. When two years later Sir Syed Ahmad Khan announced his opposition and advised the Muslims to abstain from participating in it, and then founded the Patriotic Association, Shah Muhammad son of Abdul Qadir issued a *fatwa* condemning the attitude of Sir Syed and declaring cooperation with the Hindus for political purposes lawful and desirable. The *fatwa* was signed by nearly one thousand Maulavis from all parts of India. It was printed under the title of *Nusrat-al-Abrar* (Victory of the Good) and distributed in the meeting of the Congress at Allahabad in December, 1888.

Ludhiana became a well-known centre of the liberal nationalist movement. In 1896 a weekly paper was issued which was succeeded by an English daily, the *Observer*. Its independent views attracted the wrath of Government and it ceased publication in 1919.

The Balkan Wars of 1912 followed by the World War in 1914 shocked the Muslims of India who were greatly worried about the future of the Caliphate. In 1919 their worst fears were aroused, for the Allies had occupied the Holy places in Arabia and Mesopotamia.

The Ulama of Ludhiana were greatly agitated and when Gandhiji offered to start the movement of non-cooperation for the rectification of the Khilafat wrong and the restitution of the Holy lands, Habibur Rahman, the grandson of Shah Muhammad, a youngman of twenty-seven years of age, joined the Congress. He never looked back. Till his death in Delhi in 1956 he remained true to his troth. He was a man of amazing courage and endurance. His devotion to principles was

283 such as martyrs might envy. He never deviated from his beliefs and stood by them firm as a rock. Even loyalty to the Congress, unswerving faith in the leadership of Gandhiji and deep attachment to Jawaharlal Nehru could not deter him from differing from them, speaking to them frankly and warning them of the evil consequences of what he considered to be wrong decisions.

بڑوں کی باتیں

(اندراجی) ————— !

مولانا آزاد، پنڈت نہرو، ڈاکٹر اجندر پرشاد، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کو جب کبھی بھی میں نے خطوط لکھے تو ان بزرگوں نے ہمیشہ حوصلہ افزا جواب دیا باقی صفحہ پر دیکھئے

In 1929, on the advice of Abul Kalam Azad, he founded the association, *Majlis-e-Ahrar* (The Society of Freeman). Its aims and objects were :

- (1) The complete independence of India ;
- (2) In independent India freedom of religion, culture, civilization and education for all ;
- (3) The autonomy of provinces with full authority in internal affairs, and the fixation of the powers of the central government by the agreement of the provinces ;
- (4) The Central Government to be the federation of provincial states :
 - (a) The Central Legislature to be constituted on the basis of equality of Hindus and Muslim representatives with 10 per cent seats for other communities ;
 - (b) The bills affecting Muslim religion or culture to be withdrawn if two-thirds of Muslim members objected ;
 - (c) A Supreme Court to be established with equal number of Hindu and Muslim judges ;
 - (d) A department of Muslim charitable trusts to be set up ;
 - (e) The army to be recruited from both communities ;
 - (f) Central financial assistance to be given to backward provinces ;
 - (g) All weightage on any ground in legislatures and services to be ended ;
 - (h) Non-interference of government in the culture, language, religion, education, places of worship, of all religious communities ;
 - (i) No interference with the personal law of the Muslims ;
 - (j) The appointment of Muslim judges for trying cases which involved religious laws ;
- (5) Unyielding opposition to the establishment of Pakistan.

The sacrifices which the Ahrars made, and the sufferings which they cheerfully bore in the cause of Indian independence constitute a shining chapter of Indian history.

A review of Muslim thought makes it abundantly clear that the strongest urge behind their thinking was the desire to preserve at any cost the identity of the community, its basic culture and religion. All schools of thought were agreed upon this. But there were profound differences between those who believed that their object could be achieved

284

within a united free India through the agreement of the Hindus and Muslims. This group led by the Jamiatul Ulama carried the community with them and enjoyed the trust of the majority till 1936. Then by a sudden swoop the Muslim League forged ahead, seized the lead and within less than a decade achieved its aim. The idea of Pakistan which it had put forward in 1940 hesitatingly, and more in a bargaining spirit than as a serious demand, became a reality in 1947. How it happened will be explained in a subsequent chapter.

لیکن حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں اور شدید قسم کے احساس کمتری میں مبتلا دانشوروں نے میرے خطوط پر سکوت اختیار کیا۔ پندرہ اگست کی تاریخی تقریر میں ہندوستان کی جمہوری رہنما نے کسی اور کے نہیں اپنے ہی احکامات کے بارے میں مذکورہ بات صاف کر دی۔
عزیز الرحمن جامی لدھیانوی - ۳ نومبر ۱۹۷۵ء

وقت ہوا جب پرانے کانگریسی لیڈر جو نان کو آپریشن تحریک کے زمانے سے حضرت مولانا کے رفیق کار رہے تھے مشرقی پنجاب کے وزیر اعظم تھے بالآخر براستہ پاکستان آکر دسمبر ۱۹۴۷ء حضرت مولانا دہلی پہنچے اور اس کے بعد پونے نو سال آپ دہلی میں مقیم رہے۔ لیکن نہ تو کوئی چند بھارگو اور نہ بھیم سین سچرنے کبھی حضرت مولانا کی خدمت میں اس کی پیش کش کی کہ وہ لڑھیانہ واپس آئیں، ایسا کیوں ہوا؟ بظاہر اس کا کوئی جواب نہیں۔

جس آزاد ہند کا خواب اس شیر دل رہنما نے دیکھا جو بے خونی اور جرأت کا مجموعہ اور جس کی ساری زندگی علامہ اقبال کے اس شعر

آئین جواں مرداں بیباکی و حق گوئی

اللہ کے شیر دل کو آتی نہیں رو باہی

کی تفسیر تھی، وہ کتنا مختلف نکلا اور برطانوی شاطرانہ ڈپلومیسی کا میاب ہوئی اور زندگی، بہیمیت، بربریت کی مہینوں دونوں ملکوں میں حکومت رہی لیکن مولانا مرحوم مومن نکال کی طرح حالات سے مایوس نہ ہوئے۔ ان کی ایمان افزہ اور حوصلہ بڑھانے والی تقریروں نے ۴۷، ۴۸، ۴۹ کے ہر سال اور خائف مسلمانوں کے دلوں سے خوف و ہراس کے جذبات کو دور کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کو یاد دلایا کہ وہ انسانیت کے سب سے بڑے محسن اور دنیا کے ہادی اعظم کی مظلومانہ ٹکی زندگی کے اسوہ حسنی کو اپنے سامنے رکھیں۔ صبر و استقامت سے کام لیں اور اس ذات مطلق پر اعتماد رکھیں جو سب سے بڑا مہاراشہ۔ راقم الحروف کو حضرت مولانا کی کانفرنس مسلمانان ہند طلبیدہ مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ منفقہ دسمبر ۱۹۴۷ء مقام لکھنؤ آج تک یاد ہے۔ اس تقریر نے سننے والوں کے ایمان کو تازہ کیا اور ان میں یہ حوصلہ پیدا کیا کہ وہ ہر سال نہ ہوں اور اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر رہیں۔ اسی طرح سے ۳۹ء یا ۳۵ء میں مسلم یونیورسٹی کے جلسہ سیرت میں ان کا یہ جملہ گفتا زیادہ معنی خیز تھا اور اس میں ہندوستانی اور پاکستانی مسلمانوں کے لئے کتنا بڑا عملی

سبق تھا کہ نہ تو ہندوستانی مسلمان حضور اکرم کی لگی زندگی پر چل سکے اور نہ پاکستانی
 مدنی زندگی پر عمل پیرا ہو سکے۔ انھوں نے جملہ ہندوستانیوں کو ہمیشہ اس کی تلقین کی کہ
 وہ فرقہ پرستی کو ترک کریں، اپنے مذہب کی صحیح تعلیمات پر گامزن ہوں۔ سچے ہندو اور
 مسلمان اور سکھ کی طرح سچے ہندوستانی بنیں، یہی صحیح جمہوریت ہے اور یہی صحیح عافیت
 کا راستہ ہے۔ انھوں نے اس پر زور دیا کہ دونوں ملکوں کے مفاد کا تقاضہ ہے کہ وہ آپس
 میں خوش گو اور تعلقات اچھے پڑوسیوں کی طرح رکھیں اور اپنی اقلیتوں کے ساتھ انصاف
 کریں۔ آج دونوں ملکوں کے سامنے یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے اس سے بھی مولانا مرحوم کے تدبیر
 اور سیاسی بالغ النظری کا پتہ چلتا ہے۔

رئیس الاحرار در حدیث دیگران ان مکتوبات کا مجموعہ ہے جو فقید الاحرار بطل حریت
 اور کاروان آزادی کے صنف شکن سپہ سالار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے نام
 علماء قومی رہنماؤں، وزیروں اور سیاست دانوں غرض کہ تقریباً ہر گروہ اور ہر مکتبہ خیال
 کے افراد نے لکھے ہیں۔ قومی رہنماؤں کے خطوط کے مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح
 عیاں ہوتی ہے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی علیہ الرحمۃ کس قدر اور شخصیت کے مالک تھے
 اور ان کا قومی سیاست میں کتنا بڑا مقام تھا اور ان کی تابناک زندگی عہد آفریں زندگی تھی اور
 ان کو ہندوستانی رہنما کتنے احترام سے دیکھتے تھے اور ان کی رائے کو کتنی زیادہ وقعت دی جاتی
 تھی۔ ان کی سیاسی بصیرت اور دور بینی کے لوگ کتنے زیادہ قائل تھے اور ان کے انتقال
 سے ہندوستانی سیاست اور خاص کر مسلمانوں کی سیاست میں کتنا بڑا خلا واقع ہوا ہے۔
 لغزتی خطوط سے حضرت مولانا کے حالات زندگی کے سارے پہلو واضح ہوتے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمۃ
 کی شان دار خدمات اور عظیم کارناموں کا احاطہ کرنا آسان نہیں۔ اب ان کی سی جامع کمالات
 شخصیتیں کہاں پیدا ہوں گی۔ ۶۷ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے۔
 کاش ہم سب اور سارے ملک والے حضرت مرحوم کے نقش قدم پر چلیں۔ قدوائی

۱ فروری ۱۹۴۱

مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کا شمار

ہمارے نامی سماجی اور سیاسی کارکنوں میں ہوتا ہے۔ اسی

سلسلے میں کئی موقوفوں پر میری جانب سے مذاقات بھی ہوئی۔ مجھے

بہت خوشی تھی کہ ان کے فرزند مولانا طہرین الرحمن نے اپنے

والد محترم کی سوانحی لکھی ہے جو اس وقت زیر طبع ہے۔

مجھے امید ہے کہ مولانا صاحب کی زندگی کے منسل حالات عام

پبلک کیلئے سبق آموز ہونگے اور اس کتاب کو مقبولیت

ملے گی۔

راجندر پرشاد

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی سے بڑا بہت برسوں سے واقف ہوں جدوجہد آزادی

کے دوران ہم ایک دوسرے کے بہت قریب رہے اور اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ہماری ملاقاتیں
ہوتی رہیں۔

مولانا موصوف جس عقیدہ میں یقین رکھتے تھے اور جس جرأت اور اپنی استقامت کے ساتھ

وہ اہم قائم ہے اس کے سبب میں ہمیشہ ان کا مداح رہا اور ان کا احترام کرتا رہا۔ آزادی سے

قبل اور اس کے بعد بھی انہوں نے بہت سی تکالیف اٹھائیں حتیٰ کہ آزادی کے فوراً بعد ہی کٹا

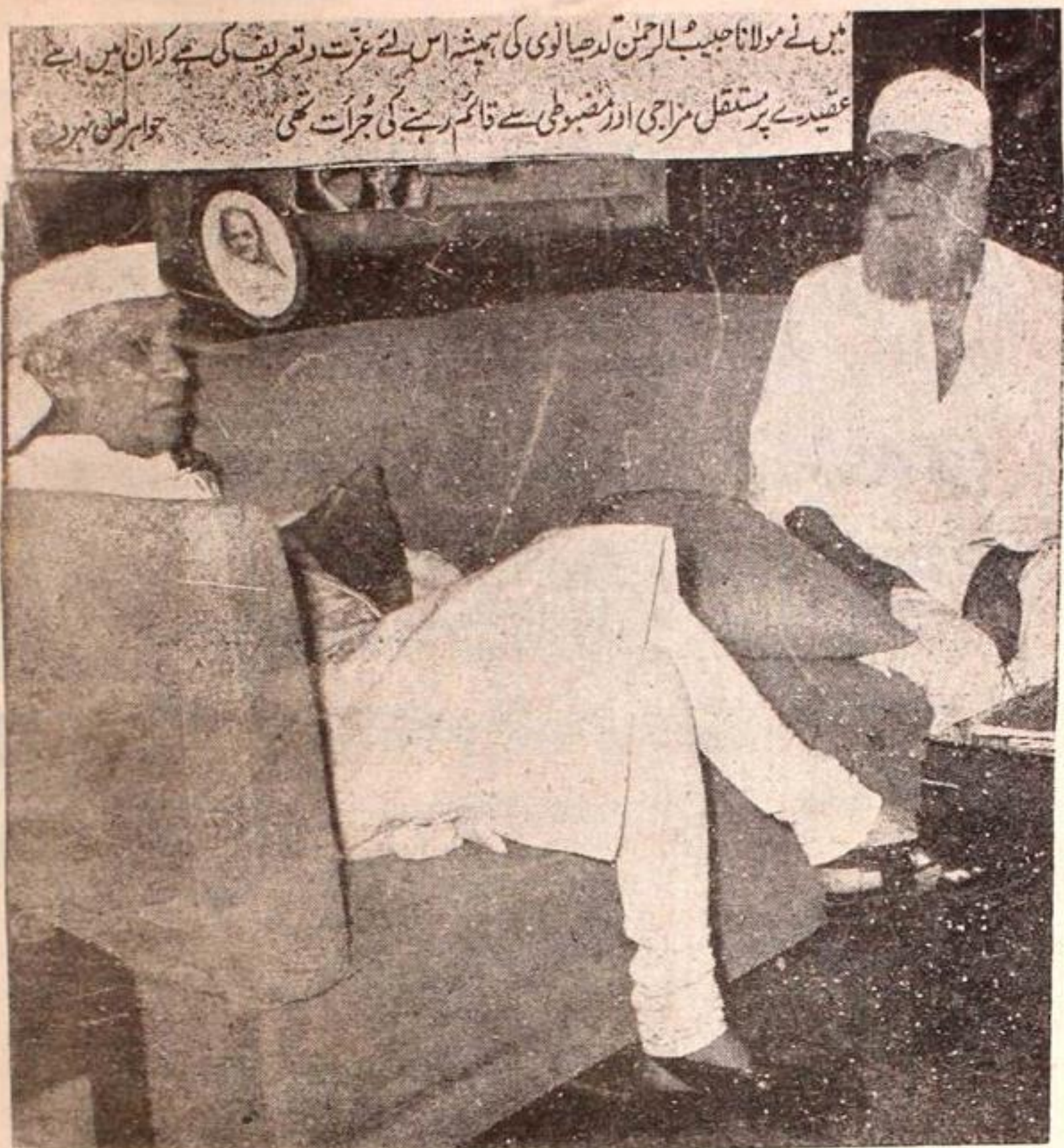
اور شمالی ہند میں جو المیہ و غما ہوا۔ اور جس کی لپیٹ میں وہ شدید طور پر گئے مگر اس سے انہیں تلخی نہیں آئی

اور انہوں نے تمہت نہ باری۔ وہ اپنے شہر لدھیانہ میں ہندو مسلمان اور سکھ سب کے ہی محترم ہے

ان کے انتقال کو مجھے گہرا صدمہ ہوا۔ وہ ایک جوانمرد سپاہی کی حیثیت سے ہماری آزادی

کی تحریک میں یاد کئے جانے کے قابل ہیں۔

جواہر لال نہرو



I knew Maulana Habibur Rahman Ludhianvi for many years. We came into frequent contact with each other during our struggle for Independence. After that also we met from time to time.

I admired him and respected him for his courage and his steadfast adherence to what he believed in. He suffered greatly before Independence and also after, but he never faltered. Even the tragedy that occurred immediately after Independence in Pakistan and North India did not embitter him, although it affected him powerfully. In his own City of Ludhiana, he was respected by both Hindus and Muslims as well as Sikhs. His death came to me as a great sorrow. As a great soldier in our struggle for freedom, he deserves to be remembered.

New Delhi,
January 24, 1961.

Jawahar Lal. Nehru

حبیب اور خاندان حبیب

احقر کے سامنے اس وقت تذکرہ بزرگان مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی
 حال مقیم دہلی دام مجددہ مرتبہ عزیز محترم مولوی عزیز الرحمن صاحب جامی ابن مولانا محمد درج
 کے اوراق کھلے ہوئے ہیں جو عزیز موصوف نے خاندانی تقارن کے طور پر بڑی محنت سے
 لکھے ہیں۔ اہل اللہ کے ذکر میں قدرتا قلبی کشش اور جافریت ہوتی ہے کہ اسے شروع
 کر کے ختم کئے بغیر طبیعت نہیں مانتی بلکہ ختم کرنے ہی کی طرف نہیں آتی، وہی کیفیت ان
 اوراق کے مطالعہ کے وقت مجھ پر طاری ہے۔ ہر پھلپلا ورق اگلے ورق کی دعوت دیتا جا رہا ہے
 اور جی نہیں چاہتا کہ اس تذکرہ میں کوئی آخری ورق آئے۔ بہر حال دہلی سے دیوبند تک
 پنج سائے سفر ریل میں میرا مشغلہ صرف اس تذکرہ کا مطالعہ رہا اور میں نے اول سے
 آخر تک اس تذکرہ کے تمام مسودہ کو غور سے پڑھا۔

حالانکہ اہل اللہ کے واقعات و احوال پڑھ کر تبصرہ کے جذبات نہیں ابھرتے
 بلکہ تذکرہ کے دوائی پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایسی داستانیں جو حقیقتاً زندگی اور اجتماعی
 زندگی کی داستانیں ہوتی ہیں کسی تفریط کی غرض سے نہیں دیکھی جاتیں کہ رسمی طور پر
 ان پر کچھ سطریں لکھ دی جائیں بلکہ عقیدت و محبت کی نگاہ سے پڑھی جاتی ہیں کہ سپارہ
 دل پر خود انھیں کو نقش کیا جائے۔

اس خاندان کے موجودہ اخلاف کرام سے تو میرے مخلصانہ اور دوستانہ
 تعلقات عرصہ دراز سے قائم ہیں جیسا کہ میرے اکابر خاندان کے اس خاندان کے
 اکابر سے گہرے مراسم رہے ہیں۔ اور آج اس تصور سے لدھیانہ کی آمد و رفت، علمی

اجتماعات اور مخلصانہ علمی مجلسیں آنکھوں میں پھر گئیں۔ لیکن اس خاندان کے اسلاف کرام
نے تفصیلی تعارف اس داستان حیات ہی کے پڑھنے سے اس سفر میں میسر ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ ولی اللہی خاندان کی شاخ جہاں بھی چلی گئی، شاخ طوبیٰ ہی
ثابت ہوئی۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ حضرت جد امجد قاسم العلوم مولانا محمد قاسم
ناٹوٹوی قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند جب پہلے حج کے لئے کراچی سے حجاز مقدس
ردانہ ہوئے تو بادبانی جہاز ہوانا موافق ہونے کی وجہ سے بصرہ میں لنگر انداز ہو گیا اور
کئی دن تک ٹھہرا رہا۔ مسافر بصرہ کی سیر کرنے کے لئے اتر گئے۔ حضرت قاسم العلوم بھی
اترے مگر تفریح طبع کے لئے نہیں بلکہ بصرہ کے اُس دور کے ایک مشہور و معروف محدث
سے سند حدیث حاصل کرنے کے لئے۔ محدث ممدوح نے حضرت قاسم العلوم سے دریافت
کیا کہ آپ کی سند حدیث کہاں سے ہے؟ فرمایا شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے۔ فرمایا
کہ کون شاہ عبدالغنی؟ عرض کیا کہ شاہ اسحق دہلوی کے تلمیذ۔ فرمایا کون شاہ اسحق؟ عرض کیا
کہ شاہ نغی اللہ کے تلمیذ۔ تو جہوم کر فرمایا کہ ہاں ولی اللہ شجرہ طوبیٰ ہے۔ جس طرح
اہل حبت کا کوئی قصر اور محل نہ خالی ہو گا کہ اس میں شجرہ طوبیٰ کی شاخ پہنچی ہوئی نہ ہو۔ اسی
طرح ہندوستان میں علم کا کوئی گھر نہ ملے گا جس میں خاندان ولی اللہی کی کوئی شاخ
نہ آئی ہو۔ اور یہ فرما کر بڑی شفقت کے ساتھ حضرت قاسم العلوم کو سند عطا فرمائی۔ پھر حال
اسی طوبائی خاندان جنت نشان کی ایک علمی شاخ لدھیانہ کا علمی خاندان بھی ہے جو ولی اللہی
علوم اور ولی اللہی جذبات کی امانت سینوں میں لئے ہوئے ہے۔

ان ساری ولی اللہی شاخوں میں علم اور اخلاق کے ساتھ جو چیز سب سے نہ ہادہ ابھری
ہوئی نظر آتی ہے وہ مجاہدانہ اسپرٹ، راہِ حق میں ایثار و فناءیت، بے باکانہ حق گوئی ہر رسمی
اقتدار سے ٹکر مکر اعلانِ حق اور ساتھ ہی اس راہ میں کسی بھی قربانی سے نہ گھبرانا ہے۔ یہ
موجود اوصاف لدھیانوی خاندان میں بہت ہی نمایاں اور خصوصی طور پر نظر آتا ہے اور

نہ صرف اسلاف خاندان ہی تک محدود ہے بلکہ آج کے اخلاف میں بھی اس کی وہی جھلک قائم ہے اور بلاشبہ یہ ایک فضل خداوندی ہے کہ کسی خاندان کی اعلیٰ روایات اور مستحسن خصوصیات پشتوں تک خاندان کا ساتھ نہ چھوڑیں اور اخلاف اپنے اسلاف کے سانچوں میں ڈھلتے رہیں۔

یہ خاندان باطل کے مقابلہ میں ہمیشہ سینہ سپر رہا۔ باطل اور طاغوت کے سامنے کہیں سر نہ جھکایا اور اس پر خار راہ کی ہر مشکل کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا اور برضاد تسلیم مصائب کا سامنا کیا۔ فتنہ خواہ حکومت و سیاست کی لائن سے آیا یا مذہب و دینامت کے حلقوں سے، مادیت کے راستوں سے نمودار ہوا یا روحانیت کے ناموں سے، انھوں نے ہر دور میں اسے پہچانا اور جلد پہچانا۔ اس کی سرکوبی کی اور مسلمانوں کو اس سے آگاہ کر کے اس سے محفوظ رکھا۔ برطانوی حکومت کی لائن سے جس قدر فتنے اٹھے اور جس رنگ میں بھی اٹھے ان کے خلاف اس خاندان کے اسلاف بھی اٹھے اور پھر اخلاف نے بھی وہی کچھ کیا جو اسلاف نے کر دکھایا تھا۔ اور ساتھ ہی غربت و تشدد کے تمام وہ مصائب بھی جھیلے جو اس راہ کے خواص آثار میں سے ہیں مگر کلمہ حق کی تبلیغ و ترویج نہ چھوڑی اور نہ ہی اس میں کسی اپنے اور بیگانے کی ذرہ برابر رعایت کی بلکہ بلا خوف و ہمت لائے اعلان حق کیا، خواہ اس کی پاداش میں اپنا کچھ بھی کھو دینا پڑا۔ ہو سکتا ہے کہ عملی جزییات میں ان سے کسی کو اختلاف ہو مگر دنیا کا کوئی بھی حق پرست انسان ان جذبات حقہ کی قدر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

”اول باخر نسبتے دارد“ کے اصول پر جس طرح اس خاندان کے اسلاف پر اعلان حق کی بدولت وہ وقت بھی آیا کہ انھیں وطن مانوف اور گھر بار چھوڑ کر غربت کی زندگی اختیار کرنی پڑی اور ان کی غیبت میں دشمنان حق نے ان کے گھروں ہی کو نہیں ان کی عبادت گاہوں تک کو جلا ڈالا۔ اسی پنج سے اخلاف خاندان کو بھی آج راہ محبت کی

یہ تمام تلخیاں سہنی پڑ رہی ہیں۔ وطن مالوف چھوٹا۔ گھر بار ہاتھ سے نکلا۔ خاندان کے کتنے ہی مردوں عورتوں نے حیات غربت کے ساتھ موت غربت اختیار کی۔ مدارس ہاتھ سے گئے۔ معابد اور مساجد قبضہ سے نکل گئیں جن میں برسوں سے قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں اٹھتی رہیں اور نہ معلوم کہ وہ باقی ہیں یا یکسر دوسرے نقشوں میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ مگر ان سارے فتنوں کی گرم بازاری میں یہ امانت داری کس درجہ پر عظمت ہے کہ جس طرح ان انتہائی مصائب میں اسلاف کے پیروں کو ذرہ برابر جنبش نہیں ہوئی تھی اور انھوں نے نہ صرف صبر و جبر بلکہ رضا و تسلیم کے جذبات دکھائے تھے، اسی طرح آج کل دردناک مصیبتوں اور ہولناک پریشانیوں میں اخلاف کے پائے استقلال کو بھی ادنیٰ جنبش نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کے چہروں پر کسی ادنیٰ سی بدحواسی یا ادا اسی کی کوئی لکیر دکھائی دیتی ہے۔ بہر حال نوعی حیثیت سے اس علمی خاندان میں جو چیز قدر مشترک کے طور پر اسلاف و اخلاف میں نمایاں نظر آتی ہے اور ساتھ ہی اُس کے آثار بھی مشترک ہیں، وہ راہ حق میں بے خوفی و بے باکی، اعلیٰ کلمۃ اللہ، اظفارِ فتن اور دنیوی زندگی میں تحمل شدائد و مصائب مگر بصد تسلیم و رضا ہے حکومتی فتنہ ہی نہیں بلکہ ہر وہ فتنہ جو مذہب، قوم، فرقہ تمدن اور معاشرہ سیاست کی راہ سے نمودار ہوا، ان حضرات کی نگاہ دور بین نے ہر رنگ میں اس کے اندازِ قد و قامت کو پہچانا اور مخلوق کو اس سے خبردار کیا۔ فتنہ مرزائیت کو اولاً اسی خاندان نے بھانپا اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دجل و فساد سے علمی طور پر ملک کو آگاہ کیا جس سے لاکھوں انسان گمراہی کے اس جال سے بچ گئے حتیٰ کہ اس سلسلہ کی عملی تکمیل بھی بالآخر اسی خاندان کے ہاتھوں ہوئی۔ مجلس احرار نے امیرالاحرار مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کی امارت و قیادت میں اس فتنہ کا علمی طور پر مقابلہ کیا اور اس سے زبردست ٹکری جو ظاہر میں قادیانیت سے ٹکرتی مگر بلحاظ حقیقت یہ ٹکر برطانیہ کی طاقتور حکومت سے تھی۔ اس لئے ان حضرات کو قید و بند کے سارے ہی تشدد آمیز

مصائب کا سامنا کرنا پڑا لیکن بالآخر سیاسی پہلوؤں سے اس جماعت باطل کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روک دینے بلکہ محدود کر دینے میں امیرالاحرار اور ان کے رفقاء کار کامیاب ہوئے جو ایک تاریخی کارنامہ ہے اور زندہ جاوید رہ کر جدید عالم پر سنہری حرفوں سے بطور یادگار ثبت رہے گا۔ فتنہ نیچریت و آزادی، فتنہ بدعات و محدثات، فتنہ بے قیامی، اطلاق فتنہ تمدن و تہذیب نے ان بزرگوں کے دور میں مختلف روپوں سے ابھرنے کی کوشش کی مگر انھوں نے اعلیٰ ترین استقامت سے اس زینح باطل پرورد کا مقابلہ کیا، اور اسے شکستوں پر شکستیں دیں۔

اس لئے اس خاندان کا اثر و رسوخ ہمہ گیر رہا۔ پنجاب میں خصوصاً اور بیرون پنجاب میں عموماً اس علمی گھرانے کو عزت و وقعت اور مقبولیت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ان کے کلمات مواعظت و ہدایت کو دل کے کانوں سے سنا گیا۔ یہ اثرات پہلے سے گزر کر درباروں تک بھی پہنچا اور سلاطین وقت نے بھی ان بزرگوں کے سامنے سر عقیدت خم کیا!

بہر حال مجموعی حیثیت سے یہ خاندان پنجاب کا ایک ممتاز علمی خاندان اور علم و فضل نیز جوہر عمل کے لحاظ سے ایک مانا ہوا قبیلہ رہا ہے جس نے ہمیشہ مسلمانوں کی علمی اور دینی خدمت انجام دی ہے۔ آج کا دور دین و تقویٰ کا دور نہیں اور نہ ہی دین کے لئے آج کے نام ساز کار احوال مساعدہ کر رہے ہیں۔ دین پر قائم رہنے والا غریب آدمی اور کالقباض علی البکر (ہاتھ میں چنگاری پکڑنے والا) کا مصداق ہے جس کا مادی ماحول میں کوئی وقار نہیں۔ غیرت خداوندی نے نہ چاہا کہ دین و ریاست کے ایسے پاک نمونے ایسے ناپاک ماحول میں رکھے جائیں۔ اس لئے انھیں اٹھایا گیا اور عالم بالا کو ان سے زینت دی گئی۔ اس لئے جہاں اس دور کی بد بختی ہے کہ یہ نمونے اس میں نہ رہے وہیں ان حضرات کی ارجمندی اور سربلندی کی نشانی تھی کہ دنیا کی اس عام زبوں حالی سے پہلے ہی انھیں اٹھایا گیا: رحمہم اللہ رحمة واسعة۔ لیکن پھر بھی انتہائی خوشی کا مقام ہے کہ

اخلاف نے اسلاف کا نقش قدم نہیں چھوڑا اور ان کے پاک جذبات کی امانت محفوظ ہے جس میں کوئی خیانت نہیں ہوئی۔

خصوصیات زمانہ نے گو نقشے بہت کچھ بدلے ہیں مگر شبابہت نہیں مٹی۔ آب و ہوا نے مزارجوں میں تبدیلیاں بہت کچھ پیدا کر دیں مگر افتاد طبعیت نہیں بدلی۔ بادِ سموم نے نو بہاول کو مر جھا ضرور دیا ہے مگر پھلوں کا ذائقہ پھر بھی وہی ہے۔ بہر حال عوارض و خصوصیاتِ وقت نے تبدیلیاں ضرور کی ہیں مگر بنیاد اساس پر تعمیر وہی کھڑی ہوئی ہے جو پہلے سروں پر سایہ کئے ہوئے تھی۔

انقلاباتِ زمانہ سے یہ خاندان بھی ملک کی طرح دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ! مولانا حبیب الرحمن صاحب کا گھرانہ ہندوستان میں آباد رہا اور ان کے دوسرے بھائی اور مولانا مفتی نعیم صاحب کا خاندان پاکستان میں بس گیا۔ لیکن خدمات و جذبات کے سلسلہ میں اثرِ خاندان کی پوزیشن اور اس کے آثار بدستور نمایاں ہیں۔ بالخصوص مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی میں جس سیاسی بصیرت کا ثبوت دیتے رہے ہیں ان کی وفات کے بعد بھی ان کے مبصرانہ کلمات انہی کا سا کام کر رہے ہیں۔ ملک کے انقلابی احوال و مسائل کے سلسلہ میں مرحوم نے جن جن رایوں کا اظہار کیا تھا آج ملک ہی نہیں حکومت کے حلقوں سے بھی ان کی تائیدی صدائے بازگشت سنائی دے رہی ہے جو ان کی دور بینی اور سیاسی بصیرت کا کھلا ثبوت ہے جیسا کہ اس کتاب میں اس کے بعض شواہد و نظائر پیش کر دیے گئے ہیں۔“

بہر حال یہ زیرِ نظر تاریخی جائزہ اس خاندان کی اگلی پھلی اور ماضی و مستقبل کی خدمات سیاسی ہوش اور مذہبی ہوش کا آئینہ دار ہے جو اس خاندان کے ایک چٹم و چراغ مولوی عزیز الرحمن جامی ابن مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی فاضل دیوبند مرحوم نے کافی عرق ریزی اور کاوش کے ساتھ فراہم کیا ہے۔ ان قیمتی حالات و خدمات کی محض اس لئے ضرورت

نہ تھی کہ وہ ایک خاندان کی تاریخی حقیقتیں ہیں جن کا غذوں میں تحفظ ہو جائے بلکہ اس
 لئے ضرورت تھی کہ ان میں نمونہ عمل اور حل مشکلات کا اسوہ موجود ہے جس کا تحفظ قومی نقطہ
 نظر سے ضروری تھا اور جو آنے والی نسلوں کے لئے قابل تقلید مثال بن سکتا ہے اور مستقبل
 میں اس سے لائحہ عمل کا کام لیا جاسکتا ہے۔

بزرگوں کا نقش قدم ہی درحقیقت بزرگوں کا قائم مقام ہوتا ہے اور وہ انہی کی
 طرح اگلوں کے لئے مربی اور فانوس رہنا ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے بزرگوں کی تاریخیں مدون
 کی جاتی ہیں اور اسی درس عبرت کے لئے قرآن حکیم نے تاریخ اور قصص اسلاف کا باب
 قائم کیا ہے۔ لقد کان فی قصصہم عبرۃ اولی الالباب۔

مولوی عزیز الرحمن صاحب اس سعی جمیل پر مستحق مبارک باد ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں
 جزائے خیر عطا فرمائے اور اس خدمت کو قبول فرمائے (ازداد لوالالباب کو اس سے درس
 عبرت لینے کی توفیق بخشے۔ آمین)

محمد طیب غفرلہ
 مہتمم دارالعلوم دیوبند
 ۷ جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ



تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
 دل مرتضیٰ سوز صدیق دے
 جگر سے وہی تیر پھر پار کر
 نگاہ مسلمان کو تلوار دے
 (اقبال)

پنجاب کا ہادی اور مربی

۲۵ محرم ۱۳۷۶ھ اتوار کا دن بہت ہی المناک دن تھا جب کہ ۹ بجے صبح کو فون

پر اطلاع آئی کہ مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کا حرکت قلب بند ہو جانے سے اچانک انتقال ہو گیا۔ مولانا ممدوح علی گھرانے کے ایک لائق رکن تھے۔ ان کا خاندان پنجاب کے لئے ہادی اور مربی دین رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حریت و آزادی کا پوری قوت اور ہمت سے علم بردار۔ مولانا ممدوح اپنی خاندانی روایات کے ماتحت ایک ذکی عالم و مفکر اور سیاسی مزاج کے رہنا تھے۔ معاملات میں گہرائی کے ساتھ سوچتے تھے ملک کی آزادی میں ان کا زبردست حصہ تھا۔ وہ پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا آزاد کے طبقے اور ان کے رفقاء سیاسی میں سے تھے ملک کے ان دونوں رہنماؤں کو ان پر کافی اعتماد تھا۔ مولانا کے جنازے میں شرکت کے لئے پنڈت جواہر لال نہرو وزیراعظم ہندوستان نے اپنے سیکریٹری کو اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ مولانا حبیب الرحمن کی وفات سے ملک ہی کا نقصان نہیں ہوا بلکہ میرا ذاتی نقصان بھی ہوا ہے

مولانا ممدوح سیاسی میدان کے ایک بہادر اور ان تھک سپاہی تھے۔ عمومی سیاست اور بین الاقوامی معاملات میں ذی اثر تھے اور ہر بنیادی مسئلہ میں ان کی ایک نکھری ہوئی رائے تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ مذہب اور دینی معاملات میں نہایت پختہ اور متضابط تھے دیانت و سیاست میں ان کے یہاں حدود تھیں اور وہ ان حدود کے سختی سے پابند تھے با اصول اور وضع دار شخصیت رکھتے تھے۔ میرا ان کا تعلق شخصی نہیں بلکہ خاندانی نوعیت کا تھا۔ موقع بموقع ہمارے اہل بیت لدھیانہ میں ان کے یہاں مقیم ہوتے تھے اور گھر جیسا

معاملہ تھا۔ میرے ساتھ خصوصیت سے ممدوح کو مخلصانہ محبت تھی اور حاضر و غائب
خیر خواہی فرماتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے ساتھ ممدوح کو خاص شغف تھا اور اس کے بارے میں
بہت اچھے اچھے معقول اور نیک مشورے پیش فرماتے رہتے تھے۔ اس وجہ سے بھی کہ
وہ دارالعلوم کے ایک فیض یافتہ تھے اور اس وجہ سے بھی کہ اوپر سے ان کے خاندان کے
بزرگوں کو بزرگان دیوبند سے خصوصی ربط اور علاقہ تھا۔ دینی مسلک اور سیاسی مشرب میں
سب ایک دوسرے کے ہم نوا تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سب سے پہلے جس بزرگ نے کانگریس
میں شامل ہو جانے کا فتویٰ دیا وہ ان کے دادا حضرت شاہ محمد صاحب قدس سرہ العزیز تھے
اس کے بعد پھر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فتویٰ دیا۔ اس سے ان بزرگوں
کی فراست اور جوش بعض فی اللہ واضح ہے۔ یہی اثر مولانا حبیب الرحمن اور ان کے خاندان
کے دوسرے ممبروں میں رچا ہوا تھا۔ سیاسی معاملات میں ان کی گفتگو نہایت جوش اور
حرارت ایمانی کے ساتھ ہوتی تھی۔ وہ دو متضاد کیفیتوں کے بیک وقت حامل تھے۔ ایک
طرف دین میں تعصب اور شدت کے ساتھ اس کے دائرہ میں محدود رہ کر ہندو دوسرے
سیاسی لائن میں وسعت جس کے دائرہ میں مسلم اور غیر مسلم یکساںی کے ساتھ جمع ہو سکیں۔
چنانچہ ان کی مجلس میں دونوں قسم کے افراد کا اجتماع رہتا تھا۔ ایک جانب خالص مذہبی قسم
کے لوگ بھی ان سے مانوس تھے اور دوسری طرف سیاسی سلسلوں سے ہندو، مسلم، سکھ
سب کی ان کے پاس آمد و رفت تھی اور اس سے زیادہ حیرتناک بات یہ تھی کہ یہ سیاسی لوگ
سیاسی لائن سے ہی ان کے پاس آتے تھے، مگر ساتھ ہی ان کی مذہبیت سے متاثر اور اسے ایک
مذہبی مقتدر کی حیثیت سے بھی دیکھتے تھے۔ مولانا مرحوم ان اثرات کو دین کے حق میں استعمال
فرماتے تھے اور تبلیغ حق کے فریضہ کو باحسن اسلوب ادا فرماتے رہتے تھے جس طرح سے
نفیسات کا ایک ماہر اپنے کام کو انجام دیتا ہے۔ مولانا نے ایک دفعہ ہندوؤں کے سامنے
۱۷ بقول حضرت رئیس الاحرار ایک بزرگ چالیس سال سے اپنی کتابوں میں تہجد کی نماز پڑھ کر صبح کو جھوٹ

اذان کی حقیقت اس انداز سے بیان کی کہ بہت سے ہندوؤں کی خواہش ہوئی کہ اذان کا ہندی میں ترجمہ چھپوایا جائے۔ مولانا نے ہندی میں اس کا سلیس ترجمہ کروا کر عربی اذان اور ہندی ترجمہ ایک خوبصورت پمفلٹ میں چھپوایا، جو ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوا۔ اور اس کے گاہک سب کے سب ہندو تھے جنہوں نے بخوش دلی اسے لیا اور اپنے بچوں کو یاد کرایا اور سمجھایا۔ اسی طرح سے وہ اسلامی مسائل کو سیاسی رنگ سے پیش کر کے اسے منوالیتے تھے، اس کے ساتھ ہی ممدوح حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری سلمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت بھی تھے اور حضرت کے دینی ارشادات گرامی کے سختی کے ساتھ پابند اور اسے حرز جان بنائے رہتے تھے۔ ان کے ہر قول و عمل سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کے قلب میں دین کا رسوخ کافی ہو چکا ہے اور ان کی یہ بات خواہ وہ سیاسی رنگ کی ہی ہو، دین کے جذبہ سے خالی نہ ہوتی تھی۔ تبلیغی سلسلہ میں نہایت ہی مفکرانہ مشورے دیتے تھے۔ بہر حال ایک طرف علمی رنگ لے ہوئے تھے، دوسری طرف سیاست میں گہرے رسوخ کے حامل تھے جس کی باتیں مسلم اور غیر مسلم دونوں کے جذبات کو اپیل کرتی تھیں اور ایک سمت صوفی منش بھی تھے، جس سے اہل اللہ اور ان کی نسبتوں کی عظمت سے ان کا دل بہرہ مند ہوتا تھا۔ یہ متضاد خوبیاں جمع رکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے

ایں سعادت بزور بازو نیست

تانا بخشد خدائے بخشنده

یہی چند در چند خوبیاں اور فضائل ہیں جس سے ان کی ہستی دلوں میں زندہ نظر آتی ہے اور آتی رہے گی۔ حق تعالیٰ نے انہیں حسن خاتمہ کی دولت سے نوازا۔ مجھے جب کبھی خط لکھتے تھے تو اس میں حسن خاتمہ کی دعا کے لئے ضرور لکھا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ آرزو پوری فرمائی۔ پاکیزہ موت ہوئی۔ دسٹین منٹ میں سب جھگڑا منٹ گیا۔ کلمہ طیبہ کے درد کے ساتھ اچانک روح عالم بالا کو پرواز کر گئی اور موت کا حق تعالیٰ نے ظہور فرمادیا۔ رحمۃ اللہ رحمۃ

واسعۃ بحق تعالیٰ شانہ ان کی اولاد اور پس ماندوں کو ان کے نقش قدم پر چلائے۔
 ان سب کے جذبات بھی بحمد اللہ وہی ہیں جو ان کے خاندان کا ورثہ تھے اور امید ہے کہ
 ان کی اولاد میں سے بعض فضلاء آخر کار اپنے بہترین باپ کے صحیح جانشین ثابت ہوں گے
 یہ چند سطریں اذکر و امحس موتا کم کے تحت بطور تسکینِ قلوب لکھی گئیں ورنہ ایسی ہمہ گیر
 شخصیتوں کا غم و اہم چند سطروں کی حدود میں کہاں سما سکتا ہے۔ کیونکہ ایسے صدقات
 محض خاندانی یا قبائلی نہیں ہوتے بلکہ قومی اور ملکی ہوتے ہیں جن کو سطریں نہیں نمٹا سکتیں
 دل ہی برداشت کرتے ہیں۔ ہم سب خدام دارالعلوم دیوبند ان کا غم دلوں میں لئے ہوئے ہیں
 اللہ تعالیٰ اس غم کو وسیلہ نجات فرمائے اور ہم سب کو حسن خاتمہ کی دولت سے مالا مال
 فرمائے۔ آمین

محمد طیب غفرلہ۔ دارالعلوم دیوبند

۱۶ مئی ۱۹۶۲ء



دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر
 حریمِ کبریا سے آشنا کر
 جنھیں نانِ جویں بخشا ہے تو نے
 انھیں بازوئے جبر بھی عطا کر

(اقبال)

کیسے کہوں کہ درد کہاں ہے کہاں نہیں

برادران من!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت باصفا حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اچانک وفات سے قلب پر بجلی سی کوند گئی اور اس سانحہ کا جو صدمہ روح نے محسوس کیا ہے اس کا بیان الفاظ کے قالب میں نہیں ہو سکتا۔ ابھی چند روز ہوئے معمول کے مطابق ندوۃ المصنفین کے دفتر میں تشریف لائے تھے ان کا ہنستا ہوا چہرہ آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ یقین نہیں آتا کہ مرحوم ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے ہیں۔ اس وقت گزشتہ ۳۸ سال کے حالات و واقعات کا نقشہ سامنے ہے مرحوم ۱۳۴۱ھ میں میرے ساتھ ترمذی شریف کے سبق میں شریک تھے یوں تو ہماری ملاقات اس سے پہلے بھی تھی اور مختلف سیاسی اجتماعات میں شریک رہا کرتے تھے لیکن ہم سبق ہونے کے تعلق سے اب ہم میں دوستی ہو گئی تھی۔ علمائے دیوبند سے آپ حضرات کے بزرگوں کا تعلق نہایت قدیم و عمیق تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ کے دادا مولانا محمد زکریا صاحب مرحوم نے نہ صرف اپنی اولاد کو بلکہ اپنے بھائیوں اور خاندان کے دوسرے افراد کو بھی اہتمام کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے لئے بھیجا۔ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب نے اگرچہ ہم لوگوں سے کئی سال پہلے فراغت حاصل کی لیکن زمانہ ایک ہی تھا۔ اس کے بعد مولانا محمد یحییٰ صاحب اور مولوی محمد حسن صاحب وغیرہ کا زمانہ آیا۔ یہ یاد نہیں کہ مولوی محمد حسن صاحب ہم سے پہلے فارغ ہوئے یا بعد میں لیکن مولانا محمد یحییٰ صاحب میرے چچا زاد بھائی مولانا محمد یعقوب مرحوم کے ہم سبق تھے اور مولانا یعقوب نے دورے کی کتابیں مجھ سے پہلے پڑھی تھیں۔ اکابر دیوبند سے روایتی اور قدیم روایات کے علاوہ مولانا محمد زکریا صاحب مرحوم کو حضرت الاستاذ خاتم المحدثین

علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے حد درجہ تعلق حاصل تھا اور اس تعلق
 کے مختلف مظاہرے میں نے بارہا اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ آپ کے لدھیانہ کے پرانے مکان
 پر بھی اور انجمن خدام الدین کے تاریخی اجلاس لاہور کے موقع پر بھی۔ اس نسبت سے مرحوم مولانا
 حبیب الرحمن صاحب کو بھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے غیر معمولی ربط تھا۔ عجم خستہ
 شیخ اسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت والد ماجد مفتی اعظم
 عارف باللہ مولانا شاہ مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی نقش بندی قدس سرہ کی مجالس میں
 بھی بطور خاص حاضر رہتے تھے اور حضرت محترم مرحوم کے خاص ہم نشینوں میں تھے۔ میرے بڑے
 چچا اور دارالعلوم دیوبند کے روح رواں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص
 معتمد تھے۔ ان دنوں کی ایک بات حافظہ میں ابھر رہی ہے کبھی موقع ملے گا تو لکھنے کی کوشش
 کروں گا، لیکن آپ کو معلوم ہے ہمیشہ سے کوتاہ قلم ہوں اور اس عادت کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت
 سے اہم تاریخی واقعات جن کا تعلق براہ راست مجھ سے ہے بندش قلم میں نہیں آتے، بہر حال دوسری
 خصوصیات اور کمالات کے علاوہ مرحوم کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ میدان سیاست کا
 شہسوار ہونے کے باوجود درویش تھے اور روحانی حلقے سے اسی انداز کا تعلق رکھتے تھے۔
 ان کی ذہانت و ذکاوت اور قوت فیصلہ کی پختگی ضرب المثل تھی۔ مختصر تقریر کرنے والوں میں نے
 اتنا اعلیٰ درجہ کا خطیب نہیں دیکھا۔ ان کی تقریر مؤثر بھی ہوتی تھی اور عام فہم بھی۔ ایسے الفاظ اور
 ایسا انداز بیان اختیار کرتے تھے کہ ان کی بات دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی تھی، الجھے ہوئے
 مسائل و معاملات کو سلجھانے میں بھی کمال تھا۔ نازک اور مشکل وقت میں ان کی دیدہ وری کی
 عجیب شان ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مجلس احرار اسلام جیسی جماعت کا جس میں مولانا عطاء اللہ
 شاہ بخاری ایسے سحر بیان اور ولولہ انگیز خطیب اور چودھری افضل حق جیسے فہیم موجود تھے
 دماغ سمجھے جاتے تھے۔ جمعیتہ علماء ہند اور کانگریس سے بھی ان کا تعلق اسی قسم کا تھا۔
 ہمارے برادران وطن میں کوئی اس پایہ کا لیڈر ہوتا تو قوم اس کو اپنا آنکھ کا تارا بناتی۔ اس

کے برخلاف مرحوم کی زندگی قربانیوں اور جاں کا ہیوں کا مرقع تھی اور عمر کا ایک قیمتی حصہ جیل خانوں میں بسر کیا مگر جب ملک آزاد ہوا تو ان کے لئے کہیں پناہ نہیں تھی۔ مشرقی پنجاب کے تقریباً تمام مسلمان رہنما حالات کی مجبوری سے دوسری طرف چلے گئے لیکن مرحوم اٹے دہلی آ گئے اور تا دمِ دایم یہیں اقامت پذیر رہے۔ میں نے حالات کی ناساز گاریوں اور کڑواہٹوں کا کوئی اثر بھی مرحوم کے مسکراتے ہونے پر نہیں دیکھا۔ حالانکہ انقلاب کی تلخیاں ان کو مسکرائے سے روکتی تھیں۔ مگر مرحوم ان تلخیوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ علامہ اقبال کے اکثر اشعار ان کی نوک زباں پر تھے خاص طور پر شمع اور شاعرہ ”خضر راہ“ اور طلوع اسلام ان نظموں کے بند بوم بھوم کر پڑھا کرتے تھے۔ اور اقبال مرحوم کے مشہور شعر

دمِ زندگی رمِ زندگی، غمِ زندگی، سہمِ زندگی

غمِ رم نہ کر سہمِ غم نہ کھا کہ یہی ہے شانِ قلندرِ

کا دلادیر مصداق تھے۔ ہر حالت میں خوش، قانع، صابر عام اہل علم کے برخلاف صفائی اور مہن سہن کا نہایت پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ سادگی کے باوجود نفیس الطبع تھے جب بھی ہمارے یہاں تشریف لاتے دقت کی صفائی اور سلیقے کو دیکھ کر اظہارِ پسندیدگی کرتے۔ سالہا سال سے کثرتِ بول کی شکایت ہو گئی تھی جب بھی استغناء کے لئے بیتِ الحلا مر جاتے تو بے تکلف فرماتے، تمھارے یہاں ہر چیز پاکیزہ اور صاف ہے، مگر بیتِ الحلا مر کا لوٹا ٹھیک نہیں۔ اس میں جرأتِ شم بھرے ہوئے ہیں۔ مرحوم کا رہنما رک سو فیصدی درست تھا دوستوں کی حوصلہ افزائی بھی خوب کرتے تھے۔ ۱۹۵۱ء میں عیدِ قرباں اور قربانی کے فلسفے پر آل انڈیا ریڈیو سے میری دو تقریریں نشر ہوئی تھیں۔ مرحوم نے ان کو سنا تو صرف ان کی داد دینے کے لئے تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، عجیب خصوصیتوں کے انسان تھے۔

الی اللہ اشکو لا الی ان من انی اری الارض تنبئ والہ فلدن مہب اخلا دلو غیر الحام اصا بکہ بے عتبت و لکن ما علی

الوت معتب ۱۰ اے ہم نفساں محفل ما افتند و لے نہ از دل ما والسلام

مفتی عتیق الرحمن عثمانی۔ ندوۃ المصنفین۔ دہلی۔ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء

خاندان حبیب کی تاریخ

مجاہد جلیل، رئیس الاحرار، حضرت مولانا حبیب الرحمن قدس سرہ پاک و ہند کے ان مشہور مذہبی اور سیاسی رہنماؤں میں سے ایک ہیں جن کے نام انگریزوں پر گئے جاتے ہیں۔ آپ نے لدھیانہ کے مشہور علماء و مجاہدین کے گھرانے میں آنکھ کھولی۔ آپ کی ولادت ۱۲ صفر ۱۲۸۷ھ مطابق ۳ جولائی ۱۸۷۲ء اتوار کے روز صبح کے وقت ہوئی، گھر کا ماحول علمی، مذہبی، اخلاقی اور انقلابی تھا۔ اور آپ کے دادا قطب عالم حضرت مولانا شاہ محمد صاحب نور اللہ مرقدہ اس وقت کے مشہور عالم، فقیہ، محدث اور مجاہدین آزادی کے قائدین میں سے تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم اور روحانی تربیت آپ کے دادا ہی نے فرمائی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آپ صاف دماغ اور روشن فکر کے ساتھ میدانِ عمل میں اترے اور انگریزی سامراج کے خلاف جنگ آزادی میں شریک ہو گئے۔ ملک بھر میں آپ کی قیادت کو تھوڑی ہی مدت میں تسلیم کر لیا گیا اور مجاہدین کی ایک بڑی جماعت آپ کی زیر قیادت عزم و ہمت و جرأت کے ساتھ ملک کی آزادی کے راستے پر گامزن ہوئی۔ بڑے بڑے اولوالعزم اور اصحاب بصیرت لیڈروں کے قدم کئی ایک بار تحریک آزادی کے مصائب اور مشکلات کو دیکھ کر ڈگمگا گئے۔ لیکن اس مرد مجاہد کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہ آئی۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ قوتِ عمل کے قائل تھے۔ ان کے ہاں منصوبے اور پلانوں کی حیثیت دوسرے درجہ کی تھی۔ انہوں نے صرف گفتار سے ہی کام نہیں لیا، بلکہ اپنے کردار اور قربانیوں سے پوری قوم کو عملی زندگی کا راستہ دکھایا۔

ان کی عملی زندگی ہر زمانے میں ملک و قوم کے لئے مشعلِ راہ کا کام دے گی۔

اپنے دادا صاحب کے انتقال کے بعد آپ کئی ایک برس تک امرت سر حضرت مولانا نور احمد صاحب کی خدمت میں بغرض تعلیم مقیم رہے اور ان سے قرآن و حدیث کو سبقتاً سبقتاً پڑھا۔ آپ امرت سر سے ایشیا کی مشہور عربی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں تکمیل تسلیم کے لئے تشریف لے آئے اور تقریباً سات سال تک دارالعلوم میں تعلیم حاصل فرماتے رہے۔ حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو گہرا تعلق تھا۔ ان کے حلقوں میں آپ شریک رہے۔ اور علمی، دینی، سیاسی بصیرت حاصل کی۔ آپ کا شمار ملک کے مشہور علماء اور دارالعلوم کے مایہ ناز فرزندوں میں کیا جاتا ہے۔

والد ماجد۔ آپ کے والد حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ملک کے جید اور مشہور علماء میں سے ایک تھے۔ ان کی ذہانت، علمیت، حافظہ، تقویٰ و طہارت اور فہم کی شہرت تھی۔ حافظہ کا یہ عالم تھا صرف تین ماہ میں قرآن عزیز کو حفظ فرمایا۔ اور رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو ایک رکعت میں بلا کسی غلطی اور متشابہ کے سنا ڈالا۔

پنجاب کے اکثر و بیشتر علماء مشکل مسائل فہم حدیث اور فہم قرآن عزیز کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے علمی فیض حاصل کرتے۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی علمی ذہانت، حافظہ اور تفقہ فی الدین کے معترف اور قائل تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے آپ کے علم و فضل سے متاثر ہو کر کئی ایک بار آپ سے فرمایا:

مولانا اگر آپ درس و تدریس کے لئے بیٹھ جاتے تو علماء کی جماعت کو آپ کی علمی تحقیقات اور مذہبی شخصیت سے فیضان ہوتا اور وہ مقام

ایک دبار العلوم بن جانا۔

دونوں بزرگوں میں بہت زیادہ تعلق اور محبت تھی۔ حضرت شاہ صاحب ان کی کسی بات کو رد نہیں فرماتے تھے اور ایک جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ کی طرح آپ کی عزت فرماتے۔

جد امجد :- آپ کے علمی۔ مذہبی اور انقلابی خاندان کی علمی، مذہبی شہرت آپ کے جد امجد امام العارفین حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہ کے مجاہدانہ کارناموں سے شروع ہوئی۔ وہ اپنے زمانے کے ممتاز عالم، مجاہد و صاحب ارشاد و سالکین میں سے تھے۔ انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کی اور روحانی تربیت بھی اسی خاندان سے پائی۔ صرف ایک واسطے سے آپ مشہور مسترحم قرآن حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی کے خلیفہ اور مجاز تھے۔

اس طرح لدھیانہ کا یہ علمی خاندان ولی اللہی خاندان کی ایک علمی شاخ بھی ہے اور ان کے سینوں میں آج بھی ولی اللہی علوم اور ولی اللہی جذبات کی امانت موجود ہے۔ رئیس الاحرار کے جد امجد حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ پنجاب میں تنہا بزرگ تھے، جنھوں نے ۱۰۸۶ھ میں انگریزی سامراج کے خلاف لدھیانہ میں فتویٰ دیا اور انگریزی حکمرانوں سے باقاعدہ جنگ کر کے لدھیانہ میں متوازی گورنمنٹ قائم کی۔ اور تحریک آزادی میں اپنے خاندان اور چاروں لائق فرزندوں کے ساتھ حصہ لیا۔ پنجاب کی تمام انقلابی فوجیں آپ کے زیرِ کمان تھیں۔ آپ کے بڑے فرزند حضرت مولانا سینف الرحمن مرحوم نے لدھیانہ جیل نوٹر کر سیاسی قیدیوں کو رہائی دلائی اور آپ کے حکم سے شہر پر قومی پرچم لہرا دیا گیا۔ پنجاب کی افواج اور مجاہدین کو لے کر آپ دلی تشریف لے گئے اور دہلی کے مجاہدین و قومی افواج کے ساتھ شامل ہو کر آپ نے برطانوی سامراج کے خلاف

لڑائی میں حصہ لیا۔

قومی افواج کی شکست اور بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری کے بعد موضع ستلانہ ریاست پٹیالہ کے جنگلوں میں کئی برس تک روپوش رہے، کیونکہ آپ اور آپ کے خاندان کے ہر فرد کو گرفتار کرنے کے لئے بھاری افعامات رکھے گئے تھے۔

ستلانہ کے باشندوں نے اس مرد مجاہد کی اس طرح حفاظت کی کہ زبردست تلاش کے باوجود انگریزی پولیس اور فوج آپ کا پتہ نہ لگا سکی۔

آپ کی ذات مقدسہ مرجع خلافت تھی۔ امیر و غریب، شاہ و گدا عقیدت مندوں اور حلقہ اثر میں شامل تھے۔

احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ شجاع الملک اور شاہ زمان انگریزی سیاست کا شکار ہو کر لدھیانہ آئے اور خاندان سمیت ان کو نظر بند کر دیا گیا تو ان دونوں بھائیوں نے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر سمیت کی اور کئی روز تک خالقہ میں رہے حضرت کے ہاں سے جو کچھ کھانے کے لئے ملا، افغانستان کا حکمران اسے خوشی اور عقیدت سے کھاتا رہا۔

شاہ نماں آپ کی مسجد میں پانچ وقت نماز پڑھنے آتا رہا، اور چالیس روز تک حضرت کے حکم سے مسجد میں اذان دی۔ شاہ زمان کے لئے شاہی خدمت گزاروں نے قالین بچھا دی تو حضرت شاہ صاحب نے شاہ نماں سے مخاطب ہو کر فرمایا یہاں فقیر اور بادشاہ میں کوئی امتیاز نہیں۔ شاہ زمان پر آپ کے ارشاد کا اثر ہوا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے لگا اور آپ کے درس قرآن اور حدیث میں شریک ہوتا۔

اس شاہی خاندان میں سے حضرت شاہ صاحب نے تمام غیر اسلامی رسوم کو اپنے فیض روحانی سے بند کر دیا۔

اور پورے خاندان کو دین کی طرف متوجہ کیا۔

والی افغانستان :- امیر دوست محمد خاں کو ۱۸۴۳ء میں انگریزی افواج

نے گرفتار کیا۔ اور شاہ شجاع نے تخت کابل پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ افغانستان کے اس حکمران کو بھی لدھیانہ میں نظر بند کیا گیا۔ امام العارفین حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے اپنے معتقدین کو بلا کر اس بادشاہ کی خدمت کا حکم فرمایا۔

امیر دوست محمد خاں حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے مصائب اور تکالیف کو بیان کر کے بے اختیار رونے لگا۔ آپ نے اسے تسلی دی اور فرمایا کہ شاہ شجاع زیادہ دن حکومت نہ کر سکے گا اور قتل کر دیا جائے گا۔ اور تم دوبارہ افغانستان کے بادشاہ بنو گے۔ امام العارفین حضرت شاہ عبدالقادر قدس سرہ کا یہ کشف صریح سن کر امیر دوست محمد خاں کو تسکین تو ہوئی مگر یقین نہ آیا۔ لدھیانہ سے حکومت نے والی افغانستان کو کلکتہ لے جا کر نظر بند کر دیا۔

پورے ایک برس بعد امیر دوست محمد خاں کے لڑکے اکبر خاں نے انگریزی افواج کو شکست دی اور شاہ شجاع کو قتل کر دیا اور برطانوی حکومت اس انقلاب کے بعد امیر دوست محمد خاں کو افغانستان کا فرماں روا تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئی۔

افغانستان کو واپس جاتے ہوئے امیر دوست محمد خاں ایک سال پہلے جو قیدی تھا۔ ایک ملک کے حکمران کی حیثیت سے امام العارفین حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی درخواست کر رہا تھا۔ آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہونے کے بعد اس نے عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ افغانستان تشریف لے چلیں۔ امام العارفین حضرت شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہ نے اس کی درخواست نہ مانی اور انکار کر دیا۔ نیز امیر دوست محمد خاں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

فقیر اور بادشاہ کے درمیان کوئی رشتہ قائم نہیں رہ سکتا۔

تیرے ساتھ جانے سے دنیا کا بے شک فائدہ ہے لیکن دین کا سراسر نقصان۔ تم خلاف شرع حکم کرو گے اور میں اس امر سے روکوں گا، جس سے تم آزرده ہو گے۔ اور اگر نہ روکا، تمہارا لحاظ کیا تو میں گنہ گار ہوں گا۔

حضرت شاہ صاحب مسائل شرعیہ کے بیان کرنے میں امیر و غریب کو برابر خیال کرتے۔ اور دین کے بارے میں کسی کی بھی رعایت نہ فرماتے تھے۔ آپ کے فیض روحانی سے لاکھوں انسانوں کو راہ ہدایت ملی اور دین کو فروغ ہوا۔

امام العارفین حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے چار لائق فرزند تھے جن پر اپنے والد کا علمی اور روحانی رنگ پوری طرح چڑھا ہوا تھا اور اپنے عہد کے مجاہدین آزادی، مشاہیر اساتذہ علم، اصحاب طریقت و سلوک میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے والد بزرگوار کی وراثت میں علم، حق گوئی، بہادری، ذہانت، فکرت و تدبیر اور خود داری کو پایا تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں ان حضرات کے علمی، سیاسی اور مذہبی کارنامے نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا شاہ سیف الرحمن صاحب۔ بڑے صاحبزادے ہیں۔ انہوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت سے ٹکری اور لہہ بیانہ کا جیل خانہ توڑ کر مجاہدین کو قید سے رہا کرایا۔ شہر میں قومی پرچم لہا کر متوازی حکومت قائم کر دی۔ قومی حکومت کی شکست کے بعد آپ دہلی سے کابل ہجرت کر گئے۔

۲۔ امام العصر حضرت شاہ محمد صاحب قدس سرہ۔ دوسرے فرزند ہیں۔ آزادی وطن کے لئے آپ جنگ میں شریک رہے۔ شکست کے بعد تحریک آزادی کو منظم طریقے سے چلانے کے لئے بہار کے صدر مقام مظہر میں قیام فرما کر بہار، یوپی اور پنجاب کے مجاہدین کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔

انڈین نیشنل کانگریس | ۱۸۸۸ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی مخالفت ہو رہی تھی۔

اور مذہب کے نام پر ہندو مسلمانوں کو اس مشترک جماعت کے خلاف ابھارا جا رہا تھا اور اس کے خلاف فتوے شائع کئے گئے تھے۔ آپ نے اس وقت انڈین نیشنل کانگریس میں شرکت کی حمایت کی اور فتویٰ دیا۔ اس فتویٰ کے بارے میں عجیب بات یہ ہے کہ فتویٰ لینے کے لئے ایک شخص مسیحی علی محمد متوطن بمبئی کانگریس کی طرف سے ملک کے مختلف شہروں اور مذہبی مراکز میں گیا۔ لیکن پورے ملک میں اس مسئلہ پر فتویٰ نہ مل سکا کیونکہ انگریزی حکومت کے مظالم سے اونچے درجے کے علماء بھی خوف زدہ تھے۔ اس وقت کانگریس کی حمایت اور انگریزی حکومت کی مخالفت اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھی۔ لیکن یہ مسئلہ جب رئیس الاحرار کے دادا حضرت شاہ محمد صاحب کی خدمت میں پیش ہوا تو انھوں نے پوری جرات اور بہادری اور علمی دلائل کے ساتھ اس مسئلہ پر فتویٰ دیا اور جس کو نصرة الابرار کے نام سے شائع کر کے پورے ملک میں تقسیم کیا گیا جس کا مسلم برادریوں اور خاندانوں نے اثر قبول کیا۔ کانگریس کو تقویت ملی۔ انگریزی سامراج کو اس فتوے سے پورے ملک میں سخت نقصان ہوا۔ بعد میں اس فتویٰ کی تصدیق ملک کے ہر حصے اور دینی مرکز سے ہونے لگی۔ چنانچہ پانچ صد علماء نے اس اہم فتویٰ کی تصدیق کی۔ یہ فتویٰ کانگریس کی تحریک میں خاص اہمیت رکھتا ہے اور ملک کے مایہ ناز مورخین نے اس کو اپنی کتابوں میں جلی عنوان سے درج کیا ہے۔

جمہوریہ ہند کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد نے اپنی کتاب کا مستقبل اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ نے اپنی کتاب "نقش حیات" کے صفحہ ۱۷ پر اس فتویٰ کو خاص اہمیت دی ہے اور اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

مشہور مورخ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب سابق ناظم جمعیتہ علماء ہند نے اپنی کتاب علماء حق کے صفحہ ۱۰۲ پر پوری تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی ہندوستان کے مذہبی سیٹھ پر ایک مبلغ اسلام اور مناظر

دین کی نقاب اوڑھ کر ۱۳۱۰ھ ہجری میں نمودار ہوئے۔ سب سے پہلے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کے دادا حضرت مولانا شاہ محمد صاحب اور ان کے دونوں بھائیوں مولانا عبداللہ صاحب و حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے مرزا کے صحیح خدوخال کو پہچانا اور اس کی ظاہری شکل و صورت دیکھ کر تکفیر کا فتویٰ دیا۔ اس وقت اکثر علماء نے اس کی تکفیر کو تسلیم نہ کیا۔ لیکن بعد میں پورے ملک کے علماء کو علماء لدھیانہ کے اس فتویٰ کو ماننا پڑا۔ اور تصدیق کرنی پڑی۔ اس طرح عالم اسلام کے مسلمانوں کی علماء لدھیانہ نے ہر نازک مقام پر رہنمائی کی اور حق کے متلاشی کو ان ہی کے حلقوں میں صراطِ مستقیم ملی۔ حضرت شاہ محمد صاحب نے بہت سی کتابیں اور رسالے فرقہ ہائے باطلہ کی تردید میں لکھے اور شائع کئے جن کی تعداد پچیس تیس کے قریب ہے۔ ان کی مشہور کتابیں فتاویٰ قادریہ، نصرۃ الابرارینہ، السالکین، تقدیس الرحمن عن الکذب کا نقصان، انتظام المساجد، دلیل القوی وغیرہ ہیں۔

آپ کے تیسرے فرزند حضرت مولانا شاہ محمد عبداللہ صاحب قدس سرہ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب مدظلہ ہیں۔ آپ کی ہمت مردانہ سے فرقہ ہائے باطلہ خصوصاً نیچری اور قادیانی از حد خوف زدہ تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ میں آپ نے حصہ لیا۔ بڑے درجے کے عالم اور فقیہ تھے۔ اونچے درجے کے اولیاء میں سے تھے۔ ہزاروں لوگ آپ سے بیعت تھے۔ آپ کا انتقال سہارن پور میں ہوا۔ وہیں مزار شریف ہے۔

آپ کے چوتھے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب قدس سرہ ہیں۔ آپ بڑے پایہ کے خطیب اور واعظ تھے۔ مسائل دینیہ کے بیان کرنے میں اپنے والد بزرگوار کی طرح کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگ آپ سے بیعت تھے۔ رشتہ ہدایت کا سلسلہ آپ کی خانقاہ میں جاری تھا۔ ۶۲ سال کی عمر پائی۔ چالیس

برس کی عمر میں قرآن عزیز کا ترجمہ بیان فرمایا۔ ان کی چھوٹی صاحبزادی مسماۃ شفاعت بی بی کے ساتھ حضرت مولانا حبیب الرحمن کا نکاح ہوا۔ رئیس الاحرار کو آزادی ہند کی تحریک میں جن مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا، ان میں رئیس الاحرار کی اہلیہ نے ان کا پورا ساتھ دیا اور کبھی اس کی پیشانی پر بل نہ آیا۔ رئیس الاحرار کے جیل جانے کے بعد آنے والے کسی لیڈر یا دیگر کو ان کی عدم موجودگی محسوس نہ ہونے دی کیونکہ وہ ایک بڑے باپ کی بڑی بیٹی تھیں اور ان کی رگوں میں وہ خون تھا جس نے ایک زمانے تک ملک کی بھلائی اور آزادی کے لئے قربانیاں دی تھیں۔

مسٹر ساورکر۔ پنڈت سندھ لال، خورشید مصطفیٰ صاحب رضوی، مسٹر خلیق نظامی، مولانا غلام رسول مہر، مولانا سید محمد میاں صاحب نے اپنی تاریخی تصانیف میں علماء لدھیانہ کی ان تمام انقلابی، مذہبی، علمی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ مولانا عزیز الرحمن جاسی نے کتاب رئیس الاحرار میں تفصیل کے ساتھ ان واقعات پر روشنی ڈالی ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کا خاندان ملک کا ممتاز علمی، مذہبی، سیاسی اور مجاہدین کا ایک مشہور خاندان ہے۔ اس خاندان کا اثر و رسوخ ملک گیر رہا ہے۔ ملک بھر میں اس علمی گھرانے کو عزت، وقعت اور مقبولیت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ان کے کلمات ہدایت کو دل کے کانوں سے سنا گیا۔ یہ اثر پبلک سے گزر کر درباروں تک بھی پہنچا اور سلاطین وقت نے بھی اس خاندان کے بزرگوں کے سامنے سر عقیدت خم کیا۔

اس خاندان کے بزرگوں نے ہر زمانے میں وقت کی نبض کو پہچانا اور وقت کے تقاضوں کے مطابق زبردست خدمات انجام دیں۔ ناسازگار حالات میں بھی ثابت قدمی سے عقیدے اور خیال پر قائم رہے اور الحمد للہ خاندان کے اصناف نے اسلاف کے نقش قدم کو نہیں چھوڑا اور اس کے افراد آج بھی ملکی ملی خدمات میں پوری لگن اور اخلاص کے ساتھ

قیادت۔ ملک میں جب سیاسی بیداری کی روشنی پھیلی۔ مختلف فرقوں و جماعتوں نے برطانوی سامراج کے خلاف اعلیٰ پیمانے پر منصوبے بنائے اور منظم طریقے سے تحریکیں چلائیں

اس وقت مجاہدین آزادی کی قیادت جن بہادر اور جبری رہنماؤں نے کی رئیس الاحرار

حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا نام ان میں سرفہرست ہے۔ آپ موجودہ دور کی ان

عظیم شخصیتوں میں سے ایک تھے جن سے جدوجہد آزادی کی نمایاں اور شاندار روایات

وابستہ ہیں۔ سحر بیان مقرر تھے۔ آپ کی تقریر سے مخالف صفوں میں انتشار پھیل جانا۔ چھوٹے

چھوٹے فرقوں میں گہرائی کی باتیں فرماتے۔ جو بولتے ناپ تول کر بولتے۔ شرعی احکامات کو واضح

طور پر بیان فرماتے۔

آپ کی عظیم شخصیت، علم و فہم، فکر و عمل سے متاثر ہو کر مولانا ”محمد علی جوہر“ نے

فرمایا کہ :

مولانا حبیب الرحمن کو دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یاد آ جاتے

ہیں۔ آپ کی شخصیت، خلوص، ایثار۔ جرأت، شجاعت اور حق گوئی و

بے باکی کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھی۔

محکمہ اخلاق تھے جو پاس آیا ان کا ہو کر رہ گیا۔ قرآن اور حدیث پر آپ کو عبور

حاصل تھا۔ اسلام اور اس کی تعلیمات کو بیان کرنا آپ ہی کا حصہ تھا۔ آپ کی تبلیغ، کیریئر اور

اخلاق سے متاثر ہو کر بہت سے اللہ کے بندے مشرف باسلام ہوئے اور سینکڑوں گمراہ انسانوں

نے آپ کی صحبت اٹھا کر راہ ہدایت پائی۔ امت مسلمہ کو جس قدر فیض آپ کی ذات سے پہنچا،

کسی دوسرے کو یہ بات نصیب نہ ہوئی۔

ملک کے مسلمہ لیڈر تھے۔ علماء اور سیاست دانوں میں آپ کو عزت و عظمت کی نگاہ

سے دیکھا جانا اور آپ کی رائے کو قابل عمل سمجھا جانا۔

رفقہ اور ساتھیوں کے وفادار۔ اور اسی وفاداری کے نتیجے میں بہت سارے

نقصانات اٹھائے لیکن دوستوں اور رفیقوں کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اپنے لئے اگر الگ راہ پیدا کرتے، اور کر سکتے تھے تو مذہبی اور سیاسی میدان میں بہت آگے نکل جاتے۔ دوست اور رفیق ان کی تیز رفتاری کا ساتھ نہ دے سکتے۔

مجلس احرار اسلام کی صدارت | برسوں مجلس احرار اسلام ہند کے صدر رہے، جو ملک میں مقبول ترین

جماعت تھی۔ آپ کی رہنمائی میں مجلس احرار کے کارکن جمرات اور بہادری کے ساتھ ملکی اور ملی فتنوں کے مقابلے میں سینہ سپر اور سر بکھن ہوتے رہے۔ ملک و ملت کے لئے جس قدر قربانیاں احرار نے کیں تاریخ کے اوراق ان سے بھر پور ہیں۔

تحریک احرار میں ہر مکتب خیال کے رہنماؤں کا اجتماع اور اس تحریک میں دین و سیاست کا امتزاج، عوام سے تعلق، احرار کے رہنماؤں کا جذبہ حریت اور جہاد اور انگریز دشمنی، احرار کارکنوں و رہنماؤں کی جمرات و ہمت، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کی قیادت اور رہنمائی کا نتیجہ تھی۔

ملک کی آزادی میں احرار کا بڑا حصہ ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ انگریز تحریک احرار کے خوف سے ملک چھوڑ گیا، تو شاید غلط نہ ہو گا۔ افسوس ہے کہ احرار کی صحیح تاریخ اب تک کسی صاحب نے مرتب نہ کی جس کی اس قدر ضرورت ہے تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے مجاہدین احرار کے عظیم کارنامے مشعل راہ ہوں۔

۱۹۴۷ء کی نظر بندی کے بعد احرار کو مولانا حبیب الرحمن کی رہنمائی حاصل نہ رہی اور جماعت کا شیرازہ بکھر گیا۔ مجاہدین کی اس جماعت میں کچھ ایسے لوگ شامل ہوئے جنہوں نے جماعت کے کار کو نقصان پہنچایا اور اپنی اغراض کے حصول کے لئے جماعت کے وقار، کارکردگی اور تنظیم کو دفن کر دیا۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کی طویل نظر بندی اور صبح احرار چودھری افضل حق کی وفات سے احرار اپنے مقاصد عظیم میں کامیاب نہ ہو سکے

جس سے اسلام، ملک اور قوم کو زبردست نقصان ہوا اور مجاہدین احرار بیش بہا قربانیوں کے باوجود کوئی مقام حاصل نہ کر سکے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

۱۹۱۳ء میں جنگ عظیم ترکوں پر انگریزی سامراج
میدانِ عمل ہندوستانی افواج لے کر مظالم ڈھا رہا تھا۔ یہ خبریں پڑھ کر

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن خاموش نہ رہ سکے۔ ان کے دل و دماغ میں برطانوی حکومت کے خلاف نفرت، بغاوت اور انقلاب برپا کرنے کے جذبات بھڑک گئے اور یہ وہ زمانہ تھا کہ انگریزی تسلط پوری طرح ملک پر قائم ہو چکا تھا۔ کسی میں جرأت نہ تھی کہ انگریزی سامراج کے خلاف علم جہاد بلند کرے۔ ایسے حالات میں رئیس الاحرار میدان میں اُتے اور شہر کے ایک بڑے جلسہ کو خطاب کیا۔ برطانوی حکومت کے خلاف مدلل اور جذبات انگیز تقریر فرمائی۔ آپ کی تقریر سے انگریز سامراج کے خلاف عوام کے جذبات بھڑک گئے اور پورے شہر میں ہیجان پیدا ہو گیا۔

انگریز دشمنی کا یہ جذبہ آپ کو ورثے میں ملا تھا۔ صفحہ ہستی پر مغربی عیسائی لیٹروں کو آپ اسلام اور مسلمانوں کا حقیقی دشمن تصور فرماتے تھے۔ ہندوستان، مشرق وسطیٰ، افریقہ اور ایشیا میں جو حالات پیدا ہوئے۔ ان سازشوں اور تباہیوں کی ذمہ داری آپ کے نزدیک یورپین اقوام پر تھی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ہمیشہ مغربی اقوام نے ایشیا، مشرق وسطیٰ اور افریقی ممالک کو لوٹا۔ اور خاص طور پر مسلمانوں کو تباہ و برباد کیا۔ موجودہ اسرائیل اور عرب ممالک کی جنگ نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کے اس خیال کی تائید کر دی ہے مشرق وسطیٰ ہی نہیں بلکہ اسرائیل کی جنگ جو یا نہ کارروائی سے جس کی پشت پناہی پوری یورپین اقوام کر رہی ہیں ایشیا کی موجودہ آزادی ایک بار پھر خطرے میں پڑ گئی ہے۔

۱۹۵۷ء کی جدوجہد آزادی کے بعد انگریزی سامراج کے خلاف یہ پہلا جلسہ تھا۔

جس میں کھل کر برطانوی حکومت کے خلاف رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن نے عوام کے

عوام کے جذبات کو براہِ نگہداشت کیا اور نوجوانوں کی ایک تنظیم قائم کی۔ رئیس الاحرار کے والد حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کے ایک دوست آئے جو کہ جلسے میں شریک تھے۔ انھوں نے کہا کہ آپ کے صاحبزادے ”حبیب الرحمن“ پر دادا اور پردادا کا رنگ چڑھ گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پر شوقِ شہادت سوار ہے۔ صاحبزادے کی جرأت، بے خوفی، بے باکی اور بہادری کا نتیجہ پھانسی سے کم نہ ہوگا، اس لئے آپ انھیں روکئے۔ حالات ایسے نہیں کہ اتنی تیزی سے حکومتِ برطانیہ کی مخالفت کی جائے۔ اس واقعے کے بعد آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی میں انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت اور انقلاب برپا کرنے والے مجاہدین کی انقلابی تنظیم کے رکن بن گئے۔

قید و بند۔ ۱۹۲۱ء کی تحریکِ آزادی میں آپ کو پہلی مرتبہ گرفتار کر لیا گیا اور پورے دو سال جیل خانہ میں بند رہنا پڑا۔ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۴ء تک بارہا آپ کو انگریزی سامراج نے گرفتار کیا۔ ملک و ملت کے لئے ہر محاذ پر آپ کو بطور قائد اور رہنما کے ملگے جماعتوں اور اصحابِ رائے لوگوں نے مانا۔ تقریباً پندرہ برس جو آپ کی جوانی کا بہترین زمانہ تھا، ملک، قوم اور اسلام کے لئے آپ نے انگریزی سامراج کی قید میں گزار دیا۔ آخری مرتبہ دسمبر ۱۹۲۳ء میں آپ کو لاہور سے گرفتار کیا گیا اور ۴ جولائی ۱۹۲۴ء کو ویول کانفرنس کے موقع پر آپ کو باتِ چیت کے لئے غیر مشروط طور پر رہا کیا گیا۔

اگست ۱۹۲۴ء میں انگریز ملک کو دو ٹکڑے کر کے یہاں سے رخصت ہوا۔ تقسیمِ ملک کے بھیانک اعلان کے ساتھ ہی ہندوستانی اقوام آپس میں لڑنے لگے جیسے لگیں اور حالات ایسے خراب ہوئے کہ مجاہدِ حبیل، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن جیسے قائد، وطن پرور اور ملک کے ہی خواہ کو بھی اپنے وطن سے بے وطن ہونا پڑا، اور آپ کو تمام خاندان سمیت دہلی کو چھوڑنا پڑا۔

ملک کے بگڑے ہوئے حالات میں بھی رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن نے جو

ہندوستان کی خدمت کی وہ کسی سے مخفی نہیں۔ دہلی کو چہ رحمان میں ان کا گھر ایک یونیورسٹی تھا۔ ایک مکتب خیال تھا، جہاں ہندو، مسلمان، سکھ، شرمار بھی۔ کمیونسٹ سوشلسٹ، کانگریسی، ملحد و مومن سبھی آتے تھے اور آپ کے مجھے دھلے افکار سے استفادہ کرتے۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن ہندوستان کی عظیم شخصیت تھے کہ ان کے ماننے والے کمیونسٹوں میں بھی تھے، جن سکھ، ہندو، سبھیا میں بھی تھے۔ الجمعیت نئی دنیا، پرتاپ اور پاپ کے دفاتروں میں بھی وہ بجائے خود ایک انجمن و آئادہ گاہ تھے۔ ان کی شخصیت کی نئے ہندوستان کو بہت ضرورت تھی۔ ان بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ ملک و ملت کی خدمات میں صرف کیا۔ ایسے لوگوں کا وجود ملت کا بہت ہی قیمتی سرمایہ تھا جو مذہبیت اور دینداری کے ساتھ ملکی اور قومی خدمت، ایثار و قربانی کی تاریخ بھی شان دار رکھتے ہوں۔

انتقال

۲ ستمبر ۱۹۵۷ء کی صبح کو تحریک آزادی کے یہ بے باک اور نڈر رہنما حرکت قلب بند ہونے سے اچانک انتقال فرما گیا اور اس طرح جنگ آزادی کا علم بردار امیران سیاست کا مرد جبار، اخلاق و خصائل کا مخلص، مجلس علم و ادب کا صدر نشین ہم سے اچانک رخصت ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ ان کا قلب اللہ تعالیٰ کی محبت میں مستغرق اور اس کی ملاقات کے لئے بے چین تھا۔ وہ اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ایک تھے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی نسبت اور خلافت انھیں حاصل تھی۔ اپنے انتقال سے ایک ماہ قبل دوست، احباب لڑکے، لڑکیوں کو جمع کیا اور جہان فانی سے رخصت کی خبر دی۔ ہر قسم کے کام کا ز سے کنارہ کشی اختیار فرمائی۔ دن و رات اللہ کی یاد میں مشغول ہوئے۔ اس زمانے میں بارہا عشق الہی میں یہ شعر پڑھتے ہوئے آپ کو سنا گیا۔

عشق ہمارے دھیان پڑا ہے، چین گیا آرام گیا

اب جی کا جانا ٹھہرا ہے، وہ صبح گیا کہ شام گیا

انتقال کے بعد آپ کے جسم پر موت کے اثرات نہ تھے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سوتے ہوئے کوئی حسین خواب دیکھتے ہوں۔ ان کے اٹھ جانے سے ملک و ملت کو نقصان ہوا۔ برصغیر پاک و ہند کے تمام سیاسی اور مذہبی حلقوں میں غم و اندوہ کی ایک لہر دوڑ گئی، اخبارات نے جلی عنوان اور سیاہ حاشیوں سے اس اندوہناک خبر کو شائع کیا اور آپ کی عظیم شخصیت پر مقالات لکھے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے فوری پہ روتی ہے

بڑی مدت میں ہوتا ہے چمن میں دیدہ و پیدا

تبصرے۔ مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کے انتقال پر اپنے رنج و غم کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

مجاہد جلیل، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی جہاد آزادی کے جلیل القدر سپاہ سالار تھے۔ مرحوم جوان تھے..... کہ جنگ آزادی کا بگل بجا اور وہ مردانہ وار میدان کارزار میں کود پڑے انتہائی مصائب، ناقابل بیان کڑیاں جھیلیں لیکن چٹون کبھی میلی نہ ہونے پانی راہ حق میں بڑی بڑی منزلیں طے ہو گئیں، وہ منزلیں طے ہو گئیں جن سے ادلیار، شہدار، صدیقین، انبیاء کو گزرنا پڑا تھا۔ موسیٰ کو طور پر ایک جلوہ نظر آیا تھا، یوسف کو قید خانہ میں تھلی ملی تھی۔ یعقوب کو آنسوؤں میں ڈوبنا پڑا تھا۔ ایوب نے دروالم کی تلخیاں چکھی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا کرم دیکھو کہ لدھیانہ کے ایک نحیف و زار بندے کو راہ حق میں یہ سارے درجے مل گئے۔ عزم موسیٰ ملا۔ جزم یوسف ملا۔ نالہ یعقوب ملا اور صبر ایوب سے شاد کام ہوا۔

حبیب الرحمن عزم عظیم کا ایک پہاڑ تھا جو ڈھکے گیا۔ جرأت ،
 ہمت کا آتش فشاں تھا، جو ٹھنڈا پڑ گیا۔ حق و صداقت کا ایک عصور
 تھا جو ہمیشہ کے لئے چپ کر دیا گیا۔ لیکن وہ کون ہے جو کہہ سکے ”مولانا
 حبیب الرحمن“ مر گئے۔

حبیب الرحمن مرنے کے لئے پیدا ہی نہ ہوا تھا وہ تو جینے کے لئے
 پیدا ہوا تھا، رہتی دنیا تک جیتا رہے گا۔

حبیب الرحمن کا جسم تو بے شک لاغر تھا، مگر لاغر و ناتواں
 جسم میں وہ روح تھی جو باطل قوتوں کے مقابلہ میں پہاڑ سے بڑھ کر
 اٹل اور بارشدار تلواروں سے زیادہ کاٹ والی، عجیب اسلامی
 جوش تھا۔ حیرت انگیز اسلامی جذبہ تھا۔ راہ حق میں زبان سے شعلے
 برستے تھے اور خطابت اس پر نثار ہوتی تھی۔

جلیل القدر عظیم انسان ہونے پر بھی فروتنی، خاکساری کا مجسمہ
 تھا۔ ایسا شخص تھا کہ جو اپنے عظیم رتبہ سے بے خبر، اللہ کی رحمتیں ہوں۔
 حبیب الرحمن سچ چمچ مرد مسلمان تھا، غریبوں کے آگے بچھا ہوا، مگر باطل
 کا ٹھکرانے والا۔

رسالہ الحرم میں مولانا مفتی زین العابدین نے ان الفاظ میں تذکرہ کیا :-
 مولانا حبیب الرحمن اپنے اوصاف و کمال میں ایک گلدستہ صدر گل ،
 اور ایک گل صدر نگ تھے۔ سیاست دانوں کے مجمع میں وہ سیاسی تھے
 ادب کی محفل میں ادیب، صوفیا کی صحبت میں صوفی۔ ہر شخص سے اس
 کے موضوع پر بات کرتے۔ بے حد فہم تھے۔ مخاطب کے چہرے پر ایک
 نظر ڈالتے ہی اس کے صفحہ دل کی تحریر پڑھ لیتے۔ گفتگو سٹھکی ہوئی اور

مدل کرتے تھے۔

مختصر لفظوں میں اپنا مضمون سننے والے کے دل میں پیوست
کر دیتے تھے۔

امیر شریعت سید عطار اللہ شاہ بخاری نے مجاہد حبیل کی وفات کی خبر سنی تو دیر تک
خاموشی میں ڈوبے رہے اور آہ بھر کر فرمایا:

ایک اچھے رفیق، مونس، غم خوار، سراپا ایثار کی جدائی نے میرے
سینے میں ایک گہرا زخم کر دیا۔ مولانا کی وفات ملک و ملت کے لئے
اس صدی کا سب سے عظیم سانحہ ہے۔

ملک کے مشہور اخبار نویس شری رہبر نے اپنے تاثرات کا ”ملاپ“ اخبار میں اس
طرح تذکرہ کیا:-

”جہاں فانی سے جانا سب کو ہے۔ لیکن جب ملک کا خدمت گار جانا
ہے تو لاکھوں آنکھیں پر نم ہو جاتی ہیں۔ ہزاروں دل چلا اٹھتے ہیں۔ مولانا
حبیب الرحمن لدھیانوی ایسے ہی سچے تھے۔ انھوں نے جوانی کی دہلیز
پر قدم رکھتے وقت اپنے سامنے رکھا تھا وطن آزاد ہونا چاہئے۔ ہندوستان
کو ایک متحد قوم بن کر آگے بڑھنا چاہئے۔ اس کے لئے وہ جیون بھر لڑتے
رہے، جدوجہد کرتے رہے۔ اسلامی شرع اور مذہب کے بڑے ودوان
تھے۔ اگر وہ چاہتے تو انگریز کا ساتھ دے کر بڑی بڑی جاگیریں حاصل
کر سکتے تھے، لیکن ایسا کرنے کی بجائے انھوں نے حریت پسند طاقتوں
کا ساتھ دیا۔ بار بار کی نظر بندیوں اور قید کو لبیک کہا۔ ان کے اٹھ جانے
سے ملک کو نقصان ہوا، پنجاب کو نقصان ہوا، مجھے ذاتی بھی نقصان ہوا
”وہ ہے نہیں، اس خیال سے دکھ ہوتا ہے“

اخبارِ پیامِ وطن، کے ایڈیٹر، ملک کے مایہ ناز صحافی محترم مولانا عبدالباقی صاحب نے ایک تاریخی ادارہ سپردِ قلم کیا۔ جس کے کچھ اقتباسات یہ ہیں :-

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا انتقال ہو گیا اور وہ کتابِ زندگی ختم ہوئی جو ۶۴ برسوں تک جہدِ مسلسل اور عزمِ مستقیم کی ضخیم کتاب تھی۔ کل جب آپ کا انتقال ہوا، نمازِ فجر کے بعد دفعۃً طبیعت بگڑی۔ سیاسی اور مذہبی انجمنوں کا دھڑکتا ہوا دل یکایک خاموش ہو گیا

سیاست میں وہ امام کا درجہ رکھتے تھے۔ لیکن تبلیغِ دین کا جو طریقہ انھوں نے اختیار کیا وہ بالکل اچھوتا اور نرالا تھا۔ تبلیغِ دین سے زندگی کی آخری ساعت تک انھیں غیر معمولی دل چسپی رہی۔ دینی، تاریخی اور مذہبی مسائل پر انھیں پورا عبور تھا۔

مولانا محمد علی صاحبِ ناظم ختمِ نبوت نے آپ کی وفات پر تعزیتی پیغام بھیجا۔ مولانا حبیب الرحمن خلوص، ایثار، جرأت و شجاعت کا پیکر تھے۔ آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ پُر نہیں کیا جاسکتا۔

مفتی عتیق الرحمن عثمانی نے ان الفاظ کے ساتھ آپ کی وفات پر تعزیت کی۔ ملک کو آزاد کرانے کی سعی و جدوجہد میں جن ہستیوں نے جان کی بازی لگائی تھی ان میں رئیسِ الاحرار ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ وطن کے اس جانباز کی جوانی کا بہترین حصہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے میں گزرا۔ جنگِ آزادی کا کوئی قابلِ ذکر محاذ ایسا نہ تھا جس میں مولانا

مرحوم پیش پیش نہ رہے ہوں۔“

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحبِ ناظمِ جمعیتہ علماء ہند نے ان الفاظ کے ساتھ رئیسِ الاحرار مولانا حبیب الرحمن کا ذکر کیا ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن صاحب اپنے سیاسی شعور، جوش و عمل
 اولوالعزمی اور جدوجہد کے اقتیاز سے ہمیشہ نمایاں رہے۔ تحریک آزادی
 میں سرگرم حصہ لیا اور اس راہ میں بارہا قید و بند کی شدید صعوبتیں
 برداشت کیں۔“

پاکستان کے مشہور صحافی شورش کاشمیری نے رئیس الاحرار کا قلمی چہرہ لکھا، جس
 کے چند اقتباسات اس طرح ہیں:-

مولانا حبیب الرحمن راقم کے نزدیک اس دور میں اسلام کے واضح تصور
 کا صحیح فکری منظر تھے۔ علماء کی صف میں جو شخص راقم کے خیال میں جدید
 قدیم تصورات کے درمیان سنگم بن سکتا تھا وہ مولانا حبیب الرحمن
 لدھیانوی تھے۔

راقم نے بارہا دیکھا کہ ان میں ترازو کے دونوں پلوں کو برابر
 رکھنے کا جو ہر فطری استعداد کے طور پر موجود ہے۔ وہ معاملہ کی تہ کو پالیتے
 اور گفتگو اور چہرے سے معلوم کر لیتے کہ اس کا پس منظر کیا ہے۔ پھر ملے جھلکے
 الفاظ میں تجزیہ کر کے سمجھاتے۔ چھوٹے چھوٹے فقروں میں بڑی بڑی
 باتیں ادا کر جاتے۔ وقار و متانت کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ سنجیدگی
 آپ کے کلام کا زیور اور بہادری آپ کے دامنِ کبردار کی سنہری جھال ہے۔

مولانا میں ذاتی محاسن بے شمار تھے۔ وہ جماعت کے لئے اپنی ذات
 اور اس کی ہر بلندی کو تیاگ دینے کے قائل تھے۔ ان کی زندگی میں بیشمار
 ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ انھوں نے اپنی جماعت کے لئے بڑے سے بڑے ایثار
 کو گوارا کر لیا۔ دوستوں کے دوست ہی نہیں، بلکہ ان پر جی جان سے
 پنچھاؤں بھی ہوتے۔ آپ میں تنظیفی صلاحیت بے پناہ تھی۔

سالہا سال مجلس احرار کے صدر رہے اور نہایت طنطنے سے کام کیا
اور جب صدر تھے تو بول چال کے تیور بھی صدارتی تھے۔ صدر نہیں رہے
تو صدر کے نقش قدم پر چلتے، آپ کی فطری خوبی تھی کہ آپ تابع رکھ بھی سکتے
تھے اور رہ بھی سکتے تھے۔

مولانا شروع میں احرار کا دل سمجھے جاتے تھے۔ بعد میں ان
کو دماغ بھی کہا جاتا تھا۔

پنجاب کے مشہور صحافی غلام رسول جہر نے اپنے جذبات کا اس طرح اظہار فرمایا:
”دہلی کی طرف میری کشش باقی نہ رہ گئی۔ کیونکہ وہاں سے تعلق اور ہم
رشتہ مولانا حبیب الرحمن کے ساتھ تھا۔ یہ رشتہ بھی میری صدہا امیدوں
کی طرح ٹوٹ گیا۔ اور وہ محبوب وجود اب ایسی جگہ پہنچ گیا، جہاں پہنچنے
کے لئے موت کے دروازے سے گزرے بغیر چارہ نہیں۔“

میں نے ان کے انتقال کی خبر اخبارات میں پڑھی۔ پڑھ تو لی لیکن
منٹوں تک اس کی صحت پر یقین نہ آیا۔ مرحوم کی وجہ سے دوستوں کی ایک
بہت بڑی دنیا آپ کے گرد و پیش پھر رہی تھی۔ وہ انسانیت اور اسلامیت
کے اعلیٰ خصائص کا ایک روشن چراغ تھے کہ جہاں بیٹھ جاتے تھے
محفل روشن ہو جاتی تھی، بہادر تھے، جوانمرد تھے۔

میرے سامنے ان کی زندگی میں ابتلا کے بیسیوں مرحلے آئے
کسی میں بھی ہراساں یا خوف زدہ یا پریشان نہ دیکھا۔ وہ میدانِ عمل
کے شہسوار۔ خدا نے انھیں نازک سے نازک ماحول میں سچی بات
سلیقے سے کہنے کی خالص صلاحیت عطا کی تھی۔ جو کچھ ان کی زبان پر
جاری ہوتا تھا، خلوص اور صداقت کے باعث اس میں زندگی کی ایک

روح خاص جلوہ گر رہتی تھی۔ ان کے سامنے ہمیشہ یقین کی روشنی
 رہی اور وہی روشنی ان کے تمام افکار و اعمال کے لئے مشعل راہ تھی۔
 دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا محمد طیب صاحب مدظلہم نے ان الفاظ کے
 ساتھ رئیس الاحرار کے اوصاف بیان کئے ہیں۔

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ملک کے علمی گھرانے کے ایک ترقی رکن
 تھے۔ ان کا خاندان ملک بھر کے لئے ہادی اور مربی دین رہا اور اس
 کے ساتھ ساتھ حریت اور آزادی کا پوری قوت اور ہمت سے
 علم بردار رہا۔ مولانا محمد روح اپنی خاندانی روایات کے مطابق ایک
 زکی عالم، مفکر اور راہنما تھے۔ معاملات میں گہرائی کے ساتھ سوچتے
 تھے۔ ملک کی آزادی میں ان کا زبردست حصہ تھا۔ ہر بنیادی مسئلہ
 میں ان کی ایک نکھری ہوئی رائے تھی، اس کے ساتھ ساتھ اسلامیت
 اور دینی معاملات میں نہایت پختہ تھے۔ دیانت و سیاست میں ان کے
 ہاں حدود تھے۔ ان حدود کے سختی سے پابند تھے۔ با اصول اور وضو
 شخصیت رکھتے تھے۔ ان کے ہر قول و عمل سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان
 کے قلب میں دین کا رسوخ کافی ہو چکا ہے۔ ان کی ہر بات خواہ وہ
 سیاسی رنگ ہی کی ہو دین کے جذبے سے خالی نہ ہوتی تھی۔

مباحثہ کمرشن ایڈیٹر اخبار پرتاپ نے ان الفاظ کے ساتھ اظہار افسوس کیا۔
 مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی چل بسے، بتا نہیں سکتا کہ ان کی موت
 سے مجھے کس قدر صدمہ ہوا۔ وہ جتنے راسخ الاعتقاد مسلمان تھے اتنے
 ہی سچے نیشنلسٹ۔ ہر سوال کو قوم پرستی کے زاویے سے دیکھتے تھے۔
 نہایت موثر سپکیر تھے۔ ان کی تقریر سن کر لوگ جھوم اٹھتے تھے۔ آزمائش

کے کئی موقع آئے، لیکن ان کے پایہ ثبات میں لغزش نہ آئی، نہایت خوددار
تھے، ان پر کڑے وقت آئے۔ لیکن توکل بر خدا، انھوں نے کسی کے آگے
ہاتھ نہ پسار دیا۔

جمہوریہ ہند کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن
کے انتقال پر اپنے رنج و غم کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

مولانا حبیب الرحمن کی وفات سے ملک ہی کا نقصان نہیں ہوا، بلکہ
میرا ذاتی نقصان بھی ہوا ہے۔ جدوجہد آزادی کے دوران ہم ایک
دوسرے کے بہت قریب رہے۔ مولانا موصوف جس عقیدے پر یقین
رکھتے تھے اور جس جرأت اور آہنی استقامت کے ساتھ اس پر قائم
رہے اس کے سبب میں ان کا ہمیشہ مداح رہا اور احترام کرتا رہا۔ شمالی
ہند میں جو المیہ رونما ہوا اور جس کی لپیٹ میں شدید طور پر آئے۔ مگر
اس سے ان میں تلخی نہیں آئی۔ اور انھوں نے ہمت نہ ہاری۔ وہ ہندو
مسلمان، سکھ سب ہی کے محترم رہے۔ وہ ایک جواں مرد کی حیثیت
سے ہماری آزادی کی تحریک میں یاد کئے جاتے رہیں گے۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیتہ علماء ہند نے اپنے تعلق کا اظہار اور رئیس الاحرار
کی عظیم شخصیت کے بارے میں اپنے تاثرات کا اس طرح سے اظہار فرمایا:

مجاہد حبیل، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کو لدھیانوی کہا
جاتا ہے۔ کیونکہ لدھیانہ ان کا آبائی وطن تھا، جہاں ان کا جدی مکان بھی
تھا اور خود ان کا بنایا ہوا مکان بھی، مگر جو سب کے لئے ہوتا ہے وہ سب
کا ہوتا ہے، کسی خاص شہر کی طرف اس کی نسبت کسی تاریخی تقاضے
کی بنا پر ہوتی ہے ورنہ ہر شہر اس کا اپنا شہر ہوتا ہے اور وہ آگے

بڑھتے کہنے لگتا ہے

ع: ہر ملک ملک ماست، کہ ملک خدا ماست

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کی شخصیت اسی طرح کی تھی مولانا حبیب الرحمن کا وطن اگرچہ لدھیانہ تھا۔ مگر ان کی بود و باش زمانہ طالب علمی میں درس گاہوں میں اور آخیر میں دارالعلوم دیوبند میں رہی۔ مولانا کا طالب علمی کا دور ختم ہوا۔ تو وہ ملک و ملت کے لئے ایجنڈے پر نظر آتے تھے یا جیل خانہ میں بسیر کرتے تھے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن آسمان شہرت کے ماہتاب آفتاب تھے اور احقر مولانا کو اس طرح دیکھا کرتا تھا جس طرح زمین کے بسنے والے چاند ستاروں کو دیکھا کرتے ہیں۔

ذہانت مولانا کا مخصوص وصف تھا جس نے آپ کو پوری جماعت میں سب سے ممتاز کر دیا تھا۔ ذہانت کے ساتھ فراست اور میا سی بصیرت بھی ممتاز خصوصیت تھی اور کوئی بھی سمجھ دار شخص پہلی ہی مجلس میں مولانا کی ان خصوصیتوں سے متاثر ہو جاتا تھا۔

جس وصف نے مولانا کی ذہانت و بصیرت کو جوہری شان بخشی دی تھی، وہ جرأت، دلیری اور بہادری تھی جو حاتم کی سخاوت کی طرح مولانا کے نام نامی کے ساتھ لازمی خصوصیت بن گئی ہے جس نے مولانا کی زندگی کو ہمیشہ مصائب کے شکنجے میں گرفتار کیا۔

اے روشنی طبع کہ تو برین بلا شدی

مولانا کے تصور کے ساتھ جس چیز کا تصور دماغ پر چھا جاتا ہے، وہ آپ کی فراخ دلی اور فراخ حوصلگی، مدارات اور تواضع ہے جو ہر اس

شخص کے لئے عام ہوتی تھی جس کے متعلق وہم ہو جانا تھا کہ وہ کسی حیثیت میں مولانا کا ہمان ہے۔ پھر یہ مدارات عام بھی تھیں۔

بریں خوان نغا چہ دشمن چہ دوست

حضرت مولانا کے ان اوصاف کی برکت یہ تھی کہ ۱۹۴۷ء کے بعد جب مولانا نے دہلی میں قیام فرمایا تو یہاں ہر فرقہ اور ہر طبقہ میں وہ ایسے ہی معروف تھے، جیسے کوئی مدت ہمدت سے دہلی میں رہتا ہو، پھر جب کچھ عرصے بعد وہ لدھیانہ تشریف لے گئے جس کے متعلق محض خا ر زار ہونے کا تصور نہیں تھا۔ بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے دہشت زار ہے۔ وہ لدھیانہ میں ایسے مقبول تھے جیسے تحریک کے اس دور میں جب مولانا لدھیانہ کے فرماں بردار مانے جاتے تھے۔ دو ماہ ہوئے نومبر کے دوسرے ہفتے میں احقر لدھیانہ گیا۔ جہاں مولانا کے فرزند ان ارجمند مولانا محمد احمد رحمانی فاضل دیوبند علمی اور عملی طریقہ پر حضرت مولانا کی جانشینی کا حق ادا کر رہے ہیں تو مجھے محسوس ہوا کہ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کی یاد اسی طرح تازہ ہے جس طرح ان کی زندگی میں تھی بلکہ مولانا کے صاحبزادگان کے پاس قیام کر کے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا کی وفات نہیں ہوئی بلکہ وہ زندہ جاوید ہیں

ہرگز نہ میر دآنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

دعا ہے اللہ تعالیٰ مولانا کے ان اخلاص کو بھی ایسی زندگی کی توفیق بخشے جو ہمیشہ فنا سے نا آشنا رہتی ہے۔

وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ

اس مختصر مقالے میں ہم نے کوشش کی ہے کہ رئیس الاحرار کی زندگی کو روشناس

کرایا جائے۔ لیکن مجاہد حبیل رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی مکمل حیات کو بیان نہیں کیا جاسکا۔ ان کی زندگی کے ایک پہلو کو ”کتاب رئیس الاحرار“ میں اس کے مصنف محترم حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب جامی نے بڑی جانفشانی کے ساتھ بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کی اس عظیم خدمت کو بھلایا نہیں جاسکتا۔

رئیس الاحرار کی زندگی کے حالات لکھ کر انھوں نے اسلامی اور ملکی تاریخ میں ایک بہترین اور ضروری باب کا اضافہ کیا ہے۔ مورخین کو ان کی اس کتاب سے بہت فائدہ ہوگا، اندانے والے ہندوستان کے لوگ جدوجہد آزادی کی تصویر کو اس کتاب میں دیکھ سکیں گے۔ اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں گزشتہ دور کی سیاسی مذہبی تاریخ کا پس منظر اور اس کی اچھی خاصی جھلک نظر آتی ہے لیکن ضرورت ہے کہ ایک ایسی کتاب مرتب کی جائے کہ جس میں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کی مذہبی زندگی کا صحیح عکس اور ملی خدمات کی تاریخ بیان کی گئی ہو۔ تاکہ سیاسی اور مذہبی دنیا کے لوگ ان کی زندگی کے ہر پہلو سے روشنی حاصل کر سکیں۔

مکتوبات

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن نے ملک و ملت کے لئے مکتوبات کی شکل میں ایک علمی اور تاریخی سرمایہ چھوڑا ہے جس کو احقر ہی نے کتابی شکل میں مرتب کیا ہے۔ یہ مکتوبات زیر طبع ہیں۔ شائع ہونے پر مکتوبات کی ایک کتاب سیاسی، مذہبی اور علمی لوگوں کے لئے ایک اہم کتاب ثابت ہوگی اور بہت سے ایسے حقائق سے پردہ اٹھے گا جن سے ابھی تک لوگ ناواقف ہیں۔

خاندان

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے اپنے پیچھے مال دولت، زور و جاہر کے انبار نہیں چھوڑے۔ انھوں نے پوری زندگی ملک اور قوم کے لئے بلا کسی معاوضہ کے کام کیا۔ آزادی کے بعد بھی کسی چیز کے خواہش مند نہ تھے۔ آزادی ملنے کے ساتھ ہی اس مجاہد آزادی کا گھر لٹا۔ وطن چھوڑنا پڑا۔ ان کے

سہ رحمانی صاحب کی یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے۔

عزیز و رشتہ دار اس المیہ کے نذر ہو گئے۔ لیکن انھوں نے یہ سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ ملک میں جو کچھ ہوا، اُسے وہ انگریزی سامراج کی آخری ضرب سمجھتے تھے۔ ان کی بڑی خواہش تھی کہ ملک میں اقوام آپس میں لڑنے جھگڑنے کی بجائے آزادی کی نعمت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے متفق اور متحد ہو جائیں۔

ملک میں سرمایہ دارانہ نظام کی بجائے لوک راج قائم ہوا اور اس ملک کی باگ ڈور غریب اور دیانت دار عوام کے ہاتھ میں ہو تاکہ لوگوں کو انصاف و عدل اور سکھ چین مل سکے۔

افسوس ایسا نہ ہو سکا۔ ملک میں صوبائی، لسانی اور سینکڑوں قسم کے جھگڑے کھڑے ہوئے ہیں جن سے ملک کی عام جنت کو نقصان ہوا اور وہ آزادی کا حقیقی لطف اٹھانے سے محروم ہو گئی۔

عوام کی بجائے سرمایہ دار پیش پیش نظر آتے ہیں اور انھوں نے خرید و فروخت کا بازار تیز کر دیا۔ آج روٹی سے لے کر کرسی تک خریدی جا سکتی ہے، جو خواب آزادی کے مجاہدوں نے دیکھا تھا۔ ابھی تک شرمندہ تعمیر نہ ہو سکا۔ آج بھی ضرورت ہے قربانی ایثار اور جذبہ خدمت کی تاکہ آزادی کا ہمارا یہ جہاز ساحل مراد تک پہنچ جائے۔

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کے دو چھوٹے بھائی بقید حیات **بھائی :-** ہیں۔ حضرت مولانا یحییٰ صاحب۔ مولانا محمد حسن صاحب۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب پنجاب کے علماء میں جید اور مشہور عالم ہیں۔ جنگ آزادی میں کئی بار آپ بھی جیل گئے۔ سینکڑوں لوگ آپ کے عقیدت مند ہیں۔ ان میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو ایک عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ میں ہونی چاہئیں۔ لدھیانہ سے اُجرٹنے کے بعد لائلپور میں قیام فرمایا ہے۔ سینکڑوں کی تعداد میں لوگ صبح و شام ان سے روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں۔

لے ہندوستان کی وزیر اعظم انداجی نے انہی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ایمر حبشی لگا کر ملک میں اقتصادی اور

ان کی تقریر، کردار و عمل سے عوام و خواص متاثر ہوتے ہیں۔ شکل و شبہات رئیس الاحرار کی شبیہ ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کے خاص شاگردوں میں سے ایک ہیں۔ ان کی ذہانت اور علم پر شاہ صاحب کو ناز تھا۔ خدا خاندان حبیب کے اس عظیم انسان کو لمبی عمر عطا فرمائے تاکہ مخلوق الہی کو فیض روحانی حاصل ہوتا رہے۔

مولانا محمد حسن صاحب رئیس الاحرار رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آج کل رحیم یار خاں میں آپ کا قیام ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور ذہین عالم ہیں۔ ساری عمر تعلیم و تعلم میں صرف کر دی اور اب بھی ملی اور ملکی کاموں میں مصروف نظر آتے ہیں۔ ان کے عقیدت مندوں کا بھی ایک حلقہ ہے۔ کئی ایک کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کے صاحبزادے اسی طرح دین و اسلام کی خدمات میں مصروف ہیں، جیسے وہ خود تھے۔ یہ سب لوگ حالات کی خرابی، معاشی مشکلات کا شکار ضرور ہوئے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک نے اپنے خاندانی وقار، علم و عمل اور مذہبی طریق کار کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور پوری لگن سے اپنی اپنی جگہ ملکی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا خلیل الرحمن :- رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ لمبا قد، گورا رنگ، کتابی چہرہ، گفتگو اور چال میں وقار نہایت ذہین اور پایہ کے عالم ہیں۔ مشکلات کے ہر دور میں اپنے والد حضرت مولانا حبیب الرحمن کے ساتھ سایہ کی طرح لگے رہے۔ جنگ آزادی میں بہترین کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ کئی بار جیل جانا پڑا جسے انھوں نے خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ برسوں گجرات جیل اور پنجاب کی دوسری جیلوں میں بند رہے۔ لیکن ان کے استقلال میں فرق نہ آیا۔ ان کے جیل کے ساتھیوں میں آصف علی سے لے کر پتاپ سنگھ کیروں تک شامل ہیں۔

آل انڈیا مجلس احرار کے ڈکٹیٹر رہے۔ ان کے ایک اشارے سے سینکڑوں احرار کے رضا کاروں نے انگریز کے خلاف بغاوت کی۔ آج کل پھگوارہ جامع مسجد میں مقیم ہیں، جہاں بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ شخص جنگ آزادی کا ایک عظیم مجاہد ہے موجودہ ملکی حالات کو وہ جب دیکھتے ہیں تو ان کے چہرے پر اسی چھا جاتی ہے اور ملک و ملت کے لئے ٹھنڈی آہ بھر کر چپ ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے ایک ایسا دور دیکھا ہے اور ایک ایسے دور سے گزرے ہیں جس کے حالات سن کر آج رو نگے ٹھہرے ہو جاتے ہیں۔ خاندانی روایات کے حامل ہیں اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر قائم۔

۱۔ **مولانا انیس الرحمن**۔ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کے تیسرے صاحبزادے مولانا انیس الرحمن ہیں۔ برسوں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کی خدمت میں رہے۔ ان لوگوں میں ان کا شمار ہے جن لوگوں کو حضرت سے والہانہ محبت و تعلق تھا اور حضرت کے خلفاء میں بڑے درجے کے اور مشہور خلیفہ ہیں۔ آپ سے سلسلہ سچیت بھی جاری ہے۔ مظاہر العلوم سہارن پور کے فارغ التحصیل ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کے مشہور شاگردوں میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے۔ نہایت ذہین عالم اور حافظ قرآن ہیں مسائل دینیہ کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ آج کل لائل پور خالصہ کالج میں مقیم ہیں جہاں سینکڑوں بندگانِ الہی فیضِ روحانی حاصل کرنے کے لئے آپ کے پاس آتے ہیں۔ خدو خال نہایت خوب صورت ہیں۔ رنگ گورا، مخاٹب سے جب بات کرتے ہیں تو ان کا رعب اور ہیبت اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ لوگ احترام اور عزت سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ علماء کی جماعت میں ان کا ایک مقام ہے۔

مولانا محمد طیب صاحب۔ رئیس الاحرار کے چوتھے صاحبزادے مولانا محمد طیب صاحب ہیں۔ گندمی رنگ، بھرا ہوا جسم، رعب دار شخصیت کے مالک ہیں۔ علوم دینیہ کے عالم اور دنیاوی اعتبار سے گریجویٹ ہیں۔ دہلی میں مقیم ہیں۔ ان کا ۱۹ گزشتہ سال ستمبر میں انکا انتقال ہو گیا۔ ۶۴

ایک الگ حلقہ احباب ہے۔ بڑے اچھے پیرایہ میں علمی، ادبی اور سیاسی مسائل بیان کرتے ہیں۔ جو لوگ ان سے واقف ہیں وہ ان کے گرویدہ ہیں۔ مناسی کاموں سے ہمیشہ دور رہتے ایک دفتر میں اچھے عہدے پر فائز ہیں۔ اپنی کوشش سے کوچہ رحمن میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جو ان کی سرپرستی میں چل رہا ہے جس سے ملت اسلامیہ کے ہزاروں خاندان فیضیاب ہیں اور وہ اپنے اس کام و کاج کی وجہ سے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے میں عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ بلا وجہ کے ملی کاموں میں مصروف رہ کر عوام کے دلوں میں ان کے لئے بڑی جگہ ہے۔

مولانا محمد ازہر: رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کے صاحبزادے مولانا محمد ازہر صاحب ہیں۔ پتلے، دبیلے، درمیانہ قد، گندمی رنگ، قبول صورت، چال ڈھال درویشانہ۔ مقابل سے بات چیت کرنے میں چاق و چوبند۔ مدرسہ خیر المدارس جالندھر کے تعلیم یافتہ ہیں۔ مولانا خیر محمد صاحب کے مخصوص شاگردوں میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے۔ نہایت ذہین اور معاملہ فہم لوگوں میں سے ہیں۔ سلیقہ سے سچی بات کہنے کا انھیں ملکہ حاصل ہے۔ خود دار اور با وضع ہیں۔ اپنا مخصوص حلقہ احباب رکھتے ہیں۔ ملت اسلامیہ کے لئے ان کے دل میں بڑا درد ہے۔ پہلی ملاقات میں ہی مخاطب ان کی شخصیت کا اثر قبول کئے بغیر نہیں رہتا۔

مولانا سعید الرحمن: حضرت مولانا حبیب الرحمن کے چھٹے صاحبزادے ہیں۔ حافظ قرآن۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل عالم ہیں۔ درمیانہ قد۔ گورا رنگ، اکہرا بدن، رنگ و روپ، وضع و قطع کے اعتبار سے خوبصورت شخصیت کے مالک ہیں۔ صحت مند اور ابھی نوجوان ہیں۔ نہایت ذہین اور پائے کے عالم ہیں۔ ہر بات کو قانون اور قاعدے سے دیکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے ایک طبقے میں خاصے مقبول ہیں۔ مرضی اور منشا کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ حکام بالا سے کام نہ لے کر راسخ

پیدا کرنے میں ماہر۔ لدھیانہ جو کہ ان کا آبائی وطن ہے۔ دوبارہ واپس آئے۔ بڑی جدوجہد اور محنت کے ساتھ انھوں نے یہاں پر جامع مسجد دو منزلہ و انکزار کرائی جو ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر اسلامی اور مذہبی مرکز کی شکل اختیار کر گئی۔ شہر میں ان کا حلقہ احباب ہے اور بہت سے سہی خواہ ہیں۔ کسی دباؤ کے تحت کام کرنے کے عادی نہیں۔ ان کی شخصیت سے ملک و ملت کو عظیم فائدہ پہنچ رہا ہے۔

محمد احمد رحمانی :- خاکسار راقم الحروف کا بھی شبی تعلق رئیس الاحرار

حضرت مولانا حبیب الرحمن کے ساتھ ہے۔ ان کی اولاد میں سب سے چھوٹا ہوں۔ زندگی کا بیشتر حصہ اس جدوجہد میں گزر گیا کہ والد مرحوم کے نقش قدم پر چل کر ملت اسلامیہ کے کسی کام آسکوں۔ اور والد مرحوم کے ان اصولوں کو جا کر کر سکوں جو کہ ملت کا بہترین سرمایہ ہیں۔ سب سے پہلے اس کام کے لئے ایک اخبار لدھیانہ سے (الحبیب) کے نام سے بھی نکالا۔ جو عرصہ تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا اور ملک کے بہت سے حصوں میں یہ اخبار انفرادی حیثیت سے مقبول ہوا۔ اخبار چونکہ علمی اور معیاری تھا۔ تجارتی نقطہ نگاہ کی اس کو ہوانہ لگی۔ اس لئے سرمایہ کی کمی اور حالات کی خرابی کی بنا پر یہ اہم اخبار بند کرنا پڑا۔ اس اخبار کی حق گوئی اور بیباکی کی بنا پر پنجاب ہائی کورٹ میں اس پر مقدمہ بھی چلایا گیا جہاں اس کے مخالفوں کو منہ کی کھانی پڑی۔ مگر یہ مقدمات اخبار کو بند کرنے کے باعث بنے۔ آج بھی ضرورت ہے کہ پنجاب سے اس طرح کا ملت اسلامیہ کا ترجمان اخبار نکالا جائے۔ تاکہ پنجاب کے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی جاسکے۔ میں نے ہندوستان کی مشہور عربی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ وہاں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور شیخ الادب مولانا اعجاز علی، حضرت مولانا ابراہیم صاحب اور مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند جیسے صاحب علم اور صاحب لہ ابتک ۴۲ ہزار مسلمانوں کو لدھیانہ میں آباد کر چکے ہیں۔

نسبت بزرگوں کی صحبت ملی۔

تعلیم کے بعد کئی ایک برس تک حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں علمی اور روحانی فیض حاصل کرنے کی غرض سے مقیم رہا۔ رائے پور کے قیام میں مجھے حضرت کی صحبت سے علمی اور روحانی فیض حاصل ہوا۔ میں نے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بہتاً سبقتاً حضرت کو تاریخی مذہبی کتابیں پڑھ کر سنائیں اور اس طرح بہت سی تصوف کی کتابیں حضرت کی خدمت میں پڑھ کر سنانے کا اتفاق ہوا۔ رائے پور کا یہ زمانہ ایک ایسا زمانہ تھا جسے شیخ کا آخری زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس وقت حضرت کی مجلسوں میں ملک بھر کے علماء و صوفیاء اور صاحب نسبت لوگوں کا اجتماع رہتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند اور رائے پور کی روحانی اور علمی مجالس سے مجھے مذہبی۔ علمی۔ ملکی اور ملی مسائل اور حالات سمجھنے کا موقع ملتا رہا۔ میرے ذہن فکر کو ان مجالس سے اپنے لئے ایک صحیح رائے متعین کرنے کا موقع ملا۔

میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کی زندگی کے آخری ایام میں خدمت کرنے کا موقع ملا۔ میرے لئے والد مرحوم کے آخری دو سال بہت قیمتی ثابت ہوئے۔ میں ان دنوں ان کے بہت قریب رہا اور مجھے بہت کچھ معلوم ہوا اور میں نے ان سے بہت کچھ سمجھا اور سیکھا۔

ان کے قلب مبارک میں یہ بڑا دکھ تھا کہ ان کا وطن جہاں کبھی لوگ اللہ کے نام کی آوازیں بلند کرتے تھے، خدا کا نام لینے والوں سے خالی ہے۔ انھوں نے اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالقادر کے مشورے سے ہمیں حکم دیا کہ ہم پنجاب میں آکر ملت اسلامیہ کی خدمت کریں اور از سر نو اسلامی حیات کی ابتدا کی جائے۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں کے حکم سے راقم الحروف محمد احمد رحمانی، مولانا خلیل الرحمن،

مولانا سعید الرحمن لدھیانہ اپنے وطن میں واپس آئے اور یہیں سے پنجاب میں مسلمانوں کی حیات جدیدہ کا کام شروع ہوا۔

اس کام میں جس قدر توجہ سابق وزیر اعلیٰ پنجاب سردار پیتا سنگھ کیروں نے کی۔ اس کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ ان کی توجہ اور مدد سے پنجاب بھر میں مساجد اور خانقاہیں و انزار ہوئیں اور ایک بار پھر پورے پنجاب میں اذان کی آواز سے فضا گونج اٹھی۔

ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ اب ان مساجد اور خانقاہوں کا انتظام کیسے اور کیونکر ہو رہا ہے۔ موجودہ انتظامی ڈھانچہ اپنی کارگزاری میں کامیاب ہے یا نہیں۔ مجھے صرف اس بات کی خوشی ہے کہ جس کام کا حکم ہمیں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نے دیا تھا، وہ ایک درجہ پایہ تکمیل تک پہنچ گیا اور یہ ایک صدقہ جاریہ ہے کہ جس کا ثواب ان بزرگوں کی ارواح کو یقیناً تاقیامت ملتا رہے گا۔ رئیس الاحرار کا سیاست سے لگاؤ بظاہر ان کی زندگی کا جزو نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑے پایہ کے سیاست داں ہوتے ہوئے بھی زبردست انسان صرف مذہبی انسان تھے۔ جس طرح اسلامیات کو انھوں نے سمجھا اور اسلام کی تبلیغ کی۔ سیاست اور مذہب کو جدا جدا کیا۔ یہ ان ہی کا کمال تھا۔ ان کی عظیم مذہبی شخصیت سے ملت اسلامیہ کو ہر مشکل موڑ پر رہنمائی ملی، اور بے پناہ فیض پہنچا۔ ہندو مسلم اور دیگر مذاہب کے لوگ ان کی سیاسی اور مذہبی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

میری زندگی کی جدوجہد، دلی خواہش اور تمنا یہ ہے کہ ملت اسلامیہ ایسے افراد اور اشخاص ملت کی رہنمائی کے لئے قیادت کا کام سنبھالیں اور رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کی طرح ملک و ملت کی بے غرض خدمت کریں تاکہ آنے والی

نسلوں کو اسلام پر قائم رکھا جاسکے۔

رئیس الاحرار کی چار صاحبزادیاں ہیں جن میں سے ایک کا انتقال ان کی زندگی

میں ہو چکا ہے۔

رقیبہ بیگم۔ بڑی صاحبزادی ہیں۔ بڑی عالمہ، زاہدہ اور فاضلہ ہیں۔ عرصے سے

راولپنڈی میں مقیم ہیں جہاں مسلم گھرانوں کی عورتیں ان سے مذہبی

معلومات حاصل کرنے کے لئے آتی جاتی ہیں۔ ان کے شوہر مولانا محمد یوسف صاحب

پنجاب کے علماء میں مشہور عالم ہیں۔ برسوں سے تعلیم و تعلم میں مشغول ہیں۔ ان کے

شاگردوں کا خاصہ بڑا حلقہ ہے۔ دونوں میاں بیوی ملی خدمات میں ساری عمر

صرف کار ہیں۔

زبیدہ بیگم دوسری صاحبزادی زبیدہ بیگم ہیں، ان کا انتقال تقسیم وطن کے

ساتھ ہی لائل پور میں بڑی بے چارگی کے عالم میں ہوا، اور ان

کے انتقال سے رئیس الاحرار کو ہی نہیں بلکہ ملک بھر میں علمی دنیا کے لوگوں کو صدمہ

پہنچا۔ نہایت ذہین عالمہ اور زاہدہ لڑکی تھیں، جوانی میں ہی انتقال کر گئیں۔ عرصے

مک باقاعدہ ایک اسکول میں اسلامیات کی لیکچرار رہیں۔ قرآن و حدیث پر اس سے

مور حاصل تھا۔ اس کے شائع شدہ مضامین اور چھپے ہوئے خطوط دیکھ کر اس

کی علمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اردو کی بہترین ادیبہ تھیں۔

ان کے شوہر غلام مصطفیٰ صاحب ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے اور بڑے ہی

صاحب علم اور مہربان استاد تھے۔ افسوس گزشتہ چند برس ہوئے آپ بھی اچانک

انتقال فرما گئے۔ زبیدہ مرحومہ کے دو بچے ہیں۔ بلال احمد اور حاجرہ بانو۔ جن

کی تعلیم و تربیت اور پرورش شفیق باپ اور محبت کرنے والی ماں کی طرح مولانا

زیر الرحمٰن اور ان کی اہلیہ نے کی ہے۔

خاتونِ جنت :- تیسری صاحبزادی خاتونِ جنت صاحبہ ہے۔ احاطہ

کالے صاحب دہلی میں مقیم ہے۔ علومِ دینیہ کی واقف کار اور بڑے پایہ کی عالمہ ہے دہلی احاطہ کالے صاحب میں ان کا گھر مسلمان بچیوں کے لئے ایک مرکزِ تعلیم ہے۔ مسلمانوں کی سینکڑوں بچیوں نے ان سے بلا معاوضہ قرآن اور مسائلِ دینیہ کی کتابیں پڑھیں۔ قرآن پاک پڑھانے کا ان کو ملکہ حاصل ہے۔ ان کے شوہر جناب فرست حسین صاحب صدیقی بڑے پایہ کے لوگوں میں سے ہیں اور علمِ دوست انسان ہیں۔

بلقیس فاطمہ :- چوتھی صاحبزادی بلقیس فاطمہ ہیں۔ ریاست بھاول پور مغربی پاکستان میں مقیم ہیں۔ نہایت ذہین اور بذلہ سنج، مقررہ اور واعظہ بھی ہیں۔ ملکی اور مذہبی مسائل کو سمجھنے کا انھیں سلیقہ ہے۔ خاندان میں مقبول اور چہیتی ہیں۔ مخاطب سے بات کرتے وقت اپنی سمجھ اور گفتگو سے چھا جاتی ہیں۔ ان کے شوہر محترم حبیب اللہ صاحب ایک بڑے عہدے پر فائز ہیں۔ نہایت دیانت دار اور صاحبِ علم انسان ہیں۔ ان کے احباب ان کی شخصیت سے متاثر نظر آتے ہیں۔

اہلیہ، شفاعت بیگم :- رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کی اہلیہ ہیں پوری جدوجہد آزادی میں سب سے زیادہ حصہ اگر کسی نے لیا تو ان کی اپنی اہلیہ شفاعت بیگم ہیں جس نے مصیبت اور مشکلات کے وقت رئیس الاحرار کے دوش بدوش کام کیا اور کبھی انھیں احساس نہ ہونے دیا کہ ان کی گرفتاری اور جدوجہد سے اُسے کوئی پریشانی ہے۔

رئیس الاحرار کے جیل جانے کے بعد انگریزی سامراجیوں نے اس کا گھر ریورٹات، برتن، بسترے غرضکہ جو کچھ بھی تھا لوٹا اور اس عظیم عورت نے ان سب تکلیفوں کو ملکی آزادی کے لئے خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ انگریزی ظلم و تشدد کے مقابلہ میں پورے استقلال کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم رہی اور اس ظلم و تشدد نے

انہیں مجبور کر دیا کہ وہ تحریک آزادی میں پورے زور شور سے حصہ لیں۔
 رئیس الاحرار کے جیل کے زمانے اور عدم موجودگی میں سینکڑوں مجاہدین آزادی
 شفاعت منزل حبیب روڈ لدھیانہ میں آکر ٹھہرتے۔ ان مجاہدین آزادی کو اس گھر میں
 پناہ ملتی۔ پوری رازداری کے ساتھ ٹھہرا جاتا۔ اور اس عظیم عورت نے ملکی آزادی کے لئے
 اپنے زیورات اور سامان تک بیچ کر مجاہدین آزادی کو پیش کر دیا، تاکہ تحریک آزادی
 کا کام نہ رک سکے۔

نہایت ذہین اور صاحب علم عورت تھیں اور راتوں کو اٹھ کر بارگاہ الہی میں
 سر بسجود ہو جاتیں۔ لدھیانہ کے تمام مذہبی گھرانوں میں ان کی شخصیت کو ایک عابدہ
 عالمہ، زاہدہ عورت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

اس عظیم عورت کے سامنے اس کا خاوند، بیٹے، بھائی اور اس کے خاندان کے
 چھوٹے بڑے بزرگ اور رشتہ دار تحریک آزادی میں شریک ہو کر جیل کو لبیک کہتے
 اور خندہ پیشانی سے انگریزی ظلم و ستم کو اس خاندان کے لوگوں نے برداشت کیا۔
 رئیس الاحرار کی اہلیہ نہایت خوشی کے ساتھ اپنے ان تمام عزیزوں اور بزرگوں کو جیل
 کے لئے رخصت کرتیں۔ اس کی صرف ایک تمنا تھی کہ اُس کا یہ ملک غیر ملکی سامراج کی طاقت
 سے آزاد ہو جائے۔ غلامی کی زنجیریں ٹوٹ جائیں اور ملک کے عوام کو اس ملک پر راج
 کرنے کا حق ہو۔ اپنی اس تمنا کے لئے سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ ایسی باعصمت بیوی۔
 ماں۔ اور بہن کا ملنا بہت مشکل ہے۔ رئیس الاحرار کی اہلیہ کا شمار ایسی عظیم عورتوں
 میں ہوتا ہے جن کے نام تاریخ کے اوراق میں سنہری الفاظ میں لکھے جاتے ہیں۔

ہم نے اس کتاب میں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کے خاندانی حالات
 اور کوائف پر اکتفا کیا ہے۔ ضرورت تھی کہ رئیس الاحرار کے ان ساتھیوں کا بھی ذکر کیا
 جاتا، جنہوں نے ان کے دوش بدوش کام کیا، جن میں سے مشہور نام مولانا عطاء اللہ شاہ

بخاری۔ چوہدری افضل الحق مرحوم۔ مولانا منظر علی۔ مولانا داؤد غزنوی، مولانا حفظ الرحمن
شورش کشمیری جس کی جوانی جیل کی سلاخوں کے درمیان گزر گئی۔ لیکن یہ مختصر مقالہ
اس پوری تاریخ کو بیان کرنے کا نہیں ہے۔ اس کے لئے تاریخ کی ایک پوری کتاب
چاہئے۔ وقت نے اگر فرصت دی اور توفیق الہی شامل حال رہی تو کوشش کروں گا کہ
ایک ایسی کتاب لکھوں جس سے ان کے ساتھیوں اور احباب سے بھی لوگوں کو روشناس
کرایا جاسکے۔

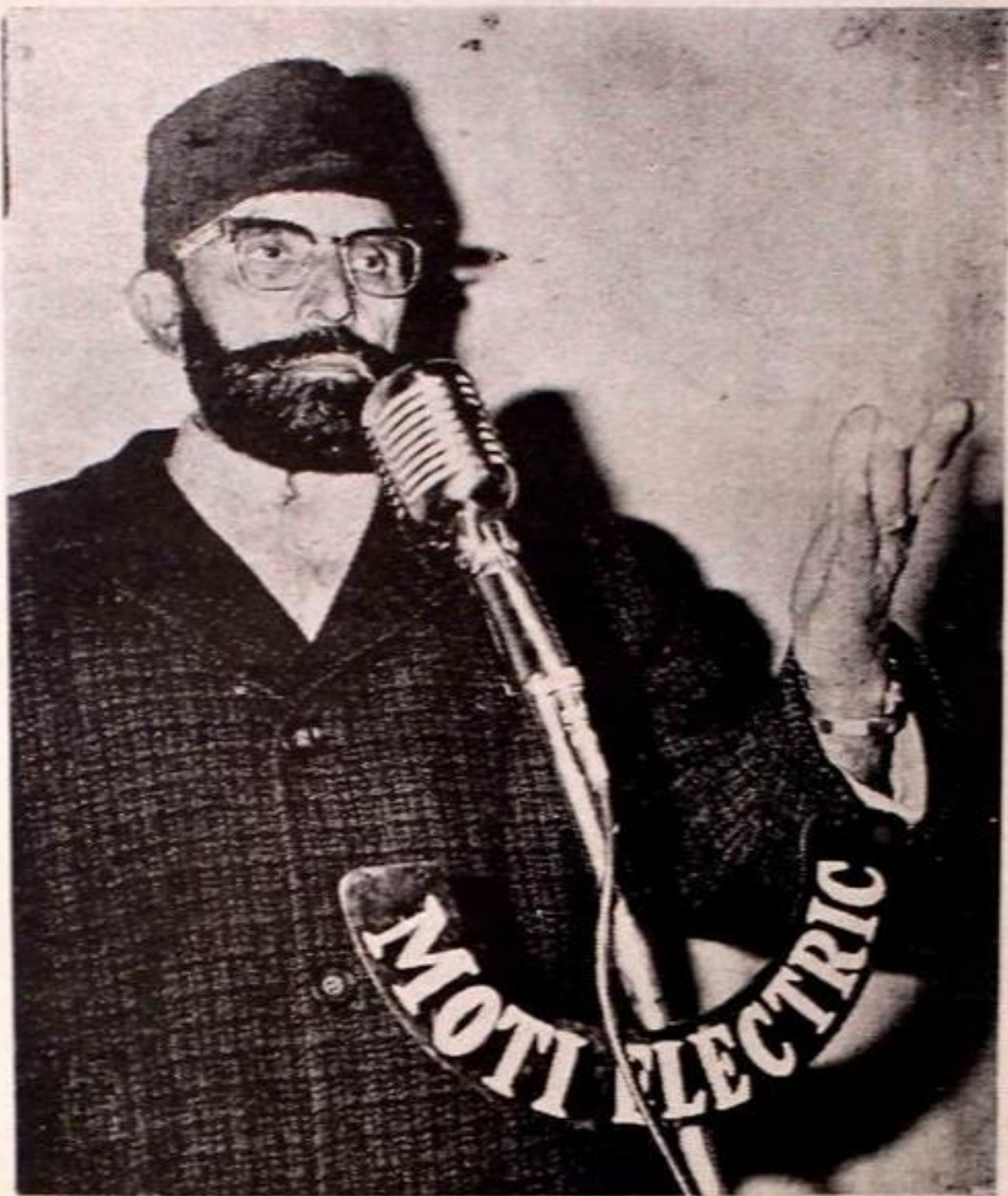
محمد احمد رحمانی فاضل دیوبند۔ لدھیانہ
مفتی پنجاب ۸ ستمبر ۱۹۷۷ء



دل مردہ دل نہیں ہے

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ
ترا بھر پر سکوں ہے۔ یہ سکوں ہے یا فسوں ہے
نہ نہنگ ہے نہ طوفاں، نہ خرابی کتارہ
تو ضمیر آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے
نہیں بے قرار کرتا تجھے غمزہ ستارہ
تیرے نیناں میں ڈالا مرے غمزہ سحر نے
مری خاک بے سپر میں جو نہاں تھا اک شرارہ
نظر آئے گا اسی کو یہ جہان دوش فردا
جسے آگئی میسر مری شوخی نظارہ

حبیب قوم کے لختِ جگر عزیز و خلیل
مری نگاہ میں شور و شش بر سہنہ شمشیریں



سات بار چل گئے اور اپنے بزرگوں کی سنت کو زندہ کرتے رہے

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندگی

رئیس الاحرار کے بڑے صاحبزادے مولانا خلیل الرحمن ایک جلسہ کو خطاب کر رہے ہیں

یوں بسر کی زندگی ہم نے اسیری میں جگر ہر طریقہ داخل آدابِ زنداں ہو گیا

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی



غم حبیب اور پیغام حبیب
یہ مصرع لکھ دیا کہ شوخ نے مزارِ منبر پر
کہ ناداں جھک گئے سجڑیں جب وقتِ قیام آیا

تیس سالہ زندگی گھر سے جیل تک

۱۹۲۱ء کی تحریک آزادی سے لے کر نپل حریت مجاہد جلیل رئیس الاحرار
حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کتنی ہی
بار جیل گئے۔ مندرجہ ذیل مضمون میں رئیس الاحرار کی زندگی کا ابتدائی
نقش مولانا خلیل الرحمن صاحب لدھیانوی نے ترتیب دیا ہے۔ یہ اہم
اور بنیادی مضمون قاری کی معلومات کے لئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
شائع کیا جا رہا ہے۔

یوں بسر کی زندگی ہم نے اسیری میں جگر
ہر طریقہ داخل آداب زنداں ہو گیا

۱۹۲۱ء میں جب کانگریس کی تحریک عدم تعاون اور تحریک خلافت کا آغاز ہوا،
اور دونوں میں ہی تحریک آزادی شباب پر پہنچ گئی۔ لوگ پروانہ دار اپنے لیڈروں کی آواز
پر لبیک کہتے ہوئے جیلوں میں جا رہے تھے اُس وقت لدھیانہ کے گلی کوچوں میں ”ہندو
مسلم بھائی بھائی“ ”انگریز کو ہندوستان سے نکال دو“ کے نعرے لگائے جا رہے
تھے۔ مولانا نے حالات کا جائزہ لیا اور ایک تقریر سے شہر کے لوگوں کو اپنی رہنمائی
سے نواز۔ آپ کی ایک ہی تقریر سے شہر میں آگ لگ گئی۔ ہزاروں کی تعداد میں نوجوان
رضا کار بھرتی ہو گئے۔ معززین شہر نے آپ کا ساتھ دیا۔ چند یوم میں آپ کی آواز پر
ہزاروں رضا کار رسول نافرمانی کرتے ہوئے جیل میں پہنچ گئے۔ معززین شہر کو گرفتار

کر لیا گیا۔ آخر میں حکومت نے ۲۱ دسمبر ۱۹۲۱ء کی صبح کو ۹ بجے آپ کو بھی گرفتار کر لیا۔
 آپ پر اور آپ کے تمام ساتھیوں پر مقدمہ چلایا گیا۔ اس مقدمہ میں آپ کو چھ ماہ قید
 بامشقت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا کا حکم سنایا گیا۔ آپ کے تمام ساتھیوں اور
 رضا کاروں کے مقدمات کی سماعت کچہری کی عدالت میں نہیں ہوئی۔ بلکہ آپ کے مقدمہ
 کی سماعت کے لئے عدالت کا اجلاس جیل کے اندر ہوا اور جیل میں ہی مقدمے کا فیصلہ
 بھی سنایا گیا۔ حکومت کو خطرہ تھا کہ اگر آپ کو عدالت میں لایا گیا تو شہریوں کے بے پناہ
 ہجوم کو کنٹرول نہیں کیا جاسکے گا۔ جیل میں رضا کاروں کے علاوہ آپ کے ساتھ شہر کے
 معزز اصحاب میں سے مہاشہ گھسیٹا رام صاحب۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب آپ کے
 چھوٹے بھائی اور ماسٹر تاج الدین صاحب اور ڈاکٹر سید سلیم صاحب مرحوم تھے۔
 لدھیانہ جیل میں آپ کی موجودگی تحریک آزادی کو زیادہ تیز کر رہی تھی۔ فوجوان
 اپنے شہر کے محبوب لیڈر کے پاس پہنچنے کے لئے دیوانہ وار سول نافرمانی کر رہے تھے۔
 جن کو گرفتار نہیں کیا جاتا تھا وہ جیل کے سامنے دھڑا مار کر بیٹھ جاتے تھے۔ حکومت نے
 مولانا اور ان کے ساتھیوں کے مقدمات کے ختم ہونے کے ساتھ ہی ایک دن اچانک
 آپ کو، آپ کے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب اور ماسٹر تاج الدین صاحب کو لدھیانہ
 جیل سے انبالہ جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ تین دن تک آپ تینوں حضرات انبالہ جیل میں
 رہے۔ انبالہ جیل سے تین دن کے بعد آپ کو اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو میانوالی
 جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ مولانا کو میانوالی جیل میں دس دن تک قید تنہائی میں رکھا گیا
 اور ایسی کوٹھری میں بند کیا گیا جہاں چوبیس گھنٹہ میں لانگری (روٹی دینے والا) اور
 بھنگی کے سوا کسی اور انسان کی صورت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ کوٹھری کے باہر چوبیس
 گھنٹے تالا پڑا رہتا تھا۔ ساتھیوں کو مولانا کا علم نہیں تھا کہ جیل میں کس جگہ ہیں اور
 مولانا کو اپنے ساتھیوں کی خبر نہیں تھی۔ غالب کا یہ شعر ہے

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

صادق آتا تھا شاید غالب مرحوم نے بھی یہ شعر اپنی اسیری کے زمانے میں ہی کہا ہوگا۔ انگریز اور خنزیر کی خصلت بالکل ایک جیسی ہے۔ خنزیر ڈھول سے بھاگتا ہے اور انگریز پروپگنڈے سے۔ آپ کی اس قید تنہائی پر باہر عوام نے پرزور احتجاج کیا چنانچہ دس دن کے بعد آپ کو آپ کے ساتھیوں میں بھیج دیا گیا۔ اب مولانا احمد سعید صاحب مولانا سید عطار اللہ شاہ صاحب بخاری۔ پنڈت نیکی رام صاحب۔ مولانا القادر اللہ صاحب پانی پتی۔ مولوی عبد المجید صاحب سالک مدیر انقلاب۔ مولانا محمد داؤد غزنوی لالہ دیش بندھو جی گپتا اور لالہ شنکر لال صاحب میا نوالی جیل میں آچکے تھے۔

ان حضرات کے علاوہ ڈیڑھ صد کے قریب اور پولیس کی قیدی تھے۔ تین چار ماہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گزرنے پائے تھے کہ جون ۱۹۶۲ء میں تنہا آپ کو میا نوالی جیل سے دھرم سالہ جیل ضلع کانگڑہ میں منتقل کر دیا گیا۔ دھرم سالہ جیل میں اس وقت ہندوستان کے مشہور و معروف لیڈر لالہ لاجپت رائے سرگباشی موجود تھے۔ لالہ جی کے ساتھ قید کے دن بہت اچھے گزر رہے تھے کہ مولانا کی رہائی کی تاریخ قریب آگئی۔ ۲۱ اگست ۱۹۶۲ء کو آپ کی سزا کے چھ ماہ پورے ہو جاتے تھے۔ اچانک آپ کو تاریخ رہائی سے چار یوم پہلے پولیس لدھیانہ جیل میں لے آئی۔ لدھیانہ جیل میں آپ کو دوسرا وارنٹ دکھایا گیا۔ آپ کی قید کے چھ ماہ پورے ہو جانے کے باوجود لدھیانہ شہر میں ابھی لوگوں کے جذبات مردہ نہیں ہوئے تھے، حکومت کو خدشہ تھا کہ ایسے حالات میں مولانا کی رہائی کہیں دوبارہ تحریک کے آغاز کا سبب نہ بن جائے۔ چنانچہ آپ پر دوسرا کیس تیار کر کے مقدمہ چلا دیا گیا۔ مقدمہ کی سماعت اس مرتبہ بھی جیل میں ہوئی اور جیل کے اندر ہی عدالت نے اس مقدمہ میں ایک سال

کی سزا کا حکم سنا دیا۔ حکم سنانے کے بعد آپ کو واپس پولیس نے دھرم سالہ جیل میں پہنچا دیا۔ اب آپ دھرم سالہ جیل میں پہنچے تو لالہ جی سورگ باشی کے علاوہ شیخ حسام الدین صاحب امرت سری بھی موجود تھے۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد شیخ صاحب کی قید ختم ہو گئی اور وہ رہا ہو کر امرت سری پہنچ گئے۔

قید کے ساتھ ساتھ مولانا پر ایک ہزار روپیہ جرمانہ بھی ہوا تھا۔ آپ نے جرمانہ دینے سے انکار کر دیا۔ حکومت اچھے ہتھیاروں پر اترا آئی۔ ایک شام مغرب کے بعد پولیس کی ایک بھاری جمعیت نے مولانا کے مکان کو گھیر لیا۔ اس وقت گھر میں مولانا مرحوم کی اہلیہ اور آپ کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے علاوہ کوئی بھی موجود نہ تھا۔ پولیس کے پاس گھر کے تمام سامان کی قرقی کا وارنٹ تھا جو آپ کی اہلیہ کو دکھایا گیا۔ آپ کی اہلیہ نے پولیس کو اپنی کارروائی کرنے کی بخوشی اجازت دے دی۔ پولیس نے گھر کا تمام سامان حتیٰ کہ روزانہ استعمال کے برتن، تو اور دست پناہ تک بھی اٹھالیا گیا۔ زنانہ پولیس کے ذریعے آپ کی اہلیہ کا زیور اور دونوں چھوٹی بچیوں کے کانوں سے بالیاں تک اتر والیں۔ اگلے دن صبح کو یہ تمام سامان کو تواری کے سامنے نیلام کر دیا۔ حکومت نے شاید یہ سمجھ لیا تھا کہ اس کا یہ اقدام جیل میں مولانا کے ارادوں کو متزلزل کر دے گا۔ لیکن یہاں یہ حال تھا کہ

ادھر آؤ ظالم مہنہ آزمائیں

تو پھر آزمائیں ہم جگر آزمائیں

۱۶ اگست ۱۹۲۳ء کو آپ اپنی تمام قید ختم کر کے رہا ہوئے، لدھیانہ پہنچے، گھر کی تباہی ڈیوڑھی سے ہی نظر آرہی تھی۔ بارش سے گھر کی چہار دیواری جو کچی تھی گر چکی تھی۔ سامان ضبط ہو چکا تھا۔ دیوار گر جانے سے بے پردگی ہونے لگی۔ آپ کی اہلیہ نے رسی کھینچ کر اس پر پھٹے ہوئے کپڑے، کچھ ٹاٹ کے ٹکڑے ڈال کر دو سال گزار دیئے۔ گھر میں پہلے ہی کیا

تھا، پھر جہاں پولیس تو ادا تشکیہ تک اٹھا کر لے گئی ہو اس گھر میں چور کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ گھر کی غربت سامان کی ضبطی آپ کے ارادوں کو متزلزل نہ کر سکی۔ آپ نے اپنی اہلیہ کے چہرے پر بھی کوئی شکن نہ پایا، بلکہ وہ اپنی زندگی کے آخری سانس تک آپ کی معاون رہیں۔ گھر کی ٹوٹی ہوئی دیوار چند دوستوں کی توجہ سے بن گئی۔ تھوڑے سے برتنوں کے ساتھ گھر کا کام چلتا رہا۔ گھر کا اجر بنا۔ سامان کی ضبطی آپ کے لئے نئی بات نہیں تھی جس سے کہ آپ یا آپ کی اہلیہ متاثر ہوتیں۔ آپ کے دادا مولانا محمد صاحب اور آپ کی اہلیہ کے والد مولانا عبدالعزیز صاحب دونوں حقیقی بھائی تھے۔ اس لئے میاں بیوی یہ جانتے تھے کہ ان کے بزرگوں نے جب ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا تھا تو ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ مکانات کو صرف ضبط ہی نہیں کیا گیا تھا، بلکہ مسماں کر دیئے گئے تھے۔ مکانوں کے علاوہ مسجور بھی مسماں کر دی گئی تھی۔ نہ رہنے کے لئے گھر تھانہ اڈرھنے کے لئے کپڑا۔ اس کے باوجود حکومت اپنے تشدد سے آپ کے بزرگوں کو نہ دبا سکی۔ اور نہ کسی لالچ سے خرید سکی اس لئے ضبطی سامان کا واقعہ مولانا، ان کی اہلیہ اور ان کے تمام خاندان کے لئے تعجب خیز نہ تھا۔ خاندان کا ایک ایک فرد جانتا تھا کہ جو راستہ ہمارے بزرگوں نے اختیار کیا تھا اور جس پر ہم چل رہے ہیں اس راستے میں اس سے بھی زیادہ مصائب اور آلام پیش آتے ہیں۔ طبیعتیں ایسے تلخ واقعات سے خاندانی طور پر عادی بن چکی تھیں۔ اس لئے اس واقعہ کی تلخی کو بھی انگلیں سمجھ کر پی گئے اور جیل سے آتے ہی پھر انگریزی اقتدار کے خاتمہ کے لئے مصروف عمل ہو گئے۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو چند قابل اعتراض تقاریر کی بنا پر پھر آپ کو گرفتار کر لیا گیا عدالت نے ایک سال کے لئے ضمانت طلب کی لیکن آپ نے ضمانت دینے کی بجائے ایک سال جیل میں رہنا منظور کیا۔ جیل میں آپ بالکل تنہا تھے اسی جیل میں آپ سچش جیسے

موذی مرض میں مبتلا ہو گئے اور چار ماہ تک اس مرض نے آپ کو گھیرے رکھا۔ جس کی وجہ سے آپ کی آنتوں اور معدے کا مضمہ ہمیشہ کے لئے خراب ہو گیا۔ اور آج تک آپ کی خرابی صحت کی وجہ اسی پچیش کے حالات ہیں۔ ۱۳ اگست ۱۹۲۸ء کو آپ پوری ایک سال کی قید ختم کر کے رہا ہو گئے۔ اسٹیشن پر کئی ہزار ہندو مسلمان مرد اور عورتوں کا اجتماع ہو گیا۔ صبح ۱۰ بجے کے قریب گاڑی لاہور کی طرف سے لدھیانہ پہنچی۔ مولانا کو دیکھتے ہی ہجوم نے مولانا حبیب الرحمن زندہ باد۔ انقلاب زندہ باد۔ ہندو مسلم بھائی بھائی کے پر زور نعرے بلند کئے۔ پولیس کافی تعداد میں اسٹیشن پر پہلے ہی موجود تھی۔ کپتان پولیس خود بھی انتظام کے لئے اسٹیشن پر موجود تھا۔ ایسے بے پناہ ہجوم میں سے نکال کر مولانا کو جیل تک لے جانا آسان کام نہ تھا۔ اس لئے کپتان پولیس نے ڈپٹی کمشنر کی اجازت سے مولانا کو ریلوے انجن پر سوار کر دیا اور پولیس کے چند ذمہ دار افسران بھی اسی انجن میں سوار ہوئے۔ اس انجن سے مولانا کو جیل کے قریب لا کر اتار دیا گیا۔ ریلوے لائن لدھیانہ جیل کے قریب سے گزرتی ہے۔ یہ اس لئے کیا گیا تاکہ لوگ اسٹیشن پر ہی دھوکے میں کھڑے رہیں اور مولانا کو پولیس اطمینان سے جیل تک پہنچا دے۔ لیکن یہاں معاملہ دوسرا نکلا، مولانا ابھی انجن ہی میں تھے کہ ہجوم بھاری اکثریت میں جیل کے دروازے پر پہنچ گیا اب پولیس اور افسران کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ مولانا کو اسی ہجوم میں سے گزار کر جیل کے دروازے تک لے جائیں۔ مشتعل ہجوم کو کنٹرول کرنا آسان کام نہ تھا۔ ہجوم کا یہ مطالبہ کہ مولانا کو ہمارے سامنے چند منٹ کے لئے تقریر کرنے کی اجازت دی جائے افسران کو تسلیم کرنا پڑا۔

ہرچہ دانا کند، کند ناداں

لیک بعد از خرابے بیار

تقریر۔ چنانچہ مولانا نے چند منٹ کے لئے پبلک کو مخاطب کیا اور فرمایا

۱۵ اب مولانا کو پھر گرفتار کر لیا گیا اس ۷۸ گرفتاری سے گھر کے لوگوں میں اشتعال پھیل گیا۔

”عدم تشدد ہمارا بنیادی اصول ہے اس اصول کو ہمیں کسی وقت بھی بھولنا نہیں چاہئے۔ پیرامن رہتے ہوئے ہمیں ملک کی آزادی اور انگریزی اقتدار کے خاتمے کے لئے زیادہ سے زیادہ قربانیاں دینی چاہئیں۔ اس وقت ملک کو شور و مہنگامے سے زیادہ قربانی کی ضرورت ہے جو گرجتے ہیں وہ برسا نہیں کرتے۔ عمل کرنے والے شور و مہنگامے سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ اگر آپ کو واقعی وطن سے محبت ہے تو آزادی وطن کے لئے عمل کے میدان میں مظلوم بن کر حکومت کے ہر ظلم کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا اپنا نصب العین بنا لو۔ مظلوم کی آہ خالی نہیں جایا کرتی۔ آپ یقین کیجئے کہ اگر ہندوستان میں کسی ایک فرد نے بھی خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو واقعی مظلوم بن کر انگریزوں کے ظلم کو اس نے برداشت کر لیا تب یہ حکومت زیادہ دیر تک اپنے ظلم و تشدد کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکے گی اور ہماری آنکھیں اپنے سامنے اس حکومت کو مٹتا ہوا دیکھ لیں گی۔ مولانا کی اس تقریر کا ہجوم پر اور پولیس پر بھی بے حد اثر ہوا۔ سب کی آنکھیں پر غم بھری تھیں۔ ہجوم پر کامل سکون چھایا ہوا تھا۔ کسی کے اونچے سانس لینے یا کھانسنے تک کی بھی آواز نہیں آرہی تھی۔ قریب پندرہ منٹ مولانا کی تقریر جاری رہی اور آخر میں آپ نے لوگوں کو پیرامن طریقے سے گھروں کو واپس لوٹ جانے کے لئے کہا۔ ہجوم اپنے محبوب رہنما کے حکم کو مانتے ہوئے واپس چلا گیا اور مولانا کو جیل میں داخل کر دیا گیا۔

پھانسی کی کوٹھڑی

جیل میں ابھی بہت کافی رضاکار موجود تھے۔ لیکن ان کے ساتھ افسران جیل کا سلوک بہت خراب تھا۔ اس کے علاوہ کچھ اور ایسی باتیں پیدا ہو گئیں جن کی بنا پر مولانا کا افسران جیل سے جھگڑا ہو گیا۔ رضاکاروں کے ساتھ اس بے جا سلوک کے خلاف بھی مولانا نے بہت سخت قدم اٹھایا۔ افسران جیل نے آپ کو فوراً پھانسی کی

کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ پھانسی کی کوٹھڑی میں بند ہونے کی خبر راتوں رات شہر کے ایک ایک گھر میں پھیل گئی۔ لوگ اس خبر کو سنتے ہی بے چین ہو گئے۔ شہر کے بچے بوڑھے مرد اور عورتیں سبھی مولانا سے پیار کرتے تھے۔

عورتوں کا جلوس

ہندو مسلمان عورتیں علی الصبح پانچ چھ ہزار کی تعداد میں جمع ہو گئیں۔ عورتوں کے لے مردوں کو کسی بھی قدم اٹھانے سے روک دیا اور خود ایک جلوس بنا کر شہر کے بڑے بڑے بازاروں سے حکومت برباد کے نعرے لگاتی ہوئی جیل کے دروازے پر پہنچ گئیں۔ جیل کے باہر جو چیز نظر آئی توڑ ڈالی۔ سول ہسپتال اور جیل ملے ہوئے ہیں اس وقت سپرنٹنڈنٹ جیل سول سرجن تھے جو مسلمان تھے۔ جیل کی طرف سے اس مشعل ہجوم کا رخ ہسپتال کی طرف ہو گیا۔ سول سرجن صاحب بھاگ نکلے۔ لیکن ہسپتال کی تمام کرسیاں، میز، دواؤں کی شیشیاں، گملے، دروازوں کے شیشے جو چیز بھی سامنے آئی ہجوم کی دست برد سے بچ نہ سکی۔ عورتیں ڈاکٹر کے گھر گھس گئیں۔ اس کی بیوی سے کہا۔ ایسے ظالم انسان کی تم بیوی ہو جس نے مولانا کو پھانسی کی کوٹھڑی میں بند کر دیا تمہیں شرم آنی چاہئے۔ سمجھ دار عورت نے ہجوم کے مزاج کو سچاں لیا تھا وہ جانتی تھی اس وقت ہجوم کو سمجھانا بے کار ثابت ہوگا۔ وہ بھی ہجوم کی ہاں میں ہاں ملانے لگی۔ چند آنسوؤں کے ساتھ پوری ہمدردی کا اظہار کیا۔ گھر توڑ پھوڑ سے بچ گیا۔ اور ہجوم مطمئن ہو کر واپس پھر جیل کی طرف چلا گیا۔ اب پانچ ہزار عورتوں کا یہ ہجوم دھڑا مار کر جیل کے سامنے بیٹھ گیا۔ افسران شہر اور جیل کے حکام عورتوں کے اس اقدام سے بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ مولانا کو فوراً پھانسی کی کوٹھڑی سے نکال کر ان کی پہلی جگہ پر پہنچا دیا۔ پھر عورتوں کے اس ہجوم کو یہ اطلاع دی کہ مولانا کو پھانسی کی

کوٹھڑی سے نکال دیا گیا ہے۔ اب آپ اطمینان سے گھروں کو جائیں۔ جب اس
ہجوم کو واقعی یقین ہو گیا۔ تو واپس اپنے گھروں کو لوٹا۔

کم سن سا تھی عبدالرحمن عرف "مانا"

مولانا اب پھر رضا کاروں میں واپس آ گئے۔ اس جگہ اگر آپ کے دو کم سن
رضا کار ساتھیوں کا ذکر نہ کیا گیا تو یہ ان کے ساتھ بہت بڑی بے انصافی ہوگی۔
عبدالرحمن عرف "مانا" حافظ مشتاق احمدیہ دونوں بالکل نو عمر تھے۔ پندرہ سال
کسی کی عمر زیادہ نہ تھی۔ جیل سے باہر ان دونوں کا ہر وقت مولانا کے پاس اٹھنا بیٹھنا
تھا۔ ان کی محبت مولانا کے ساتھ عشق کے درجے تک تھی اور ہے۔ مگر اب آپ سے
بہت دور پاکستان کی بستیوں میں زندگی کے دن گزار رہے ہیں۔ عبدالرحمن "مانا"
اگرچہ ان پڑھ ہے لیکن مولانا کی صحبت میں مسلسل رہنے سے وہ ہندوستان کی
سیاسیات کو بالکل صحیح اور ٹھیک سمجھتا تھا۔ وہ ان پڑھ ضرور تھا۔ لیکن واقعات کی
روشنی میں اس کا ذہن صحیح نتیجے پر پہنچتا تھا۔ ارادے کا اٹل، اصولوں کا پابند۔
۱۹۲۱ء سے ۱۹۴۷ء تک مولانا کا ساتھ دیا۔ جب کبھی کسی تحریک کا آزادی وطن کے
کے لئے آغاز ہوا تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ مانا قربانی کے میدان میں کسی سے پیچھے رہ گیا ہو۔
آزادی ہند کا یہ جاں باز سپاہی جس نے مغلسی اور تنگ دستی میں زندگی گزار کر بھی
اُن تک نہیں کی، جس کو دینے والوں نے بڑے سے بڑا لالچ دے کر خریدنے کی کوشش
کی۔ لیکن اس کی مغلسی کے سامنے سرمائے نے ہمیشہ شکست کھائی۔ بھکاری کو سرمایہ
اور دولت خرید سکتی ہے۔ قانون گنہگار کو ڈرا سکتا ہے لیکن جس نے ظلم کے خلاف
بغاوت کر کے مغلسی کو اپنے گھر میں خود دعوت دی ہو اس کی مغلسی کو کون خرید سکتا ہے
جس نے سچائی کو ہاتھ میں لے کر باطل قانون کو چیلنج کیا ہو اسے کون ڈرا سکتا ہے۔ وہ

سچائی پر جان کی بازی لگا سکتا ہے لیکن باطل طاقت کے دباؤ سے وہ اپنی جگہ کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اچھی صحبت نے سچ بات کہنے کا عادی بنا دیا تھا۔ العلم وفوائد کے باب میں تو سینکڑوں نہیں ہزاروں ہی تھے اور میں جو اس وقت بھی اور آج بھی منطقی بحثوں اور فلسفیانہ موثکافیوں سے قانون کی آڑ میں باتیں کرنے کے عادی ہیں۔ لیکن عبدالرحمن مانا العلم داشت کے عملی باب سے گزر چکا تھا۔ اس لئے کسی کی علمی بحث اس کی زندگی کے رخ کو بدل نہ سکی۔

حافظ مشتاق احمد لدھیانوی

ذہین، تعلیم یافتہ نوجوان لکھنے پڑھنے کا دھنی۔ مولانا کو اس سے بے حد محبت، اولاد کی طرح پیار، ماں باپ کے اکلوتے بیٹے، ناز و نعم میں پرورش پائی۔ مولانا جیل میں آئے تو یہ کیسے باہر رہ جاتے۔ ماں نے چہرے سے بیٹے کے ارادوں کو بھانپ لیا۔ پوچھنے سے پہلے خدمت وطن کے لئے اجازت دے دی۔ ہار پہنائے، دو لہا بنا کر پیشانی کو ایک بوسہ دیا۔ آنکھیں پریم ہو گئیں۔ جاؤ بیٹا وطن کی آزادی کے لئے اگر جان تک بھی دینی پڑے تو پیٹھ نہ موڑنا۔ ان آنسوؤں کی لاج رکھنا۔ اگر تم پیٹھ موڑ کر آگے تو میں زندہ درگور ہو جاؤں گی۔ بیٹا ماں کی دعائیں لے کر جیل میں مولانا کے پاس پہنچ گیا۔ پھر جب تک لدھیان آباد رہا مولانا کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ رہائی کے بعد مولانا نے حافظ صاحب کو لکھنؤ جانے کے لئے کہا کہ وہاں جا کر سیاسی کام بھی کرو اور اپنے والد کے ساتھ کاروبار میں ہاتھ بھی بٹاؤ۔ کاروبار کا سواے چوپٹ ہو جانے کے اور کیا بنتا تھا۔ سیاسی کاموں کی وجہ سے مہمانوں کی زیادتی مصروفیت کی وجہ سے دکان بند۔ پونجی کب تک ساتھ دیتی۔ آخر مفلسی نے گھر میں بسیرا کر لیا۔ بڑے گھر کی کھرچن بھی تھوڑی نہیں ہوتی۔ دال روٹی چلتی رہی۔ لیکن سیاسی مصروفیتوں میں کمی نہ آئی۔ لکھنؤ میں بیٹھ کر تمام یوپی میں مجلس احرار کی شاخیں قائم کیں صوبے کا صدر دفتر لکھنؤ میں بنایا۔ اسی صدر دفتر میں کانگریس نے جب ۱۹۳۶ء میں وزارتیں قبول کی تھیں یوپی کے تمام وزراء حافظ مشتاق سے مشورہ کرنے آتے تھے۔ وطن اجر نے تک مولانا کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

مولانا حبیب الرحمن کی فراست و ہمدردی

حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی (نور اللہ مرقدہ) ایک نرالی شان اور آن بان کے لیڈر، رہنما اور ملت کے قائد تھے۔ ان کے بعد لدھیانہ کی قیادت لب بہر ہو گئی اور وہ اس پروردگار کے دامن رحمت میں پہنچ گئے جہاں ان سے پہلے بڑے بڑے لوگ پہنچ چکے تھے، مرحوم کی نرالی قیادت یہ تھی کہ اس میں جوش، جذبات اور ملت کی نفسیاتی کیفیات کو زیادہ دخل تھا۔ ان کے جذبات میں حقیقت پسندی زیادہ اور ضمیر کی آواز کی لہریں کہیں فزوں نکھیں۔

ہمیں دہلی شہر میں سب سے پہلے ان کے والد ماجد مرحوم سے نیاز حاصل ہوا۔ یاد دہشتا ہے کہ وہ حاجی نور الہی صاحب مرحوم (جفت فروش) کے ایک بڑے محل میں قیام فرمایا کرتے تھے۔ چہرہ سرخ و سفید اور نورانی، دائرہ پختہ اور اول سے آخر تک ایک ایک بال پر سفیدی، غالباً قالب کا طول، اپنے فرزند سے کم تھا۔ نہایت بدلتہ سنج، خوش مزاج اور نہ بھولنے والے بزرگ تھے۔ ایک بار مرحوم نے اپنے فرزند مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کے خلاف ایک پوسٹر بھی نکالا تھا، اس میں کیا تنہا یہ بات دماغ سے نکل چکی ہے مگر وہ پوسٹر عارضی طیش اور غصہ کا منظر تھا، جس کا اثر شاید کسی نے لیا ہو۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی بہت جلد اپنی پرتاثر تقریروں کی بنا پر سارے غیر منقسم ہندوستان میں مشہور ہو گئے اور جب موصوف نے حضرت شاہ عطار اللہ بخاری مرحوم کی معیت اختیار کی اور پورا ملک ان کی گرفت میں آیا تو عموماً ہر جگہ ہی دونوں کو ایک ساتھ ہی دیکھا گیا۔ مرحوم کا خیال تھا کہ شاہ صاحب مرحوم کی جاندار تقریر علیٰ میں مدرسہ کی ہڑتال میں حضرت نور شاہ کے ساتھ ہوں۔

کے بعد میں خود بولنا ناپسند کرتا ہوں، ان کا طرز عمل بھی ان کے قول کے مطابق ہی رہا۔
 راقم کی پوری شناسائی حضرت مرحوم کے ساتھ اس وقت قائم ہوئی جب انھوں نے دہلی میں مجلس احرار قائم کی۔ اس دور میں آپ کے فرزند مولانا عزیز الرحمن صاحب لدھیانوی جامعہ ملیہ اسلامیہ میں زیر تعلیم تھے اور اخبار الجمعیت کے دفتر میں تشریف لا کر وقت کے مسائل پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ مرحوم مجلس احرار کو مستحکم بنانے کے لئے بہت کوشش فرماتے رہے۔ مگر وقت کے حالات نے آپ کو دہلی میں قیام کرنے کی مہلت نہ دی اور آپ سارے ملک کے گشت میں لگے رہے۔

مرحوم نے جو شاید آخری خطبہ صدارت لاہور کی احرار کانفرنس میں دیا، اس خطبہ نے مسلمانان ہند کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور اکثر اخبارات نے اس پر خاص توجہ دی۔ خطبہ صدارت میں جہاں آپ نے مسلمانان ہند کے شعور کو بیدار کیا اور ان کو اپنا فرض یاد دلایا۔ وہاں آپ نے کانگریس کی غیر معتدل روش پر بھی دل کھول کر تنقید کی اور پھر ہندو مسلم مصالحت اور مفاہمت کی طرف آئے تو مستقبل کی پوری تصویر بے نقاب کر کے رکھ دی۔ ہمیں یاد ہے کہ مرحوم کے خیالات پر جہاں عام مسلم اخبارات نے اپنا رد عمل ظاہر کیا وہاں نیشنل پریس اور ہندو اخبارات نے بھی ان کا خیر مقدم کیا۔ اگر وہ خطبہ کسی کے پاس موجود ہو تو اس پر ایک بار اور نظر ڈالے، اگر وہ زندہ بھی ہو تو سوچے کہ مرحوم نے اپنے خطبہ میں جو کچھ کہا، آزادی کے دور میں اس کی کس طرح عکاسی ہوئی۔ وہ خطبہ آج بھی بہت سے گمراہ انسانوں کو شمع ہدایت کا کام دے سکتا ہے۔

جب ملک تقسیم ہوا تو مرحوم دہلی چلے آئے۔ یہاں ان کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا اور متعارفین کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی، یہی وہ دور تھا جب راقم کو مرحوم سے خلط ملط ہونے کا موقع ملا اور آخر تک تبادلہ خیالات ہوتے رہے۔ مگر آزادی سے پہلے بھی یہ سلسلہ قائم ہو چکا تھا۔ دہلی میں حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کی تقریریں کا
 مولانا نے خطبہ حبیبہ حال لاہور میں دیا تھا۔

طوطی بول رہا تھا، مرحوم کے زور خطابت کا کیا کہنا۔ ایک بار جی میں آیا کہ مولانا کے افکار و خیالات کو اعتدال پر لانے کے لئے کچھ لکھ دیا جائے، وقت کا ماحول کیا تھا؟ اس کا حال تو ذہنوں کی تندر ہو گیا، مگر اتنا یاد ہے کہ راقم نے ان کے جذباتی افکار پر کچھ نازیبا الفاظ لکھ دیئے تھے۔ اس وقت حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب نور اللہ مرقدہ کی نظائریں میں اخبار الجمعیت سہ روزہ ہی نکلتا تھا اس میں شاہ صاحب کے بارے میں نوٹ لکھ دیا گیا مگر شاہ صاحب اس پر بہت بگڑے اور شاہد سلام و کلام تک چھوڑ بیٹھے، جب راقم اخبار زمزم کی ادارت کے لئے لاہور پہنچا تو مولانا حبیب الرحمن مرحوم نے مختلف طریقوں سے مصالحت کرانی چاہی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ راقم کے لئے بہتر تھا کہ مصالحت ہو جاتی، یہ تذکرہ اس لئے کیا گیا کہ مرحوم کے محاسن اور صلح جوئی کے جذبات کا اظہار ہو جائے۔

آزادی کے بعد جب مرحوم کو چہرہ رحمان میں فروکش ہوئے تو آپ کے مکان پر حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری مرحوم تشریف لائے۔ راقم ملاقات کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھتے ہی مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم نے مرحوم سے میرا تعارف کرایا۔ انھوں نے فوراً کہا، اخبار الجمعیت کبھی کبھی پڑھ لیا کرتا ہوں، اکثر لوگ تو الجمعیت کے عاشق ہیں اور اسے بہت پسند کرتے ہیں۔ یہ بات ختم ہوئی تو بات چار کی خبریوں پر جا پڑی اور راقم واپس چلا آیا۔ حضرت رائے پوری کے بارے میں جو کچھ سنا تھا وہ ان کی گفتگو سن کر صحیح معلوم ہوا۔ بڑے روشن خیال اور دوراندیش بزرگ تھے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ جب وہ کسی کی بات کو صحیح پاتے تھے تو اسے فوراً قبول کر لیا کرتے تھے۔ ایک بار روزنامہ الجمعیت کے دفتر میں تشریف لائے اور فرمایا یہ تحریر فدا پڑھ لیجئے۔ راقم نے اسے اول سے آخر تک پڑھا اور عرض کیا، مولانا! میں اس تحریر کو متوردا پڑھ چکا ہوں۔ وہ تحریر دراصل ایک بہت بڑے صوفی کا ایک خط تھا جو آج بھی ان کے مکتوبات میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ

مولانا اس تحریر کو ہرگز شائع نہ کیجئے، یہ مکتوب موجودہ حالات کی عکاسی نہیں کرتا بلکہ اس سے ناگوار باتوں کی ایک بحث چل پڑے گی، اگر کسی نے مکتوبات مجدد الف ثانی سے ان کا ایک خاص مکتوب بھی نقل کر کے شائع کر دیا تو پہلے صوفی صاحب کا خیال بد مزہ ہو کر رہ جائے گا۔ اس ضمن میں کچھ اور بحث بھی چلی۔ مگر مرحوم میری بات سمجھ گئے اور فرمایا اچھا اس مکتوب کو شائع کرنے کا خیال واپس لیتا ہوں۔ اس پر معاملہ ختم ہو گیا۔

آنادی سے پہلے سہ روزہ الجمعیتہ میں راقم کا ایک ناول شائع ہوتا رہا۔ تکمیل کے بعد ”انابلہ“ کے نام سے ناول کی تمام قسطیں شائع کر دی گئیں۔ یہ ناول ان حلقوں میں بڑا مقبول ثابت ہوا جو اسلام اور عیسائیت کے بنیادی مسائل سے دل چسپی رکھتے ہیں۔ مرحوم جب بھی لدھیانہ سے تشریف لاتے تو فرمایا کرتے کہ اس ناول کے ذریعے تو نے عیسائیت کی کمزوریاں دکھائی۔ انھوں نے بتایا کہ یہ ناول لدھیانہ کے عیسائی مشن کو دے چکا ہوں لیکن اس بات کی قطعی امید نہیں کہ عیسائی مشن اس کا جواب دے سکے گا۔ یہ بھی فرمایا کہ کئی دوست عیسائی پادریوں کو ناول دے کر اس کا جواب طلب کر چکا ہوں۔ مگر جواب دینے کی کسی کو ہمت نہیں۔ اتفاق سے راقم لاہور میں اخبار زمزم سے وابستہ ہو گیا میری غیبت میں ایک مشہور عالم کے فرزند نے (وہ بھی مرحوم ہو چکے ہیں) اسے اپنے نام سے دوبارہ طبع کر لیا، مگر بعد میں لاہور پہنچ کر راقم سے معذرت خواہ ہوئے اور ان کی زیادتی معاف کر دی گئی۔ مولانا کا ارشاد تھا کہ اس ناول کا عیسائیوں کے پاس کوئی جواب نہیں۔

وہ وقت راقم کو بار بار یاد آتا ہے جب مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی، مولانا عطار اللہ شاہ بخاری اور سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب اتفاق سے دفتر الجمعیتہ میں جمع ہوتے اور ان کی بذلہ سنجیوں سے پوری فضا گونج اٹھتی۔ ایک شوشہ سحبان الہند چھوڑتے، دوسرے شوشہ پر مرحوم لدھیانوی پہلے پردہ لگاتے اور تیسرا شوشہ جب بخاری کی طرف سے چھوڑا جاتا تو دلوں کی کلیاں کھل جاتیں اور تمیز کرنا مشکل

کھاکہ تین شوشوں میں کونسا شوشہ غالب رہا۔

آہ افسوس! آج یہ تینوں گل و بلبل اپنی باتیں سنا کر

اپنے خالق کے دربار میں پہنچ چکے ہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

راقم محمد عثمان فارقلیط

دہلی ۸ فروری ۱۹۷۵ء



غریبوں کے خدا کا پیغام

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو

جس کھیت سے دہقان کو میسر ہو روزی اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو

سلطانی جمہور کا آیا ہے زمانہ جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

حق را بسجودے صنم آرا بطوائف بہتر ہے چراغ حرم و دیر، بچھا دو

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمی سلوں سے

میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو

مولانا حبیب الرحمن کی دینی فراست

ایہا الاخ العزیز و مستم بالعافیہ

دستی گرامی نامہ ملا تھا۔ فکر میں تھا کہ جواب لکھوں لیکن مصروفیت اور راحت پسندی موقع نہ دے رہی تھی۔ آج کچھ فرصت کے لمحات میسر آئے تو جواب لکھنے پر طبیعت آمادہ ہوئی۔ واقعہ میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا ہوں کہ کتاب ”رہنمیا الاحرار در حدیث دیگران“ قلمی طور پر شریک و سہیم بنوں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگرچہ مجھے رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں نیاز حاصل رہا اور ان کی بزرگوار شفقت بھی شامل حال رہی اور صرف یہی نہیں بلکہ جناب کے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرف نیاز حاصل رہا ہے لیکن اس قدر سعادت کبھی حاصل نہیں ہوئی کہ قریب سے ان کا مطالعہ کر سکتا اور اکثر و بیشتر ان کی مجلسوں اور صحبتوں سے فیض یاب ہوتا۔ البتہ ایک واقعہ مجھ یاد ہے جس کی بنا پر میں رحمۃ اللہ علیہ کی ایمانی فراست کا بہت زیادہ قایل ہوا تھا۔

۱۹۵۵ء میں میں اپنے مخدوم و سطار حضرت مولانا حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حج کے لئے گیا تھا ان مقدس مقامات میں بھی ایک دوبار ملاقات ہوئی اس سفر میں مکہ معظمہ کے دوران قیام میں ایک بہت معزز شخصیت نے میرے ساتھ شخصی طور پر کچھا چھا برتاؤ نہ کیا تھا جس کا میرے دل میں بہت مخفی شکوہ تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شاید کسی طرح ان کے اس طرز عمل کا احساس ہو گیا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد میرے وہ مکرم ہندوستان تشریف لائے۔ میں ان سے ملنے گیا اور پھر میں ان کے اعزاز و اکرام میں مصروف ہو گیا۔ اس اعزاز و اکرام میں میں مخلص نہ تھا اور میرا یہ تمام عمل ایک انتقامی جذبہ پر مبنی تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اپنے اس جذبہ کا کسی پر اظہار نہ کیا تھا،

اسی اثناء میں ایک روز رحمتہ اللہ علیہ کا صبح کے وقت ٹیلیفون آیا، مزاج پر سی کے فوراً
 بعد بلا کسی تمہید اور ذکر کے فرمایا۔ میں تمہیں اس طرز عمل پر مبارکباد دیتا ہوں۔ یقیناً شرفا
 کے انتقام لینے کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔ میں نے اپنے جذبات کو پھر بھی رحمتہ اللہ علیہ سے چھپایا
 اور اصل حقیقت کو رحمتہ اللہ علیہ پر واضح نہ کیا۔ لیکن اس روز سے میں رحمتہ اللہ علیہ کی
 دینی فراست کا قائل ہو گیا تھا۔ حدیث شریف میں ہے ”اتَّقُوا مِنْ فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ
 فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ“ مومن کے تاثر جانے سے ڈرتے رہا کرو، وہ اللہ کے نور کے
 ذریعہ دیکھ لیتا ہے۔ میرا یقین ہے کہ بلا شک رحمتہ اللہ علیہ کو ایک ایمانی فراست حاصل
 ہے اور وہ معاملات اور واقعات کو سمجھنے میں اپنی اس ایمانی فراست سے بہت زیادہ
 کام لیتے تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ واسعۃً وتغمّد اللہ یخضر اللہ ورضوانہ۔
 عزیزم یہ چند کلمات ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ اگر آپ کی رائے میں اس کتاب
 میں میری قلمی شرکت ضروری ہی ہے تو یہ کلمات شریک کتاب کر دیں۔

والسلام
 (قاعنی) سجاد حسین
 ۱۰ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ



ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
 وہ مرد درویش جس کو حق نے دے دیں انداز خسروانہ
 (اقبال)

یاد حبیب

مدتوں روئیں گے ارباب وفا ترے لئے

غم سمجھ کا داغ ہے یہ ایک دودن کا نہیں

دارِ فانی سے سمجھی کو جانا ہے۔ لیکن جب کوئی بزرگ شخصیت دنیا سے ہمیشہ کے لئے سفر کرتی ہے تو آنکھیں پر غم ہو جاتی ہیں۔ دل چلا اٹھتے ہیں۔ بستیاں ویران نظر آتی ہیں اور پورے عالم پر رنج و الم کا ایک عالم طاری ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسے بزرگوں کا تعلق کسی خاص خاندان یا افراد سے نہیں ہوتا بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کے لئے مشترکہ سرمایہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے چلے جانے سے ہر انسان کو دکھ اور تکلیف پہنچتی ہے اور پوری انسانیت کو نقصان ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان کی بے راہ روی اور گمراہیوں کے امکانات وسیع ہو جاتے ہیں۔ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی شخصیت ایسی ہی تھی۔ موجودہ دور میں وہ علم و فضل۔ تقویٰ و طہارت، نیکی و پاکیزگی کا مجسمہ تھے اور ایک ایسے سچے انسان تھے کہ جن کا ظاہر و باطن ہمیشہ یکساں رہا اور جس نے اپنی ساری عمر قومی اور ملی خدمات کے لئے وقف کر دی تھی۔ ایسے ہی بزرگوں کی موت کو (موتِ العالم موتِ العالم) کہا جاتا ہے۔ ان بزرگوں کی موت حقیقت میں ان کی اپنی موت نہیں ہوتی بلکہ ان کی موت پوری دنیا کی موت ہوتی ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن نور اللہ مرقدہ کا پنجاب ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان کے ان مشہور سیاسی، مذہبی رہنماؤں میں شمار ہے جن کے نام انگلیوں پر گنے جاتے ہیں۔ آپ تین جولائی ۱۸۹۲ء مطابق ۱۳ صفر ۱۳۱۱ھ ہجری کو مفتی اعظم پنجاب حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پیدا ہوئے جو کہ وقت کے بڑے زبردست عالم اور صاحب

نسبت بزرگ تھے۔ آپ نے صرف تین ماہ کے اندر قرآن پاک حفظ کیا اور رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو لدھیانہ کی مشہور دو منزلی مسجد میں ایک ہی رکعت میں چھ گھنٹے میں منایا۔ رئیس الاحرار کا خاندان مشہور علمی، سیاسی اور مذہبی خاندان ہے۔ صدیوں سے آپ کے خاندان میں علم عرفان نسلاً بعد نسل چلا آ رہا ہے۔ آج کے زمانے میں بھی ۲۹ افراد اس عظیم الشان خاندان کے ایسے ہیں کہ جنہوں نے ہندوستان کی مشہور علمی درس گاہ دارالعلوم دیوبند سے سند فراغ حاصل کی ہیں اور اپنے اکابر کی طرح یہ علماء بھی علمی و خدمات میں مصروف ہیں اور دیانت داری سے اپنے فرائض کو سرانجام دے رہے ہیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں رئیس الاحرار کے جراحہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے انگریزی سامراج کے خلاف باقاعدہ جنگ کی اور لدھیانہ فتح کیا اور سب سے پہلے ملک کی سرزمین پر مولانا کے بزرگوں نے ہی قومی پرچم لہرایا۔ فتح لدھیانہ کے بعد سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کی امداد کے لئے آپ دہلی پہنچے اور آخری وقت تک انگریزی سامراج کے خلاف جنگ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہندوستانی افواج کو شکست ہوئی اور حضرت شاہ صاحب کو دہلی کی بجائے سترانہ ضلع پٹیالہ کے جنگلوں میں قیام کرنا پڑا اور وہیں آپ نے انتقال فرمایا۔

۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس قائم کی گئی۔ رئیس الاحرار کے دادا حضرت مولانا شاہ محمد صاحب میدان سیاست میں آئے اور آل انڈیا نیشنل کانگریس میں شامل ہونے کا فتویٰ دیا۔ اس فتوے کو ہندوستان بھر میں قبول ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس کو وقت کی ضرورت اور صحیح رہنمائی سمجھتے ہوئے پانچ صدیوں کے ہندو نے اس کی تصدیق بھی کی۔ آج سے ۷۷ سال قبل انگریزی اقتدار سے ٹکر لیتا مولانا ہی کے بزرگوں کا کام تھا ۱۹۲۱ء کی تحریک آزادی میں آپ کو پہلی مرتبہ گرفتار کیا گیا۔ اور آزادی ہند کے

جرم میں رئیس الاحرار کو دو سال جیل میں رہنا پڑا۔ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۴۷ء تک ملک ملت کے لئے آپ نے قربانیاں دیں اور پورے پندرہ برس قید و بند میں گزارے۔ آخری مرتبہ دسمبر ۱۹۴۷ء میں لاہور سے گرفتار ہوئے اور ۱۳ جولائی ۱۹۴۷ء کو رہا کئے گئے۔ جون ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کا بھیانک اعلان ہوا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی پنجاب کے دونوں حصوں میں انسانی خون کے ساتھ ہولی کھیلی جانے لگی۔ رئیس الاحرار کو حالات کی خرابی کی بنا پر اپنا عزیز شہر لدھیانہ چھوڑ کر دہلی جانا پڑا اور لدھیانہ کی بجائے دہلی رہائش اختیار کرنی پڑی۔

۲۰ ستمبر ۱۹۵۶ء کی صبح کو یہ آفتاب حریت ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے انتقال سے ملک و ملت کو بھاری نقصان پہنچا۔ ان کا وجود ملت کا بہت قیمتی سرمایہ تھا۔ جو مذہبیت اور دینداری کے ساتھ ملکی اور قومی خدمت۔ ایثار اور قربانی کی تاریخ بھی رکھتا تھا۔

رئیس الاحرار کے انتقال کو ۹ سال ہونے کو ہیں۔ لیکن وہ کون ہے، جو کہے کہ رئیس الاحرار انتقال کر گئے، کیونکہ ان کا جاری کردہ مشن آج بھی اسی طرح جاری ہے جس طرح ان کی زندگی میں تھا۔ اور خدا نے چاہا تو ان کا یہ مشن ہمیشہ جاری رہے گا۔

خدا کرے رہے زندہ سدا پیام ترا

ہر ایک دور میں چلتا رہے یہ جام ترا

مولانا محمد احمد رحمانی مفتی پنجاب

۲۰ مئی ۱۹۷۵ء لدھیانہ

مگر حب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

متحدہ پنجاب کی تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا تعلق لدھیانہ کے ایک ایسے خاندان سے تھا جو نسلوں اور پشتوں سے اپنے علم و فضل اور دین و دیانت، خدمت خلق، خدمت دین، مجاہدانہ سرفروشی اور عزیمت و بلند ہمتی میں ممتاز اور اپنی ان صفات کی وجہ سے مرجع انام تھا۔ ان کے آبا و اجداد میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب، حضرت مولانا محمد صاحب مشہور بزرگ گزرے ہیں یہ حضرات ہندوستان میں انگریزی سامراج کے ابتدائی مخالفوں میں سے تھے اور انھیں کی یہ خصوصیت تھی کہ مرزا قادیانی کے دعاوی باطلہ کا صحیح دینی روشنی میں ان بزرگوں نے تحریر فرمایا۔ اس کے فتنہ عظیم کا مقابلہ اور اسلام کے تقاضوں سے اس پر کفر کا فتویٰ نافذ فرمایا۔ انڈین نیشنل کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کے جواز پر بھی ۵۰۰ علمائے امت کا مشہور فتویٰ بھی انھیں حضرات نے مرتب اور شائع کیا تھا۔ یہ ۵۰۰ علماء کا فتویٰ ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا ایک بہت بڑا واقعہ ہے۔ افسوس کہ فرقہ واریت کے شدید غلبہ نے اس کی اہمیت کے سمجھنے کا موقع نہیں دیا۔ یہ لوگ تو مولانا حبیب الرحمن کے آبا و اجداد تھے۔ ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد زکریا صاحب ایک قلندر صفت، رچے بسے ہوئے بزرگ، پختہ عالم، درویش طبعیت انسان تھے، بزرگوں اور علماء کے ہم نشین اور بڑے بڑے ذہن دار و حکما مان وقت پر اپنے دینی دہریہ کے ساتھ مؤثر تھے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ مولانا محمد زکریا صاحب جمعہ کے دن محلہ موچپورہ سے اپنے گھر سے کمپنی باغ کی شاہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کر کے تشریف لائے تھے تو راستے میں کئی بانڈوں کے دوکان دار اس خوف سے اپنی دکانیں بند کر لیتے تھے کہ مولانا ادھر سے گزریں گے۔ اگر نماز جمعہ کے قریب وقت

میں ہماری دکائیں کھلی ہوئی پائیں گے تو خفا ہوں گے۔ حضرت مولانا مرحوم، حضرت شیخ الہند
 مولانا حافظ احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا حبیب الرحمن عثمانی، حضرت مولانا
 سید محمد نور شاہ کشمیری، حضرت مولانا سبیر احمد عثمانی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا
 عبدالقادر قصوری، سید عطار اللہ شاہ بخاری اور ان کے شیخ طریقت پیر محمد علی شاہ
 گولڑہ والے، مولانا نور احمد صاحب پسروری، رئیس الاحرار مولانا حسرت موہانی، مولانا
 محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خاں، ڈاکٹر سر محمد اقبال، حضرت مفتی کفایت اللہ
 مولانا احمد سعید، مولانا حفظ الرحمن اور دوسرے سینکڑوں علماء اور فضلا کے باہم عصر
 تھے یا ان کے بزرگ اور پیش رو۔ اور یہ پورا طبقہ ان کا ادب احترام کرتا تھا۔ مولانا حبیب الرحمن
 کی زندگی میں ان کا خاندان، مولانا عبدالرشید مرحوم، عبدالحمید صاحب مرحوم، مفتی
 ضیاء الحسن صاحب لدھیانوی، مفتی عبدالحمید اور دوسرے بیسیوں حضرات ان
 کے ہم عصر تھے یا ان سے چھوٹے۔ علم و فضل کے اس پہاڑ تے بارغ میں مولانا حبیب الرحمن
 ایک سدا بہار پھول کی طرح آنکھ کھولی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل ہوئی اور پھر ابتدائی
 عموم میں مرکز علمی دارالعلوم میں تشریف لے آئے۔ یہاں انھیں مولانا حبیب الرحمن عثمانی کی
 تربیت اور حضرت علامہ سید محمد نور شاہ کشمیری کا فیضان التفات حاصل رہا۔ مدت
 اساتذہ وقت کی رہنمائی میں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور بڑی محنت کے ساتھ دینی علوم
 حاصل کئے۔ ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت میں مولانا پہلی مرتبہ گرفتار ہوئے۔ یہیں سے ان
 کی مجاہدانہ دینی و سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۴۵ء تک کم و بیش
 چالیس سال نہ صرف متحدہ پنجاب بلکہ پورا ہندوستان ان کے نفس گرم "تگ و دوئے
 بہیم" یقین محکم، اخلاص کامل، خدمت خلق اور شعلہ بار تقریروں سے گونجتا رہا۔ وہ
 تحریک خلافت کے جاں باز سپاہی، کانگریس کے سرگرم کارکن، مجلس احمدیہ کے روح رواں،
 اسلامی مدارس کے مشیر اور خیر خواہ، اپنے نصب العین کے وفادار، اپنے ساتھیوں کے

وفادار، اپنے ساتھیوں کے غم گسار تھے۔ ۱۹۳۱ء میں کراچی کانگریس میں وہ نمایاں تھے
 ۱۹۳۱ء میں جب گاندھی جی گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن جا رہے تھے
 تو مولانا مرحوم، سید عطار اللہ شاہ بخاری اور چودھری افضل کے ساتھ ممبئی کے ساحل
 پر گاندھی جی کو الوداع کہہ رہے تھے۔ تحریک کشمیر نے ان کے دم سے جنم لیا۔ انگریزی زمانے
 کی ریاستوں میں عوام کو حق خود اختیاری دلوانے کے سلسلے میں مولانا کی بڑی خدمات
 ہیں۔ اپنے استاد حضرت مولانا سید اللہ شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی اور ڈاکٹر
 سر محمد اقبال کے تعاون سے انھوں نے قادیانی تحریک کے استیصال کے سلسلہ میں ہمہ گیر
 جدوجہد فرمائی۔ تبلیغ اسلام کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جس پر مولانا نے کوئی توجہ
 نہ فرمائی ہو۔

مولانا کی جامع شخصیت

مولانا حبیب الرحمن کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اللہ کریم نے علم و فضل، اخلاق
 اعمال، تہذیب و سیاست، استغنا و توکل، فہم و فراست، خدمت دین، شغف
 قرآن کریم، تصوف و طریقت میں انھیں جامعیت نصیب فرمائی تھی۔ اسلامی مدارج
 میں پہنچ کر وہ علمائے ارفع و فاضل کے درمیان ایک دیدہ و نظر آتے تھے اور مسائل
 علمیہ و فقہیہ کی تحقیق میں اپنا وقت صرف کرتے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور
 شاہ عبدالقادر رائے پوری کی خانقاہوں میں پہنچ کر ذکر و شغل، مراقبہ ذلت اور
 ترکیہ نفس پران کی نظر رہتی۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ اور ندوۃ المصنفین دہلی میں پہنچ
 کر علمی اور تاریخی انکشافات سے انھیں دل چسپی ہوتی۔ اپنے گھر پر ہوتے تو علی الصباح
 اپنے سب مہمانوں اور بچوں کو جمع کر کے قرآن شریف کی تلاوت اور حضرت مولانا شاہ
 عبدالقادر دہلوی کے ترجمہ کو سامنے رکھ کر پابندی سے تفسیر قرآن پڑھاتے۔ شاہ صاحب

دہلوی کے ترجمہ سے انھیں بڑی دل چسپی تھی۔ اس ترجمے کے دستیوں اپڈریشن انھوں نے جمع فرمائے تھے اور انھیں اچھی طرح یاد تھا کہ فلاں آیت قرآنی اور فلاں لفظ کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے کیا کیا ہے۔ شاہ رفیع الدین دہلوی نے کس طرح اس مفہوم کو ادا کیا ہے۔ اور مولانا اشرف علی تھانوی نے کیا لفظ اختیار کئے ہیں۔ تراجم قرآن سے ان کی دل چسپی کا یہ عالم تھا کہ انتقال سے تین ماہ پہلے دفتر رسالہ دارالعلوم میں میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ سید محبوب رضوی کو بلاؤ۔ سید صاحب آئے تو تراجم قرآن پر تفصیلی گفتگو فرمائی اور ہدایت فرمائی کہ شاہ عبدالقادر کے متعدد نسخے سامنے رکھ کر ایک زائد سے زائد قابل اعتماد ترجمہ مرتب کریں۔ میں اپنی کوشش سے اسے چھاپ دوں گا۔ افسوس ہے کہ اس سے کچھ عرصے بعد مولانا کا انتقال ہو گیا۔ اودان کی یہ ہدایت پوری نہ ہو سکی جس پر میرے محترم رفیق جناب سید محبوب رضوی کو آج تک ملال ہے۔

مولانا لدھیانہ اودہلی میں ہر روز اپنے محلے کا گشت فرماتے۔ ہر ہندو اور مسلم پروسی سے علیک سلیک اور مزاج پرسی کرتے اور جس کی جو ضرورت ہوتی بے اختیار توجہ فرماتے۔ مہمانوں کی خاطر ملاقات، جہیل کی زندگی میں ساتھیوں کی خدمت، بیمار ساتھیوں کی تیمارداری ان کا خاص موضوع تھا۔ ان کی زندگی تک میں یا میری والدہ محترمہ جب بھی بیمار ہوئے تو مولانا اصرار کے ساتھ ہمیں لدھیانہ بلا کر مہینوں ہمارے علاج اور پرستاری کھائے کا بار اٹھاتے۔ ایک مرتبہ میری والدہ صاحبہ کو بلا کر ڈیڑھ سال تک لدھیانہ رکھا۔ مہینوں ان کے قیام کے لئے الگ مکان اور ان کی کل ضروریات کا تکفل فرمایا۔ میرے بزرگ مولانا سید محمد ادریس سکھوڈی جو والد محترم حضرت علامہ سید محمد نور شاہ کشمیری کے خادم خاص ہونے کے لحاظ سے حلقہ انوری کے مخدوم تھے دہلی میں بیمار ہو گئے تو مولانا انھیں اپنے گھر لے گئے اور مہینوں ان کی خدمت کی۔

مولانا کی ۳۰ سال کی زندگی اور سیکڑوں واقعات میرے حافظہ میں ہیں۔ کون کون سا واقعہ لکھوں اور کس کس کو چھوڑوں۔ ۱۹۴۶ء میں میرے برادر مولانا سید انظر شاہ سلمہ مدرسہ فتح پوری دہلی کے طالب علم تھے۔ اردو بازار میں حضرت مولانا کی نظر ان پر پڑی۔ فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ شام کو مجھ سے اصرار کے دفتر میں مل لینا، کچھ مل گیا تو تمہیں دے دوں گا اور شام کو عزیز موصوف ملے تو دس پندرہ روپے اصرار کے ساتھ ان کی جیب میں ڈال دیئے۔ سخاوت و فیاضی کا یہ عالم تھا کہ دسیوں ایسے واقعات میرے حافظہ میں ہیں۔ ان کا کوئی دوست ان سے ملنے آیا، مولانا اسے ضرورت مند سمجھتے ہیں جب وہ اٹھ کر جانے لگا تو دروازے تک اسے پہنچانے آئے، خاموشی سے کچھ رقم اس کے حوالے کر دی۔

جرات و بے باکی، صاف بیانی میں اپنی مثال آپ تھے۔ گاندھی جی، جواہر لال اور مولانا آزاد دل سے ان کی قدر فرماتے تھے۔ ان کے مشوروں کو گوش و ہوش سے سننے تھے اور مولانا بے دھڑک اپنے دل کی بات ان سے کہہ دیتے اور ان کی سرگرمیوں پر انھیں ٹوکتے تھے۔ بہت سے لوگوں کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ گاندھی جی کی پرار تھنا سبھا میں جب بم کا حادثہ پیش آیا تو مولانا مرحوم دوسرے روز گاندھی جی سے ملے اور فرمایا کہ اب اس واقعہ کے بعد آپ کی زندگی کا کوئی بھر و سہ نہیں یا تو اپنی سبھاؤں کو ختم کر دیا مرنے کے لئے تیار رہو۔ گاندھی جی نے کہا کہ مولانا صاحب مجھے مرنا منظور ہے لیکن جو بات میرے ذہن میں ہے اسے چھپا نہیں سکتا۔ چنانچہ اس پکے ارادے کے آدمی نے موت قبول کی مگر فرقہ واریت سے سمجھوتہ نہیں کیا۔

مولانا مرحوم نے گاندھی جی کو اپنے استاد حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ سے ملنے پر بھی تیار فرمایا تھا۔ مگر گاندھی جی ۱۹۴۸ء میں گول میز کانفرنس لندن میں تھے کہ دیوبند میں حضرت علامہ کا انتقال ہو گیا اور یہ تجویز سامنے نہ آ سکی۔ مولانا بڑوں کو باہم ملاتے

چھوٹوں کی علمی تہذیبی تربیت فرماتے اور ہر شخص کے مناسب مزاج کام میں لگا دینے کا ننگہ تھا۔ حضرت مولانا تھانوی کے سیاسی مسلک سے مولانا اختلاف فرماتے۔ مگر گاہ بگاہ پوری نیاز مندی کے ساتھ حضرت مولانا تھانوی کے یہاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو ساتھ لے کر حاضری دیتے تھے۔ شاہ صاحب بخاری کی طرف حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری کو متوجہ فرمانے کا سہرا بھی مولانا ہی کے سر تھا۔ پنجاب کے متعدد سفروں میں وہ حضرت شاہ صاحب بخاری کو ساتھ لے کر حضرت مولانا انور شاہ کے ساتھ رہے اور بار بار شاہ صاحب بخاری کو لے کر علامہ کے یہاں مقیم اور ان کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے کئی دفعہ میرے سامنے شاہ صاحب بخاری سے فرمایا کہ ان کی (حضرت مولانا انور شاہ صاحب کی) باتیں غور سے سن لے۔ عمر بھر تیرے کام آئیں گی۔

حضرت علامہ انور شاہ مولانا سے ان کے گھر، ان کی اولاد اور ان کے خاندان سے اس طرح مانوس تھے جیسے اپنے گھر اور خاندان سے۔ یہ واقعہ ہے کہ علامہ انور شاہ وقار و تمکنت کے ایک کوہِ گراں بار تھے۔ ہر کہہ و مہ سے ان کا بے تکلف ہونا امر و شوار تھا اور نہ زندگی کے عام معاملات سے ان کا کوئی رابطہ تھا۔ مگر مولانا سے ان کی محبت یہ تھی کہ جس زمانے میں مولانا حبیب الرحمن ملتان جیل میں قید تھے حضرت علامہ بغیر کسی اطلاع کے لدھیانہ ان کے گھر پہنچ گئے، گھر پہنچے تو مردانہ میں نہ بھاڑو لگی ہوئی تھی اور نہ فرش چھایا ہوا تھا۔ حضرت علامہ نے گھر میں مولانا کی اہلیہ صاحبہ مرحومہ اور ان کی بچیوں کو کہلویا کہ بھاڑو اور فرش بھیج دو۔ بھاڑو آگئی تو اپنے خدام سے فرمایا کہ بھائی بھاڑو دو، فرش بچھاؤ یہ اپنا گھر ہے، یہاں کسی بات کا تکلف نہیں۔ گھر میں کون ہے جو باہر آ کر ہمارے بیٹھنے کی جگہ بنائے گا؟ خود اپنا گھر سمجھو۔ میری نظروں میں آج بھی وہ منظر محفوظ ہے کہ ۱۹۳۲ء میں مولانا مرحوم کے بڑے صاحب زادے مولانا خلیل الرحمن جیل سے رہا ہوئے تو مولانا ابھیں لے کر دیوبند حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنا سامنا ہوا تو

مولانا نے فرمایا کہ حضرت یہ خلیل الرحمن ہے ابھی چند روزہ موعے سال بھر کی سزا جیل سے کاٹ کر آیا ہے۔ حضرت علامہ نے بڑی شفقت کے ساتھ مولانا خلیل الرحمن کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ کیوں بھائی خلیل الرحمن! یہ واقعہ یاد ہے لاؤ اپنا سراور پیشانی مجھے دو۔ جس پیشانی پر علامہ انور شاہ کا بوسہ ثبت ہے اسے کم از کم غور سے دیکھ لوں اور اس کی زیارت کرو۔

مولانا کی زندگی کی دو حقیقتیں اور قابل ذکر ہیں۔ ایک سیاست میں ان کی دیدہ وری، ذہانت، معاملات کو سمجھنے کی صلاحیت اور پس و پیش کو دیکھ کر ایک سچے رائے قائم کرنے کی عادت۔ وہ تیس سال بعد پیش آنے والے حالات و تغیرات کی بو پہلے پالیتے اور فرماتے کہ آئندہ چل کر ایسا ہوگا۔ اور ایک نہیں کئی معاملوں میں تجربہ ہوا کہ انھوں نے جو سوچا تھا وہ صحیح تھا۔ تقسیم ملک سے بار بار انھوں نے فرمایا کہ ملک کا بٹوارہ مسلمانوں کے لئے دونوں ملکوں میں مضر ہوگا۔ مسلمان اس طرح ہل ہل جائیں گے کہ انھیں اپنا وجود باقی رکھنا مشکل ہوگا۔ اسی احساس کے پیش نظر انھوں نے نیشنلسٹ مسلمانوں کی صف اول کی قیادت فرمائی اور تقسیم کو روکنے کے لئے، تقسیم کا مطالبہ کرنے والے مسلمانوں کے پیچھے ہوئے، بھوموں اور جمہوں کے تشدد کا شکار بنتے رہے۔ لہذا یہاں تک ایک وقت ایسا آیا کہ صدیوں کی گہری مقبولیت کے باوجود لیگی طبقہ نے ان کی جان لینے کی بھی کوشش کی۔ مولانا تقسیم ملک کے جو نتائج سوچتے تھے افسوس ہے کہ وہ بعد میں حرف بحرف پورے ہوئے۔ سہ ماہی میں کشمیر کے اندرونی مسائل کے جھگڑے شروع ہو گئے۔ مولانا کسی حد تک ان لوگوں کو پسند فرماتے تھے جو اس وقت کشمیر میں برسرِ اقتدار تھے۔ مولانا کو معلوم ہوا کہ مجھے کشمیر کے اس حلقے سے ہمدردی ہے جو اس وقت برسرِ اقتدار نہ تھا۔ مولانا نے ایک گفتگو میں مجھے کشمیر کے سبھی سیاسی لیڈروں کے ماضی اور حال سے واقف کرایا اور فرمایا کہ تم جس طرح سوچتے ہو بات اس طرح نہیں۔ کشمیر

میں یہ کوئی اصولی سیاست کا تنازعہ نہیں بلکہ ذاتی اقتدار کی جنگ ہے۔ بعد کے حالات نے مجھے مولانا کی رائے سے اتفاق کر لے پر مجبور کر دیا۔

دوسری خصوصیت ان کی یہ تھی کہ اپنے مذہبی عقائد اور سیاسی خیالات میں پختہ تھے۔ مگر دوسرے خیالات کے لوگوں سے کھل کر ملتے انسان سے شفقت آمیز تعلق رکھتے تھے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ بہت سے خیالات کے افراد ان کے ارد گرد جمع ہوتے۔ سیاسی بحث و مباحثے بھی ہوتے اور مذہبی مسائل پر اظہار خیال بھی۔ مولانا بھی پوری قوت کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرتے مگر دوسروں کے خیالات بھی ٹھنڈے دل کے ساتھ سنتے اور ان کی تردید میں ایسا انداز اختیار نہ فرماتے کہ ذاتی طور پر ان لوگوں کی دل شکنی ہوتی۔ مولانا کی ذات اور ان کا گھر سلجھے ہوئے شریف لوگوں، قومی کارکنوں، پارلمینٹ اور اسمبلی کے ممبروں، اخباروں کے ایڈیٹروں، کالجوں کے پروفیسروں، دینی مدارس کے علمائے مشہور اور ادبا کا مرکز تھا۔ سیاسیات سے تعلق رکھنے والے اکثر لوگوں نے ان کی خدمت میں صرف اس لئے حاضری دی کہ ان کے اشارات کی روشنی میں اپنے خیالات مرتب کریں۔

مولانا کے جاننے والے اور ان کے ہزاروں عقیدت مندان ان کے انتقال پر ۱۵، ۲۰ برس گزر جانے کے باوجود آج تک نہیں بھولے اور سچ یہ ہے کہ وہ اتنی قیمتی زندگی رکھتے تھے کہ تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ مولانا کے صاحبزادگان جو دہلی اور مشرقی پنجاب میں منقسم ہیں اچھے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ مولانا کی قبر جامع مسجد دہلی کے شمالی رخ پر ایک مختصر سے قبرستان میں ہے۔ پچھلے برس میں ان کے مزار پر حاضر ہوا۔ ایصال ثواب کیا اور پھر دیر تک سوچتا رہا کہ کتنی بڑی زندگی کیسا نکھرا ہوا اخلاق، کتنا مضبوط کیرکٹر اور کیسی بے مثال فراست اس گوشہ قبر میں آسودہ راحت ہے۔ خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پہاں ہو گئیں۔

اور زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

سید محمد اظہر شاہ قیصر کشمیری
دارالعلوم دیوبند
یکم اگست ۱۹۵۷ء

ذکر حبیب

عجیب بات ہے یہ فیصلہ آج کتنا مشکل و دشوار ہو گیا کہ ہمارے لئے دورِ غلامی اچھا تھا یا وہ آزادی جس کے لئے ایک صدی ہندوستان بردا آ رہا۔
 ۱۹۴۷ء کے بعد جو آزادی نصیب ہوئی اور جس کے سارے میں ۱۹۴۷ء بھی شروع ہو چکا، تلخ حالات، مشکلات و مصائب، خونریزی و سفاکی، بہیمیت اور دربرگی، یتیم بچوں کا نالہ و شیون، بے آسرا عورتوں کا گریہ و بکا، لٹے ہوئے قافلے، کئے ہوئے انسان، ہجرت، ترک وطن، ان سب کے ہوتے ہوئے کیا یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ ہمارا غلامی کا دور اچھا تھا یا آزاد فضاؤں کے یہ گھٹے ہوئے سانس؟ کچھ بھی ہو اور اس سوال کا جواب کسی انداز میں دیا جائے۔ لیکن اتنی بات تو بہر حال ہے کہ مردم خیزی کا وہ دور جس کی تابانیاں غلامی کے دور میں رونق افزا تھیں۔ آزاد ہندوستان میں تو دوستک اس کا نام و نشان نہیں جماعتیں آج بھی بن رہی ہیں اور تازہ دم قائدوں کی بھانت بھانت کی بولیاں کانوں کے پردوں کو چیرتی پھاڑتی اب بھی سننے میں آتی ہیں۔ لیکن غیر مخلصوں کا ایک ہجوم اور اخلاص نا آشنا جماعتوں کی ایک بھیڑ جو اقتدار کی جنگ میں مصروف اور اسی مقصد کے لئے ایک کشاکش کی کیفیت منظر عام پر! کہاں وہ عہد زریں کہ فعال جماعتیں، مقصد کی لگن، مشترکہ جدوجہد، سوز و اخلاص، پیش و تڑپ۔ طبقہ علمائے اسیسے نامور جن کے علم کے پھریرے، از شرق تا غرب اڑتے، جماعت قائدین کی جانب آئے تو فدائیت و جاں سپاری کے مرقعے، عزیمت و استقلال کے پہاڑ بلند ہمتی کے اٹھتے ہوئے طوفان، بہتے ہوئے دریا، خونخوار لہر، چلتے پھرتے جھکڑ، دوڑتی

ہوئی آندھیاں، اس نئی نسل کو آج کس طرح سمجھائے کہ کیا تھے،۔ حبیب الرحمن لدھیانوی کون تھے؟ عطاء اللہ شاہ بخاری، چودھری افضل حق، شیخ حسام الدین منظر علی انظر محمد علی جالندھری۔ ظفر علی خاں، اختر علی، عبدالمجید سالک غلام رسول مہر اور جوانوں میں صاحبزادہ سلیمان، جانباز، آغا شورش، خلیل الرحمن لدھیانوی اور عزیز الرحمن جامی۔ ہاں ذکر رہا جاتا ہے ڈاکٹر محمد عالم کا اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو کا۔!! آج اگر ان شخصیتوں کا حدودِ رجبہ بیان کیجئے یا ان کا طول و عرض! تو مباخذہ آرائی کی تہمت اپنے سر لیجئے، سننے والے تو کیا یقین کریں گے جھٹوں نے اس کاروان کے غبار اور بہت دور سے کھڑے ہو کر گمراہ کو دیکھا ہے وہ بھی اب یہ کہتے ہیں کہ یہ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

اور یہ حال تو صرف اس ایک جماعت کا ہے جو نام کی بھی "احرار" تھی اور اس کے ارد گرد جمع ہونے والے واقعی "احرار" جن کے ذہنوں نے کبھی غلامی کو قبول نہیں کیا، جن کی رو میں ہمیشہ آزاد رہیں۔ وہ دہلی جیل میں ہوں یا ملتان و لاہور کے قیام خانے میں۔ منٹ گمری، دھرم شالہ کے بندی خانوں میں یا ساہیوالہ میں۔ ان کے جسم گرفتار کئے جاسکتے تھے، مگر ان کے دلوں پر بدستور آزاد رہتے۔ وہ ضمیر کے اتنے آزاد تھے کہ طمع کی کوئی زنجیر انہیں پابند نہیں بنا سکتی تھی۔ وہ فیکریے لٹا ہونے کے باوجود اس قدر غیور تھے کہ ان کی غیرت قومی و ملی پر حرص و آز کی کوئی پرچھائیں نہیں پڑ سکتی تھی۔ اس سے پہلے کر ذرا یاد کیجئے حضرت شیخ الہندؒ کو، حکیم اجمل خاں صاحب کو، ڈاکٹر انصاری کو، مولانا ابوالکلام آزاد کو، مولانا حسین احمد مدنیؒ کو، اور کوہ آتش فشاں مولانا حفیظ الرحمن کو اور ذکر کیوں چھوڑے گاندھی جی کا، موتی لال نہرو کا، جواہر لال نہرو کا سردار پٹیل کا، گوند ملہجہ پنت کا، راجندر بابو کا، پتہ بھائی سیتارامیا کا۔ اور شکر دیو کا، اور بیل ہند سر دجی نائیڈو کا، اور انھیں بھی یاد رکھئے "فلتہ جو دو بھائی سو بھائی"

سرت چند بوس، آچار یہ نریندر دیو، اچت پٹور دھن، کمر پانی جی، رام منوہر لوہیا
 اور بدنام کنندہ نکو نامے چندا ہے پرکاش نرائن اور یہ تو بھلانے کے قابل ہی نہیں
 وجے لکشمی پنڈت، ارونا آصف علی، مردولا سارا بھائی۔ اور شعرا میں جوش
 ملیح آبادی، ظفر علی خاں، عبدالکریم شورش اور بے چارہ شاعر انقلاب انور صابری
 غرض کہ کس کو بھولنے، کس کا ذکر کیجئے، یاد کیجئے تو ایک ایک ذرہ آفتاب۔ بھولنے پر
 پر آئے تو مہر نیمروز کسی لق و دق وادی میں جھلک کر نے والا ایک ذرہ بے نام و نشان
 یہی قافلہ جو ہندوستان کی جنگ آزادی میں بگل بلب، درازہ چلا جاتا تھا، قیامت
 بدوش، ہنگامہ بدست، شعلہ بخاکستر۔ انہیں میں ایک نافراموش ہونے والی شخصیت
 بلکہ فراموش نہ کی جانے والی ہستی، رئیس الاحرار ”مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی
 المخفور کی بھی تھی۔ جن کا آفتاب زندگی سپہر ہندوستان پر طویل گردش کے بعد
 دلی مرحوم کے افق میں ہمیشہ کے لئے چھپ گیا۔ شاہجہانی مسجد کے زیر سایہ، مناک
 خاک کے نیچے، عظمتوں کا ایک مینار، تقدس کی محراب، شرف و رفعت کا ممبر، عزم
 کا ہمالہ، تدبیر و تدبیر کا ایک آتش جوالہ پڑا سوتا ہے۔ اسی مسجد کے شمالی دروازے
 پر کھڑے ہو جائیے، بلند و بالا سیڑھیوں پر نظر ڈالئے، اس نظر کی پہلی منزل ایک
 غیور انسان کی ابدی خواب گاہ ہے۔ سامنے سڑک اور دریا کا کلاں کے چوک ہیں۔
 بے تاب انسان، دوڑتا، بھاگتا، ہانپتا کانپتا، گرتا پڑتا نظر آئے گا۔ انہیں کیا معلوم
 کہ اس سے متصل چہار دیواری میں ایک طوفان رکا ہوا ہے۔ یہ کیا جانیں کہ ایک
 آندھی جس نے پورے ہندوستان کو کھنچ کر دیا تھا۔ وہ یہاں آکر تھم گئی،
 بقول شاعر

آگ تھے ابتداءے عشق میں ہم
 اب جو ہیں خاک انتہا یہ ہے

یہی آپ کا اور ہمارا ہندوستان محسن کشتی جس کی فضاؤں میں اس طرح گھولی گئی جیسا کہ زہر انسانی جسم کے ایک ایک رگ وریشہ میں پہنچ جاتا ہے۔ حیرت ہے اردو کے ایک شاعر نے کن تاثرات و احوال میں یہ شعر اپنے تبرکات میں چھوڑ دیا۔

ہزار شکر کہ مرنے کے بعد قدر جانی

ہزار شکر کہ مردہ مرا پسند ہوا

خیال یہی ہے کہ محسن کشتی گرد و پیش میں شاعر کا یہ خیال عام احوال و مشاہدات کے مطابق نہیں بلکہ حالت اسی معشوق طنناز کی صرف بیان کی گئی ہے جس نے عمر بھر عاشق نیم جان کی ناقدری کی اور مرنے کے بعد اس سراپا اخلاص کی یاد آئی، ورنہ ظاہر ہے کہ جس جہان کے زمین و آسمان نے گاندھی جی کو بھلا دیا، جس کے ذہنوں سے آزاد اتر گئے۔ حکیم اچمل خاں غائب ہوئے، ڈاکٹر انصاری فراموش کر دیئے گئے اور حسرت موہانی کا کوئی تذکرہ نہیں۔ شیخ الہند ایک فراموش شخصیت اور غریب محمد علی اور ان کے بھائی شوکت علی تو متروکات سخن میں سے ہیں۔ اس جہان بے نشان میں شاعر کا غلام تاثر لوگوں سے متعلق کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ حال مبتدا تو بہت دور گیا۔ طول طویل جملہ معترضہ کے بعد آئیے اب نبر کی جانب کہ ”غلام ہندوستان نے اپنے عہد غلامی میں ہر جانب اور ہر شعبہ میں آفتاب و قمر پیدا کئے تھے۔ مگر آہ اے ہندوستان!! اب تو ہی وہ عظیم ملک ہے جس کا دور آزادی غلامی کی پُر صعوبت گھڑیوں سے بھی زیادہ خوفناک اور تیرہ تار ہے۔ لدھیانہ موجود ہے، پہلے سے بہت پُر رونق اور آباد، لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد ایک حبیب الرحمن پیدا نہ کر سکا۔۔۔ یہ سرزمین دیوبند میں دارالعلوم کی کوہ پیکر عمارت بڑھتی جاتی ہے۔ لیکن شیخ الہند، علامہ انور شاہ، مفتی کفایت اللہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا حسین احمد مدنی پھر یہاں پیدا نہ ہوئے۔ علی گڑھ کی چھاتی پر یونیورسٹی کی عمارت دندناتی ہے۔ اس کے حدود اربعہ کو لیجئے تو طول و عرض کی

پیمائش مشکل ہی بات ہے مگر کوئی محمد علی، کوئی ضیاء الدین، کوئی لیاقت علی خاں
 پھر پیدا نہ ہوا۔ الہ آباد کے سنگم پر آج بھی لاکھوں ملکتی کے طالب علم غوطہ زن ہیں
 مگر موتی اور جواہر کسی خوش نصیب غوطہ زن کے ہاتھ نہ لگے۔ بقول شاعر۔ ع
 ”للاتا ہے ترانظارہ اے ہندوستان مجھ کو“

ساز کو دیکھا ہوگا کہ مضراب اس کے خاموش تاروں کو ایک نالہ و شیون سے
 آگاہ کرتا ہے۔ ملک کے اسی خاموش ساز کو دستِ ناتواں کے مضراب سے یہی سوالات
 پوچھ کر، چھڑنے کی کستی ناکام کوشش کر رہا ہوں، صور اسرافیل شہر خموشاں کو
 بلبل میں لاسکتا ہے، نالہ نیم شب سوتے ہوؤں کو جگا سکتا ہے۔ آہ و بکا نے سینوں
 میں موجود دلوں کی چٹانوں کو گھلادیا۔ سب کچھ ہوا لیکن اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔
 یہی رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی جو کم از کم نصف صدی سیاست کے
 گردوں پر آفتاب کی طرح چمکتے رہے۔ افسوس کہ اس کا رداں عزم و استقلال کی
 روانگی کے بعد غبارِ راہ بھی نایاب ہے، — آہ! کہ آج مولانا حبیب الرحمن کو
 سمجھانے کے لئے قلم مصروفِ خرام ہے۔ ایک وقت وہ بھی تھا کہ وہ جس جماعت میں
 ہوتے اس کا تعارف ہوتے، جہاں سے نکل جاتے ان کے پیچھے ایک آندھی دھماکہ خیز
 انداز میں اٹھتی اور گزرنے والے کی اطلاع دیتی۔ بہر حال اب تو خواہی نہ خواہی یہ ناگوار
 فریضہ بھی انجام دینا ہوگا۔ مروجہ سے متعلق کچھ یادیں ہیں شاید ان دھندلے چراغوں
 میں کسی آفتاب کا سراغ لگ سکے۔ مگر کیا عرض کروں۔ شاعر نے کہا تھا۔

عہدِ پیری شباب کی باتیں

ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

بہ ادنیٰ تصرفِ مصرعہ اولیٰ جو صورتِ حال کا صحیح ترجمان ہے، عرض ہے ع

”عہدِ طفلی اور شباب کی باتیں“

مولانا کو دیکھنا تو نصیب ہوا مگر خود وہ اس بدنصیب کا عہد طفلی تھا۔۔۔
زندگی نے انگلی پکڑ کر آگے بڑھایا اور طفولیت نے دھکیل دھکیل کر سن شعور تک
پہنچایا تو مولانا گورستان کی زینت بن چکے تھے۔۔۔ الحاصل مطالعہ زندگی نامہ تمام
مرحوم کے خدو خال سے واقفیت ناقص، پھر لکھوں تو کیا لکھوں، مختصر یہ کہ دید و شنید
دونوں کو جمع کرتا ہوں

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

جن حقیقتوں کو دنیا اپنی طویل ترین زندگی میں تجربے میں لاپچی اور جن کے لئے
عرف عام میں (سامنے کی بات) کا عنوان دیا گیا ہے، ان حقائق کو کون جھٹلا سکتا ہے
بات یہ کہنا ہے کہ ملکی اثرات، قومی اثرات، نسلی اور قبائلی اثرات اور خاندانی روایات
سے انسان جدا نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ ایک مسلمہ ہے جس میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں
تو پھر مرحوم مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے اس ہوش اور دلولہ جہاد بلکہ حریت
پسندانہ جذبات کا کس طرح انکار ممکن ہے جو مرحوم کو اپنے خاندان سے وراثتاً ملے
تھے۔ آپ ہی کے جد امجد مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانوی، لدھیانہ کے پہلے شخص
ہیں جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی استخلاص وطن کی تحریک میں براہ راست مجاہدانہ شرکت
کی۔ گویا کہ مولانا اس لگی ہوئی آگ کے دور سے تماشائی نہیں تھے بلکہ اپنی تمام
توانائیوں کے ساتھ درآنا اس میں کو دبھی پڑے تھے۔ شہادت کسی اور کی نہیں بلکہ
اس ہنگامہ ریز بلائیں دور کے اس مصنف کی ہے جو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر
قریب ترین مشاہد بنا ہوا تھا۔ استخلاص وطن کا مشہور ڈائری نویس ”عبد اللطیف“
اپنے روزنامہ میں رقم طراز ہے:

”ہم ہمیں روز پس از خیمہ روز مردمان تو تک بامولوی عبدالقادر متوطن

لدھیانہ آمادہ ستیز شدند“ ص ۱۷۱

یعنی ۲۷ جون کو مولانا عبدالقادر کی زیر سرکردگی ٹونک کی ایک تازہ دم ٹکڑی فرنگیوں سے متصادم ہو گئی۔ مترجم جناب خلیق احمد نظامی کا یہ اضافہ بھی قابل غور ہے کہ مولانا عبدالقادر نے لدھیانہ سے دہلی آکر مسجد فتح پوری میں قیام کر لیا تھا۔ ص ۱۹۷ مصنف و مترجم دونوں کی یہ وضاحت مولانا عبدالقادر صاحب کی شرکت جہاد کو ہر شک کے شبہ سے بالاتر قرار دے رہی ہے۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ مولانا موصوف نے صرف رسمائے شرکت نہیں کی تھی بلکہ اس رستہ خیزی دور میں دہلی ہی میں فروکش ہو گئے تھے، اس ہنگامہ کے بظاہر فرو ہونے کے بعد مولانا ہی کی ذات گرامی تھی کہ آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ لے کر اس کی عام اشاعت کا سر و سامان بہم پہنچایا تھا اور یہیں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ موصوف شعلہ بدامن ہونے کے ساتھ شعلہ زن بھی تھے اور جو آتش فشاں لاوا ان کے اندر ہی سلگ رہا تھا پھوٹ کر وہی آتش سیال ملک میں تموج پذیر تھا۔ بہر حال ایک ایسے ماحول میں نشوونما پانے والے طفل نوخیز سے کیسے ممکن تھا کہ حریت پسندی کے اسی سودا سے اس کا سر سمایا ہو انہ ہو جو اس کے خانوادہ کی وراثت تھی!

پھر اس بات کو بھی نظر انداز نہ کیجئے کہ جس عہد میں مولانا لدھیانوی مرحوم کا عہد طفلی تا شباب گزر رہا تھا وہی اس بد قسمت ملک کا وہی رستا خیزی دور ہے جس میں آزادی کی آگ ملک کے اندرونی حصوں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہی تھی اور اسے بھی ملحوظ رکھئے کہ مولانا اسی سرزمین پنجاب کے ایک فرد تھے جہاں کے باشندے اپنی مخصوص پرچوش طبیعتوں کے اعتبار سے پورے ہندوستان کے مکھن کہے جانے کے مستحق ہیں۔

چنانچہ وہ جس زمانے میں دارالعلوم میں طالب علمی کا دور گزار رہے تھے

طالب علمی

حضرت مولانا زکریا صاحب سہارن پوری، جن کا تعلق ”مظاہر

علوم“ سہارن پور سے تھا، مصلحتِ وقت کہنے یا جذبات کا ٹھٹھہر جانا! اس علمی دینی درس گاہ کو حریت پسندی کی پرچھاؤں سے بھی محفوظ رہنے کی کوشش کی گئی تھی، پھر کھلا کیسے ممکن تھا کہ مولانا سہارن پوری اسی مناک ماحول میں پردان چڑھنے کے باوجود آزاد فضاؤں میں گرم سپرہ ہوتے۔ ادھر مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی محاصرہ طبعیت کی تیزی اور ولولوں کا عہد شباب! مولانا زکریا صاحب ہی کا بیان ہے کہ

”میں جب کبھی دیوبند آتا اور مولانا لدھیانوی سے ملے بھٹے ہو جاتی تو وہ اپنے ایک مخصوص طنزیہ جملہ کا مجھ کو نشانہ بناتے۔“

طنز اسی جمود و تعطل پر تھا جس سے مظاہر علوم اور اس کے فرزند گزر رہے تھے یا گزارے جا رہے تھے۔ اس خاکسار کے قلم میں اب وہ تاب و حوصلہ بھی نہیں کہ اس طنز کو نقل ہی کر دے! — کچھ بھی ہو، اتنی بات تو واضح ہے کہ مولانا حبیب الرحمن اس دور میں اپنے اندر دعوتی رنگ پیدا کر چکے تھے اور ان کی ہنگامہ ریز طبیعت کسی مصلحتی فقدان عمل سے سزا کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ پھر دارالعلوم دیوبند کا اس پر ماحول مستزاد کہ اس کارخانہ علم و عمل کے بانی ہی نے ۱۸۵۷ء میں ان ہی بکھرے ہوئے منتشر جذباتِ حریت کو دارالعلوم کی شکل دی تھی۔ جن جذبات نے لاکھوں ہندوستانیوں کے لئے سروتق کی قربانی اور گھروبار کی ویرانی آسان تر کر دی تھی، سننے کے قابل ہے یہ ایک تاریخی لطیفہ بھی کہ خود دارالعلوم پر بھی ایک ایسا وقت آیا کہ یہاں کا مصلحت پس طبقہ اس دانش گاہ کو جنگ آزادی سے دور تر رکھنے کے لئے پرتول رہا تھا۔ ٹھیک انہیں اوقات میں حضرت شیخ الہند حریت پسندی کا طوفان اپنے دوش ناتواں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ سو چاہی گیا کہ حضرت مرحوم کو بھی وقتی مصلحت کے اس گمراہ سے واقف کر کے ان کی مساعی کو بھی محدود تر بنایا جائے۔ اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے المغفور مولانا مناظر احسن گیلانی کو حضرت شیخ الہند کی خدمت میں اس پیغام کے ساتھ بھیجا گیا کہ آپ کی تحریک کے شدید

رد عمل سے دارالعلوم کو بھی نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہے اور بات غلط بھی نہیں تھی بلکہ برطانیہ کے دارالعوام میں خاص دارالعلوم پر بھی سوال و جواب ہو چکا تھا اور فرنگی سیاست کے بڑے بڑے جنادری ہندوستان میں دارالعلوم کی ان تیزگامیوں پر مطلع تھے، جو اس ادارے کی سربراہ کی قیادت میں مسلسل جاری تھیں۔ القصہ مولانا گیلانیؒ ہی کا بیان ہے کہ — ”تحریک سے عارضی دست برداری کے اسی پیغام لطیف پر حضرت شیخ الہندؒ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا — ”کہ ان سے جا کر کہہ دو کہ حضرت بانی قدس سرہ (حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ) کے ان عزائم پر میں سب سے زیادہ مطلع ہوں، جو اس دانش گاہ کے قائم کرنے سے متعلق تھے اور یہ بھی کہو کہ دارالعلوم درحقیقت ایک فوجی چھاؤنی ہے جس پر بانی قدس سرہ نے علم و دانش گاہ کا پردہ ڈال دیا“ والقصہ بطولہا —

حاصل اس جملہ معترضہ کا یہ ہے کہ اسی فوجی معسکر میں حبیب مرحوم جیسا بانکا جہاڑ طالب علمانہ داخلہ لینے کے بعد ایک جاں سپار و خدائے حریت مجاہد بن کر نہ نکلتا تو اور کیا بنتا۔ جب درس گاہ کے چھوٹے اور بڑے حریت پسندی کی آگ کو نگل رہے تھے امدان کے نہاں خانے سے بھی آگ اٹکارے بن کر نہ نکلتی تو کیا پھر سردپانی کے ذخیرے یا ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے سامنے آتے۔ کوئی ابجھا ہوا سوال نہیں ہے، صاف اور بے غبار حقیقت کو آخر کس لئے فلسفیانہ موٹنگائیوں کے نذر کر دیا جائے، — بہر حال یہ حقیقت تسلیم کرنا ہوگی کہ مولانا کی سہ آتشہ شخصیت میں ان کی خاندانی روایات دارالعلوم دیوبند کے حریت پسندانہ محرکات اور سرزمین پنجاب کی شعلہ نوائی کو خاص دخل تھا۔ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ خود کاتب الحروف کا عہد طفلی تھا اور مرحوم ایک ایسی عمارت تھے جو شباب کے دور سے گزر کر بڑھاپے کی حدود میں قدم رکھ چکی تھی، اس لئے ان کے سیاسی کارناموں و دینی خدمات کا احصاء نہ کر سکتا ہوں۔

ہم یہ تو سب جانتے ہیں کہ غالباً چالیس سال وہ ہندوستان کی سیاسی فضا میں ایک آندھی کی طرح گرم رفتار رہے، ہندوستان کی ایسی کون سی حریت پسند جماعت ہے جس سے مولانا کا قریبی تعلق نہ رہا ہو، کانگریس، جمعیتہ العلماء، خلافت کمیٹی اور آخر میں ان کا اوڑھنا بچھونا جماعت احرار تھی، جس کے وہ رئیس الاحرار تھے۔ بارہا ان کی تقریروں میں سنا گیا کہ اس مؤخر الذکر پارٹی کے پچاس ہزار رضا کار تھے، جن کی قیادت وہ انجام دیتے۔ اس جماعت کا دائرہ کار پنجاب خصوصی طور پر اور یوپی میں سہارن پور میرٹھ، مراد آباد، بجنور، دہلی اور کشمیر تک سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ پنجاب بشمول ہندوستان کی سیاسی گتھیوں کو وہ اپنے ناخن تدبیر سے کھولتے اور ہر تحریک میں قائدانہ ان کی شرکت ہوتی، بالآخر آزادی کا جو خواب وہ خاندانی طور پر دیکھ رہے تھے، ۱۹۴۷ء میں اس کی بھیانک تعبیر سامنے آئی۔ بھیانک اس لئے کہ وہی لدھیانہ جوان کی جائے پیدائش تھی اور جہاں کے درے درے میں وہ آزادی کے نقیب کی حیثیت سے روح پھونک چکے تھے، — آنادی نے اسی لدھیانہ کو ایک اجڑا ہوا دیار اور ان کی آنکھوں کے سامنے شہر خموشاں بنا دیا۔ سوچتا ہوں کہ ان کا سوانح نگار اس دلدل سانحہ کی تعبیر کن الفاظ و انداز سے کرے گا کہ اسی لدھیانہ میں ان کا گھرا جڑا، ان پر حملہ ہوا، وہ معاشی ایلریوں کا شکار ہوئے۔ اپنوں نے آنکھیں چرائیں، غیروں نے آنکھیں دکھائیں ایک کمیپ میں وہ مقیم رہے اور ایک مہاجر قافلے میں بعنوان ہجرت اس پاکستان میں ان کو امن ملی، جس کے تخیل کی پاتال پر ربع صدی اٹھوں نے تیشہ زنی کی تھی۔ ہندوستان کی سیاست اگر چٹکولے لے رہی تھی تو ان زلزلوں کا شکار کم از کم حبیب الرحمن لدھیانوی کو نہیں ہونا چاہئے تھا۔ وہ دوبارہ ہندوستان آئے لیکن یہاں کی زمین و آسمان بدل چکا تھا۔ انھیں اپنی جلیل خدمات کا کوئی گراں قدر معاوضہ تو درکنار اس ساری فدائیت کا کوئی معترف بھی نہیں ملتا تھا۔ غالباً ان کا سکون دل ہلا، ان کے دماغ

نے جواب دے دیا، ان کے عزائم ٹھٹھڑ گئے۔ ان کے دلوں نے یہ کہہ کر کفن کی چادر ہمیشہ کے لئے تان لی ہے

دیارِ عمر میں اب قحطِ مہر ہے فانی

کوئی اجل کے سوا مہرباں نہیں ملتا

مکرر عرض کرتا ہوں کہ سیاسی زندگی کے نشیب و فراز اور اس راہ کے پیچ و خم میں ان کی جوانی اور میباک کارناموں کے لئے خود ان کے فرزند ارجمند مولانا عزیز الرحمن جماعتی کی ”رئیس الاحرار“ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

فتنہ ارتدادِ قادیانیت اور اس کی سرکوبی

یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ ازہر الہند دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ علمی و دینی، سیاسی و سماجی متنوع خدمات کے کسی شعبہ میں پیچھے نہیں رہتے۔ اس درس گاہ کی تربیت، زندگی کو ایک ایسے رخ پر ڈالنے کی ضامن ہے جہاں کا فاضل کبھی محدث، گاہے مفسر، داعی، امیر کارواں، مبلغ دین اور ہمہ جہت کوششوں کا امین ہوتا ہے۔ اسے مسلمہ کذاب کے مقابل فریضہ حق ادا کرتے ہوئے شمشیر بدست بھی دیکھا جاسکتا ہے اور خائفانہ ہوں کے گوشوں میں ہر حق کے نعروں میں مصروف بھی، وہ تبلیغ دین کے لئے کمر بستہ بھی نظر آئے گا اور اس کا فیضانِ علم چہار سو مواج بھی دکھائی دے گا۔ ان روایات پارینہ کی امین و محافظ رئیس الاحرار کی ذات بھی تھی، ادھر ان کا شباب تھا، اور دوسری جانب فتنہ قادیانیت کا عروج، ان کی خصوصی جماعت نے دین کے اس سب سے بڑے ہلک فتنہ کو محسوس کیا اور احرار کی تمام توانائیاں دین محمدی کے خلاف اس کھلی بغاوت کو کچلنے کی خاطر جمع کر دی گئیں۔ پنجاب کے ایک ایک گوشہ میں ختم نبوت کے راگ اس پُرسوز لب و لہجہ میں الاپے گئے کہ

اب ۱۹۴۷ء میں ان کی بازگشت پاکستانی پارلیمنٹ میں سنی گئی۔ مولانا کے دادا مولانا شاہ محمد صاحب نے ۱۳۰ھ میں قادیانیوں کے خلاف فتویٰ دیا۔

انھوں نے قادیان کی زمین پر نعرہ حق بلند کیا اور کشمیر کے کوہساروں کی چوٹیوں تک اسے پہنچا دیا۔ مجھے یقین ہے کہ مولانا کی یہ جلیل خدمات ان کے لئے زادِ آخرت ثابت ہوں گی اور انصاف پسند مورخ کا قلم مستقبل قریب میں جب ان ذروں سے قادیانیت کے خلاف جدوجہد کا آفتاب بنائے گا تو اس کی شعاعوں میں حبیب الرحمن کے وجود کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ مقدمہ بھاول پور جس میں ان کے استاذ و دینی قائد علامہ الامام حضرت مولانا السید محمد انور شاہ الکنشیری طاب ثراہ نے حضرت مولانا شاہ محمد لہجانی کے فتویٰ تکفیر مرزا جو کہ ۱۳۰ھ میں دیا گیا تھا اور علما و دیوبند حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا یعقوب کے دستخطوں سے شائع ہوا تھا کے بعد امت مرحومہ کے سامنے قادیانی فرقے کو امت سے علیحدہ کرنے کی راہ دکھائی۔ مولانا حبیب الرحمن اور ان کے خاندان کی شرکت اس مقدمہ میں ایک حقیقت ہے۔ علامہ مشرقی سے دو دو ہاتھ، سرسکندر حیات خاں سے نبرد آزمائی، خضر حیات سے جنگ و جدال، مسجد شہید گنج کے لئے ترپ، مولانا کی خدمات کے وہ جلی عنوانات ہیں جن میں ان کے کارناموں کو تلاش کیا جاسکتا ہے اور یہ توکل کی بات ہے کہ ہندوستان میں جماعت اسلامی کی دینی بے راہ روی پر اکابر علما کو مرکز واحد پر جمع کرنے کی پوری ذمہ داری مولانا حبیب الرحمن کے دو شاہ نواں پر تھی، پاکستان میں کچھ پہلے اور ہندوستان میں ۱۹۷۴ء میں جماعت اسلامی کی طویل قلابازیوں کے بعد اس کے چہرے سے وہ نقاب کشائی خود جماعت کے امیر نے کی اور تاریخ کے اس ہائلہ کو دہلی ہی کی زمین پر دہرایا گیا، اور اسی شکل و صورت میں جس میں عنایت اللہ مشرقی نے اپنے فکر کے پورے سرمایہ کو جہنما کی موجوں کے نذر کیا تھا۔ اسی سے بالکل

قریب اسی دہلی کی شاہجہانی مسجد کے زیر سایہ جماعت اسلامی نے بھی اپنے تخیل کو ہوا
 سے بھرے ہوئے غبارے کی طرح فضا میں اڑا دیا اور اس طرح مولانا حبیب الرحمن کی
 اس دانش مندی کو تسلیم کر لیا اور ان کی عاقبت بینی کی تصدیق کر دی جو انھوں نے
 ۲۵ سال پہلے جماعت کے ڈھانچے کا جائزہ لینے کے بعد قائم کی تھی۔ مولانا مرحوم ایک
 وفادار طبع ہونے کے باوجود طالب علمی ہی میں سیاسی بھیمیلوں میں اس طرح الجھ کر رہ گئے
 تھے کہ طالب علمی کی واقعی مراعات وہ قائم نہ رکھ سکے، مگر اس کے باوجود وہ فطری طور پر
 علمی ذوق کے آدمی تھے۔ صبح کو ان کے یہاں حضار مجلس کے سامنے ایک تفسیری نشست
 ہوتی جس میں قرآن مجید کے متعدد تراجم پڑھے جاتے اور مولانا تفسیری نکات اہتمام سے
 بیان فرماتے۔ حضرت شاہ عبدالقادر الدہلوی کے ترجمہ سے انھیں عشق تھا اور اس
 پاکیزہ والہانہ ترجمہ کے مسلسل مطالعہ سے اس کی گہرائی و گیرائی بہ تمام واقفیت رکھتے،۔
 عام مجلسوں میں بھی آیات قرآنی اور حضرت شاہ صاحب کے افادات کو جاذب انداز میں پیش
 فرماتے، اپنے استاد حضرت علامہ کشمیری کے ارشادات پر بھی عبور رکھتا اور جابجا ان کا افادہ
 فرماتے، سیاسی بھیمیلوں کے باوجود دعوتی رنگ بھی ان پر غالب تھا، اور غیر مسلم حلقہ کو اسلام
 کی خوبی و زیبائی پر مطلع کرنے کی ترپ سے خالی نہیں تھے۔ آزاد ہندوستان میں جب فرقہ
 پرستی، ذہنیوں کو اھتل پھتل کر رہی تھی، اور مسجد کے بلند بالا میناروں سے اذان کی آواز
 بھی فرقہ پرستوں کو ناگوار گزرتی تھی تو مرحوم مولانا نے ان ناگوار جذبات کو ایک عجیب انداز
 میں ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اذان کا ہندی ترجمہ شائع کیا اور غالباً اس کے ساتھ مختصر
 تشریح بھی، خاص اشاعت غیر مسلم حلقے میں کی گئی اور بتایا گیا کہ خدا کی عبادت کے لئے
 یہ دعوت خود اپنی تعبیر میں کتنی شیریں اور کتنی لطیف ہے، مولانا کی یہ کوشش برائے
 کار آئی اور اذان کی آوازوں سے بدکنے والا طبقہ ان حلاوت آمیز کلمات کا مٹھا اس
 خود محسوس کرنے لگا،۔ غیر مسلم دوست و احباب کا وسیع ترین حلقہ جو مولانا نے اپنی

ذاتی صلاحیتوں سے بنایا تھا، اسے اسلام کی خوبیوں پر مطلع کرتے اور اس طرح بلاوجہ بدگمانی کی بنا پر اس تلخی اور بے رحمی کو دور فرماتے جو مختلف مذاہب میں دیدہ و دانستہ اسلام کے خلاف پیدا کر دی گئی ہے۔

عجیب بات ہے کہ جس طرح بعض ملکوں اور علاقوں کی خصوصیات
خطابت وہاں کے باشندوں سے اس طرح مربوط ہو کر رہ گئیں کہ
 ان روایات سے منفک کر کے وہاں کے باشندوں کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اسی
 طرح بعض اداروں و علمی درس گاہوں کا حال ہے کہ ان کے زیر دامن تربیت پانے والے
 بعض اپنی انفرادی خصوصیت رکھتے ہیں۔ جماعتی زندگی میں بھی اس کے نمونے دیکھے میں
 آتے ہیں، غرضیکہ احرار پارٹی، پنجاب جس کا مسقط الرأس ہے اس پارٹی میں جمع ہونے
 والے اور خصوصاً اعلیٰ سطح کے افراد غالباً کوئی ان میں بدقسمت ہو گا جو خطابت کے جوہر
 سے خالی ہو۔ سید عطار اللہ شاہ بخاری کی سحر آفریں خطابت، مظہر علی اظہر کی وکیلانہ بحث
 صاحب زادہ سید فیض الحسن، قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور چھوٹے بڑے تقریباً
 تمام ہی اجماری ایک پر جوش خطابت کا کامل و مکمل نمونہ تھے۔ ہر ایک کا رنگ جدا اور طرز
 نرالا تھا، غالباً ۱۹۴۵ء، ۱۹۴۶ء کا زمانہ ہے جب ہندوستان کی سیاسی زندگی بڑی
 تیزی سے کروڑوں بدل رہی تھی۔ وزارت کمیشن اور اس سے پہلے ایک کمیشن اور پھر لارڈ
 ویل کی شملہ کانفرنس سیاست کے منظر عام پر ایک منظر کے بعد دوسرا منظر سامنے آ رہا تھا
 یہی وہ وقت تھا جب مسلم لیگ اپنے اس دعوے کو کہ وہی ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندہ
 ہے، واقعات و شواہد سے مضبوط کرنے کے فکر میں لگی ہوئی تھی اور جیسا کہ سیاسی
 چکر بازیوں کا عام حال ہے خاص اس جزیر میں بھی یہ جماعت اپنے گھناؤنے ہتھیار
 قوت و سرعت سے استعمال کرتی۔ قوم پرور جماعتیں اور قوم پرور مسلمان زور پر تھے۔ جگہ
 جگہ اکابر سیاست کو پامال کیا جا رہا تھا۔ غالباً شملہ کانفرنس کی واپسی پر مولانا ابوالکلام

آزاد علی گڑھ اسٹیشن پر دھڑلے گئے اور جو طوفان و بدتمیزی ریلوے پلیٹ فارم پر برپا کیا
 گیا اس سے سیاست کا سارا پانی ہی گدلا ہو گیا۔ مولانا حسین احمد صاحب مدنی، مولانا
 حفظ الرحمن اور ان کے تمام ارکان جماعت ہندوستان کے طول و عرض میں ان چہرہ
 دستیوں کا شکار تھے۔ یہی وہ وقت تھا کہ رافق دہلی میں طالب علم تھا۔ میں نے یہ منظر
 دیکھا کہ بلیارن کے ایک جلسہ میں جس میں مولانا حفظ الرحمن مرحوم خطاب کرنے والے
 تھے، دہلی کی مسلم لیگ کے سربراہ شیخ عبدالسلام مرحوم نے اپنی فوج ظفر موج کی قیادت
 کرتے ہوئے جلسہ میں جو ہڑ بازی کی وہ اب بھی یاد ہے۔ — غرض کہ لیگ کی اس
 سیاست نے ہندوستان کے وسیع ترین علاقے کو قوم پرور جماعتوں کے لئے مقتل بنا ڈالا۔
 تھا۔ اس وقت دہلی میں ایک خاص جلسہ اس مقصد کے لئے ہونے والا تھا کہ قوم پرور
 مسلمانوں کا نقطہ نظر بھی فرنگی سیاست کے کشتی بانوں کے سامنے آئے یہ جلسہ اپنے مقصد
 کے اعتبار سے دقیق تھا اور مسلم لیگ اسے اپنے لئے ایک بڑا چیلنج تصور کرتی تھی۔ خوب یاد ہے
 کہ دہلی میں غالباً اس جلسے کے لئے کئی بار اہتمام کیا گیا۔ اکابر جمعیت میں سے کوئی شہور
 اور غیر معروف ایسا نہیں تھا جو اس وقت دہلی میں موجود نہ ہو۔ مگر نیشنل کارڈ کے حوال
 مردوں نے بار بار کی کوشش کے باوجود جلسہ کا انعقاد ناممکن بنا دیا۔ پھر مجھے معلوم
 نہیں کہ کیا ہوا۔ ۱۹۴۵ء میں ایک روز جامع مسجد کے سامنے اردو پارک میں ایک
 عظیم ترین اجتماع کا اعلان ہوا جس میں جمعیتہ علماء کے ساتھ احرار پارٹی کے کئی تاد صرتا
 شریک ہوئے۔ رات کو ایک اسٹیج پر جواہر لال، سردار سیل بلکہ کانگریس کے چوٹی کے لیڈر
 اور دوسری جانب قوم پرور حلقہ کائب لہاب، اسید عطار اللہ شاہ بخاری کی سحر انگیز
 خطابت کا یہ عجیب منظر تھا کہ تمام رات محافلوں کو نہ صرف اپنی بات سنائی بلکہ شاہ صاحب
 نے سینے والوں سے پاکستان کی مخالفت میں ہاتھ اٹھوا دیئے تھے۔ — بہر حال
 عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قوم پرور مسلمانوں کو اپنے خاص نقطہ نظر کو عوام میں پہنچا

کے لئے ہمیشہ احرا پارٹی کی ضرورت پیش آتی تھی۔ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ احرا میں ہر شخص مقرر تھا اور سب کے خطابت کے رنگ جدا جدا تھے۔ البتہ بعض ارباب خطابت سید عطار اللہ شاہ بخاری کے سا حرا نہ انداز کی کامیاب یا ناکام نقل کرنے کی کوشش کرتے۔

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی تقریر اور خطابت بھی ایک امتیازی وصف لئے ہوئے تھی، وہ بالعموم کرسی پر بیٹھ کر تقریر کرتے اور ان کی خطابت کی غزل شروع ہوتی۔ غزل کی طرح ہر مصرعہ جدا ہوتا۔ لب و لہجہ کی شوکت، بھاری بھر کم انداز، جس بات کو کہتے دیکھ انداز میں! جس مصرعہ کو اٹھاتے تو قیامت بنا دیتے۔ ایک مصرعہ سنانے کے بعد اپنے داہنے ہاتھ سے دائرہ کو موڑتے اور ہونٹوں میں دبا لیتے۔ وہ دوران خطابت اس کا اندازہ بھی لگاتے کہ مجمع ان کی منشور غزل سے کس حد تک متاثر ہو رہا ہے، — ٹھیک ان اوقات میں چشمہ کے نیلگوں گلاس کے عقب سے وہ اپنی عقابی نظروں کو اذہا کے قبس میں روانہ کرتے اور اس احتساب کے بعد مصرعہ ثانی اٹھاتے۔ تقریر پنجابی ہوتی یا اردو میں ہوتی، وہ بین الاقوامی سیاست پر تبصرہ کرنے کے بعد اچانک مجمع سے کہتے:-

”میں دریافت کرنا چاہتا ہوں، جو بات میں کہہ رہا ہوں ٹھیک ہے یا غلط“
کبھی کبھی اپنی پارٹی کی عظیم اکثریت کا بیان کرتے تو لہجہ کی پوری قوت و استحکام کے ساتھ فرماتے:

”میرے پاس نصف لاکھ تعداد میں رضا کار ہیں۔ یہ ہندوستان کی تمام

قوم پرور پارٹیوں میں ایک منفرد خصوصیت ہے“

فرنگی سیاست کے تار پود کو بکھیرتے، ملکی سیاست پر تبصرہ ہوتا اور بین الاقوامی سیاسی مدوجزر کی نشان دہی کرتے۔ تقریر کا اختتام بھی بہت البیلا تھا۔ وہ عام مقررین کی طرح

خاتمہ پر دھیرے دھیرے پہنچنے کے عادی نہیں تھے، بلکہ اچانک کسی جملہ کو پہلے سے زیادہ پر شکوہ انداز میں کہتے اور دفعۃً کرسی سے اٹھ جاتے۔ وہ دارالعلوم دیوبند میں آخر زندگی میں آئے اور یہ سفر ان کی زندگی کا آخری سفر تھا۔ شام کو بعد عصر مسجد کے وسطی دروازے میں ایک کرسی پر بیٹھ کر طلباء کو خطاب فرمایا، جس میں تمام اکابر دارالعلوم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور ان کے استاذ حضرت مولانا اعجاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ راقم اس وقت مسجد کے اندرونی حصہ میں ان کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا ان کی گردن کے عقبی حصہ میں کھڑی ہوئی بڑی ان کی موت کا اعلان کر رہی تھی۔ وہ حسب دستور تقریر سے بے تابی کے ساتھ اٹھتے تو زبان حال یہ کہہ رہی تھی۔

باتیں ہماری یاد رہیں باتیں پھر ایسی نہ سنئے گا

کہتے کسی کو سنئے گا تو دیر تک سردھنئے گا

مرحوم بلا کے حاضر جواب تھے اور کسی وقت ان کو خاموش

حاضر جوابی

کرنا ممکن نہیں تھا۔ مولانا سلطان الحق صاحب ناظم

کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کا بیان ہے کہ ایک بار غالباً لکھنؤ یا مراد آباد میں کوئی کانفرنس ہو رہی تھی جس میں دیوبند سے بھی شرکار کی ایک جماعت عازم سفر ہوئی۔ سہارن پور اسٹیشن پر شام کی گاڑی سے سفر تھا، اچانک پنجاب سے آنے والی گاڑی میں مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی مرحوم اور ان کے رفیق سفر ایک ڈبے سے نمودار ہوئے اور اسی گاڑی سے روانہ ہو گئے جس میں دیوبند کے شرکار بھی تھے۔ لکسر کے اسٹیشن پر گاڑی میں کافی تاخیر ہوتی ہے اور عموماً مسافر شب کا کھانا یہیں لیتے ہیں۔ دیوبندی شرکار نے دسترخوان بچھایا اور ہر ایک نے اپنے زادراہ کو کھول کر دسترخوان پر چن دیا۔ مولانا سلطان الحق صاحب اپنی تمام نیاز مندیوں کے باوجود کہنے میں بہت جبری اور سننے میں وسیع الحوصلہ ہیں، وہ اس منظر کو دیکھ کر بے قابو ہو گئے اور بولے کہ:

”مولانا! آپ ہیں اور مولانا مدنی ہیں بس یہی تو کمی ہے، اگر مولانا مدنی

ہوتے تو جماعت کے بغیر کبھی لقمہ نہ توڑتے۔“

مولانا سلطان سمجھتے تھے کہ یہ ایک تیرہ جوبالیقین نشا نے پر بیٹھے گا۔ لیکن مرحوم

رئیس الاحرار نے ایک پُر زور قہقہہ لگایا اور فرمایا ————— ”غلط کہتے ہو، مجھ میں اور

مولانا مدنی میں اگر صرف اتنا ہی فرق ہوتا تو اس کمی کو میں کبھی کا پوری کر چکا ہوتا۔“

اس حاضر جوابی کے ساتھ طبیعت میں بڑی بے تکلفی و وارفتگی تھی جس میں پنجابی

روایات کو بھی خاص دخل تھا۔ ان کا قلب اپنے اساتذہ کی عظمت اور اہل اللہ کے احترام

سے لبریز تھا۔ مگر یہ احساس عظمت مصنوعی تکلف کی شکل کبھی اختیار نہ کرتا۔ ایک بار دیوبند

میں دیکھا کہ وہ دفتر اہتمام میں گاؤں تکبہ پر اپنے خاص انداز میں لیٹے ہوئے تھے، ایک ٹانگ

دوسری ٹانگ پر رکھی ہوئی تھی۔ دونوں ہاتھ گردن کے نیچے تھے اور ان کی خطابت کا

آبشار بلند یوں سے نیچے گرا ہاتھا اور سامعین میں حضرت مستم صاحب کے علاوہ خود ان

کے استاد حضرت مولانا اعجاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ

بھی تھے۔ رائے پور کی خانقاہ میں بعد مغرب انھیں اس حال میں بھی پایا کہ ان کے پیر و مرشد

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ رائے پوری ایک چارپائی پر تشریف فرما

تھے اور مقابل کی دوسری چارپائی پر مرحوم رئیس الاحرار اپنی مخصوص بے تکلفی کے ساتھ

لیٹے ہوئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ ان کا دل و دماغ نہ صرف

احساس عظمت کا آشیانہ بلکہ اپنے اساتذہ اور اکابر دین کے ساتھ وارفتگی اور عقیدت

کا دل کش مرقع تھا، وہ اساتذہ کی اولاد بلکہ ان کے متعلقین سے بھی محبت و اخلاص کا

معاملہ کرتے۔ دہلی میں ایک بار ان کے ایک صاحبزادے نے ہندوستان کے ایک باعظمت

صاحبزادے کی شان میں کوئی ناروا بات کہہ دی، وہ تیزی کے ساتھ اٹھے اور اپنے پاؤں کا

جوتا اٹھا کر بے تکلف اپنے اس بچہ پر پل گئے۔ یہ تعبیر صورت واقعہ کی حقیقی ترجمانی کے

میں شریک تھا۔ اس وقت مولانا آزاد کی رہائش گاہ پر ماسٹر تارا سنگھ، سر چند لال ترویدی
 لالہ بھیم سین سچر، پنڈت جواہر لال نہرو، پرتاپ سنگھ کیروں اور پنجاب کے بہت سے زعمار
 ملاقات کے منتظر تھے۔ اجمل خاں صاحب نے ہم طلباء کو بتایا کہ مولانا غسل صبح گاہی میں
 مصروف ہیں۔ کچھ وقفہ کے بعد مولانا آزاد نے طلباء کو باریابی کا موقع عنایت فرمایا۔
 طلباء کی یہ جماعت اندر قدم رکھ رہی تھی اور مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی مرحوم اندر
 سے باہر تشریف لارہے تھے۔ اس وقت اسخوں نے ایک چٹرنیبتن فرما رکھا تھا
 سر پر سرخ رمال اور وہی طویل و عریض چشمہ ان کی آنکھوں پر! مشافہہ نہ ہو میری ان
 کوششوں کے باوجود مرحوم کی اچانک مجھ پر نظر پڑ گئی، الامان الحفیظ!! ان کا اس
 وقت کا بزرگانہ عتاب آسمانی قہر سے کم نہیں تھا۔ وہ اس پر بہت ناراض تھے کہ تم اس
 ذلیل انداز میں ملاقات کے لئے کیوں آئے۔ ان کا چہرہ متمار یا تھا اور حسب دستور گریج
 رہے تھے۔ پھر ان طلباء سے مجھے جدا کیا اور مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں براہ راست
 لے کر پہنچے اور اپنے خصوصی انداز میں فرمایا:

”آپ اسے پہچانتے ہیں؟ یہ ہندوستان کے دینی و علمی کارواں کے

قافلہ سالار خاتم المحدثین مولانا انور شاہ کشمیری کا چھوٹا بچہ ہے“

مرحوم جب کسی کا توارف کراتے تو بے حد دقیق کلمات استعمال فرماتے۔ یہ منظر بھی بار بار

دیکھا کہ وہ اپنے مکان پر تشریف فرما ہیں۔ فون آیا، اسخوں نے جواب کے لئے اٹھایا اور سائل
 کے جواب میں جواباً فرماتے:

”میں مولانا حبیب الرحمن بول رہا ہوں“

تکلف برطوت اپنے بچوں کو بھی مولانا کے ساتھ خطاب فرماتے۔

مرحوم کی باتیں بھی عجیب و غریب ہوتیں۔ غالباً پہلے عرض کر چکا

ہوں کہ وہ شخصیتوں کے احتسابی جائزہ میں بے نظیر واقع

سخن دلنواز

واقع ہوئے تھے۔ ایک باریہ خاکسار دہلی میں نظام الدین اولیا رمانگہ پر جا رہا تھا دوسری جانب وہ کار میں واپس تشریف لارہے تھے۔ خدا جلنے انھوں نے مجھے کس طرح دیکھ لیا۔ مانگہ کے بالکل قریب کار رک گئی اور مولانا دروازہ کھول کر صاف و ستھری ٹرک پر نکل آئے۔ علیک سلیک کے بعد میرے اس سوال پر کہ آپ کہاں سے تشریف لارہے ہیں؟ فرمایا — ”مولوی یوسف امیر جماعت تبلیغی کے پاس گیا تھا۔ اس سے کہہ کر آیا ہوں اپنی جماعت میں مولوی اور لیڈروں کو مت گھسنے دینا، ورنہ تیری ساری تحریک و دعوت تباہ ہو جائے گی۔“

ایک مرتبہ دیوبند میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

”میں نے مولوی یوسف امیر جماعت تبلیغ سے پوچھا کہ یوسف مجھے صحیح صحیح بتا تیرا جواہر لال کی حکومت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس پر مولوی یوسف بولا کہ مولانا ہر رات میں تہجد کے بعد دعا کرتا ہوں کہ ”اے اللہ! اگر جواہر لال کی حکومت آپ کے لئے پسندیدہ ہے تو اسے بقائے طویل عطا فرما اور اگر نا پسندیدہ ہے تو اس میں اصلاح فرما دے۔“

فرماتے تھے کہ میں نے یہ بات جواہر لال کو سنائی تو اس نے پر زور فقہانہ لگایا۔ آزاد ہندوستان میں پنڈت جی کے وزارتی جاہ و جلال سے ان کی بے تکلف طبیعت نے کبھی مرعوبیت قبول نہیں کی تھی۔ جواہر لال کی بھی اپنے خاص عملہ کو ہدایت تھی کہ مولانا جب اور جس وقت ملاقات کرنا چاہیں ان کی آمد و رفت کو عام ملاقاتی ضابطوں سے مستثنیٰ رکھا جائے۔ واقف کاروں کا بیان ہے کہ وہ جاتے اور خاص اس صوفے پر جا کر جواہر لال سے قریب بیٹھ جاتے جو پنڈت جی کا مخصوص تھا۔ اور پوری بے تکلفی سے ان کے کاندھوں کو تھپتھپاتے ایک روز فرمایا:

”پنڈت جی کامیاب حکومت کے خیال میں مت رہنا، ہندوستان کی موجودہ ترقی ان دو تین بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے، جو آپ کے ملک میں تشریف فرما ہیں (اشارہ حضرت مولانا مدنیؒ) اور حضرت رائے پوریؒ کی جانب تھا) کبھی کبھی ان کی خانقاہوں میں حاضری دے کر نیک دعائیں لے آیا کرو!“

جواہر لال اس نیک مشورہ پر مسکرا کر رہ گئے۔ دلی کے سرکاری دفتروں میں پہنچ جاتے تو اونچے نہدے داروں کے کاندھوں پر اپنا دست شفقت رکھ کر ”بیٹا“ کے ساتھ خطاب ہوتا، اور بلاشبہ اس دل نشین انداز اور سخن دل نواز سے رُکے ہوئے کام اور شفقت کار میں پڑی ہوئی الجھنوں کو چٹکیوں میں حل کر لیتے۔ راقم الحروف جب دیوبند سفارت ہوا تو ایک بار دلی میں اپنے مکان پر مجھ سے فرمایا کہ اب کیا کرے گا؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کا جو مشورہ ہو، — فرمایا:

”اگر میرا مشورہ مانتا ہے تو کھتولی صنلع مظفر نگر چل، وہاں زمین کا

ایک قطعہ لے دوں گا، چھپر ڈال لے، اور مدرسہ ”انوریہ“ کا افتتاح

کر دے، میرے دو بچے محمد احمد اور سعید الرحمن تیرے ساتھ رہیں گے۔“

اس عجیب و غریب تجویز پر میں ساکت و صامت رہ گیا، مولانا نے حسب دستور وارٹھی کو

ختم دے کر دانتوں میں دبایا، عقابانی نظریں میرے چہرے پر ڈالیں اور فرمایا اچھا تیرے

سمجھ میں نہیں آئی، چل کوئی اور بات کر!! —

خدائے تعالیٰ نے انھیں سیاست و فراست اور تدبیر و

اصابت رائے

تدبیر کی جو غیر معمولی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں اور جن سے

وہ ملکی مسائل میں کام لیتے ان کی تو عام طور پر شہرت ہے، مجھے تو یہ بتانا ہے کہ مردم

عام معاملات میں بھی اصابت رائے اور عاقبت اندیشی کے جوہر سے خالی نہیں تھے، چنانچہ

طالب علمی سے فراغت کے بعد میرے شفیق استاد اور خاص مربی مولانا قاری اصغر علی صاحب مرحوم نے حضرت مولانا فخر الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں خاکسار کا پیغام دیا۔ ان ہی دنوں دہلی کا سفر ہوا تو مرحوم مجھ سے دریافت فرمانے لگے کہ شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ میں نے قاری صاحب مرحوم کی اسی تجویز کا ذکر کیا، سننے ہی ایک مقدس ترین شخصیت کا نام لے کر فرمایا کہ ”وہ اس میں مخالف رہیں گے اس لئے اس خیال کو چھوڑ دو۔“

بعد کے واقعات نے مرحوم کی اصابت رائے کی تصدیق کر دی۔ انہیں خانوادہ انوری کے ساتھ غیر معمولی شغف تھا۔ مجھے اپنی زندگی میں کوئی ایسا موقع یاد نہیں پڑتا کہ ان سے ملاقات ہوئی ہو اور انہوں نے خالی ہاتھ آنے دیا ہو۔ والدہ مرحومہ ایک زمانہ میں لڑھیانہ کے مشہور میموریل ہسپتال میں زیر علاج تھیں، راقم بھی ان کے ساتھ تھا۔ اتفاقاً عید وہیں آگئی۔ مولانا مرحوم نے جس طرح کے ملبوسات اپنے بچوں کے لئے تیار کئے اس سے زمانہ فیتی اور اعلیٰ خاکسار کے لئے بھی تیار کئے اور جب اس تعلق کے اظہار کے لئے قلم حرکت کرتا ہے تو بے اختیار اپنے والد ماجد قدس سرہ علامہ کشمیری کا وہ مشہور قول یاد آتا ہے:

”مجھے ہندوستان میں صرف دو ہی وفادار خاندان ملے، ایک بجنور

میں مولانا مشیت اللہ صاحب (مرحوم) اور پنجاب میں مولانا

حبیب الرحمن لڑھیانوی کا۔“

آہ کہ اب یہ دونوں تودہ خاک کے نیچے مصروف خواب ہیں۔ اور ”خانوادہ انوری“ کے مخلصین کی فہرست میں ان اہم شخصیتوں کا فقدان ہے۔ والد ماجد بڑی مولانا حبیب الرحمن مرحوم کے ساتھ خاص تعلق رکھتے۔ مرحوم جس زمانے میں جیل میں ہوتے اور والد ماجد کا پنجاب کا سفر ہوتا تو یہ ناممکن تھا کہ لڑھیانہ میں مولانا حبیب الرحمن کے مکان پر

تشریف فرمانہ ہوں شورش دارالعلوم کے بعد جب کشمیر سے دیوبند مراجعت فرما رہے
 تھے تو اس زمانے میں مولانا مرحوم ملتان سینٹرل جیل میں اسیر تھے۔ والد مرحوم نے ملتان
 کا سفر فرمایا اور جیل ہی میں ان سے ملاقات فرمائی۔ اب اخلاص و محبت، بزرگانہ شفقت و
 مودت کے یہ بلند و بالا مینار زمین کے برابر ہو چکے اور ان کی تصاویر کی وساطت سے جو
 پس ماندہ محروم قسمت حلقے کے ذہنوں میں ہے صرف اتنا سن لیتے ہیں
 ۵ ڈھونڈو گے ہم ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
 تعبیرِ موحس کی حسرت و غم اے ہم نفسِ سودہ ثواب ہیں ہم
 انظر شاہ - ۳۱ جنوری ۱۹۷۵ء



تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم

دلِ طور سینا و فاراں و دینم	تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم
مسماں ہے توحید میں گرم جوش	مگر دل ابھی تک ہے زنا پر پوش
تمدن، تصوف، شریعت، کلام	بتانِ عجم کے عبادی تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی	یہ امت روایات میں کھو گئی
وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد	حمیت میں یکتا محبت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا	یہ سالک مقامات میں کھو گیا

بھی عشق کی آگ اندھیر ہے
 مسماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے
 حبیب بہ زبان اقبال

مولانا حبیب الرحمن حضرت عمر فاروق کے کردار کا عکس ہے

امیر الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ کے مجاہدین کا مجسم نمونہ تھے۔ ملک کو غیر ملکی پنجہ استبداد سے چھڑانے کے لئے قید و بند کی صعوبتوں کو لبیک کہا اور ہر قسم کی قربانی کو لبیک کہنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ اس سلسلہ میں نہ صرف غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف وہ ہمیشہ نبرد آزما رہے بلکہ خود اپنوں کی مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کا بھی نشانہ بنے رہے۔ لیکن ان میں یہ خوبی تھی کہ ان کو صبر کے ساتھ برداشت کرتے اور خندہ پیشانی کے ساتھ پریشانی کن حالات کا سامنا کرتے رہے۔

مجھے اس بات پر فخر ہے کہ انھوں نے میری سیاسی تربیت اور رہنمائی پر خصوصی توجہ مبذول فرمائی۔ غلطیوں پر تنبیہ اور صحیح عمل پر داد تحسین سے ہمت افزائی ان کی خاص عادت تھی۔ وہ بلا کسی جھجک کے حق گوئی میں پس و پیش نہ کرتے تھے۔ وہ صائب سیاست داں اور مستقل مزاج رہنما تھے۔ ان کی زندگی کے واقعات اس کے شاہد ہیں کہ قدرت نے انھیں بصیرت اندر بر معاملہ فہمی اور دور بینی کی اعلیٰ صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔

انھوں نے مجلس احرار ہند کے صدر کی حیثیت سے اپنے فرائض کو جس طریقہ پر انجام دیا اور ضبط و نظم کو جس صورت میں قائم رکھتے ہوئے مخالفتوں کے طوفانوں کا مقابلہ کیا اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے۔ کم ہے۔ حضرت امیر شریعت مولانا سید

عطا اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے تعلقات بہت زیادہ گہرے تھے، اور حضرت شاہ صاحب ان کی رہنمائی و صلاحیتوں سے غیر معمولی طور پر متاثر تھے۔ اس لئے ان کی رائے کے مطابق عمل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ آج بھی میرے کانوں میں حضرت شاہ صاحب کے الفاظ گونج رہے ہیں۔ انھوں نے ایک موقع پر حضرت مولانا صاحب کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ مولانا حبیب الرحمن حضرت عمر رضا کے کردار کا عکس ہیں میرا متعدد بار کا مشاہدہ ہے کہ احرار کے اجتماعات کے موقع پر ہمیشہ مذاق ہو رہا ہے۔ کہ حضرت مولانا تشریف لے آئے تو سب مودب ہو گئے اور ایسا معلوم ہوا کہ پوری مجلس ان کے رعب اور بزرگی سے متاثر ہے۔

درحقیقت مولانا مرحوم کی زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب ہے۔ ان کا سیاسی کردار بے داغ اور اتنا اعلیٰ تھا کہ اس کی بنا پر ان کا مقام ہندوستان کے چوٹی کے لیڈروں کی صف میں رہا۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ راشٹریہ پٹا ہما تھا گا ندھی جی ہوں یا پنڈت جواہر لال نہرو ہوں، مولانا ابوالکلام آزاد ہوں یا سبھاش چندر بوس، سردار پٹیل ہوں یا ڈاکٹر راجندر پرشاد ہوں۔ ہر ایک ان کی عزت و قدر کرتا تھا اور مولانا مرحوم حسب عادت ان سے صاف گوئی کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔

اس موقع پر ایک واقعہ کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں۔ انفرادی سستی گروہ کی تحریک کے زمانے میں لکھنؤ سے مجھے مسٹر وصی احمد مرحوم نے تار دے کر بلایا اور بتایا کہ مسٹر رفیع احمد قدوائی مرحوم کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ قدوائی صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ انھوں نے فرمایا کہ اس تحریک میں احرار بھی حصہ لے رہے ہیں لیکن ان باتوں کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ میری رائے اور مشورہ احرار لیڈروں تک پہنچا دیا جائے۔ جس کام میں نے وعدہ کیا اور لکھنا حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے جو گفتگو ہوئی تھی عرض کی۔ تب مولانا مرحوم نے ان لیڈروں کے اجتماع

کالاہور میں انتظام فرمایا کہ جو جیل سے باہر تھے۔ بحث و تمحیص کے بعد قدوائی صاحب سے مل کر مزید گفتگو کرنے کی تجویز منظور ہوئی۔ حضرت مولانا مرحوم اور میرے یہ کام سپرد کیا گیا۔ لیکن واپسی پر میں بیمار ہو گیا اور سہارن پور سے حضرت مولانا پہلے لکھنؤ جا کر قدوائی صاحب سے ملے اور پھر قدوائی صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب وغیرہ سے جو جیل میں تھے مولانا مرحوم کی ملاقات کا انتظام کیا۔ چنانچہ بات چیت کے بعد ایک مسودہ تیار ہوا جس کی آخری منظوری مہاتما جی سے منگوانے کا پروگرام بنا۔ ن تجا دیز میں ایک بات یہ بھی طے پائی تھی کہ غیر ملکی حکومت سے اگر کسی وقت کوئی گفتگو ہوگی تو اس میں احرار کے نمایندہ کو بھی شامل کیا جائے گا۔

لیکن اس گفتگو کی بات الہ آباد کی سی، آئی، ڈی کو معلوم ہو گئی۔ چنانچہ مولانا مرحوم کو واپسی پر لاہور میں اور قدوائی صاحب کو لکھنؤ میں گرفتار کر لیا گیا۔ اگر کہیں ایسا نہ ہوتا تو ملک کی صورت آج کتنی مختلف ہوتی یہ نہیں کہا جاسکتا۔

مولانا مرحوم کی کئی اہم موقعوں پر رہنمائی نہ سرگرمیوں کی اور بھی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ ایام ماضی کا تصور کرتا ہوں تو بہت سے واقعات آنکھوں کے سامنے جاتے ہیں۔ کبھی فرصت میں ضرور کچھ لکھوں گا انشا اللہ۔ اس موقع پر تو اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ برادر محترم مولانا عزیز الرحمن صاحب جامی کا حکم نامہ ملا۔ اس لئے یہ چہند مسطور لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ بیٹ کا زمانہ ہونے کے باعث فرائض منصبی کی انجام دہی کی مصروفیات سے اتنا وقت بھی بہ دشواری نکالنے میں کامیاب ہوا ہوں۔

محمود علی خاں

وزیر اوقاف حکومت یوپی۔ لکھنؤ

۲۸ فروری ۱۹۴۷ء

حلیب ہند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیز گرامی مولانا عزیز الرحمن جامی اپنے والد محترم مولانا حبیب الرحمن صاحب کے بارے میں دوسرے لوگوں کے تاثرات پر ایک کتاب ترتیب دے رہے ہیں۔
ظاہر ہے کہ اس میں بڑے لوگوں کے خیالات و تاثرات درج ہوں گے اور میں حضرت مرحوم کے سامنے صرف ایک کارکن اور طالب علم تھا، پھر میں کیا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق میرے تاثرات کیا ؟

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت رئیس الاحرار کی ذات گرامی کے بارے میں اگر کسی کے تاثرات قلبی اور حقیقی ہو سکتے ہیں تو وہ ایک قومی کارکن ہی ہو سکتا ہے، کیونکہ مولانا لدھیانوی کی انسانی عظمت اور اسلامی اخوت کے گہرے جذبات کو بے پردہ دیکھنے اور برتنے کا موقع بڑے لوگوں کے مقابلے میں چھوٹے کارکنوں کو بہت زیادہ ملتا۔ بلاشبہ کے عرض کر رہا ہوں کہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے شکار ابو بکر رضی و عمر رضی جیسے بڑے لوگ بھی تھے۔ لیکن بلال رضی و عمار رضی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانی عظمت کا جس کھلے رنگ میں مشاہدہ کیا وہ بس انہی خوش قسمتوں کا حصہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کے بعد بڑے لوگ تو باہوش و حواس زندہ رہے لیکن بلال رضی و ابوذر رضی زندگی سے بیزار ہو گئے۔

میں مدرسہ عالیہ فتح پوری کا ایک طالب علم تھا کہ مجھے اپنے محلہ کٹرہ شیخ چاند کی ایک تقریب میں مولانا کو پہلی بار قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔
یہ غالباً ۱۹۳۹ء کا واقعہ ہے۔

لال کنویں پر علاقہ کی مجلس احرار کا جھنڈا لہرانے کی رسم مولانا مرحوم نے ادا کی۔
 میں اس وقت علاقہ کی احرار کا سکریٹری تھا، اس کے بعد چار پارٹی ہونے لگی۔ مولانا سے میرا
 تعارف کر لیا گیا۔ مولانا نے نہایت بے تکلفی اور محبت سے فرمایا
 اچھا، تم سکریٹری ہو، آؤ، میرے پاس آؤ،

میں نہیں کہہ سکتا کہ مولانا کے ان جملوں میں کتنا پیار تھا، کتنا خلوص تھا، اور
 کتنا اثر تھا۔ مولانا کے اس پیار نے مجھے احرار کی سرخ وردی پہنا دی۔ میرے گھر والوں
 میں دونوں قسم کے خیالات موجود تھے، سخت قسم کے احراری اور جمہیتی بھی تھے اور
 نہایت کٹر قسم کے مسلم لگی بھی تھے۔

میرا مذاق اڑا یا گیا، برا بھلا بھی کہا گیا۔ لیکن احرار کی سرخ وردی پہن کر میں بلا
 مارچ کرتا تھا، کیونکہ مولانا کی حوصلہ افزائی اور محبت نے مجھے دیوانہ بنا دیا تھا اور میرے
 ساتھ دلی کے اچھے اچھے گھرانوں کے لڑکے بھی اسی نشے میں سرشار تھے۔

تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مولانا مرحوم اور احرار کے دوسرے رہنماؤں کی اس خصوصیت
 کا جواب نہیں تھا۔ ان حضرات نے مسلم عوام کو قومی تحریکات میں شامل کیا، کارکنوں کو
 آگے بڑھایا، رضا کاروں میں لیڈری کی صلاحیت اور حوصلہ پیدا کیا اور مسلم نوجوان
 انہی حضرات کی عوامی محبت سے میدان میں نکلے۔

ہمارے علماء کرام اپنی مذہبی عقیدت سے ایک طبقہ کو ضرور متاثر کرتے تھے لیکن
 عوامی جوش و خروش اسی تحریک کی بدولت پیدا ہوتا تھا۔

حضرت لدھیانوی کا وہ دور جو سیاسی رہنمائی، تدبیر و جرأت اور قربانیوں کا
 بے مثال دور تھا، اس کا بڑا حصہ راقم نے دور سے دیکھا، البتہ شگمہ کے انقلاب
 کے بعد جب مولانا نے دلی میں قیام فرمایا، اس وقت مجھے مولانا کی محبت بھری صحبتوں
 سے فیض حاصل کرنے کا کافی موقع ملا۔ اس دور میں کئی دفعہ مولانا نے مجھ سے فرمایا:

”مولوی صاحب! میرے پاس مستلم دوات لے کر بیٹھ جاؤ، میں لکھنے پڑھنے کا آدمی

نہیں ہوں، بعض مذہبی مسائل پر میں نے بہت کچھ سوچا ہے اسے میں لکھوانا چاہتا ہوں۔“
مولانا مرحوم مذہبی مسائل پر بھی جب اپنے مخصوص انداز میں چند جینچے تلے جملے فرمایا کرتے تھے
توان میں بڑی دینی بصیرت اور دینی فہم نظر آتا تھا لیکن افسوس کہ میں مولانا کو وقت نہ دے سکا۔

غالباً سنہ ۱۳۵۷ء کا واقعہ ہے کہ ماہنامہ دارالعلوم میں میرا ایک مضمون ”حیات الہی“ پر

چھپا تھا۔ مولانا نے اس مضمون کو پڑھا۔ اس کے بعد میں مولانا کو راستہ میں مل گیا،

حسب عادت مولانا میرا بازو پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ دولت خانہ پر مجھ سے فرمایا، تم کہاں

پھنس گئے ہو، میرے پاس کیوں نہیں آتے۔ تم نے حیات الہی پر اچھا مضمون لکھا ہے لیکن

یہ تو بتاؤ کہ حیات الہی کی حقیقت کیا ہے؟

جہاں تک روح کا تعلق ہے وہ تو مومن اور کافر دونوں کی مرنے کے بعد بھی زندہ

رہتی ہے، جسم بعض صالح کار کا بھی قبروں میں محفوظ رہتا ہے،

مولوی صاحب! میں نے بہت غور کیا کہ پھر حیات الہی کی حقیقت کیا ہے؟ تو بھائی

میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اپنی امت کی طرف حیات ظاہری

سے بھی زیادہ قوت کے ساتھ آج بھی جاری ہے۔

یہی حیات الہی کی حقیقت ہے

پھر مولانا مرحوم نے حضرت مجدد صاحب کے ایک مکتوب کا حوالہ دے کر فرمایا:

مجدد صاحب نے توجہ الی الحق اور توجہ الی الخلق پر ایک مکتوب میں بڑی وضاحت سے

لکھا ہے، بھائی اب اس مسئلہ پر دوبارہ لکھو۔

واقعی میرے سامنے ایک نئی راہ کھل گئی تھی،

مولانا مرحوم اخلاقی جرأت میں بھی اپنے ہم عصروں کے اندر ممتاز مقام رکھتے تھے،

اس سلسلہ میں ایک واقعہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔

دہلی کے ایک دینی مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا، جماعت کے دوسرے بزرگوں کے
 علاوہ حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ بھی موجود تھے۔ انہوں نے اپنی کچھ آرا صنی دینی
 مدرسوں اور جماعتوں کے لئے وقف کی تھی۔

جلسہ میں مولانا احمد سعید صاحبؒ نے اپنے مخصوص لائحے دار انداز بیان میں
 ان رئیس صاحب کی تعریف کی، شاید اس مدرسہ کے مہتمم صاحبؒ نے مولانا سے کہا تھا
 کہ آپ ان رئیس صاحب کو میرے مدرسہ کی طرف بھی توجہ دلائیے گا۔ اس لئے مولانا
 نے ان کی فیاضی کو سراہا اور تعریف کی،

مولانا کے بعد رئیس الاحرار کھڑے ہوئے اور قرآن کریم کی فضیلت بیان کرتے
 ہوئے جلال میں آگئے اور فرمایا:

”اسلام نے اس امت کو بہت کچھ دیا ہے، یہ امت اس کا حق ادا
 نہیں کر سکتی، پھر اسلام کی خدمت پر دولت مندوں کی تعریف
 کیوں کی جاتی ہے۔“

رُہا پے اور بیماری کی نقابست کے باوجود وہ اللہ کا شکر گرجنے لگا اور علماء کرام کی سبقت
 و رقناعت کا سبق دے کر بیٹھ گیا۔ میں نے مولانا احمد سعیدؒ کی طرف دیکھ لیا کہ ان پر
 کیا اثر ہے تو مولانا سر جھکائے مسکرا رہے تھے۔

یہ چند سطریں ایک نیاز مند کے مخلصانہ تاثرات ہیں، ورنہ میں کہاں اور وہ
 شیر دل عالم دین اور خود دار مجاہد وطن کہاں؟
 رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ

آج ہم، ملک سے غریبی ہٹاؤ کا فرہ سنتے ہیں۔ لیکن وطن دوستی کی ان مثالوں کو
 مٹانے کے درپے ہیں جو مثالیں یہاں کے خواص و عوام لیڈر دل اور جنت کو ایمانداری
 سادگی اور قربانی کا سبق دیتی ہیں۔

پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ملک سے غریبی کیسے دور ہوگی جب کہ اوپر سے لے کر نیچے
تک مفاد پرستی اور تعیش کی زندگی کا دور دورہ ہے۔

آزادی کی تاریخیں لکھی جا رہی ہیں۔ آزادی اور جمہوریت کے جشن منائے جائے
ہیں مگر نہ ابوالکلام آزاد کا ذکر ہے، نہ حسین احمد مدنی اور حبیب الرحمن لدھیانوی کا۔
جس نے زندگی کا تمام سرمایہ وطن عزیز کی آزادی پر قربان کر دیا۔ جیلوں میں اپنی صحت
بریاد کی۔ اپنا گھر بار لٹا کر اپنے آپ کو پرہیزی بنا لیا۔

کیا ہمارے جمہوری حکمران اس پر توجہ کریں گے کہ آزادی کے جن پروانوں کو
ہر سطح پر نظر انداز کیا جا رہا ہے انہیں آگے لایا جائے۔ ان کی قربانیوں کو اجاگر کیا جائے
ان کی زندگی کو بطور سبق کے نئی نسلوں کو پڑھایا جائے۔

اخلاق حسین قاسمی دہلوی ناظم جمعیتہ علماء ہند دہلی
۲۷ جنوری ۱۹۷۷ء



یہی ہے شان قلندری

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

میرا عیش غم، میرا شہد سم، میری بود ہم نفس عدم
تیرا دل حرم، گردِ عجم، تیرا دیں خریدہ کا فری
دم زندگی، دم زندگی غم زندگی، سم زندگی
غم رم نہ کمر، سم غم نہ کھا کہ یہاں ہے شان قلندری

(اقبال)

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

پچاس برس پہلے کا تصور کرتے ہی ذہن و دماغ میں ایک عظیم کش مکش، ایک عظیم سیاسی جدوجہد اور ایک عظیم انقلابی بیداری کے نقوش ابھر آتے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب ہندوستان کی سرزمین مقدس ایک جہنم زار بن چکی تھی۔ پاروں طرف بغض و منافرت کا لاداسا پک رہا تھا۔ برٹش حکومت کے ہیمنہ جو روتشدد کے بھڑکتے ہوئے شعلوں نے پورے ماحول کو جھلس کر رکھ دیا تھا۔ ایک طرف جذبہ وطنیت و رسوز بغاوت سے بھجکتے ہوئے انسانوں کے دماغ تھے اور ایک طرف توپ و تانگ کے کھلے ہوئے دہانے تھے۔ ایک طرف قہر و جبروت کی حکمرانی تھی اور ایک طرف ہزار ہا بیکیوں و مظلوموں کے برہنہ سینے تھے۔ ایک طرف وحشت اور بربریت سے بھری ہوئی نگاہوں کی دن آشا میاں تھیں اور ایک طرف توکل علی اللہ اور نور ایمان سے دمکتی ہوئی پیشانیوں کو خیرہ ردینے والی تابناکیاں تھیں۔

ایسے حوصلہ شکن اور روح فرسا ماحول میں فرنگی اقتدار کو جیلخ دینے کے لئے وہی دگ آگے بڑھ سکتے تھے جن کے ارادوں میں پہاڑوں کا استقلال، دیباؤں کا خروش و رمیدانوں کی سی وسعت تھی۔ جن کے کرداروں میں بلندی و پاکیزگی اور فولاد کی قوت نہاں تھی۔ جنہیں رواداری، روشن خیالی، وسعت نظر، قلب پر سوز، محبت اور انسان دوستی ورثہ میں ملی تھی۔

مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ ایک ایسے ہی خانوادہ علم و فضل کے چشم و چراغ تھے۔ جس کے کردار اور فکر و عمل سے تاریخ نے خیم لیا ہے۔ اُن کے پردادا حضرت مولانا شاہ عبدالقادرؒ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے وہ مجاہد تھے جنہوں نے انگریزوں کے خلاف

فتویٰ دے کر معہ اہل و عیال لڑائی میں شرکت تھی اور ایک بار شہر لدھیانہ میں متواری حکومت قائم کر دی تھی۔ پھر آپ کے دادا حضرت مولانا محمد صاحبؒ بھی زندگی بھر جہاد و حریت کی علم برداری کرتے رہے۔ آپ کے والد مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے بھی تادم آخر اسی شمع کو فروزاں رکھا۔ گویا آزادی کا یہ جذبہ گھر کی پرانی روایت بن گیا تھا۔

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی جس دور میں پیدا ہوئے تھے اس نے جہاد گاندھی، لالہ لاجپت رائے، پنڈت جواہر لال نہرو، سردار پٹیل، مولانا آزاد، رفیع احمد ودائی، آصف علی، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں صاحب، مولانا محمد علی جوہر۔ مولانا احمد سعید صاحب اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمدؒ وغیرہم کو دنیا کے سامنے پیش کیا تھا، ادویہ پوری کی پوری صف ایسے ہی ”دیوزاد انسانوں“ کی صف تھی جس نے نفی سے اثبات کے عظیم مہکل اور رشتی دامنوں سے عظمتوں کے مجر العقول گنبد تعمیر کر دیئے تھے۔

مولانا ۱۹۱۲ء میں کانگریس میں شامل ہوئے اور پنڈت جواہر لال نہرو کے

الفاظ میں :-

”وہ ایک جانناز سپاہی کی حیثیت سے ہماری جنگ آزادی کی تحریک میں ادر کئے جانے کے قابل ہیں“

”اگست ۱۹۲۲ء میں مولانا کے گھر کے تمام سامان کی نیلامی“ ۱۹۲۹ء میں لدھیانہ

شہر میں گورنر پنجاب کے گورنری دربار کا بائیکاٹ“ ۲۶ جنوری ۱۹۲۹ء کو ڈیٹی کمشنر

کارنر سے فون پر گفتگو“ ۱۹۳۱ء کے کانگریس اجلاس میں کامل آزادی کی تحریک پر بحث

بم مارنے والوں کی حمایت میں گاندھی جی سے شدید تکرار اور پنڈت نہرو کے خیال کی تائید

”۱۹۳۸ء میں عدالت کے روبرو بیان“ نہرو حبیب خط و کتابت“ ”کرپس“

جہاد گاندھی، سو بھاش چندربوس، مولانا ابوالکلام آزاد اور محمد علی جناح جیسی ہستیوں

سے مولانا کی خط و کتابت اور ملاقاتیں ایک تاریخی اہمیت رکھتی ہیں اور یہ وہ کارنامے ہیں

جھپٹنے آنے والا مورخ یقیناً فراموش نہیں کر سکے گا۔ مہاشہ کرشن ایڈیٹر روزنامہ پرتاپ رقم طراز ہیں :-

”بہت کم لوگوں کو معلوم ہو گا کہ جنوری ۱۹۴۸ء میں مہاتما گاندھی جی نے مرن برت کیوں رکھا۔ مولانا حبیب الرحمن نے مجھے سنایا کہ وہ مہاتما جی کے پاس گئے اور کہا ہمارے دوشیش جانے کا انتظام کر دیں، میرے جیسے لوگ پاکستان میں رہیں یہ خارج از بحث ہے اور ہندوستان میں ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ ہمارا رہنا مشکل ہے۔ مہاتما جی نے کہا آپ کے سوال کا جواب کل دوں گا۔ دوسرے دن انھوں نے جھوک ٹہر تال کا اعلان کر دیا۔“

لیکن اتنی عظمت اور اتنی رفعت کے باوجود مولانا کی ذات سوس عز و جاہ سے ہمیشہ بے نیاز رہی۔ اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں ان کو کتنے ہی جاں سوز مراحل سے گزرنا پڑا۔ بے پے بہ پے قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں۔ مگر انھوں نے ہر جادو دشوار کو نہایت خندہ پیشانی سے عبور کیا۔ مصائب و آلام کی زبردست سے زبردست پوریش بھی ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ کر سکیں۔ ۱۹۴۷ء کی فرقہ وارانہ آگ کی لپٹوں نے جب لدھیانہ شہر کو گھیرا تو مولانا کو بھی اپنا آبائی وطن اور گھر بار سمجھی کچھ چھوڑنا پڑا۔ لیکن ان کی زبان پر کبھی بھی ”بے مہری یاران وطن کا شکوہ نہیں آیا۔ ان کی زندگی صبر و رضا اور جواں مردی کا مکمل نمونہ تھی۔ بقول پنڈت جواہر لال نہرو:-

”میں نے مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی ہمیشہ اس لئے عزت و تعریف کی کہ ان میں اپنے عقیدے پر مستقل مزاجی اور مضبوطی سے قائم رہنے کی جرأت تھی۔“

مولانا بیک لمحہ ایک منکّر ایک سیاسی رہنما اور ایک عظیم انسان تھے۔ انھوں نے

میں غفلت کے سرشاروں کو اتنی طاقت سے جھنجھوڑا کہ ان میں سویا ہوا حب الوطنی کا لہلہانا
ہوا جذبہ جاگ اٹھا۔

آخر میں مولانا کے فرزند حبیب صاحب عزیز الرحمن صاحب جامعہ لدھیانوی
ڈائریکٹر تعلیمی سماجی مرکز بارہ دری شیرا فگن مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنے
والد کی سوانح ”رئیس الامرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی“ مرتب کر کے نہ صرف
ان کی زندگی کو روشن اور واضح طور پر پیش کیا ہے بلکہ ہندوستان کی جنگ آزادی
کے ایک سالار کے کارناموں کو بجا کر دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی بہت سی تاریخی
ضرورتوں کو بھی پورا کیا ہے اور آنے والے دور میں تاریخ جنگ آزادی کے مورخ
کی زبردست مدد کی ہے۔ اس کو اس کتاب سے بہت سے دستاویزی ثبوت مل سکیں گے
جن سے مسلمانوں پر ہندوستان کو تقسیم کرانے کے بیہودہ اور یکطرفہ الزام کی نفی و
تعمید ہوتی ہے۔

اعظم صدیقی دیوبند

۱۳ اگست ۱۹۶۱ء

تری خاک میں ہے اگر شر

تری خاک میں ہے اگر شر تو خیالِ فکرِ غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری
نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی، نہ حریت پنچہ فگن نے
وہی فطرتِ اسدِ الہی، وہی مرحبِ وہی عنتری
کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھیں دباغِ سکندری

حبیب دوست کی پیشین گوئی

مولانا حبیب الرحمن صاحب سے مجھے نیاز حاصل ہوا۔ نیوسنٹرل جیل طتان میں ۱۹۳۲ء میں تو چھ ماہ کی قید کاٹ کر رہا ہو گیا مگر مولانا صاحب کی قید لمبی تھی۔ پھر ایک دفعہ گجرات جیل میں بھی رہنے کا اتفاق ہوا۔

ان دنوں کی جب یاد آتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ ہماری زندگی کے وہ سنہرے دن تھے۔ ایسی ہستیوں کا ساتھ جیل میں ہی نصیب ہو جاتا تھا جن کی صحبت باہر مشکل سے ملتی تھی۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ چونکہ بزرگ تھے اور جیل کے سپرنٹنڈنٹ وغیرہ ان کی عزت کرتے تھے، ہم لوگوں کے کام میں دل چسپی لیتے تھے اس لئے ہم لوگ اپنی کوئی دقت ہوتی تو ان کے ذریعے دور کر لیتے۔ اکثر جیل میں سیاسی مسئلوں پر بحث پھڑ جاتی تو مولانا اتنی وضاحت کرتے کہ ہم مطمئن ہو جاتے۔ جہاں تک اصولوں کا تعلق تھا شاید مولانا ان چند لیڈروں میں سے تھے جن کے اصول بدلتے نہیں تھے۔ ہاں ان وہ موقع پرستی اور موقع پرستوں سے نفرت کرتے تھے۔ ملک کی آزادی کے لئے کسی قربانی کو کم نہیں سمجھتے تھے۔ وہ ایک سچے مسلمان اور یکے ہندوستانی تھے۔ ملک کی آزادی کا مولانا کو پکا یقین تھا، وہ کبھی ڈمکائے نہیں۔ کہتے تھے ہماری زندگی میں ملک آزاد ہوگا، ایسا ہی ہوا بھی، مگر افسوس ملک کے جو کمرے ہوئے اس نے آزادی کے مزے کو کراہی کر دیا۔ پانڈیشن کے بعد مولانا صاحب اپنا وطن چھوڑ کر بی بی آگئے تھے۔ اس کا ان کے دل پر بڑا غم تھا۔ یہاں جب بھی ملاقات ہوتی تو عموماً مہر ہوتا تھا کہ وہ یہاں آکر خوش نہیں تھے۔ مجھے افسوس ہے کہ آزادی کے بعد جب یہاں ان کو مجبوراً آنا پڑا تو ان کو وہ مقام نہیں ملا جو ان کا تھا۔ موقع پرستوں کا زور

ہو گیا اور حقیقی وطن پرست لوگوں کو پیچھے دھکیل دیا گیا۔

خیر۔ مگر ان کو شکوہ نہ تھا۔ گوان کے دل پر گہرا اثر تھا ان سب باتوں کا۔

یہاں آنے کے بعد اکثر میرے پاس آ جاتے اور کچھ اپنے دل کی کہہ جاتے کچھ سن جاتے۔ مگر ماحول ان کے موافق نہ رہا۔ جب بھی ملتے تو مجھے گلے لگا لیتے۔ کہتے تم نہیں بدلے ڈاکٹر۔ بہت لوگ بدل گئے۔ میں کہتا کہ آپ کے قدموں کی برکت ہے۔ میں نہ بدلوں یہ ہی خدا سے دعا مانگتا ہوں۔

بھائی عزیز الرحمن بھی مجھ پر عنایت رکھتے ہیں۔ یہ ان کی حیر بانی ہے مگر میں ہمیشہ اپنے کو اور جماعت کو قصور وار تصور کرتا ہوں کہ ہم بہت غلط راستے میں چلے گئے اور اپنے اصولوں کو بھی بھول گئے اور ان اصولوں پر چلنے والوں کو بھی بھول گئے۔ آج جو ملک کی حالت ہے وہ دیکھنے سے پہلے ہی مولانا چلے گئے۔ اگر آج وہ ہوتے تو یقیناً ملک کی بد قسمتی پر چار آنسو بہاتے، خدا ان کو جنت نصیب کرے۔ کاش ہم لوگ ان کے نقش قدم پر چلنے کی صلاحیت پیدا کر سکیں۔

خادم بدھ دیو سنگھ۔ دہلی

۲۵ جنوری ۱۹۷۷ء

دیدہ و رپیدا

جہان بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و رپیدا

(اقبال)

رئیس الاحرار

دیکھنے میں تو یہ ایک مضمون کا عنوان معلوم ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ ایک کتاب ہے جسے مولوی عزیز الرحمن جامعی نے مرتب کیا ہے، جس کی قیمت پانچ روپے ہے اور جو تعلیمی سماجی مرکز بارہ درسی شیرانگن دہلی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ لیکن میں اسے ایک مضمون کا عنوان ہی تصور کرتا ہوں اور اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی مرحوم کی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ ہماری قومی زندگی کے ایک ممتاز فرد تھے۔ فکر و عمل کی بیباکی ان کا خاص وصف تھا، حیات ملی کی تاریخ میں ان کے گفتار و کردار کی جرأت آموزی نے اپنے لئے جگہ بنالی ہے۔ مولوی عزیز الرحمن نے ان کی سوانح کا خاکہ پیش کر کے آنے والے مورخ کے لئے بڑی آسانی پیدا کر دی ہے۔

یہ کتاب جس کا عنوان اس مضمون کا عنوان ہے بعض لحاظ سے دستاویزی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے علماء لدھیانہ کی راست بازی اور حق پرستی کی داستان جرمیدہ عالم پر ثبت ہوگئی ہے۔ انھیں علماء کے خانوادہ سے مولانا مرحوم کا تعلق تھا اور مولانا نے اپنے خاندان کی شان دار روایات کو بڑی بے جگری کے ساتھ زندہ رکھا فتویٰ نصرة الایمان کی تاریخی اہمیت کا اندازہ بھی اس کتاب کے مطالعہ سے خوب ہوتا ہے اور علماء لدھیانہ کا وہ موقف بھی بخوبی سمجھ میں آ جاتا ہے جو علی گڑھ کے سیاسی موقف کی ضد تھا۔

اس کتاب میں ایک ضمنی عنوان ہے موازنہ سیدین، اس کے تحت کسی مفکر کے قلم سے سرسید احمد خاں اور سید جمال الدین افغانی کی نظریاتی آویزش کا

کتاب تاریخی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ جائزہ مرتب کتاب کے قلم کار مرہون منت نہیں ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ مرتب کو کتاب میں اسے شامل کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی اور خاص طور سے اس لئے بھی کہ جب مرتب اور مفکر دونوں کی معلومات جمال الدین افغانی کے متعلق صحیح نہیں ہیں۔ بے شک افغانی نے ہندوستانی نیچرلوں کے متعلق اپنے اخبار میں مضمون لکھا اور رونیچریت کے عنوان سے فارسی میں ایک رسالہ بھی تصنیف کیا جس کا عربی ترجمہ بعد میں مفتی محمد عبدہ نے شائع کیا۔ لیکن افغانی نے جو کچھ لکھا تھا وہ سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر لکھا تھا۔ سرسید سے ان کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی اور اس کا کوئی ثبوت ہے کہ انھوں نے سرسید کی تحریر میں پڑھیں۔ حیدرآباد کے قیام کے دوران میں سرسید کی مخالفت پارٹی کے کچھ لوگوں سے افغانی کو سرسید کے بارے میں کچھ معلوم ہوا، اور اسی کو بنیاد بنا کر انھوں نے ان کے خلاف کچھ سطحی باتیں لکھ دیں۔ علی گڑھ کی سیاسی پالیسی کے خلاف علمائے لدھیانہ کے طرز عمل کو افغانی کی تحریروں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا فعل غیث ہے۔ اس لئے ان کی حق پرستی اور اصابت رائے کی توہین ہوتی ہے۔

زیر نظر کتاب میں سوامی شر دھانند کے شدھی اور سنگھٹن پروگرام کا جو دل چسپ سبب بتایا گیا ہے وہ بہت سے لوگوں کے سامنے پہلے پہل آیا ہو گا۔ مسلمانوں کے دسترخوان کی وسعت کس طرح اتنی اہم تخریبی تحریک کا سبب بن سکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ دلچسپ واقعہ ہے، لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس واقعہ کی ایک لطیفہ سے زیادہ حیثیت نہیں۔ اس لئے کہ خلافت تحریک اور ترک موالات کے زمانے میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو اتحاد نظر آتا تھا وہ محض عارضی تھا۔ اس کی بنیاد ایک طرح کا منفی نقطہ نظر تھا، جسے انگریز دشمنی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس اتحاد کے پیچھے کوئی مثبت قومی نظریہ نہیں تھا۔ قومی آہنگی کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرف سے

کبھی کوئی تحریک نہیں شروع کی گئی تھی۔ دونوں تہذیبوں کا بنیادی اختلاف اپنی جگہ برقرار تھا۔ سیاست کے نشیب و فراز کے ساتھ یہ اختلاف کبھی دب جاتا تھا اور کبھی ابھر آتا تھا اور اس طرح اختلاف و اتحاد کا نشیب و فراز قائم رہتا۔ ہندوستان کے قوم پرست (ان قوم پرستوں میں خالص سیکولر نقطہ نظر کے عال محض چند افراد ہی رہے ہوں گے) اس بلندی اور پستی پر کبھی خوش ہوتے تھے اور کبھی ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہراتے تھے۔ سیاسی ہنگاموں میں اس کی فرصت کسے ملتی تھی کہ وہ اس مرض کا سبب تلاش کرے اور اسے دور کرنے کے لئے قومی پیمانے پر کوئی سوچ سمجھی تحریک چلائے، نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کا بنیادی اختلاف قائم رہا اور جب اہم فیصلہ کا وقت آیا تو ہندوستان کی تقسیم عمل میں آگئی۔

اس کتاب میں تقسیم ہند کا سیاسی پس منظر سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، مگر اس کی نوعیت واقفاتی ہے۔ فکری و ذہنی کم ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کی سوانح حیات و واقعات ہی کا ذخیرہ ہوتی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ مولانا مرحوم جیسا صاحب فہم و فراست کیسے اس اہم مسئلہ کو نظر انداز کر گیا اور مرتب نے کس طرح اسے گوارا کیا کہ اس بنیادی مسئلہ کو فراموش کر دے۔ خاص طور سے اس لئے بھی کہ آج تقسیم ہند کے تیرہ سال بعد بھی کم و بیش وہی صورت حال ہے جو تقسیم سے پہلے تھی۔ کانگریس پہلے بھی قومی ہم آہنگی کے میدان میں ناکام رہی تھی اور آج بھی وہ اسی صورت حال سے دوچار ہے۔

افغانستان میں غازی امان اللہ خاں کے خلاف جب بغاوت کرائی گئی اور عاقبت نائنیش ملاؤں نے جب مذہب کے نام پر غازی کے خلاف جہاد بول دیا تو مرکزی خلافت کمیٹی بھی اس رو میں بہہ گئی اور اس کے رہنماؤں نے اپنی سادہ لوحی کے سبب انگریزی سیاست کے ہاتھ میں کھیلنا شروع کیا تو مولانا حبیب الرحمن

لدھیانوی مرحوم کی فراست نے معاملہ کی اصل نوعیت کو سمجھ کر مرکزی خلافت کمیٹی کی
 گمراہی کا پردہ فاش کیا۔ اس وقت مولانا مرحوم پنجاب خلافت کمیٹی کے سکریٹری کی
 حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ اس طرح مرکزی خلافت کمیٹی اور پنجاب خلافت کمیٹی
 میں کشمکش شروع ہو گئی، یہاں تک کہ ۱۹۲۸ء تک نہرو رپورٹ کے مسئلہ پر یہ کشمکش
 اتنی شدید ہو گئی کہ پنجاب کمیٹی ختم ہو گئی۔ اس پورے ہنگامے کے دو پہلو بہت
 اہم ہیں (۱) مولانا آزاد اور ہلی برادران کا اختلاف مسئلہ افغانستان کے سلسلہ میں
 اور (۲) مولانا حبیب الرحمن کا موقف غازی امان اللہ کی حمایت میں، اس سے متعلق
 کتاب مذکور میں چند خطوط ہیں جو دستاویزی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ خطوط چونکہ پہلی بار
 سامنے آئے ہیں اس لئے کتاب کی اہمیت و افادیت تاریخی نقطہ نظر سے بڑھ گئی ہے
 الغرض رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، اگر ایک طرف مولانا
 مرحوم کی سوانح حیات اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کی داستان ہے تو دوسری طرف ہماری
 قومی تحریک کے بعض ایسے گوشوں کو سامنے لاتی ہے جو تاریخی لحاظ سے دل چسپ
 اور سبق آموز ہیں، خاص طور سے پہلی گول میز کانفرنس کے موقع پر ہمارے ملک کے
 بعض قومی و نیم قومی لیڈروں کا سیاسی دیوالیہ پن اور ان کی عبرت ناک تنگ نظری
 اتنے واضح طور پر پیش کی گئی ہے کہ وطن دوستی اور قوم پرستی کے جذبہ کو شرم آتی ہے
 مولانا آزاد نے اپنی کتاب ”ہماری آزادی“ میں بعض اہم واقعات اور ان
 سے پیدا ہونے والے تاریخی نتائج کی طرف محض اشارے کر دیئے ہیں۔ اس کتاب
 میں بعض تفصیلات ایسی ہیں جن سے ان اشاروں پر خاصی روشنی پڑتی ہے

ضیاء الحسن فاروقی

پرنسپل جامعہ کالج - جامعہ ملیہ اسلامیہ - اوکھائی دہلی

۹ جولائی ۱۹۶۳ء

رئیس الاحرار منٹگمری جیل میں

دسمبر ۱۹۴۷ء کا ذکر ہے۔ راقم اور کچھ دوست منٹگمری سنٹرل جیل میں قید کے دن گزار رہے تھے کہ ایک اخلاقی قیدی جو ہماری خدمت پر مامور تھا، کمرہ میں دوڑا دوڑا آیا اور کہا لیجئے افغانستان کے ایک بڑے وزیر بھی قیدی بن کر آ گئے ہیں انھیں شاہی قیدیوں کے وارڈ میں رکھا گیا ہے۔ ہم میں سے تقریباً سب نے اس کی بات سنی ان سنی ایک کر دی۔ کیونکہ ایک تو اس کے مستحق ہمارا خیال یہ تھا کہ دہلوی ہونے کے باعث لگ بھل سے جیل کے پر باندھتا ہے اور دوسرے ہم اس وقت بھوک ہڑتال کی اسکیم بنانے میں اس قدر محو تھے کہ ہمارے لئے کسی وزیر کا اسیر بن جانا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ اور یوں بھی یہ بات کچھ عجیب نہیں تھی کہ افغانستان کا وزیر یہاں کیوں؟ بہر حال، ایک بات حقیقی ہو گئی۔ کچھ دن گزرے تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ ابھی آپ لوگوں کو مولانا حبیب الرحمن سلام کہتے ہیں۔ احسن عثمانی نے جلدی میں پوچھا کیا ملاقات کے لئے تشریف لائے ہیں؟ کہا نہیں وہ تو مفتہ عشرہ سے سرکاری مہمان ہیں۔

”سرکاری مہمان ہیں“

”جی ہاں“

یہیں سے یہ عقدہ کھلا کہ افغانستان کے وزیر ہونے کا اشتباہ بھی آپ ہی پر کیا گیا تھا، مولانا کی دراز ققامتی، دراز ریش بارونق چہرہ، چال میں نمکنت اور حجازی عبا کے پہناوے نے اخلاقی قیدیوں کو مغالطے میں ڈال دیا اور کچھ انھوں نے اپنی خاص قسم کی نفسیات کے تحت بنایا کہ افغانستان کا وزیر قیدی بنایا گیا ہے۔ جن لوگوں

کو جیل خانے میں سی کلاس کے قیدیوں سے ملی جلی زندگی بسر کرنے کا اتفاق ہوا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس طبقہ کی نفسیات کیا ہوتی ہیں۔ ان کے یہاں رانی کا پہاڑ بنا لینا اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو افسانوی رنگ دینا، دن رات کا مشغلہ سمجھا جاتا ہے۔ مولانا کے متعلق وزیر افغانستان ہونے کی تہمت "نے سر پیر نکالے، تو پھر طرح طرح کی باتیں بھی ساتھ ہی ٹانگ دی گئیں۔

خود ہمارے مشتق (قیدی خدمت گزار) نے ہم سے بیان کیا،
 "صاحب کیا پوچھتے ہو، جرمنی کے ساتھ سمجھوتہ کیا تھا، بھید کھل گیا
 اور اب دھر لے گئے ہیں"

گویا اس بے چارے کے خیال میں، افغانستان بھی برطانوی ہند کا ایک صوبہ تھا اور وزیر افغانستان قومی راہنما، جو قانون و دفاع ہند کے ماتحت ماخوذ تھے! — مولانا کو منٹگری جیل میں آئے ہوئے پانچ چھ ہفتہ گزر گئے۔ لیکن ہمارے اور ان کے درمیان سنگ و خشت کی دیواروں کے علاوہ، قانونی دیواریں بھی مزاحم تھیں، اور حکام نے سکندر حیات آنجہانی کی وزارت کے احکام کی متابعت میں ہمارے اور ان کے مہل جول کی تمام راہیں مسدود کر رکھی تھیں — !

چند ہی دنوں میں مولانا کے رعب داب، ٹھاٹھ باٹھ، سچ و صبح اور چال وصال نے طلسم ہوش ربا کے بعض پراسرار کرداروں کی طرح قیدیوں میں ایک خاص معمر کی صورت اختیار کر لی اور وہ عموماً آپ کا ذکر عقیدت و احترام، خوف و ہراس اور ہیبت و حیرت سے کیا کرتے۔

ہم نے بھی اس میں اصناف ہی مناسب سمجھا اور اپنی طرف سے، زیب داستان کی سرخیاں مہیا کر دیں — !

دوڑھائی ماہ کی تنگ و دو کے بعد چوری چھپے ملاقات کا موقع پیدا ہو گیا

اور جیل خانے کے عقیقی حصہ میں راقم سے ملاقات ہو گئی۔ نہایت محبت سے معاف کیا۔
پوچھا کہو، لکھا پڑھی کا حال کیسا ہے۔ عرض کیا، شاعری پڑھتا ہوں، نثر لکھتا ہوں۔
فرمایا کیا لکھ رہے ہو؟

”احرار را ہما وں کے سواغ زندگی“

”تمہیں کیا معلوم“

”بہت کچھ معلوم ہے، کچھ آپ مدد فرمائیے۔ اور ہاں آپ کے ابتدائی حالات
کی تفصیلات درکار ہیں۔“

”میرے حالات یہ“

”جی ہاں“

اتنے میں جمعدار نے کہا، ذرا جلدی فرمائیے داروغہ جی آرہے ہیں، مصافحہ
کیا، اور ہم ایک ہی جیل میں رہتے ہوئے ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اور وہ لمبی لمبی
دیواریں ہمارے درمیان حائل ہو گئیں جو سنٹرل جیل منٹگری میں ایوان انصاف کی
سنگ دلی کا پتہ دیتی ہیں۔!

کوئی پندرہ روز کے بعد ہمیں ایک کانپنی ملی، جس میں آپ کے لکھوائے ہوئے
حالات زندگی کا ایک دلائل و نیضاکہ تھا۔ پیشانی پر مرقوم تھا، میں کیا اور میرے حالات
زندگی کیا، چند واقعات ہیں، جو اس لئے لکھوائے دیتا ہوں کہ پڑھنے والوں کو
غیرت ہو۔!

یہ صحیح ہے کہ انسان کو بہت سی چیزیں سماج میں تجربہ و تعلیم سے ملتی ہیں۔ لیکن
بعض خصائص طبعی طور پر ایسے بھی ہوتے ہیں جو خاندان سے ورثہ میں ملتے ہیں اور اللہ
تعالیٰ کے لطف عمومی سے طبیعت کا حسن بن کر فطرت ہو جاتے ہیں۔ مثلاً مولانا جلیل الرحمن
کے پردادا حضرت مولانا عبداللہ اور صاحب رحمۃ اللہ علیہ پنجاب میں تنہا بزرگ تھے

جنہوں نے شہداء میں انگریزوں کے خلاف لدھیانہ میں فتویٰ دیا اور چند روز کے لئے شہر میں متوازی گورنمنٹ قائم کی۔

آپ کے دادا حضرت مولانا محمد علیہ الرحمۃ نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس علم کو بلند رکھا۔ اور جب کانگریس نے اپنا ابتدائی ڈھانچہ تیار کیا تو ہندوستان حجاز کے علماء سے بھی ان کے حق میں فتویٰ لیا اور خود بھی اپنی بصیرت کی روشنی میں فرمایا کہ مسلمانوں کے لئے کانگریس کی شرکت جائز ہے۔ دراصل مرحوم ان بزرگوں میں سے تھے جنہیں مشیتِ ایزدی اپنی شمع نور سے اطاعت و بندگی کے صلہ میں اجالا کرتی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ صفحہ ہستی پر برطانیہ سے بڑھ کر مسلمانوں کا کوئی دشمن نہیں اور وہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان میں جو حالات پیدا ہو گئے ہیں ان کے پیش نظر ہندو مسلم کے اشتراک ہی سے برطانوی نظم و نسق میں خلل ڈالا جاسکتا ہے۔

!!۔۔۔ انگریز دشمنی کا یہ جذبہ مولانا حبیب الرحمن کو ورثہ میں ملا ہے، اور یوں کہنا چاہئے کہ ان کی زندگی کے غنا صرا رجبہ کا ایک جزو ہے حتیٰ کہ ان کے خون کی گردش ہی اس سے قائم ہے اور طبعیت کا حسن بن کر فطرت کی نیورن گیا ہے اور یہی جذبہ آپ کی اولاد کے رگ و پے میں بھی جاری ہے۔

قدرت نے آپ میں بہت سے خصائص جمع کر دیئے ہیں۔ وہ علماء کی محفل میں بیٹھ جاتے ہیں تو خنک لفظوں سے چشمہ صافی کی موجوں سے ایسے معانی ٹپکے پڑتے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ، ایک درویش مدرسہ دل سے پڑھے ہوئے اسرار و رموز بیان کر رہا ہے۔

سیاست کے یورپی جوڑے تو سمجھنا سہل نہیں۔ ہمارے علماء کی ایک کوتاہی ہے کہ وہ جہاں انگریزی زبان سے نا بلد ہیں وہاں انہیں یہ سمجھی معلوم نہیں کہ اس سیاست کے دائرہ سے کیونکر ٹپٹا جاسکتا ہے۔ وہ دراصل چودھویں صدی کے اس زمانے

میں قرن اول کے معاشرے تصور کی فضا میں گھوم پھر رہے ہیں اور راقم کا عقیدہ ہے کہ جو پانی بہہ چکا ہو اسے واپس لانا محال ہے، محال کیا بلکہ حلتی ہوئی زندگی کی طرح اس کا کوئی نقش بھی واپس نہیں لایا جاسکتا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کو تو چھوڑیئے کہ وہ جامع کمالات ہونے کے باعث علماء میں ایک استثنائی مرتبہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے انگریزی زبان کو سیکھا۔ اور پھر اس کے علم و نظر کے ہر گوشہ پر قابو پا لیا۔ دوسرے راقم کے نزدیک وہ اس دور میں اسلام کے واضح تصور کا صحیح فکری منظر ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ ان کے برابر نہیں۔ علماء کی صف میں جو شخص راقم کے خیال میں جدید و قدیم تصورات کے درمیان سنگم بن سکتا ہے وہ مولانا حبیب الرحمن ہیں اور راقم نے بار بار دیکھا کہ ان میں ترازو کے دونوں پلڑوں کو برابر رکھنے کا جو ہر فکری استعداد کے طور پر موجود ہے۔

وہ معاملہ کی تھاہ کو پا لیتے اور گفتگو کے انداز سے معلوم کر لیتے ہیں کہ اس کا پس منظر کیا ہے؟ اور پھر ہلکے پھلکے انداز میں اس کا تجزیہ کر کے سمجھانا چاہتے ہیں۔ گوانٹھیں ابوالکلام کی شستہ زبان نہیں ملی اور نہ بخاری کی طرح بیان کی افسانوی شوقی ان کا شیوہ گفتار ہے، لیکن چھوٹے چھوٹے فقروں میں بڑی بڑی باتیں ادا کر جاتے ہیں اور ادیبانہ ہونے کے باوجود ادب کا وقار و متانت ہاتھ سے نہیں دینے۔ سنجیدگی آپ کے کلام کا زیور ہے اور بہادری آپ کے دامن گرد کی سنہری جھالر۔!

کمرپ جب پہلی دفعہ ہندوستان آیا تو میاں افتخار الدین کے مکان پر آپ سے ملاقات ہوئی۔ ہندوستان کی سیاست پر ایک گھنٹہ گفتگو ہوئی، اور جب رخصت ہونے لگے تو اس نے کہا۔ آپ مجھے ایک مرتبہ پھر ملے گا۔ میں پروگرام کے مطابق آج کلکتہ جا رہا ہوں۔ اگر آپ وہاں پہنچ جائیں تو مجھے اپنے مقصد کے لئے کئی گم شدہ راہیں مل سکتی ہیں اور پھر اس نے بعض صحافی حضرات کو ملاقات میں بتایا کہ مجھے مولانا کی گفتگو نے

نہایت متاثر کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تک میں جن فرہین ہندوستانی سیاست دانوں سے ملا ہوں ان میں مولانا ایک سربراہ آوردہ سیاست دان ہیں۔

مولانا میں ذاتی محاسن بے شمار ہیں۔ مثلاً وہ جماعت کے لئے اپنی ذات اور اس کی ہر بلندی کو تیاگ دینے کے قائل ہیں اور ان کی زندگی میں بے شمار ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ انھوں نے جماعت کے لئے بڑے سے بڑے ایثار کو بھی گوارا کر لیا۔ دوستوں کے دوست ہی نہیں بلکہ ان پر حبی جان سے بچھا کر بھی ہوتے ہیں۔ آپ کی تنظیمی حیثیت بے پناہ ہے لیکن اب وقت کے صدموں نے انھیں کسی حد تک ”تن آسان“ بنا دیا ہے۔ سوچتے ہیں، کرنا بھی چاہتے ہیں اور من میں آرزوئیں بھی شعلہ بن کر لہراتی ہیں لیکن پھر مسلمانوں کی سیاست کے مزرعہ ویران پر نظر ڈالتے ہیں تو اقبال کی زبان میں یہ کہہ کر حسیپ ہو جاتے ہیں کہ ع

مرا چہ حاصلے کشت خرابے

اقبال کی زبان میں — نہیں بلکہ اپنے تصور کی زبان میں — یہ کیوں کہ آپ اور شاعری دو مختلف چیزیں ہیں اور نہ معلوم قدرت نے آپ سے اس ذوق کو کیوں سلب کر لیا ہے۔ سید عطار اللہ شاہ بخاری ہیں کہ ان کی طبیعت چہروں کی رعنائی سے لے کر ادب کی خوبصورتی تک کی والہ و شیدا ہے اور ان کی زندگی کا بیشتر حصہ شعر و نغمہ کی مجلس آرائی میں صرف ہوتا ہے۔ مگر مولانا حبیب الرحمن سرتاپا، شاہ جی کا تضاد میں نہ شعر سے دل چسپی نہ حسن سے لگاؤ نہ نغمہ سے اٹکاؤ اور نہ زندگی کے جمالیاتی ”دھاروں“ سے رغبت۔ ایک خشک انسان جس کا نغمہ بانگ صلوٰۃ، جس کا حسن چہرہ محراب اور جس کی معراج رسن و دار کی تماشا آرائی ہے۔

سالہا سال آل انڈیا مجلس احرار کے صدر رہے اور نہایت طنطنہ سے کام کیا۔ جب صدر تھے تو بول چال کے تیور بھی صدارتی تھے۔ اب صدر نہیں تو صدر کے

نقش قدم پر چلتے ہیں۔ یعنی یہ آپ کی فطری خوبی ہے کہ آپ تابع رکھ بھی سکتے ہیں اور تابع رہ بھی سکتے ہیں۔ ان لوگوں کی طرح نہیں جو اقتدار کے منصب سے ہٹ خلعی افتاد کی نقش آرائی پر اتر آتے ہیں، جیسا کہ بعض لوگوں میں دیکھا گیا اور ابھی پچھلے دنوں احرار کو ایک ایسا مہلک صدمہ سہنا پڑا ہے۔

آپ نے ۴۵ برس کی عمر میں دس سال چھ مہینے، قید خانے میں گزارے ہیں اور یہ زندگی کا پانچواں حصہ ہے۔ لطف یہ کہ ہندوستانی بھی کائنات انسانی کی کھوپ کا پانچواں حصہ ہے۔

عام حسابی قاعدے کی رو سے دیکھا جائے تو ہفتہ میں ڈیڑھ دن آپ نے جیل خانہ کی نذر کیا ہے اور دن رات کے چوبیس گھنٹہ میں پانچ گھنٹے ایسے ہوتے ہیں جو زنجیر و سلاسل کی بستگی میں کٹے ہیں۔

— آپ کی طویل قید پانچ برس کا وہ زمانہ ہے جو آپ نے اس دفعہ قانون دفاع ہند کے تحت بسر کیا اور استقلال کے ماتھے پر شکن تک نہ ابھری — لیکن اس قید نے جہاں آپ کی صحت پر بُرا اثر ڈالا ہے وہاں دماغ میں عفو و درگزر کا خانہ بھی قدرے مشتعل ہو گیا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ شبہ کی جگہ انگارہ نے لے لی ہے۔ مولانا — شروع شروع میں احرار کا دل سمجھے جاتے تھے — لیکن اب انھیں دماغ بھی کہا جاتا ہے۔

اقبال نے درست ہی کہا ہے —

زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انہی کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
شورش کا شمیمی

۲۱ نومبر ۱۹۴۷ء

رئیس الاحرار کا قلمی چہرہ

سیاست ان کی گھنٹی میں پڑی ہے۔ اور اگرچہ آج وہ عملاً سیاسیات سے بے تعلق ہیں، مگر سیاست کئی پشتوں سے ان کا عنوان حیات رہی ہے اور دہلی کے کوچہ رحمن میں گوشہ نشین ہونے کے باوجود ان کا دماغ وہی سوچتا ہے جو ایک حریت پسند اور مجاہد کے دماغ کو سوچنا چاہئے۔ ہمارے نزدیک ہندوستان و پاکستان کے لیڈروں میں ان کا شمار آج بھی اگلی صف کے لیڈروں میں ہونا چاہئے۔ اور ان کے تاریخی وصف سے تو انکار ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ان ممتاز افراد میں ہیں جن کے خاندان نے چار پانچ پشتوں تک برطانوی اقتدار کا جم کر مقابلہ کیا اور یہ ایک عبرت ناک حقیقت ہے کہ کوچہ رحمن میں ان کی زندگی ایک بڑے اور تاریخی ہنگامے کی ایک کمزور آواز بن کر رہ گئی۔ بڑا سربلبی سفید ڈاڑھی، لمبا کرتا، بھاری بھر کم مرعوب کن آواز، ان کی عظمت اور بزرگی کا پتہ دیتی ہے اور خاص طور پر ان کی آواز تو آج بھی ایک خطیب شہیر کی بنی بنا آواز معلوم ہوتی ہے، جو پھیلتی ہے، چھا جاتی ہے اور ماحول کو مغلوب کر لیتی ہے۔ پنجاب نے بہت سے خطیب پیدا کئے اور بلاشبہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری ایک بے مثل مقرر ہیں، لیکن مولانا حبیب الرحمن کی آواز نے ان کی خطابت میں خطابت کی جو شان پیدا کی وہ کسی میں پیدا نہ ہو سکی۔ ایک زمانے میں مشہور تھا کہ مولانا کا رنگ اگر کسی جلسہ پر ایک بار جم جائے تو کبھی پھیکا نہیں پڑ سکتا تھا، مولانا، ہر رپورٹ کے حامی تھے، مخالفین کی کوشش ہوتی تھی کہ مولانا کی تقریر سے پہلے جلسہ درہم برہم کر دیا جائے۔ اس لئے کہ اگر وہ بولے تو بس ان کا طوطی یا طوطا بولنے لگے گا۔ مولانا کی زندگی بجائے خود مجاہدہ حریت

کی ایک تاریخ ہے۔ اور اس واقعہ سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مولانا ظفر علی اور ان کے ”زمیندار“
 نے پنجاب میں مشابیر اور اکابر کا جو گروہ پیدا کیا۔ اس میں مولانا حبیب الرحمن کا مقام
 بہت بلند تھا۔ مولانا میں بلاشبہ بہت سی خوبیاں تھیں۔ لیکن ”زمیندار“ کے حلی عنوان است
 نے مولانا کو پنجاب کی عوامی زندگی کا ایک حلی عنوان بنانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی یہ سویر
 اتفاق تھا کہ پرانے ساتھیوں کا اتحاد قائم نہ رہ سکا اور مولانا حبیب الرحمن اور ان کے
 رفقاء مجلس احرار کے قیام پر مجبور ہوئے۔ مجلس احرار کے قیام کے بعد اگرچہ چودھری
 افضل حق اور مولانا منظر علی اظہار اس کے دل و دماغ تھے اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری
 اگر اس کی زبان تھے، تو ہمارا خیال ہے کہ مولانا حبیب الرحمن اس کے ضمیر تھے اور مجلس احرار
 کو وطنی مقاصد کا ہم آہنگ بنانے میں مولانا کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔ مجلس احرار کبھی
 کانگریس کے قریب آئی کبھی اس سے دور گئی لیکن وطن کو جب اور جس دور میں متربان
 ہو جانے والوں کی ضرورت پیش آئی مولانا حبیب الرحمن اپنے ساتھیوں سمیت کبھی راہ حق
 سے پیچھے نہ ہٹے۔ خیال ہو سکتا تھا کہ تقسیم کے بعد مولانا شاید پاکستان میں رہتے اور حق
 بات بھی یہ ہے کہ بھادل پور نے ان کے لئے اپنی آغوش و ابھی کر دی تھی، مگر کچھ بات ہی
 ایسی تھی کہ مولانا دہلی آگئے اور جو راہ ان کے بزرگوں نے اور انھوں نے اختیار کی تھی
 اس پر پورے توازن اور یکسانی کے ساتھ قائم رہے۔ دہلی میں اب ان کی صحت اچھی نہیں
 رہتی اور ان کے مشاغل بھی زیادہ روحانی اور مذہبی ہیں۔ پھر بھی اب جو وہ اپنی سچ کی
 صحبتوں میں فرماتے ہیں وہ ان کے تجربات کا عطر اور جوہر ہوتا ہے۔ مولانا کا دطن لدھیانہ
 ہے اور حالات کی اسے ستم ظریفی ہی کہے کہ وہ ہندوستان میں رہ کر بے وطن ہیں اور
 اپنے آبائی وطن سے دور ہیں۔

ناز انصاری

۲۸ جون ۱۹۷۵ء

ہوا کارخ ذرا بدلے تو سب کچھ جان جاتے تھے

مولانا حبیب الرحمن کی تاریخ ہماری جدوجہد آزادی کی پوری تاریخ ہے جس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا حصہ ان کے بزرگوں کی تاریخ کا جو حصہ ان کی پہلی جنگ آزادی سے شروع ہوتا ہے اور دوسرا وہ حصہ جو مولانا کی اپنی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اس میں ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء تک کی تاریخ آتی ہے۔

آج مولانا کے انتقال کے بعد جب میں پلٹ کر ماضی کی طرف دیکھتا ہوں اور اس میں مولانا کی تصویر ان سے پہلی ملاقات اور تعلقات کی ابتداء کو تلاش کرتا ہوں اور پھر اس وقت سے اب تک کے واقعات کا جائزہ لیتا ہوں تو وہ مجھے ایک اچھی خاصی کتاب کا مواد نظر آتا ہے۔

مولانا کو سب سے پہلے میں نے ایک احرار لیڈر کی حیثیت سے جانا اور ابھی میرا سیاسی شعور کا آغاز ہوا تھا کہ میں نے ان کو احرار کے جلسوں میں تقریر کرتے ہوئے سنا۔ مولانا کے جلسوں میں بے پناہ ہجوم ہوا کرتا تھا۔ وہ جلسوں پر چھا جاتے تھے اور حاضرین میں سے کوئی جلسے کو درمیان چھوڑ کر نہ جاسکتا تھا، جلسوں میں جو کچھ کہا جاتا اسے سمجھنے کی مجھے تمیز نہ تھی لیکن اتنا جانتا تھا کہ یہ جلسے اس لئے ہوتے ہیں کہ انگریز کو ہندوستان سے نکالنا ہے یہی میری دل چسپی کا موجب اور جلسوں میں شرکت کا سبب تھا۔

جلسوں میں شرکت کا یہ سلسلہ جاری رہا اور رفتہ رفتہ جلسوں کی تقریریں سمجھ میں آنے لگیں۔ مولانا کی تقریریں سننے کا اکثر موقع ملا اور میں نے محسوس کیا کہ ان کا انداز خطاب

احتمار اور جمہیتی لیڈروں میں منفرد تھا، چھوٹے چھوٹے جملے۔ نشر کی طرح نو کیلے دل کی گہرائیوں تک اترنے والے۔ صاف و شستہ زبان۔ آواز گرج دار۔ الفاظ کے مفہوم کے مطابق تقریر میں نشیب و فراز۔ لہجہ عموماً پر جوش ہوتا۔ ایک ایک جملہ اس طرح ادا کرتے کہ جیسے سامعین کو سمجھا رہے ہوں۔

جب طالب علمانہ زندگی کا خاتمہ اور عملی زندگی کا آغاز ہوا۔ ذوق کی تسکین کے لئے سیاسی لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا شروع ہوا تو یوپی کی مجلس احرار کے صدر نواب زادہ محمود علی خاں کے یہاں مولانا کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور جلسوں کے بعد ان کی محفلوں میں شرکت کی سعادت بھی حاصل ہوئی اور میں نے محسوس کیا کہ مولانا کی محفلوں اور عوامی اسٹیج میں کوئی فرق نہیں وہ جو باتیں وہاں کہتے تھے وہی محفلوں میں کہتے تھے اور یہ چیز بعد کو میں نے محسوس کی اور اب گزشتہ چند سالوں تو میرا یہ احساس بالکل پایہ تصدیق کو پہنچ کر اپنی جگہ مستحکم ہو گیا کہ مولانا کا ظاہر و باطن ایک رہا۔ ان کی سیاست اور نظریات سے کسی کو ایک لاکھ اختلافات ہو سکتے۔ لیکن یہ بات شاید ان کا بدترین مخالف بھی نہ کہہ سکے گا کہ مولانا نے اپنے ضمیر کو دھوکہ دیا، یعنی انھوں نے کبھی بھی کوئی ایسا کام کیا جس کو وہ غلط خصوصاً مسلم عوام کے لئے مضرت رساں جانتے تھے۔

یوں تو انھیں مسلمانوں کی اکثریت کی سیاست سے اختلاف رہا۔ لیکن انھوں نے دیانت داری کے ساتھ اختلاف کیا، جس راہ کو انھوں نے اپنے نزدیک درست سمجھا اس پر چلتے رہے کسی کو اگر وہ ناپسند تھی تو ہوا کرے۔ انھوں نے کسی کی پسند یا ناپسند کی کبھی پروا نہیں کی اور مولانا کی زندگی میں ایک آدھ نہیں متعدد موٹا ایسے آئے کہ جب انھوں نے انسانوں کی بھیڑ سے الگ راستہ اختیار کیا اور یہی نہیں مولانا نے اپنے قریبی دوستوں اور ہر وقت کے ساتھیوں سے اختلاف کیا، مگر صدق دلی اور

سچائی کے ساتھ۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کا فیصلہ سننے کے لئے پورا ملک بے چین تھا۔ میں سہارن پور میں مرزا اوصاف بیگ کے مکان پر رات کو سوانو بجے ہندوستانی میں خبریں سننے کے لئے بیٹھا تھا کہ مولانا بھی تشریف لے آئے۔ وہ بھی خبریں سننے کے لئے آئے تھے۔

جب ریڈیو پر یہ خبر سنائی گئی کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے پنجاب کی تقسیم کی تجویز پیش کی ہے تو مولانا کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے ”کانگریس نے اپنی تاریخ کا سب سے غلط فیصلہ کیا ہے“ سب حیرانی سے مولانا کا منہ تکتے لگے۔ مولانا نے کہا ”میں صحیح کہہ رہا ہوں، آپ لوگ دیکھیں گے کہ اب اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بنگال کی تقسیم کا بھی مطالبہ کیا جائے گا اور کانگریس کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ پورا ملک تقسیم ہو جائے گا۔ کانگریس نے اپنے ہاتھوں اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ اس کے بعد ملک کس طرح تقسیم ہوا اور تقسیم کے کس قدر تباہ کن اثرات رونما ہوئے آج جب مولانا کی یہ بات مجھے یاد آتی ہے تو میں ان کی سیاست دانی اور دور بینی کا قائل ہو جاتا ہوں۔

چونکہ میں نظریاتی اعتبار سے مولانا کا ہم خیال تھا اس لئے مجھے دن بدن مولانا سے قربت حاصل ہوتی گئی اور میں بالواسطہ طور پر مولانا کے نظریات کا ترجمان بن گیا اور اس کے بعد مولانا کے انتقال تک مولانا سے تعلقات رہے۔ وفات سے درود قبل ملاقات ہوئی تو اس میں بھی اس دور کا ذکر آگیا۔ مولانا ہمیشہ مجھ سے اسی قدر محبت سے پیش آئے۔ جیسے اپنے بچوں سے آتے تھے۔ حالاں کہ اس دوران میں کئی ایسے مواقع آئے کہ نجی گفتگو اور پراسیویٹ محفلوں میں نہیں بلکہ سر اخبار میں نے مولانا سے اختلاف کیا۔ لیکن کیا مجال ہے کہ مولانا کی پیشانی پر کبھی بل آیا ہو ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملے بلکہ مجھے ہی الٹی شرمندگی

ہوتی رہی، خصوصاً اس وقت جب مولانا کہتے بھی تم تو آج کل ہم سے ناراض ہو۔ کبھی مولانا سے ملے ہوئے دیر ہو جاتی اور راستے میں ملاقات ہوتی تو بڑی محبت سے شکایت کیا کرتے۔

مولانا کی عمر اس وقت سنہ ہجری کے مطابق ۶۵ برس کی تھی۔ اس میں سے لگ بھگ تیرہ برس یعنی عمر کا پانچواں حصہ انگریزوں کی جیلوں میں گزرا تقریباً بیس برس کی عمر سے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور پھر ہندوستان کی جنگ آزادی کے اُس دؤر میں جو ہماری جدوجہد کا فیصلہ کن دور تھا وہ آزادی خواہوں کی صفِ اول میں تھے۔ مولانا کے مقام اور پنجاب کی سیاست میں انھیں جو دخل حاصل تھا اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ جب شکسہء میں شملہ میں دیول کا نفرنس ہوئی تو مولانا آزاد کے کہنے پر وزیراعظم پنجاب ملک حضرت حیات نے بذریعہ تار ان کو رہا کیا اور وہ فوراً شملہ پہنچے اور مولانا آزاد کے مشوروں میں شریک رہے مولانا آزاد آپ پر بہت بھروسہ کرتے تھے اور انھیں پنجاب میں مولانا آزاد کی پالیسی کا علم بردار کہا جاسکتا ہے۔

ہندوستان کو آزادی ملی اور ان کے آباد اجراد کی قربانیاں رنگ نولائیں، مگر ہندوستان تقسیم بھی ہو گیا اور واقعات کی سب سے بڑی ستم ظریفی یہ ہوئی کہ آزادی اس طرح آئی کہ مولانا کو گھربار تک چھوڑنا پڑا۔ ملک تقسیم ہو گیا اور جس تقسیم کے مولانا مخالف تھے ایک بار انھیں گھربار چھوڑ کر لدھیانہ سے اسی تقسیم شدہ حصہ میں پناہ لینے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ بھاول پور میں قیام کیا۔ لیکن وہاں زیادہ عرصہ نہیں ٹھہرے اور دہلی تشریف لے آئے پھر مرتے دم تک دلی میں رہے۔

مولانا کی بہادرانہ اور وطن پرورانہ زندگی کا ایک مضمون نہیں ایک کتاب کا موضوع

ہے۔ کاش میرے لئے کبھی یہ ممکن ہو سکے

ناز انصاری

۲۱ ستمبر ۱۹۷۵ء

ذہین رہنما

مجاہد جلیل، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کو لدھیانوی کہا جاتا ہے کیونکہ لدھیانہ ان کا آبائی وطن تھا، جہاں ان کا جدی مکان تھا اور خود ان کا بنایا ہوا مکان بھی۔ مگر جو سب کے لئے ہوتا ہے وہ سب کا ہوتا ہے کسی خاص شہر کی طرف اس کی نسبت کسی تاریخی تقاضے کی بنا پر ہوتی ہے۔ ورنہ ہر شہر اس کا اپنا شہر ہوتا ہے اور وہ آگے بڑھے تو کہنے لگتا ہے

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدار ماست

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کی شخصیت اسی طرح کی تھی، مولانا حبیب الرحمن کا وطن اگرچہ لدھیانہ تھا مگر ان کی بود و باش نمانہ طالب علمی میں درس گاہوں میں اور آخر میں دارالعلوم دیوبند میں رہی۔ مولانا کا طالب علمی کا دور ختم ہوا۔ تو وہ ملک و ملت کے لئے ایٹج پر نظر آتے تھے یا جیل خانہ میں بسیرا کرتے تھے۔

۱۹۴۷ء تک مولانا حبیب الرحمن کی عمر کا جتنا حصہ گزرا اسی طرح گزرا، احقر نے دارالعلوم دیوبند میں عربی شروع کی اس وقت مولانا فارغ ہو چکے تھے۔ مولانا دارالعلوم دیوبند سے چلے آتے تھے مگر ان کے نام کی شہرت دارالعلوم میں باقی رہی اور وہ برابر بڑھتی ہی رہی، یہاں تک کہ مولانا کسی مخصوص حلقے کے نہیں، بلکہ پورے ہندوستان کے مسئلہ رہنما ہو گئے۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد احقر کی عمر کے چند سال آ رہے۔ شاہ آباد صوبہ بہار میں گزرے اور عمر کا قیمتی حصہ مراد آباد میں ختم ہوا۔ اس پورے عرصہ میں

مولانا موصوف کا قرب میسر نہیں آیا۔ مولانا آسمانِ شہرت کے آفتابِ مہتاب تھے اور احقر مولانا کو اسی طرح دیکھا کرتا تھا جیسے زمین کے بسنے والے چاند ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ مجھے مولانا کا قرب دسمبر ۱۹۴۷ء کی آخری تاریخوں میں میسر آیا۔ جب مولانا کو بادیہ ہوائی جہاز مغربی پاکستان (غالباً بھاول پور) سے لکھنؤ بلایا گیا جہاں ہندوؤں کے مسلمانوں کی وہ مشہور تاریخی کانفرنس ہو رہی تھی جس کو ”آزاد کانفرنس“ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے محرک حضرت مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ

لکھنؤ سے مولانا دہلی تشریف لائے اور جمعیتہ العلماء کے دفتر کی پشت پر اس مکان میں قیام فرمایا جو آج کل حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب کا زمان خانہ ہے۔ حاجی محمد فاروق صاحب سوداگر لیدر کو مولانا سے تعلق پہلے سے تھا۔ اس زمانے میں اور خصوصیت پیدا ہو گئی۔ احقر کو بھی مولانا کو زیادہ قریب سے دیکھنے کا اتفاق اسی وقت سے ہوا۔

اگست ۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم ہوا۔ مغربی اور مشرقی پنجاب کی آبادیوں کا تبادلہ ہوا۔ مشرقی پنجاب کے تقریباً تمام ہی رہنماؤں کو جو تقسیم کے مخالف تھے، مغربی پنجاب جانا پڑا۔ ان میں سے بہت سے ذہنی طور پر پاکستانی سانچے میں ڈھل گئے اور جو ذہنی طور پر نہیں ڈھل سکے وہ عملاً اس سانچے میں کھپ گئے۔ مگر مولانا حبیب الرحمن کی شخصیت وہ تھی جو آخر تک اپنے عقیدہ اور خیال پر قائم رہے۔ ان میں مستقل مزاجی کے ساتھ قائم رہنے کی بڑی جرأت تھی اور یہی ایک رہنما کی وہ بختگی ہے جو تاریخِ جاوید کا نقش حیات بنا کرتی ہے۔ حضرت مولانا کی سوانح حیات مرتب کرنا تو حضرت موصوف کے صانع اور رشید اخلاف کا کام ہے جن کو واقفیت بھی احقر سے زیادہ ہے، اور خدا نے قوت تحریر بھی احقر سے زیادہ عطا فرمائی ہے۔ احقر کے سامنے تو چند بنیادی اوصاف ہیں جن میں مولانا کو امتیاز حاصل تھا۔

(۱) ذہانت۔ مولانا کا مخصوص وصف تھا جس نے آپ کو پوری جماعت میں سب سے زیادہ ممتاز کر دیا تھا۔ ذہانت کے ساتھ فراغت اور سیاسی بصیرت بھی ممتاز خصوصیت تھی اور کوئی بھی سمجھ دار شخص پہلی ہی مجلس میں مولانا کی ان خصوصیتوں سے متاثر ہو جاتا تھا۔

سیاسی بصیرت کو مولانا دن بدن ترقی بھی دیتے رہتے تھے چنانچہ نہ صرف مولانا کا معمول تھا بلکہ احقر جیسے کاہل اور مطالعہ اخبار کے بارے میں جان چور خدام کو تنبیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مخالف اخبارات کو پابندی سے نہیں پڑھتا وہ کبھی قوم کی خدمت بیدار مغزی سے نہیں کر سکتا۔

مولانا فرمایا کرتے تھے ایک سیاسی رہنما کا نماز صبح کے بعد سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ مخالف اخباروں کو دیکھے۔

۲۔ جس وصف نے مولانا کی ذہانت و بصیرت کو جوہری شان بخش دی تھی، وہ جرأت، دلیری اور بہادری تھی جو عالم کی سخاوت کی طرح مولانا کے نام نامی کے ساتھ لازوال خصوصیت بن گئی ہے جس نے مولانا کی زندگی کو ہمیشہ مصائب کے شکنجے میں گرفتار کیا۔

اے روشنی ربط کہ تو بر من بلا شری

۳۔ مولانا کے تصور کے تصور کے ساتھ جس چیز کا تصور دماغ پر چھا جاتا ہے وہ آپ کی فراخوصلگی، مدارات اور تواضع ہے جو ہر اس شخص کے لئے عام ہوتی تھی، جس کے متعلق وہم ہو جاتا تھا کہ وہ کسی حیثیت میں مولانا کا جہان ہے پھر یہ مدارات عام بھی تھیں۔

بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

حضرت مولانا کے ان اوصاف کی برکت یہ تھی کہ ۱۹۴۷ء کے بعد جب مولانا نے

دہلی میں قیام فرمایا تو یہاں ہر فرقہ اور ہر طبقہ میں وہ ایسے ہی معروف تھے۔ جیسے کوئی مدت ہمارت سے دہلی میں رہتا ہو۔ پھر جب کچھ عرصہ بعد وہ لدھیانہ تشریف لے گئے۔ جس کے متعلق محض خازن ہونے کا تصور ہی نہیں تھا بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے ہمیشہ ذاتاً ہے وہ لدھیانہ میں ایسے ہی مقبول تھے جیسے ترکیبا کے اس دور میں جب مولانا لدھیانہ کے فرماں روا مانے جاتے تھے۔

دو ماہ ہوئے نومبر کے دوسرے ہفتہ میں احقر لدھیانہ گیا، جہاں مولانا کے فرزندان ارجمند مولانا محمد احمد رحمانی فاضل دیوبند اور مولانا سعید الرحمن صاحب حضرت مولانا کی جانشینی کا حق ادا کر رہے ہیں تو مجھے محسوس ہوا کہ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کی یاد اسی طرح تازہ ہے جس طرح ان کی زندگی میں تھی۔ بلکہ مولانا کے صاحبزادگان کے پاس قیام کر کے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا کی وفات نہیں ہوئی بلکہ وہ زندہ جاوید ہیں۔

ہرگز زمیر دآنکہ دست کہ زندہ شدہ عشق

وہا ہے اللہ تعالیٰ مولانا کے ان اخلاف کو بھی ایسی زندگی کی توفیق بخشے جو

ہمیشہ فنا سے نا آشنا رہتی ہے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

(مولانا) محمد میاں ناظم جمعیتہ علماء ہند

۱۶ مئی ۱۹۶۲ء



حبیب قوم کے لختِ جگر عزیز و خلیل

مری نگاہ میں شورِ شش برہنہ شمشیریں

اس جماعت کے تھے سردار حبیب الرحمن

یہ ستم سے پہلے کی بات ہے کہ عروسِ آزادی کو پنجہِ افرنک سے نجات دلانے میں جس جماعت نے دن کا آرام اور رات کی نیند حرام کی تھی۔ اس جماعت کا نام مجلس احرار اسلام ہند تھا۔ جو افضل حق، سید عطار اللہ شاہ بخاری اور مولانا مظہر علی اظہر سے عبارت تھی۔

آج ہندوستان عروسِ آزادی سے ہم کنار ہے۔ لیکن سردار بھگت سنگھ کو دارِ پرنسپال نے اور محبانِ وطن پر لائٹھوں سے مشقِ ستم کرنے والے دندنا رہے ہیں۔ غدار بنگلوں میں داد و غیش دے رہے ہیں اور ع

”جس جماعت کے تھے سردار حبیب الرحمن“

اس کے رونا کاروں اور فداکاروں کے لئے سر چھپانے کے لئے بھی جگہ نہیں۔ اور وہ بھائی کی بھیک مانگنے پر مجبور ہیں۔ اللہ نے نتیجہ پیکارِ انقلاب سے جو لوگ آشنائے وقارِ بشر نہ تھے منزلِ انجمنِ ملی جو رفیقِ سفر نہ تھے

افسوس! ”مجلس احرار ہند“ کی یاد ایک خوش گوار عہد کی خوش گوار یاد بن کر رہ گئی ہے۔ اس کے ”مجاہدانہ“ کارنامے پرانے اخبارات کی فائلوں میں دفن ہو کر چھو ہو گئے ہیں اور اس کے سردار مولانا حبیب الرحمن ”شاہجہاں آباد“ (دہلی) کی جامع کے پہلو میں خاک میں پنہاں ہیں۔ آہ! سے

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں
سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں

سردار احرار مولانا حبیب الرحمن کا خاندانی تعلق افغانوں سے "شاہ زماں خاں" کے عہدِ زوال سے چلا آرہا ہے اور شاہ زماں وہی افغان غازی بادشاہ تھے جو انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کی قسم کھائے ہوئے تھے اور جب سلطان ٹیپو کی امداد کے لئے عازم ہند ہو کر لاہور پہنچے تو ان کے خلاف "ولنلی" کے ایجنٹ میر مہندی علی مراد آبادی نے ایمان کو اکسایا اور قلب ایشیا میں شیعہ دسی منافرت کی آگ روشن کی تھی۔ جس کے نتیجے میں احمد شاہ درانی کے اس بہادر اور انگریز دشمن پوتے کو نہ صرف تاج و تخت سے بلکہ بصارت سے بھی محروم ہونا پڑا۔ آہ

آپ کہتے ہیں ہمیں غیروں نے مہربان کیا
بندہ پروریہ کہیں اپنوں کا ہی کام نہ ہو

"غازی" سردار احرار مولانا حبیب الرحمن سے اس وقت سے متعارف ہے جب کہ مولانا تحریک خلافت میں انگریز سے برسرِ جنگ تھے اور ان کے والد حضرت مولانا محمد زکریا صاحب ان کی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے ہر وقت فکر مند رہتے تھے۔

سردار احرار مولانا حبیب الرحمن ایک نہایت پاک باز اور پابندِ صوم و صلوات متین و سنجیدہ بزرگ تھے اور ان کے برعکس "غازی" نہایت رنگین مزاج واقع ہوئے تھے۔ اس لئے کبھی کبھی کسی الجھے ہوئے جماعتی مسئلے کو سلجھانے کے لئے چند گھنٹوں کے لئے باہم بیٹھ جانے کا موقع مل جایا کرتا تھا۔ لیکن مسلسل ان کی محفل میں غازی کو بیٹھنے کا کبھی شرف حاصل نہ تھا۔ تاہم سیاسی خیالات میں غازی ہمیشہ ہی سردار احرار مولانا حبیب الرحمن کے ہم فکر اور ہم خیال ہی رہے ہیں۔ ایک مرتبہ پٹیالہ میں احرار و رکروں کی کانفرنس کانگریس میں شمولیت کے مسئلہ پر ہو رہی تھی۔ اس پر تمام احرار کارکن کانگریس کے خلاف اور اس سے قطع تعلق کرنے پر بوند تھے۔ لیکن سردار احرار مولانا حبیب الرحمن کا فرمانا تھا کہ احرار وہی ہو سکتا ہے جو کانگریس بھی ہو۔ اگر احرار کانگریس نہیں تو پھر اس میں اور

مسلم لیگی اور ایک فرقہ پرست میں باقی کیا فرق رہ جاتا ہے۔ اس کا نفرنس میں سردار احرار مولانا حبیب الرحمن کے ہم نوا غازی کے علاوہ دوسرے بزرگ ملک نصر اللہ خاں عزیزیات ایڈیٹر مدینہ تھے اور آخر کار تمام کانفرنس نے مولانا حبیب الرحمن اور ان کے چند ساتھیوں کے دلائل کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور کانگریس میں شمولیت کا فیصلہ کیا گیا۔

سردار احرار مولانا حبیب الرحمن کی ایک خوبی تو معاصرین میں امتیازی شان رکھتی تھی۔ جس کے حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ اور تمام حریت پرست پارٹیوں کے رہنما قائل تھے۔ وہ یہ تھی کہ خدا کی مخلوق کی خدمت کو وہ ہر حالت میں انجام دینا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ جیل میں اپنے قیدی دوستوں کی خدمت میں مسرت محسوس کرتے تھے اور جیل سے باہر اپنے غریب نادار اور غلصہ رضا کاروں کی خدمت کو اور سردار احرار کی خدمات اور خوبیوں کے بیان کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے اور ”غازی“ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس مختصر مکتوب میں ان کی خدمات اور خوبیوں کو قلم بند کر سکے۔

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

اور یہ چہ دستور بھی وہ اس لئے سپرد ظلم کر رہے ہیں کہ وہ اپنے مرحوم رہنما کے ذکر ”حبیب“ کے ثواب سے محروم نہ رہ جائیں۔ در نہ غازی“ ان تمام حالات کو کنجانی صورت میں قلم بند کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ خدا توفیق دے۔ آمین۔

سردار احرار کے فرزند رشید مولانا عزیزی الرحمن نے ضرور ایک کتاب ”رئیس الاحرار“ کے لئے شائع کی ہے لیکن وہ سردار احرار کی عوامی زندگی پر کما حقہ روشنی نہیں ڈالتی۔ ان کی عوامی خدمات اور عوامی زندگی پر ان کے کسی احمراری دوست کا لکھنا زیادہ ضروری اور مناسب تھا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ خدمت ”غازی“ انجام دینے کی کوشش کرے گا۔ خدا سردار احرار مولانا حبیب الرحمن کی معفرت کرے اور ان کے صدقے میں غازی جیسے گہنگاروں کی بھی خدا مغفرت کرے

غازی — ۱۶ مئی ۱۹۶۲ء

آمین

جس نے تاریخ عالم سے سلطنت برطانیہ کو مٹا دیا

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کو ہم سے جدا ہوئے کچھ دن اوپر انیس برس بیت چکے ہیں۔ ہر سال اس ملت میں اضافہ ہوتا چلا جائے تا آنکہ صدیاں بیت جائیں گی اور مولانا مرحوم کی لحد کا نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ مٹی کے نقش و نگار کے تمام گھر و ندرے زمانے کی بے اعتنائی اس طرح روند ڈالے گی، گویا یہاں کبھی کسی کا مزار ہی نہیں تھا۔

لیکن دہلی کی سرزمین ہمیشہ گواہی دیتی رہے گی کہ میرے دامن پر منورہ ایک ایسا انسان آرام کر رہا ہے جس نے انگریزی سامراج سے ٹکرا کر اپنا سر نہیں پھوڑا بلکہ تاریخ عالم سے سلطنت برطانیہ کے نشان تک مٹا دیئے۔

جب وہ گرج کر بستے تو باطل کی صفوں میں انتشار پھیل جاتا۔ جب وہ احکام شرعیہ پر اپنا فیصلہ دیتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے عمر فاروق میں کہ دین سے انحراف کرنے والوں کو تنبیہ کر رہے ہیں۔ ان کی پیشانی کی شکنوں سے برطانوی سامراج پر سیکڑوں شکن پڑ جاتے اور جب وہ مسکراتے تو سنت نبوی کی روشن قدیلیں اور چمک اٹھتیں۔

یہ تھے مولانا حبیب الرحمن، ان سے میری پہلی ملاقات ۱۹۲۹ء میں جالندھر کے ایک گاؤں نکودر میں ہوئی۔ یہاں ان دنوں مدرسہ عربیہ کا سالانہ جلسہ مہر باہت اس ملاقات کی تفصیل زیر طبع کتاب تاریخ امیر شریعت میں آئے گی۔

سیاسی اعتبار سے یہ دن پاک و ہند کی آزادی کی جدوجہد کے دن تھے۔ انگریزی سامراج سے ٹکڑ لینے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ یہی ٹکڑ آگے چل کر ممکن ستیہ گرہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

مجلس احرار اسلام کا قیام

۱۹۳۱ء کے آخر میں جب میں جیل سے واپس آیا تو ملک کے حالات اور غلہ کر دیا سرت کشمیر میں ڈوگرہ شاہی منظم سے تنگ آئے ہوئے مسلمانوں کی بیخ و بکار سے پاک و ہند کے مسلمان آپے سے باہر ہو رہے تھے اور غیر مسلم اخبارات کی بے ہنگم فرقہ پرستی نے حریت پسند طبقے کو اپنی جگہ سے ہلادیا تھا۔ دوسری طرف ہندوستان کانیشنلسٹ ہندو کشمیر کی آنادی کے لئے مرنے والے عوام کو احترام کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ ایسے ہی حالات تھے کہ جولائی ۱۹۳۱ء میں لاہور اسلامیہ کالج کے جدیدہ ہال میں مجلس احرار اسلام کا پہلا اجتماع ہوا۔

راقم الحروف خواجہ عبدالرحیم عاجز کی معیت میں اس تاریخی اجلاس میں شامل ہوا یہ دوسرا واقعہ تھا کہ مولانا مرحوم سے میری ملاقات ہوئی جو اس اجلاس کی صدارت فرما رہے تھے۔ اس اجلاس کے اختتام پر وہ مجلس احرار اسلام کے صدر منتخب ہوئے۔ ان کی صدارت میں مجلس احرار اسلام نے کشمیر کی آزادی کے لئے جو خدمات انجام دیں تاریخ اسے کبھی نظر انداز نہیں کر سکتی۔

لاہور پورسٹل جیل

ریاستی حکام اور مجلس احرار اسلام کے درمیان لڑائی نے طول کھینچا تو ڈوگرہ شاہی اپنے انگریز آقاؤں کے درپر سر بسجود ہوئی۔ چنانچہ فرنگی قانون اپنی سنگینوں سے لمبے ہو کر احرار رضا کاروں کے سینوں پر چڑھ دڑا۔ اور جب مسلمانوں کے سینوں نے انگریز سنگینوں کے منہ موڑ دیئے تو دونوں حکومتیں احرار رہنماؤں کے سامنے سپر انداز ہو گئیں اور صلح کے لئے تمام احرار رہنماؤں کو پنجاب کی مختلف جیلوں سے پورسٹل جیل

لاہور میں اکٹھا کیا گیا۔ ان میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم۔ مولانا حبیب الرحمن مرحوم۔ مولانا منظر علی اظہر، شیخ حسام الدین، مولانا احمد علی مرحوم، مولانا محمد چراغ گوجر، والا ماسٹر محمد شفیع مرحوم قابل ذکر ہیں۔ باہر سے حکومت کے ایما پر مولانا مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ صلح کی بات چیت کے لئے تشریف لائے۔ ایک پندرہ سوڑے کی مسلسل ملاقاتوں کے باوجود کشتی کنارے سے دور رہی۔ راقم چونکہ ورکنگ کمیٹی کا ممبر نہیں تھا لہذا ان لوگوں سے میری ملاقات نہ ہو سکی، صلح کی گفتگو کی ناکامی کے بعد حضرت مولانا حبیب الرحمن حکام جیل کی اجازت سے مجھے اپنے پاس لے آئے۔

ان دنوں کافی دیر تک مولانا مرحوم کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا۔ انھیں قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا بھی یہ سنہری موقع ملا جسے میں نے کسی طرح ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ مولانا مرحوم جس طرح باہر سے اچلے تھے۔ ان کا اندر بھی ویسے ہی صاف ستھرا تھا۔ وہ فرقہ پرست ہندو مسلم کے بھی ویسے ہی دشمن تھے جتنا کہ انھیں انگریز سے بیر تھا۔ وہ اپنے رخصتا کاروں سے اسی قدر محبت کرتے جس طرح ایک جرنیل کو اپنی فوج سے ہونی چاہئے۔ ان کی سادگی ان کے رفتار کی طنابیں تھامے رہتی تھی۔ سماج کے مصنوعی رسم و رواج نے انھیں ہمیشہ اپنا دشمن قرار دیا اور یہی وجہ تھی کہ کسی نئے سورج کی روشنی انھیں راس نہ آئی۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے

میں ناخوش و بیزار ہوں مرم کی سلوں سے

میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو

خیالات کے هجوم سے اگر ان واقعات کا انتخاب کرنے بیٹھوں جن کے مجموعہ کرنے سے تاریخ احرار اور داستان حبیب الرحمن مرتب ہو سکتی ہے تو مجھے ڈر ہے قانون مجھ سے بھی ناراض ہو جائے گا۔ تاہم ان ایسے بہادروں کو خراج عقیدت پیش نہ کرنا

ان کی وفاؤں سے مذاق کرنا ہے جو ہمیشہ جفاؤں سے مذاق کرتے رہے ہیں۔

اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے غیر ملکی سامراج کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور پھر دارو رسن کو دعوت دی۔ جیل خانوں کو عمر بھر آباد کئے رکھا۔ فرنگی رانفلوں کی گولیاں دیوار بن کر ان بزرگمان دین کے راستے میں حائل ہوئیں۔ مگر ان محب وطن لوگوں کے قدم اپنی منزل کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ ان کی موت اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لئے سنگ میل بن کر آج بھی راستہ دکھا رہی ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مورخ کا قلم، زمانے کا دل اور اپنے پرانے، قانون مولانا حبیب الرحمن ایسے ہزاروں محب وطن لوگوں کو بھول سکتے ہیں لیکن پروردگار اپنے بندوں کو جنہوں نے بندگی کی اپنے پروردگار کی اور عاجت روا جانا اپنے پالنہ ہار کو۔ ان کی گردنیں صرف اسی کے سامنے جھکیں انھوں نے قانون مانا صرف اپنے رب کا۔ یقیناً قیامت کے دن بلند درجات کے مالک ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اور ہم سب کے حال پر رحم فرمائے !

جاں باز مرزا۔ لاہور

۶ ارمی ۱۹۶۵ء



دارو رسن

قد و گیسو میں قیس و کوہن کی آزمائش ہے

جہاں ہم ہیں وہاں دارو رسن کی آزمائش ہے

(غالب)

سید الاحرار

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھرائے

بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانے کیا یاد آیا

لوگ جنہیں رئیس الاحرار کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ میں انہیں سید الاحرار کہتا تھا۔ مجھے فخر ہے کہ ان کی صحبت کیمیا اثر اور شفقت کے سایہ تلے دیر پا مجھے کام کرنے کا موقع ملا۔ ان کی پر خلوص رہنمائی میرے لئے ہر کام پر ہدایت و سلامتی کا موجب ہوئی اور انشاء اللہ تعالیٰ تا زندگی یہی امید و رخشاں ہے۔ میں دلی مسرت اور فخر و وقار کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مجھے ہمیشہ ہر حال میں ان کا خلوص و اعتماد حاصل تھا، جو کسی دوسرے خوش نصیب کو شاید ہی حاصل ہوا ہو۔ مولانا کی زندگی کا ہر گوشہ مجھ پر بے نقاب تھا۔ میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مولانا صرف سیاسی قائد اور مجاہد ہی نہیں تھے بلکہ وہ ایک بہت ہی عظیم المرتبت روحانی پیشوا بھی تھے۔ دماغی لحاظ سے وہ اعلیٰ پایہ کے صاحب بصیرت سیاست داں تھے۔ عقلی لحاظ سے بے مثل صاحب ایشار اور جلیل القدر مجاہد تھے۔ قلبی لحاظ سے وہ بہت ہی بلند مقام صوفی اور درویش کامل تھے۔ ان کی ساری زندگی اور جدوجہد خدمتِ خلق اور رضائے الہی کے لئے تھی۔ ایک بار نزدیک سے جس کسی نے آپ کو دیکھ لیا ہمیشہ کے لئے آپ کا غلام بے دام ہو کر رہتا تھا۔ آپ نے اپنی قربانیوں اور خدایاتِ جلیلہ کا صلہ کبھی بھی کسی حالت میں لینا پسند نہ کیا۔ ہم نے بارہا دیکھا کہ صاحبانِ اقتدار اور مسند نشینانِ تخت و تاج نے حسن عقیدت سے مجبور ہو کر ان کی حق گوئی و بے باکی اور ملکی و ملی خدایات کے صلہ میں مسند ہائے اعزاز اور خلعت ہائے زرنگار پیش کیں لیکن اس درویشِ کامل نے ان کو ہمیشہ پائے استحقاق سے

ٹھکرا دیا۔ علامہ اقبال مرحوم نے شاید آپ ہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ لکھا :-

داراؤ سکندر سے وہ مردِ فقیر ادنیٰ
ہو جس کی فقیری میں ہوئے اسدا للہی
آئینِ جواں مرداں حق گوئی دے بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میری ہر کارگزاری پروردگارِ عالم کی خوشنودی اور اس کی مخلوق کی خدمت کے لئے ہے۔ اس کی عبادت میں سے سب سے اعلیٰ عبادت خدمتِ خلق ہے۔

برطانوی سامراج کے سینے پر سب سے بڑی چوٹ دوسری جنگِ عظیم کے میدانوں میں پڑی جس کے بعد برِ عظیم ہندوستان سے اس کا کوچ ناگزیر ہو گیا تھا۔ اس چوٹ کا پلان مولانا کے ذہن رسا کا نتیجہ تھا جو ان کے دماغ سے نکل کر میرے سینے میں آیا اور میں نے اسے نیتا جی سبھاش چندر بوس کے دل و دماغ میں نقش کیا جسے انھوں نے محاذِ جنگ میں پہنچ کر پورا کیا۔ نیتا جی سبھاش چندر بوس جب تک زندہ رہے مولانا کے عاشقِ صادق بن کر رہے۔ ۱۹۴۷ء میں اگرچہ مولانا دھرمسالہ جیل میں نظر بند تھے لیکن ان کے افکار کی لائن کو میں ری پبلکن سوشلسٹ آرمی کے ساتھ مل کر پورا کر رہا تھا۔ مولانا نے فرنگی سامراج کو اس برِ عظیم سے نکالنے کے لئے ہر طبقہ کے لوگوں سے حیرت انگیز اور عظیم ترین کام لئے۔ حتیٰ کہ کوئی مجذوب اور صوفی، کوئی درویش اور غابدو نہاد ایسا نہیں مولانا نے جس کے پاس پہنچ کر ملک کی آزادی کی بھیک نہ مانگی ہو۔ اور ان کو اپنی کارگزاریوں کی کامیابی کے لئے دعا گو نہ بنایا ہو۔ میں ان میں سے اکثر کو جانتا ہوں۔ کچھ ان میں سے آج بھی زندہ ہیں۔ مولانا ہر شہر، ہر مقبہ، ہر دیہات کے اہل قبور بزرگوں کے مزارات پر بیٹھ کر مراقبہ کے ذریعے ان کی ارواح سے بھی ملک کی

آزادی کے لئے دعاؤں کی بات کرتے تھے۔ بالآخر مولانا کی زندگی کا بہت ہی بڑا مشن ان کی نظروں کے سامنے ہی کامیاب ہوا۔ ملک آزاد ہونے کے بعد ان کے سامنے امن عامہ اور انسانیت کی سلامتی اور ترقی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو سچا مسلمان بنانے اور دعوتِ اسلام کو عام کرنے کا مشن تھا۔

تقسیم ملک کے بعد مولانا بھاول پور میں تھے۔ میں ان سے ملنے کے لئے گیا، تو فرمانے لگے۔ شاہ جی! خواجہ معین الدینؒ کون تھے؟ اور ان کے کون سے ایسے کارنامے تھے جن کے باعث وہ سلطان الہند مشہور ہوئے؟ میں اس سوال کا مطلب بھانپ گیا۔ عرض کیا۔ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ فرمانے لگے کہ حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ نے جو کارنامہ اس ملک میں آکر انجام دیا۔ اگر ہم آپ اس کو دہرا نہیں سکتے تو پھر مسلمان کہلانا فضول ہے۔ چلو چشتیؒ نے جس سرزمین پر پیغام حق سنایا اور خات پات پات کو چھوڑا اور چھوت چھات کو توڑا۔ اور انسانیت کو ادبچا کر کے اسلام کا نام روشن کیا۔ ہم بھی ان کے مشن امن و سلامتی کو آج کے ہند میں روشن کریں۔ میں اس دعوت پر سوچتا رہ گیا۔ اور مولانا سرزمین دعوت سلطان الہند میں چلے گئے۔ میں سمجھا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشنده

مولانا کی منظرِ عجائب پر غرائب شخصیت نے سچ مچ حضرت خواجہ اجیریؒ کی راہ پر سعادت اختیار کر کے دکھادی جس کا ایک منظر آج انجمنِ اسلامیہ پنجاب ہند ہے۔ ادھر حضرت سید الاحرار اس عالم ناپائیدار سے عالم بقا کی جانب تیار یوں میں مشغول تھے۔ ادھر میں قلب و دماغ کے اضطراب میں بے چین تھا، اور اپنے ارادتمندوں کے دیہاتی دورہ میں سفر پر تھا۔ تحصیل جڑانوالہ کے ایک دیہات میں مولانا کی آخری شب

کے آخری حصہ میں محو خواب تھا کہ حضرت موچپورہ ٹانچی کے میدان میں ایک بہت بڑے
 جلسے سے خطاب کے بعد اپنے گھر شفاعت منزل کو آ رہے تھے۔ میرے علاوہ اور بھی
 بہت سے نئے اور پرانے احباب ساتھ ساتھ تھے۔ میں بہت عرصہ کے بعد شفاعت
 منزل کی جانب جا رہا تھا۔ شفاعت منزل کے احاطے میں ہم داخل ہوئے تو اس میں
 ایک خوبصورت باغیچہ کے اندر ایک مختصر سا خوبصورت بنگلہ جو بالکل نیا تھا نظر آیا۔
 مولانا کھٹ سے اس بنگلہ کے ایک کمرے میں داخل ہو کر آرام فرمانے لگے اور مجھ سے
 فرمایا۔ شاہ جی! بی بی (حضرت مولانا کی اہلیہ صاحبہ) سے مل آؤ۔ میں حضرت کا
 ارشاد پا کر باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں، شفاعت منزل کے ساتھ ایک اور چہار منزلہ وسیع
 مگر پرانی عمارت بھی کھڑی ہے اور اس کے ارد گرد ایک وسیع باغ ہے۔ میں اس کی
 دوسری منزل میں داخل ہوا تو مرحومہ بی بی صاحبہ درویشانہ کھدر کے لباس میں ملو
 ذکر اللہ میں مصروف ہیں۔ میں نے بعد آداب و نیاز سلام کیا۔ انھوں نے دعائیں دیں
 اور میرے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے بڑے جذب کے ساتھ فرمایا: شاہ جی دیکھو
 تمہارے مولانا صاحب وہاں رہتے ہیں۔ یہاں نہیں آتے۔ بات ختم ہوتے ہی اس عمارت
 کی دو منزلیں بڑے زور اور گرج سے نیچے گریں اور خون سے میری آنکھ کھل گئی۔ اس کے
 بعد بھی میں پانچ روز تک سفر میں رہا۔ لیکن دل کی دنیا میں ایک سخت کرب و اضطراب
 تھا۔ آخر میں دیہات سے نکل کر لائل پور آیا تو وہاں ایک دوست نے درویش کامل،
 مجاہد حبیل سید الاحرار مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر ملال
 کی خبر سنائی۔ اپنے اضطراب بے پایاں کی ساری وجہ سمجھ میں آ گئی۔

مجھے اپنے عزیز القدر برادر جنرل سکریٹری انجمن اسلامیہ پنجاب مولانا محمد احمد
 رحمانی کی جواں ہمتی اور سعادت مندانہ طبیعت سے امید ہے کہ مولانا کے انتقال سے
 ان کے عظیم مشن کی جو منزلیں گزری تھیں وہ انھیں پایہ تکمیل تک پہنچا کر دم لیں گے۔

”ہمت مرداں مددِ خدا“ کے مصداق قدرت میرے اس بھائی اور عزیز کی حیرت انگیز مدد کرے گی۔ ہمت و استقامت کی دولت بے پایاں مولا کریم اس عزیز کے ہمراہ فرمائے۔

اپنی حالت تو اس شعر کے مصداق بن کر رہ گئی ہے۔

نہ وہ دیتا ہے، نہ دل ہے، نہ وہ بادہ نہ ہے ساقی

فقط ایک درد ہے زندہ فقط اک یاد ہے باقی

سید محمد سلیمان احمد سکیم بکٹی۔ علاء پوری مرحوم

۱۶ مئی ۱۹۶۲ء



لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ۔ خودی ہے تیغِ فشاں لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے، صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
کیا ہے تو نے ضرور کا سودا، فریب سود و زیاں لا الہ الا اللہ
یہ مال و دولت و دنیا یہ رشتہ پیوند، بتان و ہم و گماں لا الہ الا اللہ
خرو ہوتی ہے زمان و مکان کی زنجاری، یہ زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ
یہ نعمہ، فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند، بہار ہو کہ حزاں لا الہ الا اللہ
اگرچہ بت میں جہالت کی آستینوں میں۔ مجھے ہے کلمہ اذان لا الہ الا اللہ

اقبالؒ

اس سلسلہ میں مولانا منظور نعمانی کا مضمون پڑھئے تاکہ معلوم ہو کہ رئیس الاحرار کس درجہ کے صاحبِ حال بزرگوں میں تھے۔

رئیس الاحرار کی دو باتیں

دسمبر ۱۹۳۷ء میں مولانا آزاد مرحوم کے زیر صدارت مسلمانان ہند کی ایک عظیم الشان کانفرنس لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ یہ تقسیم اور اس سے پیدا ہونے والے خونی ہنگاموں کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کی پہلی بڑی کانفرنس تھی اور اپنے موضوع و مقصد کے لحاظ سے بھی بہت اہم تھی۔ حافظ محمد ابراہیم صاحب جواب مرکزی کابینہ کے رکن ہیں اور اس وقت ہماری ریاست اتر پردیش کے وزیر تھے۔ وہ اس کانفرنس کی استقبالیہ کے صدر تھے۔ مولانا حفظ الرحمن اور حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس کے خاص داعیوں میں تھے۔ آپ کے والد ماجد (مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی مرحوم) اور آپ کے سب گھر والے مشرقی پنجاب کے لاکھوں مسلمانوں کے ساتھ پاکستان دھکیل دیئے گئے تھے۔ اس لئے اس کانفرنس میں مولانا مرحوم کی شرکت کی کوئی توقع ہی ہم لوگ نہیں کر سکتے تھے، بلکہ کانفرنس کے دفتر سے رابطہ کے باوجود میں نے یہ سنا بھی نہیں تھا کہ مولانا کو بلانے کی بھی کوئی کوشش کی گئی ہے۔ کانفرنس شروع ہو چکی تھی اور ایک کام اور پروگرام کے تحت ہم چند دوستوں نے کانفرنس کے قریب ہی ایک جگہ ڈیرہ ڈال لیا تھا اور پورا وقت ہمارا وہیں گزرتا تھا۔ غالباً کانفرنس کا پہلا ہی دن تھا۔ میں کسی ضرورت سے ظہر کے وقت مکان پر آیا۔ اس زمانہ میں میری رہائش احاطہ سلیمان قدر میں تھی جب میں کانفرنس کی طرف جانے کے لئے اپنے مکان سے چل کر برہانے والی سڑک پر آیا (جو لکھنؤ کے اسٹیشن چار باغ سے رکاب گنج ہوتی ہوئی گول دروازہ اور اس کمپنی باغ تک چلی جاتی ہے جہاں کانفرنس ہو رہی تھی) تو میں نے سنا کہ کوئی میرا نام لے کر زور زور سے آوازیں دے رہا ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک ٹانگہ میں ہمارے مولانا مرحوم آ رہے تھے

میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور سوچنے لگا۔

ابن کہ مے بیغم بہ بیدار دست یارب یا بخواب

میں شوق میں بے تاب نہ تانگہ کی طرف بڑھا۔ مولانا نے تانگہ رکوایا اور اتر کے پہلے بغل گیر ہوئے۔ اللہ نے ان کو بڑا مضبوط دل دیا تھا۔ مگر میری آنکھوں میں آنسو آگئے میں بھی ساتھ ہی تانگہ میں سوار ہو گیا۔ مولانا نے بتایا کہ مولانا حفظ الرحمن صاحب نے دو تین تار دیئے تھے۔ کسی طرح آگیا ہوں۔ ہوائی جہاز سے میں کل دہلی پہنچ گیا تھا بہت کوشش کی کہ اس وقت لکھنؤ کے لئے ہوائی جہاز مل جائے۔ لیکن انتظام نہ ہو سکا۔ مجبوراً ٹرین سے آنا پڑا اور اسی وجہ سے دیر ہو گئی۔ اس سلسلہ گفتگو میں فرمایا بھی مولوی منظور صاحب! ہندوستان و پاکستان میں ان دنوں جو کچھ ہوا۔ اس سے مجھے بس یہ ملا ہے کہ شرک کی ساری رکلیں کٹ گئیں اور الحمد للہ اب دل کے کسی گوشہ میں کسی سے کوئی امید اور کوئی اندیشہ نہیں رہا ہے۔ سب کو دیکھ لیا۔ پھر حرب کا نفرنس میں تقریر فرمائی، تو اگرچہ اس کا موضوع دوسرا تھا۔ لیکن اس میں بھی یہ بات بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمائی۔

۳۹-۱۹۴۸ء میں ایک دفعہ لکھنؤ تشریف لائے۔ ہندوستان کے سیاسی

حالات اور ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل و مشکلات کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ کانگریس اگر مسلمانوں کو نہیں اپنائے گی اور ان کا خوش دلانہ تعاون حاصل نہیں کرے گی تو ہندو فرقہ پرست طاقتیں اس کو فنا کر دیں گی۔ اب وہ صرف مسلمانوں کو اپنا کر بیچ سکتی ہے۔ اس کے لئے صرف یہی راہ ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے لئے صرف یہ راستہ ہے کہ وہ کانگریس کو اپنائیں اور اس کے نظام میں داخل ہوں۔

منظور احمد نعمانی۔ لکھنؤ۔ یوپی

۱۶ مئی ۱۹۶۲ء دفتر الفرقان لکھنؤ

حبیب قوم

قَفَا بَدَاءَ مِنْ ذِكْرِ حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ

بِسْقَطِ اللَّوْنِ بَيْنَ الدَّخُولِ فَخُوصِ

یوں تو میں حضرت مولانا مرحوم کو اپنی طالب علمی کے زمانے سے جانتا تھا اور کون پڑھا لکھا مسلمان ایسا ہے جس نے اس شیرنیتاں حریت کی گرج نہ سنی ہو۔ مگر حضرت مولانا سے تعلقات کی نوعیت ۱۹۴۷ء کے بعد پیدا ہوئی۔

ہاپور ضلع میرٹھ کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ وہاں کسی مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا مولانا وہاں تقریر کے لئے مدعو تھے۔ میں بھی جلسہ کی شرکت کے لئے گیا ہوا تھا۔ صبح کی چائے کا انتظام وہاں کے ایک بڑے مسلمان تاجر کے مکان پر تھا۔ اتفاق سے مجھے مولانا کے بہت قریب نشست ملی۔ مولانا نے مجھ سے میرا نام اور وطن پوچھا۔ میں نے بتا دیا۔ مولانا نے سنجیدگی کے ساتھ فرمایا ”آپ کھڑے ہو جائیے۔“

میں ڈرا کہ کہیں مجھ سے بے ادبی تو نہیں ہو گئی ہے کہ میں مولانا کے اتنے قریب آ بیٹھا ہوں۔ مگر جب دیکھا کہ مولانا اپنا عربی عبارت سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور ان کے حسین چہرے پر تبسم کی بھلیاں چمک رہی ہیں تو جان میں جان آ گئی اور کھڑا ہو گیا۔ حضرت مولانا نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ مجھ سے مصافحہ فرمایا اور پھر فرمانے لگے ”تم سے ملنے کو بہت جی چاہتا تھا۔ میں نے تمہاری ”خلافت راشدہ“ اور ”خلافت بنو امیہ“ کا مطالعہ جیل میں کیا تھا“ پھر دیر تک باتیں ہوتی رہیں اور جب میں رخصت ہونے لگا تو وعدہ لے لیا کہ ان کے دولت کدہ پر دم ملی آ کر ملوں، بلکہ وہیں قیام کروں۔

میرا دہلی آنا جانا ”احکام“ اور اس کے مکتبہ کی کتابوں کی طباعت کے سلسلے

میں رہتا ہی تھا۔ مولانا سے برابر ملاقات ہونے لگی۔ بلکہ مولانا کا دولت کدہ ہماری مستقل قیام گاہ بن گیا۔

مہمان نوازی

دہلی میں مہمانی کا مسئلہ بڑا نازک ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ دہلی والے بڑے خشک ہوتے ہیں۔ مہمانوں سے گھبراتے ہیں۔ مگر ایمان داری کی بات یہ ہے کہ وہ بیچارے بھی معذور ہیں۔ اول تو دہلی والوں کے مکان عام طور پر (روسا سے قطع نظر) مختصر ہی ہوتے ہیں۔ پھر دہلی میں آنے والے مختلف اغراض سے بکثرت آتے ہیں۔ آخر کس کس کی مہمان داری کریں۔

مگر مولانا کا مردانہ مکان ماشاء اللہ بڑا وسیع تھا اور جتنا ان کا مکان وسیع تھا اس سے زیادہ ان کا قلب وسیع تھا۔ ان کے ہاں مہمانوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔ بعض لوگ رات کے ایک اور دو بجے آن در آمد ہوتے تھے۔ مگر میں نے کبھی ان کی پیشانی پر شکن پڑتے نہیں دیکھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مہمان کو دیکھ کر ان کا چہرہ چمک اٹھتا تھا اگر کوئی دوست آجاتا تو پھر تو پھولے نہ سماتے۔ کھڑے ہو کر مصافحہ کرتے اور اپنے برابر میں مسند پر جگہ دیتے۔ کھانے پینے کے معاملہ میں ان کے ہاں تکلف کو دخل نہ تھا۔ جو کچھ گھر میں موجود ہوتا سامنے رکھ دیتے۔ گھر میں کھانا ختم ہو چکا ہوتا تو بازار سے منگا لیتے۔ اگر مہمان کھانے سے انکار کرتا تو اس انکار کو واقعیت پر محمول کر کے اصرار بھی نہ کرتے۔

اس بے تکلفی پر مولانا کی پنجاہیت کو بھی دخل تھا۔ ہم یورپی والے تکلف کے عادی۔ مہمان بھی تکلف کرے گا اور بھوکا ہوتے ہوئے بھی کہے گا کہ کھا کر آیا ہوں اور میزبان بھی اصرار کرے گا کہ کچھ نہ کچھ ضرور کھاؤ۔ خواہ بے چارہ مہمان کھا کر ہی گیا ہو۔

میں نے ابتداء میں جب مولانا کے ہاں قیام کرنا شروع کیا تو حسبِ عادت تکلف برتا۔ ایک دن کھانا کھا کر گھر سے نہیں چلا تھا۔ مگر مولانا کے استفسار پر کہہ دیا کہ بھوک نہیں ہے۔ خیال یہ تھا کہ مولانا اصرار فرمائیں گے۔ مگر وہ خاموش ہو گئے۔ مجھے اس رات بھوکا ہی رہنا پڑا۔ پھر میں نے کبھی ایسی غلطی نہ کی۔ بھوک ہوتی تو صاف کہہ دیتا کہ کھانا منگو لیجئے۔

مولانا کے ہاں کھانے کی نوعیت میں بھی تکلف نہ ہوتا تھا۔ ایک روز ان کے ہاں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر مسٹر دھیبھر کی دعوت تھی۔ میں بھی اس میں شریک کیا گیا۔ کھانے پر دو یا تین قسم کی ترکاریاں تھیں اور گرم گرم روٹی۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

میں سیاسی آدمی نہیں ہوں۔ مگر اتنا جانتا ہوں اس دن دسترخوان پر مولانا نے مسٹر دھیبھر سے سیاسیات حاضرہ پر ایسی عمدہ گفتگو کی کہ وہ مولانا سے بے حد متاثر ہوئے۔ اور دورانِ گفتگو میں کہا کہ ”آپ جیسے آدمی کو کانگریس کی ورکنگ کمیٹی میں ضرور ہونا چاہیے“ مگر مولانا جلد ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور مسٹر دھیبھر اس خیال کو عمل میں نہ لاسکے۔

ذہانت و فطانت

مولانا بے حد ذہین تھے۔ مخاطب کے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہی اس کے صفحہٴ دل کی تحریر پڑھ لیتے تھے۔ گفتگو بڑی ٹھکی ہوئی اور مدلل کرتے تھے۔ مختصر لفظوں میں اپنا مضمون سننے والے کے دل میں پیوست کر دیتے تھے۔

۱۹۵۵ء میں مولانا نے جو سفر چج کیا۔ اس میں مولانا کی عالم اسلام کی ممتاز علمی سیاسی شخصیتوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ مولانا کی گفتگو سے سب کو میں نے متاثر و بھلا کر کے دلائل کے سامنے سب پر افکندہ نظر آتے تھے۔ جہاں گفتگو سے کام نہ چلتا وہاں ٹیبلٹ سے کام نکالتے تھے۔ حج سے فراغت کے بعد جدہ کو داہسی ہوئی تو پرزائے راہدار

میں کوئی قانونی نقص رہ گیا تھا۔ جب تمام سامان لاڈ کر مکہ معظمہ سے باہر نکل آئے
 تو راستہ میں پولیس چوکی پر کار روک لی گئی۔ مولوی محمد احمد کاظمی صاحب ایم پی
 نے جو رفیق سفر تھے بہت کچھ کہا سنا۔ مگر پولیس افسر نہ مانا اور واپس لوٹنے پر اصرار کیا
 آخر مولانا اترے۔ پولیس افسر کی ٹھوری میں ہاتھ ڈالا۔ دو تین لفظ معذرت کے کہے اور
 معاملہ ختم کر دیا۔

عربوں کی دولت مندی کا خطرہ

عرب کے دوسرے علاقوں کی طرح سعودی عرب میں بھی نیل کے چشموں کے
 انکشاف نے ہوزرو سیم کے دریا بہا دیئے ہیں عرب حکومتیں ان پر کتنا ہی فخر کریں مگر اہل نظر
 اس پر شکر مند ہیں۔ یہ نیل کی کمپنیاں نہیں ہیں بلکہ مغربی استعمار کے قلعے ہیں جو جزائر عرب
 میں ہر جگہ قائم کر دیئے گئے ہیں "آرامکو" نے سعودی عرب کے سینکڑوں میل کے علاقے
 کو فیکٹریوں اور دفاتروں کے نام سے اپنے قبضہ میں لے رکھا ہے۔ صرف غوار کی فیکٹری
 سو اسو میل کے رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس نیل کو مغربی ملکوں میں پہنچانے کے لئے ایک
 طویل پائپ لائن ومام سے لبنان کی بندرگاہ صیدا تک بچھی ہوئی ہے جو ایک برٹش کمپنی
 کی ملکیت ہے۔ ان کمپنیوں میں لاکھوں مزدور کام کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل اقتدار
 ملک میں ان کمپنیوں کا ہے۔ کویت کے معاملہ پر یہ حقیقت حال ہی میں واضح ہو کر سامنے
 آچکی ہے۔ مغربی پنجہ استعمار میں گرفتار ہونے کے علاوہ دولت کی اس ریل پیل نے
 باشندگان عرب کو عیاشی اور آرام طلب بنا دیا ہے۔ بہتر سے بہتر سامان تغیش جہازوں
 میں لدا ہوا مغربی ملکوں سے چلا آ رہا ہے۔ بمبئی اور دہلی کے بازاروں میں آپ کو جو سامان نہ
 ملے گا۔ وہ جدہ اور مکہ معظمہ کے بازاروں میں مل جائے گا۔ جب بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے راحت
 فراغت میسر آجائے تو پھر ملک میں کارخانے قائم کرنے اور سامان تیار کرنے کی مصیبت

کون مول لے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اندرون ملک کوئی صنعت موجود نہیں۔ نشہ معشرت کی اس مدہوشی کو جادواں بنانے کے لئے نادلوں اور افسانوں اور دوسرے فحش لٹریچر کی اشاعت سے بھی کام لیا جا رہا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ جدہ میں اس کے کئی مراکز قائم ہیں۔ ایک ادیب صحافی جدہ میں ہم لوگوں سے ملنے کے لئے تشریف لائے۔ انھوں نے اپنی تصنیفات کا ایک سیٹ اس خاکسار کو بھی عطا کیا۔ ان کے تشریف لے جانے کے بعد جب کتابیں دیکھیں تو ان میں ان کے لکھے ہوئے مختصر افسانوں کا مجموعہ بھی تھا۔ جس میں جا بجا نیم برہنہ تصویریں موجود تھیں (یہ مجموعہ میرے پاس پڑا ہوا ہے) بے اختیار یہ مصرعہ زبان پڑا گیا۔ ع

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانان !

مولانا جیسا بالغ نظر سیاست داں اور مغربی استعمار کی مشینری کے کل پرزدوں کا ماہر و بھینر اس صورت حال سے جس قدر دلگیر ہوتا کم تھا۔

مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور جدہ کے قیام کے دوران بلاد عربیہ کے بہت سے سیاست داں اخبار نویس اور علماء مولانا سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہے۔ مولانا بھی ان لوگوں سے ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے۔ مولانا بڑی درد مندی اور بے قراری کے ساتھ عرب ملکوں کے موجودہ حالات کے خطرناک نتائج سے آگاہ فرماتے۔ مغربی ملکوں کے استعماری داؤ پیچ کو بے نقاب کرتے اور تین امور کی طرف ان کی توجہ خصوصیت کے ساتھ منعطف کراتے۔

(۱) اتحاد ممالک عربیہ (۲) ملک میں صنعتی اداروں کا قیام اور مغربی مصنوعات سے احتراز (۳) جدید و قدیم علوم کے تعلیمی اداروں کا اجراء

اتحاد عرب کی دعوت

ایک روز دمشق کے ممتاز عالم شیخ احمد کفتارہ نقشبندی ملاقات کے لئے تشریف

لائے گفتگو عرب ممالک کی سیاست پر ہونے لگی۔ مولانا نے فرمایا۔ اگر آپ بلاد عربیہ کو مغربی استعمار کے جال کے پھندوں سے نجات دلا سکیں اور چھوٹی چھوٹی عرب ریاستوں کا جنھیں برطانیہ۔ امریکہ اور فرانس نے اپنی مصلحتوں سے تقسیم کر رکھا ہے۔ ایک عرب فیڈریشن بنا سکیں تو یہ اسلام کی بڑی خدمت ہوگی۔ اسلام دنیا کے لئے آزادی کا پیغام لایا۔ یہ کیسی بد قسمتی ہے کہ وہ ملک جہاں سب سے پہلے اسلام کا نور پھیلا۔ برطانوی اور امریکی اقتدار کے سایہ میں ہیں۔

شیخ نے بڑی توجہ سے مولانا کی باتوں کو سنا، پھر فرمانے لگے۔ ہونا تو یہی چاہئے جو آپ فرما رہے ہیں۔ مگر عملاً اس میں بڑی مشکلات ہیں۔ عرب ریاستوں میں اسلام پر وطنیت غالب ہو چکی ہے اور اس جذبے نے شامی، عراقی اور حجازی کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے۔

مولانا نے فرمایا ہندوستان کے مختلف صوبوں کے باشندے رنگ روپ میں، زبان میں، تمدن و معاشرت میں اور مذہب میں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ مگر آزاد ہندوستان میں سب ہندوستانی ہیں۔ ہندوستان میں چار سو ریاستیں تھیں مگر ان سب کو ملا کر ایک کر دیا گیا ہے انگریز نے اپنے مقاصد کے لئے ان کے درمیان جو حدیں قائم کر دی تھیں ان کو توڑ ڈالا گیا ہے اور اب یہ سب ایک گھرانہ بن گئے ہیں۔ آپ کا ملک تو درحقیقت ایک ہے۔ تمدن و معاشرت ایک ہے۔ زبان ایک ہے۔ مذہب ایک ہے۔ پھر آپ کی سیاست ایک کیوں نہیں ہو سکتی۔ ۹

شیخ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے

کارخانے کھولو

مدینہ منورہ کے دوران قیام میں ایک روز وہاں کے مشہور اخبار المدینہ

المنورہ کے مدیران محترم نے مولانا اور ان کے رفقاء کی دعوت کی۔ میز پر مشروب کی حیثیت سے وہی ”کو کا کولا“ رکھا گیا، جو حجاز کا مقبول عام اور دل پسند شربت ہے۔ مولانا نے فرمایا۔ افسوس آپ ہمیں شربت بھی مغربی ملکوں سے آیا ہوا پلا رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو روحانی برکتوں کے ساتھ ساتھ کھجور جیسی لذیذ مادی نعمت سے نوازا ہے۔ ہمارے ہاں ایسی پھلوں میں وہ شیرینی اور لطافت نہیں ہوتی جو مدینہ منورہ کی کھجوروں میں ہے۔ کیا آپ کا خیال کبھی اس طرف متوجہ نہیں ہوا کہ آپ کھجوروں کا شربت تیار کریں۔ یہ آپ کے ملک کی ایک بہترین صنعت ہو سکتی ہے۔ پھر مولانا نے فرمایا۔ آپ کے ملک میں آنے والے حاجی ہر سال لاکھوں رو مال اور جاندار یہاں سے خرید کر لے جاتے ہیں۔ یہ سب اٹلی کی بنی ہوئی ہوتی ہیں بلکہ شیشیں تک اٹلی سے آتی ہیں۔ کیا سعودی حکومت یہاں جاننازوں اور رومالوں کے بنانے کے کارخانے نہیں کھول سکتی۔ اگر ایسے کارخانے ملک میں کھل جائیں تو ایک طرف حاجیوں کو اصلی تبرک مل سکے اور دوسری طرف ان ہزاروں گدا گردوں کے لئے روزگار چھپا ہو سکے جو خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کے دروازوں پر پرے جمائے کھڑے رہتے ہیں۔

مدیران محترم مولانا کی اس تقریر سے بے حد متاثر ہوئے اور اخبار کی اگلی اشاعت میں مولانا کی اس تجویز پر ایک پُر زور ادارہ لکھا۔

مدینہ یونیورسٹی

مدینہ یونیورسٹی کا آج کل بہت چرچا ہے۔ حضرت مولانا نے اپنے سفر حجاز میں یہ تجویز بھی وہاں کے عمائد کے سامنے رکھی تھی۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں مجلہ ”الحج“ کے مدیر اعلیٰ شیخ محمد سعید العامودی جب ملاقات کے لئے تشریف لائے تو مولانا نے مفصل طور پر ان سے اس موضوع پر گفتگو کی اور ایک ایسی مرکزی دینی درس گاہ کے

قیام پر نوردیا جہاں تمام بلاد اسلامیہ کے طلباء اپنے اپنے فقہی مسلک کے مطابق علوم دینیہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں۔ مدیر موصوف نے مولانا سے فرمایا کہ وہ اپنی تجویز کو تحریری صورت میں حکومت کے سامنے پیش کریں۔ مجھے یاد نہیں کہ مولانا نے حکومت سعودیہ کو اس سلسلہ میں مخاطب کیا یا نہیں۔

موجودہ "مدینہ یونیورسٹی" کہاں تک مذکورہ بالا مقصد کو پورا کر سکتی ہے اس پر گفتگو کرنے کے لئے انتظار کی ضرورت ہے۔

رد قادیانیت

ان مباحث کے علاوہ دو اور موضوع تھے جن پر مولانا اکثر تبادلہ خیالات فرمایا کرتے تھے۔ ایک "رد قادیانیت" اور دوسرا دیوبند کی نقلی تحریک

قادیانیت کو مولانا دینی نہیں قطعاً ایک سیاسی تحریک سمجھتے تھے۔ مولانا کی رائے تھی کہ ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں میں انگریزوں کی مخالفت اور ان سے نفرت کا جولا ابلتا رہا۔ اور جو کبھی تحریک سید شہیدؒ اور کبھی انقلاب ۱۹۱۷ء اور کبھی انبالہ کبیس کی صورت میں نمودار ہوا اس کو سرد کرنے کی بہترین صورت یہ تھی کہ "قادیانی بنی" کو مسلمانوں کا پیشوا بنا دیا جائے جس نے جہاد کو منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ اور انگریزی حکومت کی تابعدار میں پچاس الماری کتابیں تصنیف کی تھیں۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ مسلمانان ہند کی توجہات بلاد عربیہ کی طرف سے ہٹ جاتی تھیں اور حرمین اور بیت المقدس کی بجائے ان کی عقیدتوں کا مرکز "قادیان بن جاتا تھا۔

اصل میں مولانا کے جد بزرگوار مولانا مفتی شاہ محمد صاحب نے جس طرح تمام علماء ہند سے پہلے ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کو شرکت کانگریس کا فتویٰ دیا تھا۔ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی کے مرتد اور انگریز کے ایجنٹ ہونے کا بھی فتویٰ دیا تھا

پھر حضرت الاستاد علامہ مولانا سید انور شاہ کشمیری کی صحبت میں مولانا کی اس خاندانی بصیرت میں مزید چمک پیدا ہوئی آخر ”تحریک کشمیر“ میں مولانا نے قادیانیت سے جماعتی حیثیت سے ٹکری اور کشمیر کو قادیانیت کی آغوش میں جانے سے بچالیا۔

مادر علمی کی محبت

جہاں تک دیوبند کا تعلق ہے۔ دیوبند مولانا کا علمی گہوارہ تھا۔ مولانا نے جو کچھ حاصل کیا وہیں سے حاصل کیا۔ مولانا اپنی سعادت مندی، نیک طبعی، زکاوت و طہانت اور طلاقت لسانی کی وجہ سے بہت جلد اس وقت کے اکابر دیوبند کے مشہور نظریں گئے تھے۔ انھیں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمنؒ اور مولانا میاں اصغر حسین جیسے مرشدین کامل حضرت مولانا محمد احمدؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ جیسے اصحاب تدبیر و سیاست۔ علامہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری جیسے صاحب علم و فضل اور حضرت مولانا بشیر احمد صاحب عثمانی جیسے متکلم و خطیب بزرگ علمی و عملی رہنمائی کے لئے مل گئے تھے۔ مولانا نے ان سے خوب فائدہ اٹھایا اور انھوں نے بھی ان کو سینہ سے لگایا۔

مگر یہ واقعہ ہے کہ مولانا کو طبعاً مدرسہ کی خاموش فضا کے مقابلہ میں جلسوں اور کانفرنسوں کے ہنگامے زیادہ پسند تھے۔ پھر ۱۹۱۹ء کا طوفان اور آغوش زمانہ تھا۔ جب کہ مغربی حکومتوں نے خلافت عثمانیہ کو پارہ پارہ کر کے مصر، شام، فلسطین و عراق کو اپنے دہان حرص و آرزو کا لقمہ بنا لیا تھا اور اسلامی ہندوستان میں پیشاور سے راس کمارئی تک صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ بھلا مولانا کیسے خاموش بیٹھ سکتے تھے۔ اپنے استاد حضرت مولانا بشیر احمد کے ساتھ جلسوں میں شریک ہونے لگے اور جلد ہی سیاست کے میدان میں اپنا ایک مستقل مقام پیدا کر لیا۔

اپنے ان دینی و علمی۔ سیاسی بزرگوں کا مولانا کے دل میں بڑا احترام تھا، جس کا ذکر کرتے، بڑے ادب کے ساتھ کرتے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے بعد کے زمانے میں سیاسی اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ مولانا عثمان جمیۃ علماء اسلام کے صدر الصدور تھے۔ جو مسلم لیگ کی پشت پناہ تھی اور ہمارے مولانا مجلس احرار اسلام کے صدر تھے جو کانگریس کا بازو سمجھی جاتی تھی۔ مگر ذاتی مخلصانہ تعلقات میں کبھی فرق نہ آیا اور خط و کتابت بھی برابر جاری رہی۔ فہم قرآن کریم میں مولانا، علامہ عثمانیؒ کو بے مثل قرار دیتے تھے اور ان کے فوائد القرآن کا اکثر مطالعہ کرتے رہتے تھے۔

ملک کی سیاسیات اور دیوبند کے انتظامی معاملات میں اختلاف آراء کی وجہ سے اکابر دیوبند کے حلقوں میں پہلی سی وحدت و جمعیت باقی نہ رہی تھی۔ مولانا کو اس سے بڑی دکھن ہوئی۔ وہ سب کی خدمت میں جاتے اور جس سے جس درجہ کے تعلقات تھے ان کو نبھاتے۔ ایک دن دیوبند سے واپسی پر مجھ سے فرمانے لگے:

”قاضی صاحب، جس طرح برہمن مندر میں جا کر ہر چھوٹے اور بڑے بت کے سامنے اپنا سر جھکاتا ہے اور پھول چڑھاتا ہے۔ اسی طرح میں تو دیوبند میں سب بزرگوں کی خدمت میں جاتا ہوں اور ان کی دعائیں لیتا ہوں۔ میرے تو سب بزرگ ہیں سب مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ میں کسی گروہ بندی میں کیوں شریک ہوں؟“

”دشمنین“ سے محبت

حضرت مولانا، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے عاشق صادق تھے۔ ان کے فضائل و مناقب کا ذکر کر کے وجد کیا کرتے کہا کرتے کہ مجھے قرآن فہمی کا ذوق حضرت شاہ صاحب کی صحبت میں حاصل ہوا ہے۔ حضرت شاہ صاحب بھی ان سے بڑی محبت کرتے تھے اور ان کے گھر کو اپنا گھر سمجھتے تھے۔ ایک بار مولانا جیل میں تھے۔ حضرت شاہ صاحب

ان کے مکان پر لدھیانہ پہنچ گئے۔ بیٹھک صاف نہ تھی۔ جھاڑو لے کر حضرت شاہ صاحب نے خود اس کی صفائی کر ڈالی۔ گھر والوں نے حضرت شاہ صاحب کو روکا، تو آپ نے فرمایا۔ یہ میرا گھر ہے۔ گھر والے اپنے گھر کی صفائی کیا ہی کرتے ہیں۔

بہر حال ایک طرف حضرت شاہ صاحب سے اس قدر گہرے تعلقات تھے، دوسری طرف حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی محبت و عقیدت میں کسی سے کم نہ تھے۔ حضرت شیخ کو اپنا سیاسی رہنما سمجھتے تھے۔ حضرت شیخ بھی مولانا سے بڑی شفقت فرماتے تھے۔ دہلی میں حضرت کا قیام دفتر جمعیتہ علماء ہند میں ہوتا اور اکثر صبح کی چائے مولانا کے ہاں نوش فرماتے۔

”امیر ملت“ سے عقیدت

زندہ بزرگوں میں حضرت شیخ الاسلامؒ کے علاوہ حضرت امیر ملت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری مدظلہ العالی سے بڑی عقیدت و ارادت تھی۔ مولانا اور ان کے فرزند حضرت رائے پوری سے بیعت بھی تھے۔ ہر دوسرے تیسرے ماہ مولانا رائے پور تشریف لے جاتے اور کئی کئی روز حضرت کے ہاں قیام کرتے۔ حضرت بھی دہلی تشریف لاتے تو اگرچہ مستقل قیام ہارہ کی ایک مسجد میں ہوتا، مگر مولانا کے ہاں بھی ایک دو روز ٹھہرتے۔ حضرت رائے پوری سے نسبت کی سعادت اس خاکسار کو بھی مولانا ہی کے دولت کدہ پران ہی کی سفارش سے حاصل ہوئی اور یہ مولانا کا مجھ پر ایسا احسان ہے جسے میں تا قیامت نہیں بھول سکتا۔ اور قیامت کے بعد بھی کیوں بھولوں گا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس تعلق کے ثمرات کے ثمرات سے متمتع ہونے کا اصل وقت وہی ہوگا۔

ایک روز مولانا کی مجلس میں ۱۹۴۷ء کے حوادث کا ذکر تھا، مجھ سے خطاب کر کے مولانا نے فرمایا۔ تمہیں معلوم ہے کہ فسادات کے یہ شعلے جھنوں نے پنجاب کو بھسم کر کے

رکھ دیا تھا جہنا کے کنارے آکر کیوں بچھ گئے۔ تین بزرگ تھے جن کے گریہ نیم شبی نے اس آگ کو ٹھنڈا کیا ہے۔ حضرت مدنی، حضرت رائے پوری اور تیسرے ایک اور بزرگ کا نام لیا۔ میں ان کا نام بتانا نہیں چاہتا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں ان کا نام لکھ دوں تو وہ مجھ سے سخت ناراض ہو جائیں گے اور ان کے فقیرانہ دسترخوان پر مجھے جو شاہانہ نعمتیں سفر رائے پور کے راستے میں ملتی ہیں بند ہو جائیں گی۔

حبیب آغوش محبوب میں

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے تعلقات کا آغاز جس طرح ناگہانی طور پر ہوا۔ قدرت کو اس کا اختتام بھی اسی انداز پر کرنا تھا۔ اب ذرا جگر تھام کر اس کا ذکر بھی سن لیجئے۔ مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کے انخلاء کا حضرت مولانا کو بڑا غم تھا۔ یہ ایک طرف مولانا کے سینے کا زخم تھا جو برابر رستا رہتا تھا، تو دوسری طرف وہ اسے ہندوستان کی سیکولر حکومت کی روشن پیشانی کا داغ بھی سمجھتے تھے۔ آخر حضرت رائے پوری مدظلہ العالی کی سرپرستی میں مولانا مرحوم نے ۱۹۵۶ء کے وسط میں ”انجمن حمایت اسلام“ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور منظم طریقے پر مشرقی پنجاب میں مساجد و مقابر کے انخلاء اور وطن میں رہتے ہوئے بے وطن مسلمانوں کی آباد کاری کا کام شروع کر دیا۔

اس انجمن کا پہلا باضابطہ جلسہ مولانا نے یکم ستمبر ۱۹۵۶ء کو اپنے دورات کدہ پر بلایا۔ مشرقی پنجاب۔ دہلی اور یوپی سے مولانا کے وہ احباب جو اس کام میں دلچسپی رکھتے تھے جمع ہوئے۔ جلسہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں صبح سے شام تک جاری رہا۔ اور اس میں کام کا ایک واضح نقشہ بنایا گیا۔ جلسہ ختم ہو جانے کے بعد مولانا نے اطمینان کا سانس لیا اور فرمایا کہ آج میرے سینے کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

اکثر شرکار جلسہ اسی روز شام کو رخصت ہو گئے۔ میں نے چاہا کہ حضرت مہتمم صاحب کے ساتھ جو اپنی کار کے ذریعے دیوبند روانہ ہو رہے تھے، میں بھی سوار ہو جاؤں اور راستہ میں میرے ساتھ اتر جاؤں۔ مگر اجازت نہ ملی اور مجھے روک لیا گیا۔

بعد نماز مغرب دارالعلوم دیوبند کے مصری استاد تشریف لے آئے۔ ان سے دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ پھر نماز عشاء کے بعد کاظمی صاحب سے اور مجھ سے انجمن کے کام کے متعلق سونے کے وقت تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس رات گرمی زیادہ تھی۔ مولانا کو اطمینان کی نیند نہ آئی۔ میری آنکھ بھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد کھلتی رہی۔ صبح چار بجے کے قریب مولانا بستر سے اٹھے۔ ضروریات سے فارغ ہو کر وضو کیا۔ پھر نماز پچھا کر اپنے مولا کے سامنے سر بسجود ہو گئے۔ میں مکان کے برابر والی مسجد میں چلا گیا۔ علی الصبح مولانا کا معمول کمپنی باغ تک ٹہلنے کے لئے جانے کا تھا۔ مگر آپریشن کے بعد سے جسے دو ماہ گزرے تھے رکشا میں آتے جاتے تھے۔ اس روز خلافت معمول پیدل واپس ہوئے اور راستہ بھر دوکان داروں اور محلہ والوں سے سلام و مصافحہ کا سلسلہ جاری رہا۔

مولانا کے ہاں صبح کا ناشتہ بہت سویرے ہوتا تھا۔ مولانا کے تشریف لاتے ہی دسترخوان بچھا دیا گیا۔ حضرت مولانا پیشاب سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو میں تعظیماً کھڑا ہونے لگا۔ مولانا نے محبت کے ساتھ کاندھے پر ہاتھ رکھ کر روک دیا اور ہنس کر فرمایا۔ میں تو پنجابی ہوں پھر آپ میرے ساتھ یوپی کی تہذیب کیوں چلاتے ہیں؟ میں نے عرض کیا جب میرے اور آپ کے تعلقات ہیں تو تہذیب بھی ملی جلی چلنے دیجئے۔ گفتگو کے دوران میں ہی مولانا محمد احمد کاظمی ایم۔ پی (مرحوم) تشریف لے آئے۔ مولانا نے فرمایا لیجئے۔ اب مشرقی یوپی اور بہار کی تہذیبوں کے نمائندے بھی آ گئے۔ عرض ناشتہ کے دوران حضرت مولانا اپنی شیرینی گفتار سے کام و دہن کے ساتھ دل و دماغ کی ضیافت کا سامان بھی فرماتے رہے۔

ناشتہ سے فراغت کے بعد مولانا زنان خانہ میں تشریف لے گئے۔۔۔ وہیں
بیت الخلا جانے کی ضرورت پیش آئی۔ اسی دوران میں اختلاج قلب کا دورہ پڑا۔
لڑکھڑاتے ہوئے نکلے اور چار پائی پر گر گئے۔ کلمہ طیبہ پڑھا اور رحمان کا حبیب
اپنے محبوب کی آغوش رحمت میں پہنچ گیا۔

گھر میں آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ دوسروں کے ساتھ میں بھی افتاں و
خیزاں گھر میں پہنچا۔ حضرت مولانا بستر مرگ پر دراز تھے۔ نورانی پیشانی پر سپینہ کے موتی
لرزاں تھے اور خاموش ہونٹوں پر تبسم کی موجیں رقصاں تھیں۔

”حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد“

كُلِّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيُبْقَىٰ وَجْهٌ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

زمین العابدین۔ شیخ التفسیر جامعہ طیبہ۔ نئی دہلی
۱۶ مئی ۱۹۷۵ء



تعمیر حیات

ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے فوقِ انقلاب

ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے ملت کا شباب

ندرتِ فکر و عمل سے معجزا ہے زندگی

ندرتِ فکر و عمل سے سنگِ خارِ العلّ ناب

اقبال

رئیس الاحرار اب بھی زندہ ہیں

محترم رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کی یاد آتے ہی ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اب بھی زندہ ہیں۔ اب بھی کچھ ہی دیر بعد آئیں گے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی کہیں گے ”کہو بھائی۔ ملک کے لئے کچھ کام بھی کرتے ہو یا صرف مضمون ہی لکھتے رہتے ہو؟“ اور میں جلدی سے اٹھ کر آداب بجالا کر کہوں گا ”آپ حکم کیجئے، جو بھی آپ کہیں گے وہ میں کروں گا ضرور۔“ ایسی تھی ان کی شخصیت۔ کچھ لوگ زندہ ہونے پر بھی مرے سے لگتے ہیں۔ وہ رحلت فرمانے کے بعد بھی زندہ معلوم ہوتے ہیں۔ آج وہ اس دنیا میں نہیں ایسا یقین ہی نہیں ہوتا۔

اور اوپر جو فقرہ میں نے ان کی طرف سے لکھا۔ ”کہو بھائی ملک کے لئے کچھ کام بھی کرتے ہو یا مضمون ہی لکھتے رہتے ہو؟“ جیسے ان کے جیون کے مشن کا آئینہ ہے۔ اس میں تین الفاظ ہیں۔ ”بھائی“۔ ”ملک“۔ اور ”کام“۔ اور ان کے جہان جیون کو دیکھتے ہوئے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین الفاظ ہی ان کے سارے جیون کی بنیاد تھے۔ ملک کا ہر آدمی ان کے لئے ”بھائی“ تھا۔ اپنا تھا، کوئی پرایا نہیں۔ ہر وقت وہ ”ملک“ کے لئے سوچتے تھے۔ مسلمانوں کے مذہبی نیتا تھے وہ۔ لیکن ان کا پیار صرف مسلمانوں کے لئے تو نہیں تھا۔ انھیں چنتا صرف ان کے لئے نہیں تھی، جو اسلام میں عقیدت رکھتے ہیں بلکہ سب کے لئے تھی۔ سارے ملک کے لئے۔ ان کا مذہب ان کی دیش بھگتی کے راستہ میں کبھی حائل نہیں ہوا۔ بلکہ اسی مذہب کی وجہ سے انھوں نے ملک کو پیار کرنا سیکھا۔ ملک کے ہر آدمی کو پیار کرنا سیکھا اور اس کی آزادی کے لئے جدوجہد۔ قیرو بند کی صعوبتیں برداشت کرنا، اپنے سارے جیون کی قربانی دینا سیکھا۔ قفا صیل میں جائے

بغیر کہنا چاہتا ہوں کہ اسٹھوں نے اپنی دیش بھگتی کے ذریعے اور اپنے پیار بھرے جیون
 کے ذریعے اسلام کا سچا اور علی روپ سب کے سامنے رکھا۔ ایسا روپ رکھا جس کے
 لئے من میں عزت پیدا ہوتی ہے۔ احترام پیدا ہوتا ہے جس کے لئے پرانے پن کا جذبہ ہی
 ختم ہو جاتا ہے۔ کاش! کہ نہ صرف دوسرے مسلمان، بلکہ اپنے اپنے دھرم میں دشواریاں
 رکھنے والے دوسرے لوگ بھی محترم مولانا کی طرح اپنے دھرم کو اس پیار بھرے حریت
 پسندانہ اور ہمدردانہ روپ میں علی جیون سے پیش کر سکیں۔ تو پھر مذاہب کی اپنی اپنی
 ہستی کے باوجود آپسی کش مکش ختم ہو جائے۔ وہ زہر ختم ہو جائے جو انگریز نے ہمارے
 ملک میں پیدا کیا۔ لیکن ملک کے لئے محض سوچنے سے تو کام نہیں چلتا۔ آزادی سے پہلے
 ہمیں آزادی کے لئے لڑنا پڑتا تھا۔ آزادی کے بعد ہمیں اس کو مضبوط اور مستحکم بنانا ہے
 یہ سب کچھ باتوں سے نہیں ہوتا۔ "مضمون لکھنے" سے نہیں ہوتا۔ اس کے لئے کام
 کرنا پڑتا ہے۔ رگاتار، ہنا تھکے، بناڑ کے، بنا ڈ لگائے۔ اور محترم مولانا کا سارا
 جیون اس "کام" سے بھر پور تھا۔ وہ خود کام کرتے تھے، دوسروں سے کراتے
 تھے۔ جب بھی میں نے ان کے درشن کئے تبھی معلوم ہوا کہ وہ ایک نیا مہم چلا رہے ہیں
 آج غلامی کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ آج آزادی کو محفوظ رکھنے کے لئے مصیبتیں برداشت کرنی
 ہیں۔ آج اتحاد کو مضبوط بنانے کے لئے ملک بھر میں ایک آندولن چلانا ہے۔ آج غداری کے
 خلاف اور علاقہ پرستی کے خلاف ایک ناقابل تسخیر جذبہ پیدا کر دینا ہے۔ یہی کچھ وہ کرتے رہتے
 تھے۔ وہ "گفتار کے غازی" تھے ضرور۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اور اس سے بہت زیادہ
 "کردار کے غازی" بھی تھے۔ اس طرح کام کرتے تھے کہ ان کے بڑھاپے میں بھی جوانی کا گماں
 ہوتا تھا۔ آج ایمان کی یاد مناتے ہیں تو اچھا ہے لیکن میں کیا کروں؟ مجھے اب بھی ایسا معلوم
 ہوتا ہے کہ وہ کہیں گئے نہیں، ہمارے درمیان ہیں۔ زندہ ہیں اور کہہ رہے ہیں "بھائی۔
 ملک اور قوم۔" ان تین الفاظ کو یاد رکھو۔ ان میں تمہارے دیش کے بھوشیہ کی روشنی
 چھپی بیٹھی ہے۔ رنیر۔ ایڈیٹر روزانہ طاہر — ۱۶ مئی ۱۹۶۲ء

رئیس الاحرار کی شخصیت

وجود اور عدم کو سمجھ کے ہستی میں
تعیینات سے گزرا وہ مرد آسانی

بطل حریت رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا انتقال ہو گیا اور وہ کتاب زندگی ختم ہوئی جو چونسٹھ برسوں تک، جہد مسلسل اور عزم مستقیم کی ایک ضخیم کتاب تھی۔ ابھی برسوں کی بات ہے کہ مولانا سے ٹیلیفون پر گفتگو ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ برسوں کی گھنٹے تک اہم مسائل پر اجاب سے تبادلہ خیالات کرتے رہے اور حسب عادت مفید مشورے بھی دیتے رہے اور کل جب ان کا انتقال ہوا وہ نماز فجر کے بعد سیر کو بھی گئے۔ وہاں سے آکر چائے پی اور دفعتاً ان کی طبیعت بگڑی اور سیاسی و مذہبی انجمنوں کا دھڑکتا ہوا دل یکایک خاموش ہو گیا۔

آج کہ مولانا ہم میں نہیں ہیں ایک حقیقت کے اظہار میں ہمیں تامل نہ ہونا چاہئے ”پیام وطن“ سے مولانا کے جو تعلقات تھے اس کے بارے میں بعض حلقوں نے بہت کچھ کہا، کیا کہا؟ اس پر ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن اگر ہم اپنی دیانت اور صداقت کو گواہ بنا سکتے ہیں تو ہمیں کہنا چاہئے کہ مولانا کو پیام وطن والوں سے بے انتہا محبت تھی اور پیام وطن والے انھیں اپنا بزرگ اور مخلص سمجھتے تھے اور اس کے سوا ہمارے اور ان کے درمیان مادی دنیا کا کبھی کوئی رشتہ نہیں رہا۔ ۱۹۲۹ء میں پنجاب ”پیام وطن“ کے ایک خادم کی عملی زندگی کا محور بنا۔ ہم نوجوان تھے اور مولانا ابھی جوان تھے اور بڑھاپے کی منزل ان سے دور تھی۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ مولانا ایک مجاہد ہیں اور اگر ان کا ذہن استوار ہو جائے اور شباب کی ہنگامہ آرائیاں ختم ہوں تو وہ افق سیاست پر آفتاب

بن کر چمکیں گے۔ تقسیم ملک کے بعد دہلی میں ان سے ملاقات ہوئی تو مولانا کا ذہن وہ تھا جو ہم چاہتے تھے۔ جوش و خروش اب بھی تھا جو ۱۹۲۹ء میں تھا اور ذہن آئینہ کی طرح صاف تھا۔ سیاسی و مذہبی مسائل کی الجھنیں سلجھ چکی تھیں۔ مرنا سب کو ہے۔ لیکن مولانا کی موت ان کی مسلسل عدالت کے باوجود ہمارے نزدیک بے وقت موت ہے اس لئے کہ زمانہ کا نشیب و فراز دیکھنے کے بعد ان کے کردار اور فکر میں جو بختگی آئی تھی اس پر شباب اب آتا۔ مولانا جب آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر نامزد ہوئے تو یہ ان کے لئے کوئی خاص بات نہیں تھی لیکن ہمارے لئے ایک خاص بات ضرور تھی۔ اس لئے کہ ہم نے سمجھا تھا کہ ایک شان دار ابتدا کی نتیجہ خیز انتہا یہ ہونی چاہئے کہ مولانا ایک دن آل انڈیا کانگریس کے صدر منتخب ہوں اور یہ محض خوش فہمی نہیں تھی۔ ہمارے نزدیک واقعات کی سیدھی رفتار تھی۔ پنڈت نہرو نے ان کی موت پر جو یہ فرمایا ہے کہ ”مولانا کی موت ایک قومی نقصان تو ضرور ہے۔ مگر میرا ذاتی نقصان بھی ہے تو یہ بے سبب نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا نئے ہندوستان کا اعتماد حاصل کر رہے تھے۔“

ہمیں مولانا کو جاننے کا شرف چھبیس تا اسی سال سے حاصل ہے۔ اس لمبی مدت میں مولانا ہم سے بیزار بھی رہے۔ لیکن ہماری زندگی میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا کہ مولانا کا حب وطن، حب اسلام، ان کی مجاہدانہ عزیمت، ان کا ایمان محکم۔ ان کا اخلاص ہماری رائے میں مسلمات کا درجہ نہ رکھتا ہو۔ تقسیم ملک سے پہلے مجلس احرار اسلام سے بعض معاملات میں ہمیں اختلاف تھا۔ لیکن اختلافات کی حدیں مولانا نے باندھیں۔ اس لئے کہ وہ وطن پرور تھے۔ مفاد وطن اور مسلمانوں کے مفاد میں مطابقت پیدا کرنا چاہتے تھے اور صحیح فکر جو انوں کی قدر کرتے تھے۔ مجلس احرار اسلام کی مولانا نے وقتاً فوقتاً جو صحیح رہنمائی کی اسے وہ لوگ جانتے ہیں جو احرار کی داخلی سیاست سے بے خبر نہیں ہیں۔ وہ حالات سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے اور اپنے ان رفقاء کی اکھوں نے برہمی خریدی، جن

سے زندگی کے معاہدے تھے۔ اور یہ اس کے باوجود تھا کہ مولانا اپنے رفقا کے وفادار تھے اور اس وفاداری کی وجہ سے انھوں نے حالات سے بہت سی مفاہمتیں کیں۔ اپنے رفقا سے جیسی وفاداری ہم نے مولانا میں دیکھی، ہندوستان میں کم ہی دیکھی۔ مولانا چاہتے تو اپنے لئے ایک الگ راہ بھی پیدا کر سکتے تھے اور سیاسی میدان میں بہت آگے ہوتے۔ لیکن رفقا کے ساتھ چلنا۔ انھیں اپنے خیالوں کے سانچے میں ڈھالنا، کچھ ان کی ماننا کچھ اپنی منوانا اور اس طور پر سعی و عمل کی ایک علیٰ حلی راہ پیدا کرنا، مولانا ہی کا حصہ تھا۔ کم سے کم ہندی مسلمانوں میں یہ بات ہم نے کم ہی دیکھی۔ کبھی مولانا عطار اللہ شاہ بخاری روٹھ رہے ہیں، کبھی چودھری افضل حق مرحوم تن رہے ہیں۔ کبھی مولانا مظہر علی اظہر بک رہے ہیں۔ کبھی نوجوانوں کا طبقہ اینٹھ رہا ہے اور ان مشکل حالات میں مولانا اپنی لیڈری اور قیادت کو داؤ پر لگا کے ایک راہ پیدا کرتے تھے جس پر سب ہی چلتے تھے۔ انگریزی نہ جاننے کے باوجود مولانا حبیب الرحمن کا شمار ہماری رلے میں ان کا برین میں ہونا چاہئے جو مولانا محمد علی مرحوم کے بعد ہندوستان کی سیاست پر چھا سکتے تھے۔ مولانا محمد علی میں اخلاص کا جو ہنگامہ سروس و خروش تھا وہ مولانا حبیب الرحمن لڑھکیاں تو ہیں بھی تھا۔

ایک مقامی معاصر نے لکھا ہے کہ ”مولانا سیاست سے کنارہ کش ہو چکے تھے پھر بھی ان کا دم غنیمت تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ اپنی زندگی کے آخری دور میں مولانا نے کبھی خاموشی سے کبھی علانیہ نئے ہندوستان کی جو خدمت کی وہ انہی کا حصہ تھی۔ کوچہ رحمن میں ان کا گھر ایک یونیورسٹی تھا۔ ایک مکتب خیال تھا۔ جہاں ہندو۔ مسلمان، سکھ، شرنار تھی، کمیونسٹ، سوشلسٹ، کانگریسی، ملحد۔ مومن سب ہی آتے تھے اور مولانا کے منجھے و صلی افکار سے استفادہ کرتے تھے۔ ان کے ماننے والے کمیونسٹوں میں بھی تھے، کانگریسیوں میں بھی تھے۔ وہ بجائے خود ایک انجمن اور افادہ گاہ تھے اور ان کا دم غنیمت

ہی نہیں تھا بلکہ نئے ہندوستان کی ایک بہت بڑی ضرورت تھا۔ سیاست پر ان کی لئے
 معلوم تھی۔ لیکن تبلیغ دین کا بھی جو طریقہ انھوں نے اختیار کیا وہ بالکل اچھوتا اور نرالا تھا
 اور یہ بات ہم کہنی چاہتے ہیں کہ تبلیغ دین سے زندگی کی آخری ساعت تک انھیں غیر معمولی
 دل چسپی رہی۔ لیکن یہ تبلیغ دکھاوے کے لئے نہیں تھی۔ سستے قسم کے مناظروں کے لئے
 نہیں تھی بلکہ اس مقصد عظیم کے لئے تھی جو انھیں جان سے زیادہ عزیز تھا۔ اپنے زندگی
 کے آخری ایام میں رسالہ "معارف" اور دوسرے رسالوں میں انھوں نے جو مضامین
 لکھے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ دینی و تاریخی مسائل پر انھیں پورا عبور تھا اور سیاست
 کے متعلق تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ انھوں نے اتنی صاف بات کہی جو ۱۹۴۷ء کے بعد
 نہیں کہی گئی تھی۔ اس لئے ان کی ذہنی دیانت کے بارے میں تو دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔
 خدا کا شکر ہے کہ انھوں نے اپنے پیچھے کچھ ہم خیال بھی چھوڑے ہیں اور اپنے صاحبزادوں
 کو قوم اور سماج کی خدمت کے لئے تیار کیا ہے اور یہ حضرات ان کی زندگی ہی میں بہت سے
 معرکے سر کر چکے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ مولانا کے پیش نظر سو سال یا ڈیڑھ سو سال کی
 جو عظیم الشان خاندانی روایات تھیں۔ وہ ان کے صاحبزادہ اور صاحبزادیوں کے پیش
 نظر بھی ہوں گی۔

جھجھوں سے یوں تو ہے معمور بزم رنگ و بلو
 چاہئے وہ ایک نالہ جو ہو شرح آرزو
 جو نہ آساں ہو سکے اور ایسی کوئی منزل نہیں
 عزم پیہم زندگی میں سعی لا حاصل نہیں

(مولانا) عبدالباقی

۱۶ مئی ۱۹۶۲ء

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ہندوستان اور مسلمان

شخصی وفاداری، ملی وفاداری، قومی وفاداری، وطنی وفاداری کا پیکر خاکی

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی تھے۔ شخصی وفاداری کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ شاید بابائے کانگریس مولانا عبد القادر قسوری کے بعد پنجاب کانگریس کے صدر ہوتے۔ اگر شخصی وفاداری یا گروہ کی وفاداری نے انہیں مجلس احرار اسلام سے وابستہ کر دیا۔ ملی وفاداری ایسی تھی کہ ہندی مسلمانوں کو انہوں نے مجاہدہ وطن کا ہمیشہ قائد بنانا چاہا۔ قومی وفاداری ایسی تھی کہ انگریز سامراج کو اس وقت بھی تنگی کا نایچ پچایا جب مسلمان کے لئے دولت پانی کی طرح بہائی جا رہی تھی اور وطنی وفاداری ایسی تھی کہ شخصی وفاداریوں اور پرانی وابستگیوں کو تقسیم ملک کے بعد قربان کر کے دی میں آباد ہو گئے۔

مولانا لدھیانہ کے رہنے والے تھے۔ ایسے عالم دین کی اولاد تھے جنہوں نے انیسویں صدی میں مسلمانوں کا رشتہ کانگریس سے قائم کرنا چاہا تھا جو ہندو جماعت سمجھی جاتی تھی ان کی کم و بیش ۵۳ سال کی سیاسی قومی زندگی کا گہرا مطالعہ گواہ ہے کہ وہ مجلس خلافت میں ہوں یا مجلس احرار میں، وہ وطن پرور تھے اور اس زمانے میں چونکہ کانگریس ہی وطن پرور تنظیم سمجھی جاتی تھی اس لئے کانگریس ان کی تحریک ان کا نظریہ ان کی طریقہ کار تھی۔

مجلس احرار کے لئے مولانا نے اپنی عمر کا عزیز ترین حصہ صرف کیا۔ مجلس احرار کا قیام عجیب حالت میں عمل میں آیا۔ نہرو رپورٹ نے انتخاب جداگانہ اور انتخاب مخلوط کے سوال پر دو زبردست محاذ قائم کر دیئے تھے۔ انتخاب جداگانہ کے حامیوں کا پلڑا بھاری تھا اور کانگریس کا وہ گروہ جو بعد کو مجلس احرار کا مہمار بنا سمجھے لگا کہ انتخاب مخلوط اور انتخاب جداگانہ کے سوال نے ایسی شکل اختیار کر لی ہے کہ مسلمانوں میں کام کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ اس لئے

بیچ کی راہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ کچھ ترمیم کی گئی، کچھ اضافہ کیا گیا اور بیچ کی راہ جو اختیار کی گئی۔ اس کا نام تھا مجلس احرار اسلام جس کے لیڈر تھے چودھری افضل خاں مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا منظر علی انظر، مولانا عطار اللہ شاہ بخاری اور شیخ حسام الدین۔ شعرا کرام محبوب کا سراپا لکھتے ہیں۔ ہم شاعر تو نہیں ہیں لیکن مجلس احرار اسلام کا سراپا لکھیں تو چودھری افضل حق کو جسم، مولانا حبیب الرحمن کو دماغ مولانا منظر علی انظر کو روح اور مولانا عطار اللہ شاہ بخاری کو زبان کہیں گے جہاں تک ہمیں معلوم ہے یہ دماغ جس کا نام مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی تھا، کانگریس سے دھڑ رہ کر مجلس احرار اسلام کے قیام کو مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ مگر وہ جو کہا ہے کہ گروہ سے وابستگی یا شخصی وفاداری، تو اس کا کیا کیا جائے گا۔

مجلس احرار کے قیام کا ایک دلچسپ پس منظر بھی ہے۔ مجلس خلافت ہی میں ایک پنجابی ٹولی قائم ہو گئی تھی اور جو افراد بعد کو مجلس احرار کے رداں بنے، وہ پنجابی ٹولی کے بھی روح رداں تھے۔ مولانا ظفر علی خاں کو پنجابی ٹولی (یہ بہ سبیل طنز نہیں، بہ سبیل واقعہ لکھا گیا ہے) کا روحانی باپ کہنا چاہئے۔ مولانا عبدالقادر فصوری بھی اس گروہ کے بزرگ تھے، لیکن روحانی باپ مولانا ظفر علی خاں ہی تھے۔ جن کا قلم ہر طلوع صبح کے ساتھ ایک نئی سیاست کی تخلیق کرتا تھا۔ مولانا ظفر علی خاں کی اہمیت یہ بھی تھی کہ مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی انصاری اپنا حریف سمجھتے تھے۔ حالات کا اتار چڑھاؤ ایسا تھا کہ مولانا ظفر علی خاں کی گھریلو مجبوریوں نے کچھ بدگمانیاں، کچھ کھچاؤ، کچھ تناؤ پیدا کیا۔ اتنے میں کہ لڑچکی میں آل انڈیا کانگریس کا سالانہ اجلاس ہوا۔ اور کانگریس کی جو مجلس عاملہ بنی اس کے ایک ممبر ڈاکٹر شیخ محمد عالم موجود تھے۔ خیال تھا کہ چودھری افضل حق مجلس عاملہ کے ممبر بنیں گے یا کوئی ایسے صاحب ممبر بنیں گے۔ جنہیں پنجاب کے کانگریسی مسلمانوں کی اکثریت کی تائید ہوگی۔ یہ واقعہ ہر حال مجلس احرار کا ایک فوری سبب تھا۔ بنیادی سبب تو تھا

کہ پنجاب کا ایک فعال گروہ ہندوستان کی انقلابی جدوجہد میں ایک خاص انداز سے حصہ لینا چاہتا تھا۔ اور جب وہ اپنی منشا کے مطابق حصہ نہ لے سکا تو مجلس احرار کا قیام عمل میں آگیا۔

یہ کم و بیش تیس سال پہلے کی بات ہے۔ اس کے بعد مجلس احرار کی سیاست میں توازن پیدا کرنا۔ اسے اثرات و تفریط سے بچانا، ہندی مسلمانوں کی بھی خدمت کرنا مولانا حبیب الرحمن کا کام تھا۔ نہایت نازک مقامات سے مجلس احرار گزری۔ لیکن چودھری افضل حق کی وفات کے بعد مجلس کو تلوار کی دھار پر لے چلنا مولانا حبیب الرحمن اور مولانا مظہر علی اظہر کا مخصوص حصہ تھا۔

دنیا جانتی تھی کہ مولانا حبیب الرحمن مولوی ہیں۔ پابند شریعت ہیں۔ لیکن ان کے تعلقات غیر مسلموں سے اتنے وسیع تھے کہ شاید اس دور میں رفیع احمد قدوائی ہی کے ہوں جو مولوی نہیں تھے۔ انقلاب پسندان کے ارادت مند، دہشت پسندان کے گرویدہ، کمیونسٹ اور سوشلسٹ ان کے مداح، سکھ ان کے نام لبوا۔ ان کی نجی صحبتوں میں ایسے ایسے لوگ دیکھے جن کی شان نزول معمولاً سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ کسی کا مقدمہ سازش ہے کسی کی جائداد قرق ہو رہی ہے۔ کسی کی جوان بہن گھر میں بیٹھی ہے۔ کسی کو جاسوس تنگ کر رہے ہیں۔ کسی کو مقدمہ کی پیروی کے لئے وکیل نہیں ملتا۔ اور تقسیم ملک کے بعد شرارتیں کو مکان نہیں ملتا۔ مولانا حبیب الرحمن سب کی سنتے تھے۔ تسلی دیتے تھے۔ بہت کچھ کرتے بھی تھے۔ ان کی باتیں ہرے زخموں کے لئے بجائے خود مرہم ہوتی تھیں۔

بات یہ نہیں ہے کہ مولانا کے سیاسی حریف نہیں تھے، یا خود مولانا ایسے مہاتما یا درویش تھے کہ سیاسی حریف نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ لیکن ان کا انداز اس قدر نیاز مندانه اور مخلصانہ تھا کہ مخالفیتیں ہوئیں بھی تو حد اعتدال میں رہیں۔ تقسیم ملک کے بعد دوران قیام دکن میں بھی سیاسی و نیم سیاسی گروہوں سے اختلاف تو تھے۔ مولانا کے پیچھے کارکنوں

اور رضا کاروں کی کوئی فوج نہیں تھی۔ سرمایہ بھی نہیں تھا لیکن کام کرنے کا ایک سلیقہ ضرور تھا کہ جہاں بڑے بڑے لیڈر ناکام رہتے ان کے حصہ میں کامیابی آتی تھی۔ حالانکہ وہ دلی میں گوشہ نشین تھے۔ کوچہ رحمان تھا اور ان کا مکان۔ ملاکی دور مسجد تک تھی۔ مولانا کی سیاست اور طریقہ کار سے سو فیصدی اتفاق کرنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ کام کرنے کا ایک ڈھنگ تھے۔

مجلس احرار کی تحریک کشمیر کو بھی تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ مولانا بھی اس تحریک کے رہنماؤں میں تھے۔ کم و بیش ساٹھ ہزار انسانوں کو انھوں نے جیل بھی بھجوا دیا تھا۔ اس زمانہ میں شیخ عبداللہ کا بڑا نام تھا۔ جموں و کشمیر میں ان کے صرف ایک حریف تھے۔ جن کا نام میر واعظ تھا۔ لیکن وہ بھی بمائے نام ہی تھے اس زمانے میں مولانا نے لاہور کے دو چار ممتاز ایڈیٹروں کے سامنے ایک رائے ظاہر کی تھی۔ اس رائے سے صرف ایک ایڈیٹر نے اتفاق کیا تھا۔ باقی ایڈیٹر سخت بریار اور برہم تھے۔ اس کے بعد شیخ صاحب کی قیادت نے آسمانوں سے باتیں کیں۔ وہ پنڈت نہرو کے ہم سفر بھی ہوئے۔ ہندوستان سے الحاق کشمیر کی انھوں نے تحریک بھی کی۔ لیکن مولانا نے تیس پچیس سال پہلے جو رائے ظاہر کی تھی اس پر سختی سے قائم رہے۔ یہ ان کی بصیرت تھی کہ معاملات کے بارے میں وہ برسوں پہلے ایک رائے قائم کر لیتے تھے اور وہ صحیح ثابت ہوتی تھی۔ سیاست دانوں میں ایسی بے خطا بصیرت ہم نے کم ہی دیکھی ہے۔ آزادی کامل کے سوال پر مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو میں جب اختلافات پیدا ہونے لگے تو ۱۹۲۹ء میں مولانا نے پیش گوئی کی تھی کہ گاندھی جی کو یا تو پنڈت نہرو سے سمجھوتہ کرنا پڑے گا یا پنڈت نہرو کی قیادت میں ایک متوازن کانگریس قائم ہوگی۔ گاندھی جی نے واقعی پنڈت نہرو سے سمجھوتہ کیا، بلکہ ہنائی کی لگام پنڈت نہرو کے ہاتھوں میں دے دی۔

خاص بات یہ تھی کہ مولانا کی سیاست نئے زمانہ کی سطحی سیاست نہیں تھی۔ بلکہ اس

کی جڑیں ان کی روحانیت اور مذہبیت میں پیوست تھیں۔ حالات نے مساعیت نہ کی،
 ورنہ شری اردو ندا گھوش اگر پانڈی پجری میں آشرم قائم کر سکتے تھے تو مولانا بھی لدھیانہ
 لاہور یا دہلی میں ایک روحانی مرکز قائم کر سکتے تھے۔ روحانیت یا مذہبیت کو زندگی کا
 مرکزی نقطہ مان کر ایک نظام کی تشکیل کرنا امام الہند اور شیخ الاسلام کے بعد ہم نے مولانا
 حبیب الرحمن میں دیکھا۔ جب اواخر زندگی میں دہلی ان کے لئے کوئی روحانی ماحول پیدا
 نہ کر سکی تو انہیں حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری سے تسکین ملی۔

تقسیم ملک مولانا کے لئے ایک صبر آزما امتحان تھا۔ ان کا آبائی وطن اگرچہ لدھیانہ
 تھا۔ لیکن سیاسی اور سماجی وطن لاہور تھا۔ زندگی کے ساتھی لاہور میں تھے جن کے لئے مولانا
 نے اپنے عزیز ترین مقاصد زندگی میں ترمیم کی تھی۔ ان کے لئے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ لاہور کو
 اپنا وطن بنا لیتے۔ آخر شیخ حسام الدین امرت سر سے مغربی پاکستان میں منتقل ہو ہی گئے تھے
 لیکن مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی سے یہ نہ ہوسکا اور وہ دہلی آ گئے۔ ملی جلی زندگی کے جو
 خواب انہوں نے دیکھے تھے وہ پاکستان میں کیا پورے ہوتے، اس خواب کی تعبیر اگر ہو سکتی
 تھی تو ہندوستان ہی میں ہو سکتی تھی۔ اس لئے وہ دہلی آ گئے اور کوچہ رحمان کے ایک مکان
 میں رہنے لگے۔ مجلس احرار کے خون کی گرمی ان کی بوڑھی رگوں میں بھی دوڑتی رہی۔ لیکن اب
 آزادی کے بعد ترقی و تعمیر کا زمانہ تھا۔ اس لئے گرمی میں ٹھنڈک آنے لگی، خون کی گردش
 امتزاج پانے لگی۔

حق کو بہت ہیں۔ لیکن مولانا حبیب الرحمن کی حق گوئی اپنی مثال آپ تھی۔ پنڈت
 پنڈت جواہر لال نہرو ہوں یا مولانا ابوالکلام آزاد یا ملک خضر حیات کا ٹوانہ یا سر سکندر جتیا
 یا میاں فضل حسین، جہاں حق بات کہنے کی ضرورت ہوتی بے تالی کہتے۔ پیری میں صاحب
 مشفق بن جانا آسان ہے، اس لئے کہ سن و سال کا سبب ہی احترام کرتے ہیں۔ لیکن مولانا
 نے بڑے بڑے لیڈروں، بڑے بڑے سرکاری منصب داروں کو اس وقت ٹوکا اور تنبیہ کی

جب وہ بوڑھے نہیں تھے اور ان کے مخاطب بھی بوڑھے نہیں تھے موت سے پہلے پنڈت
 نہرو سے مسلمانوں کے مسائل پر انھوں نے جو بے باکانہ گفتگو کی شاید ہی کوئی کر سکتا۔
 اور پنڈت جی نے اپنے روایتی غصہ کے باوجود ان کی باتیں ٹھنڈے دل سے سنیں۔

ایک بات ہم نے ہمیشہ محسوس کی۔ پنجابیوں کی انفرادیت پسندی کا شاید ہندوستان
 میں تو جواب نہیں ہے۔ اس حد سے بڑھی ہوئی انفرادیت کے باوجود اور جزدی دنیاوی اختلافات
 کے باوجود احراری دوستوں سے جس طرح برتاؤ کیا وہ ایک غیر معمولی بات ہے۔ پھر یہ کہ ان کے
 احراری دوست کوئی ایسے ویسے نہیں تھے، اپنے اپنے وقت کے خطیب شہیر اور دنیا کو
 تنگی کا ناچ بچانے والے تھے۔ کمال یہ تھا کہ خود مولانا میں غضب کی انفرادیت تھی۔ پھر بھی
 دوستوں سے ان کی نبھ گئی کہ انھیں اپنے ساتھیوں سے اکثر موقعوں پر اختلاف کرنا پڑا۔
 اپنے ساتھیوں کا ساتھی اور مخلص نکتہ چیں بن کر گزارنا کوئی مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کیسے تھا۔
 دنیا کا کوئی باپ ایسا نہیں ہے جو اپنے بچوں سے مانوس نہ ہو۔ مولانا بھی اپنے صاحبزادوں
 سے مانوس تھے۔ ان کے صاحبزادوں کی تربیت بھی ان کے ماحول میں ہوئی۔ مولوی عزیز الرحمن
 جامی آج ایک کامیاب مؤلف اور ایک کامیاب تعلیمی ادارہ کے نگرانِ اول ہیں۔ بڑے صاحبزادے
 مولوی خلیل الرحمن ایک اور صاحبزادے جو دبیر بنی عالم ہیں پنجاب میں مفید کام کر رہے ہیں۔
 ایک صاحبزادے سرکاری محکمہ سے وابستہ ہیں۔ عام طور پر لیڈروں کا خاندان لیڈر کی موت کے
 بعد بکھر جاتا ہے یا منتشر ہو جاتا ہے۔ لیکن مولانا کا خاندان ان کے بعد بھی مفید زندگی بسر کر رہا ہے اور
 جسے دیکھتے وہ مولانا حبیب الرحمن کا جلتا جاگتا نمونہ معلوم ہوتا ہے۔ وہی لب لبو جو مولانا کا تھا، وہی
 انداز بیان جو مولانا کا تھا اور کردار بھی مولانا سے ملتا جلتا ہے۔ مولانا کا انتقال دہلی میں ہوا۔ لاہور
 سے دوران کا انتقال ہوا جہاں لاکھوں کے مجمع کو بار بار انھوں نے مخاطب کیا جہاں رحبتا پسندوں
 کو خم ٹھوک کر لاکارا۔ جہاں باطل کو سیم شکستیں دیا۔ لاہور یا لدھیانہ میں بھی جانے پہچانے قائد کے قدر
 دانوں کی کمی نہ تھی۔ لاکھوں نہیں تو ہزاروں ہندو مسلمان اور سکھ انکے جنازے میں شریک ہوئے۔

(مولانا عہد الباقی مرحوم)

مرد مومن

باسمہ سبحانہ

برادر عزیز۔ عزیز داری کی عبرت گزاری اور رنج و قلق کی اشکباری میں ایک دور افتادہ بھائی کو بھی شریک کر لیجئے۔ دہلی کی طرف کشش کے بہت کم رشتے باقی رہ گئے تھے ان میں سے ایک اہم رشتہ مرحوم مولانا حبیب الرحمن بھی تھے۔ وہ رشتہ بھی میری صد ہا پہلو کی طرح ٹوٹ گیا اور وہ محبوب و جود اب اسی جگہ پہنچ گیا جہاں پہنچنے کے لئے موت کے دروازے سے گزرے بغیر چارہ نہیں۔ ”إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ“

میں نے یہ دفکار خبر کل کے اخبارات میں پڑھی تھی! پڑھ تو لی لیکن منٹوں تک اس کی صحت پر یقین نہ آیا۔ ابھی کل کی بات ہے کہ میرا چھ حسین یہاں آئے تھے تو مجھے اپنڈکس کے آپریشن کی تفصیلات بتا گئے تھے۔ میں اپنے ذہن میں یہ تصور لئے بیٹھا تھا کہ اب کے سر دیوں میں جادوں کا تو خوب بائیں ہوں گی، جن داستانوں کی شنید کے لئے میں نے گزشتہ سفر میں اصرار کیا تھا وہ اس مرتبہ دلی کھول کر سنوں گا۔ میر صاحب نے یہ بھی بتایا تھا کہ ڈاکٹر نے آپریشن کے بعد مولانا کو مبارک یاد دی اور کہا کہ اگر تھوڑی دیر اور گزر جاتی تو موت یقینی تھی اس لئے کہ اپنڈکس کی نانی پھٹ چکی تھی! لیکن.... لیکن کیا معلوم تھا کہ جو ملاقات ۲۹ جنوری ۱۹۷۷ء کی شام کو ہوئی تھی وہ اس دنیا میں آخری ملاقات تھی۔ ۹

گر نہ دقتا بود کہ باہم دویم

می رسداں وقت کہ باہم دویم

مرحوم کی وجہ سے دوستوں کی ایک بہت بڑی دنیا آپ کے گرد و پیش پھر رہی تھی۔ وہ انسانیت اور سلامیات کے اعلیٰ اخلاص کا ایک روشن چراغ تھے کہ جہاں بیٹھ جاتے

تھے محفل روشن ہو جاتی تھی۔ خود آپ بھائیوں کے لئے بھی دنیاوی نقطہ نگاہ سے اطمینان و
 دلچسپی کا ایک سہارا تھے۔ میں ۱۹۲۲ء میں اخبار نویسی کے لئے لاہور آیا تھا۔ اس کے تھوڑے دن
 بعد ان سے ردا بط پیدا ہوئے۔ چونتیس سال کی مدت ایک عمر موتی ہے اس میں اختلافات
 بھی پیدا ہوئے۔ سیاسی ہنگاموں میں فکر و نظر کا اختلاف ایک طبعی امر ہے۔ تاہم جو محبت اور دلی
 ربط و تعلق پہلے دن سے باہم پیدا ہو چکا تھا وہ آخری دم تک بدستور قائم رہا۔ ایسے رفیق پہلے ہی
 بہت کم رہ گئے تھے۔ اب اس چراغ کے بجھ جانے سے زندگی کی محفل افسردہ ہو کر رہ گئی۔

وہ بہادر تھے جو اندر دیکھتے۔ میرے سامنے ان کی زندگی میں ابتلاء کے بیسیوں مرحلے آئے۔
 کسی میں بھی انھیں ہراساں یا خوف زدہ یا پریشان نہ دیکھا۔ وہ میدان عمل کے شہسوار تھے۔ خدا
 نے انھیں نازک سے نازک ماحول میں سچی بات سلیقے سے کہنے کی خاص صلاحیت عطا کی تھی اور
 جو کچھ ان کی زبان پر جاری ہوتا تھا، خلوص و صداقت کے باعث اس میں زندگی کی ایک خاص روح
 جلوہ گر رہتی تھی۔ ان کی عظمت کا اندازہ دہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے دور ترک مولا میں حکومت
 برطانیہ کی قاہری کے مناظر دیکھے ہیں اور جو جانتے ہیں کہ حکومت کے طوفان تشدد اور خرواپوں
 کی بے یقینی یا کہہ لیجئے دانش مندانہ عاقبت اندیشی کے مناظر کس درجہ روح فرسا اور حوصلہ سوز تھے
 ان کے سامنے ہمیشہ یقین کی روشنی رہی اور وہی روشنی ان کے تمام افکار و اعمال کیلئے مشعل راہ تھی!
 دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آپ لوگوں کو صبر ضبط کی
 توفیق سے مشرف رکھے۔ آپ کا حامی و ناصر رہے (آمین ثم آمین) ایسے نازک وقت میں آپ سے
 کوئی درخواست کرنا بہت تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کیا کروں دل نہیں مانتا اور اپنے
 محترم بھائی کی زندگی کے آخری اوقات میں بیماری کی تفصیلات وغیرہ سے آگاہی کے لئے حد درجہ
 اضطراب ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ مکانی دیواروں کو بچانے کے لئے فوراً آسکوں، اس کے سوا چارہ نہیں کہ
 تفصیل کے لئے بے قراری کا اظہار آپ حضرات کے سامنے کروں۔ اگر موقع ملے تو میری اس عجزانہ
 درخواست کو پورا کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا رفیق و یار ہو۔ والسلام

دل شکستہ۔ (مولانا) غلام رسول قمر ایڈیٹر انقلاب۔ مرحوم

صدرِ ناصر اور رئیسِ الاحرار

مرحوم نے مجھے ملاقات کے لئے دہلی آنے کی دعوت دی۔ اس سے قبل مجھ سے مولانا کو کوئی تعارف نہ تھا، بجز اس کے انھوں نے محض اخبارات میں میرے چند مقالات پڑھے تھے اس طرح میں نے بھی مولانا مرحوم کے وہ مقالات دیکھے تھے جن میں مصر کی زبردست حمایت کرتے ہوئے ان تمام مشہوروں کو دور کیا گیا تھا جو ہندوستان میں بعض لوگوں نے مصر اور مصر کے قائد جمال عبدالناصر کے خلاف مسلمانوں میں پیدا کر دیئے تھے اور قائد مصر و شرق جمال عبدالناصر کے موجودہ اقدام کو زبردست خراج تحسین ادا کیا گیا تھا۔

مولانا مرحوم کی تحریر میں جذبہ ایمانی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ہم ایک دوسرے سے دو تھے۔ لیکن ان مقالات کے ذریعہ ہمارے درمیان ایک رابطہ پیدا ہو گیا۔ مرحوم کے مقالات پڑھنے کے بعد میرے دل میں ملاقات کا شوق بڑھا، اسی وقت دہلی حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ لیکن لکھنؤ اور مراد آباد کے سفر درپیش تھے۔ اس لئے یہ ارادہ مؤخر کر دینا پڑا۔ لکھنؤ کے سفر سے واپسی پر میں فوراً ہی دہلی آیا اور اس مرد مومن سے ملاقات کی۔ جب میں مولانا مرحوم سے ملا تو ایسا محسوس ہوا کہ دو دوست ملت کے بچھڑے ہوئے آپس میں مل رہے ہیں جو زندگی کے مختلف مراحل میں ساتھ رہ چکے ہیں۔ زمانہ کے واقعات سنے۔ مولانا مرحوم کے فکر و عمل میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ انھوں نے اپنے تجربات اور فکر و عمل سے ان میں مزید اضافہ کیا اور ہر مسئلہ پر قوت ایمانی اور اولوالعزمی سے کام لیا۔ مولانا کی قوت گویائی سے یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ وہ ایک چونسٹھ سالہ بزرگ ہیں جن کی زندگی کا تائبناک حصہ جیل کی اندھیری کوٹھڑیوں میں گزرا ہے اور جس نے مجاہدین وطن کے ساتھ جہاد حریت میں زبردست حصہ لیا ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوا تھا کہ ایک نوجوان ہے جس کی رگوں میں

جوانی کا خون کھول رہا ہے۔ انھوں نے اپنی گفتگو میں جس جوش کے ساتھ مصر اور مصر کے قائد جمال عبدالناصر کی تائید کی۔ اس سے مجھے بھی کچھ بھی ان کے کمزور بدن کا خون ہونے لگتا تھا۔ مولانا نے بڑے جوش کے ساتھ فرمایا کہ جمال عبدالناصر اس وقت مشرق کو بیدار کر دینے میں جو پارٹ ادا کر رہے ہیں وہ ان کا زبردست کارنامہ ہے۔ مشرقی اقوام کا فرض ہے کہ وہ مصر کے ساتھ ہو کر اس کی آزادی اور خود مختاری کے لئے پوری جدوجہد کریں۔ مولانا نے ہندوستان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان آزادی کا عقیدہ رکھتا ہے اپنی آزادی کے ساتھ دوسروں کی آزادی چاہتا ہے۔ اس لئے وہ مصر کے اس باعزت اقدام کا زبردست حامی ہے۔

مولانا نے ایسے لوگوں پر بڑے افسوس کا اظہار کیا جو ہندوستان آکر مصر اور اس کے قائد جمال عبدالناصر کے خلاف غلط افواہیں پھیلاتے ہیں اور ان سے مسلمانان ہند برا اثر لیتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ ایسی غلط افواہوں کی تردید اور صحیح حالات سے باخبر کرنے کے لئے مسابا اقدام کی ضرورت کا احساس دلایا۔ نہر سوینز پر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے اس طرز عمل پر انتہائی برہمی کا اظہار کیا جو انھوں نے جمال عبدالناصر اور مسئلہ سوئز پر اختیار کیا۔

ابوالاعلیٰ مودودی کو جب لاہور کے اس جلسہ میں جو مصر کی تائید کے سلسلہ میں کیا گیا تھا تقریر کرنے کے لئے کہا گیا تو انھوں نے شرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس مردِ حجاب کی زبان سے یہ الفاظ سن کر میں بھی بہت دل برداشتہ ہوا اور ایسے لوگوں کے طرز عمل پر سخت غصہ آیا جو خود اسلام کے دعوے دار ہیں اور دوسروں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ لیکن خود یہ نہیں جانتے کہ جو لوگ اس وقت مصر کے ساتھ تعاون کرنے سے گریز کر رہے ہیں جو مغرب کے مظالم کا شکار ہو رہا ہے اور مغربی ظلم و استبداد کے خلاف آواز بلند کر رہا ہے۔ ان کے بارے میں اسلام کیا حکم رکھتا ہے کہ یہ لوگ، مصر جو ایک اسلامی اور

مشرقی ملک ہے اس کے مقابلہ میں مغربی ممالک کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔

مولانا مرحوم نے ان امور کی طرف بھی توجہ دلائی جو مصری سفارت خانہ کی طرف سے انجام پانے چاہئیں اور جن سے مسلمانان ہند کے دلوں میں بیٹھے ہوئے غلط شبہات دور ہوں، اور وہ صحیح صورت حال سے باخبر ہو سکیں۔ یعنی مصری سفارت خانہ کو اردو زبان میں ایسا لٹریچر شائع کرنا چاہئے جسے ہندوستان کے عوام ہندو مسلم جو انگریزی زبان سے ناواقف ہیں۔ پڑھ سکیں۔ اسی طرح تبلیغی اداروں اور دیہات و قصبات میں بھی لوگوں کو صحیح معلومات بہم پہنچانی چاہئے۔ مولانا نے اس پر انتہائی تعجب کا اظہار فرمایا کہ امریکہ، برطانیہ حتیٰ کہ اسرائیل کی نظر میں اردو دانوں کی اس قدر اہمیت ہے کہ وہ ان کے لئے اردو زبان میں پروپیگنڈا کرنے کے لئے رسالے اور مختلف قسم کے پمفلٹ وغیرہ شائع کرتے ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ مصر اس پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔

اس غیور مرد مجاہد کے خیالات میں میں نے اپنے خیالات سے پوری مطابقت پائی اور مجھے اس جواں ہمت بزرگ میں مصر کے لئے زبردست جدوجہد و اخلاص نظر آیا۔ میرے دل میں ان کے احترام و محبت نے جگہ کر لی۔ اور مولانا کے وہ خیالات بھی میرے ذہن میں گھومنے لگے جو انھوں نے اخبارات و رسائل میں کسی مصری کو جتانے کے لئے نہیں، بلکہ محض اپنے سچے جذبات کے تحت تحریر فرمائے تھے۔ ان میں نہ کسی داد و دہش کی ٹمٹماتی تھی۔ اور نہ کسی سے داد و تحسین کی خواہش تھی۔

موصوف نے ہندوستان کے متعلق اظہار خیال فرماتے ہوئے کہا کہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہندوستان میں تمام لوگ بغیر تفریق مذہب و ملت صرف اس بنیاد پر کام کریں کہ وہ ہندوستانی ہیں اور ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے وطن کی تعمیر کریں۔ مذہبی بنیادوں پر ملکی مسائل کا حل نہ ہو۔ مولانا کی گفتگو میں مجھے ایک پختہ کار اور پرمغز آزمودہ شخص کی سچی تصویر نظر آرہی تھی۔ اس پرمغز سیاست دان اور مبصر کی رائے تھی کہ ملک کی

قسمت صرف اسی صورت میں جاگ سکتی ہے جب کہ مذہبی تفریق کو ملکی مسائل اور باشندگان ملک کے باہمی تعلقات میں دخل نہ ہو۔ کیونکہ ہندوستان میں مذہبی بنیادوں پر متحد ہونا ملک کی وحدت کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ اس طرح سے یہ وحدت اختلافات کی آگ ذرے بن کر اڑ جائے گی یا خون کی ندیوں میں بہہ جائے گی۔ اس لئے کہ ہندوستان میں ایک مذہب نہیں ہے۔ بلکہ یہاں مختلف عقائد و خیالات کے لوگ رہتے ہیں۔ ان کے اتحاد میں مذہبی تفریق کا دخل ملک کے لئے خطرناک ہے۔

دوران گفتگو اس جوان بہت بوڑھے کا جوش باوجود بیماری اور کمزوری کے برابر بڑھ رہا تھا اور وہ جذبہ کے ساتھ کہہ رہے تھے کہ جمال عبدالناصر پر اس وقت علاوہ سامراجی طاقتوں کے پورا مشرق بلکہ پوری آزادی پسند قوم فخر کر رہی ہیں۔ درحقیقت یہ خداوند کریم کی قدرت کا ایک منظر ہے کہ اس عظیم کام کا بیڑا ایک نوجوان نے اٹھایا ہے۔ جس کی عمر چالیس سال سے زیادہ نہیں ہے۔

مولانا کے ان پر جوش الفاظ نے مجھ پر گہرا اثر کیا۔ میں دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ اب مجھے ایک زبردست انسان کی رفاقت حاصل ہوگئی ہے۔ مولانا نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں مصر کے لئے بہت کچھ کرنا چاہئے۔ اس کام کو انجام دینے کے لئے ضروری ہے کہ آپ ہر ہفتہ دہلی آئیں تاکہ اس سلسلہ میں مناسب اور ضروری اقدام کیا جائے۔ کیونکہ مسئلہ سوئز صرف مصری کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ہر آزادی پسند کا مسئلہ ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اس راہ کا سپاہی بن کر کام کرنا چاہئے۔ اس مجاہد کی یہ باتیں سن کر میرے دل میں انشراح پیدا ہوا۔ اور میرے ذہن میں اسکیموں کا ایک لمبا سا خاکہ آیا کہ ہم ایک ساتھ مل کر مصر کے لئے موجودہ حالات میں کس طرح کام کریں۔

کیا خبر تھی کہ موت سامنے کھڑی ہماری گفتگو اور مستقبل کی امیدوں اور پروگراموں کا مذاق اڑا رہی ہے۔ نہیں معلوم تھا کہ اس مرد مجاہد کی ملاقات پہلی بھی اور آخری بھی یہی ہے۔

میں تو ایسے مستقبل کا خواب دیکھ رہا تھا جس میں بہت سے اہم اور ضروری کام انجام دینے
تھے۔ جہاد جہاد کا ایک نیا باب شروع کرنا تھا۔ مگر کیا خبر تھی کہ اس خواب پر ایک رات ہی گزرنے
پائے گی کہ مولانا حبیب الرحمن ہمیں چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ
اس مجاہد جلیل سے ملاقات کا موقع عطا فرمائیں گے اور جب اس کی باتوں سے دل کو سرور
حاصل ہوگا اور دل میں گہری محبت ہو جائے گی۔ اس وقت کیا ہیں اس کی یاد میں تڑپتا ہوا
چھوڑ کر اپنے جوار رحمت میں بلائیں گے۔ ایک خزانہ جسے ہم نے حاصل کیا اور فوراً ہی کھو دیا۔
اس پر ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ یہ معلوم نہ تھا کہ یہ دل جس میں آج وطن اور مصر کی محبت ہے
اور نیکی کا جذبہ موجزن ہے۔ کل اچانک اس کی حرکتیں بند ہو جائیں گی۔ اور ہم آنسو بہانے
رہ جائیں گے۔ اور اس کی تہک سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جانا پڑے گا۔

میں کیا کہوں میرا دل صدمہ سے بیٹھا جا رہا ہے۔ کیا یہ کہوں کہ کاش میں اس شخص کو
نہ جانتا تا کہ آج یہ صدمہ نہ اٹھانا پڑتا اور نہ اس کی رفاقت سے محروم ہونے کی نوبت آتی۔
نہیں! یہ ممکن نہیں۔ اس لئے کہ میں نے اس شخص کے ساتھ بیٹھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔
اس کی ایمان سے بھرپور گفتگو کو سنا ہے اور یہ ایک ایسی یادگار ہے جو میرے دل میں محفوظ
رہے گی اور میں تازہ لیت اس مرد مجاہد کو ہر مجلس میں اور ان قابل یادگار شخصیتوں کے ساتھ
یاد کرتا رہوں گا۔

اگر میں اس مرد مجاہد کی موت پر رنجیدہ ہوں تو یہ میرے دل کی آواز ہے۔ کیوں کہ
ایسی شخصیتوں کی جدائی پر غم کے آنسو بہانا ایک فطری امر ہے۔ خاص کر ان لوگوں کے لئے
جن کے دلوں میں ایسے مجاہدین کی قدر و قیمت ہے۔

برادر من! واپس ان محترم میں آپ ہی میں کا ایک فرد ہوں۔ اگر آپ کے والد مرحوم
کی تعزیت کروں تو یہ ایک بھائی کی دوسرے بھائی سے تعزیت ہے۔ اس حادثہ جانکاہ
کے احساس میں ہم سب برابر ہیں۔ والد مرحوم نے اپنی پوری زندگی عزت و خود داری اور

ہر دل عزیزی کے ساتھ گزاری اور جدوجہد میں پورا وقت صرف کیا۔ ان کے حوصلوں اور ارادوں میں ایک لمحہ کے لئے بھی کمزوری پیدا نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ بیماری میں بھی اور اس وقت بھی جب کہ وہ داعی اجل کو لبیک کہہ رہے تھے۔

آپ کے والد مرحوم نے آپ کے لئے عمل کی ایک زبردست دولت چھوڑی ہے اور آپ نے ان کے ساتھ رہ کر ان کے طریقہ کار کو بھی دیکھ لیا ہے۔ اس لئے آپ کو چاہئے کہ آپ ان کے سچے جانشین بنیں اور خدا کی راہ میں اور وطن کے کاموں میں پوری پوری جدوجہد کریں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس نے اپنے پیچھے آپ جیسے افراد چھوڑے ہوں، اس کی موت موت نہیں۔

اللہ تعالیٰ ان پر ہزار نعمتیں نازل فرمائے اور ہمیں، ملک اور مسلمانوں کو نعم البدل عطا فرمائیں۔ آمین۔

غملگین (الشیخ) عبد المنعم العزمنائندہ مصری علما برائے دیوبند

(حال مقیم دارالعلوم دیوبند)

۶ ستمبر ۱۹۵۶ء

حیاتِ قومی

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
 ہو جس کے جوانوں کی خود صورت فولاد
 موجوں کی تپش کیا ہے فقط ذوق طلب ہے
 پہناں جو صدف میں ہودہ دولت ہے خدا داد
 شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
 پیر دم ہے اگر تو، تو نہیں خطرہ افتاد

راخ الاعتقاد مسلمان

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی چل بسے۔ پتہ نہیں چلتا کہ ان کی موت سے ہیں کس قدر
عدم ہے۔ ان سے میرے تعلقات دیرینہ اور خوشگوار تھے۔ وہ مجھے دوسرے کانگریسیوں کی
طرح فرقہ پرست سمجھ کر مجھ سے نفرت نہیں کرتے تھے۔ وہ جتنے راخ الاعتقاد مسلمان تھے اتنے ہی سچے
نیشنلسٹ۔ ان کی قوم پرستی حقیقی تھی نفاشی نہیں۔ ہر سوال کو وہ قوم پرستی کے زاویہ سے دیکھتے تھے اور
ان مسائل سے جو بظاہر فرقہ وارانہ نظر آتے تھے، ایسا خوبصورت قوم پرستانہ پہلو نکالتے تھے کہ سننے
والے عیش عشق کراٹھتے تھے۔ آزماتش کے کئی مواقع آئے۔ لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔
۱۹۴۷ء میں جہاں میاں افتخار الدین اور مولانا داؤد غزنوی جیسے مومن مسلم لیگ میں شامل ہونے کی
کافرانہ حرکت کر بیٹھے وہاں مولانا حبیب الرحمن ثابت قدم رہے۔ تقسیم کے وقت لدھیانہ سے
لاہور جانا پڑا۔ وہ وہاں رہ سکتے تھے۔ مگر نہ رہے اور دہلی آ گئے۔

وہ نہایت خوددار تھے۔ اور کسی کی مروت کا بار نہیں لے سکتے تھے۔ ان پر کڑے وقت بھی آئے
لیکن توکل خدا پر رہے اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پسارے۔ دو تین سال ہوئے دل کا دھڑہ پڑا۔ میں ان
کی بیمار پرسی کو جایا کرتا تھا وہ کئی ماہ کی علالت کے بعد اچھے ہو گئے۔ آخری بار میں نے ان کے درشن
دو ماہ ہوئے سرگنکار ام ہسپتال میں کئے، وہاں ڈاکٹر روشن لال کھڑانے ان کا اپنڈیسائٹس کا
آپریشن کیا تھا۔ جب میں ان سے ملا تو وہ صحت یاب ہو کر گھر لوٹنے والے تھے۔ میں ان کو وعدہ دے کر آیا کہ میں
آپ کے گھر پر آپ سے ملوں گا لیکن اتفاق کہ میں خود بیمار پڑ گیا اور اپنا وعدہ دفنانہ کر سکا۔
اب جب کہ وہ اس سنسار میں نہیں ہیں کئی باتیں لکھ سکتا ہوں جن کا ان کی زندگی میں
توکل قلم پر لانا مشکل تھا۔

نومبر ۱۹۴۶ء میں شری دیریندر کے اخبار بے ہند کا ادکھاٹن بھارت بلڈنگ لاہور

میں ہو رہا تھا، مولانا افتخار جی تقریر کر رہے تھے۔ روزنامہ انقلاب کے ایڈیٹر غلام رسول قہر اور میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ مولانا نے ہم دونوں کی طرف اشارہ کر کے کہا وہ دیکھو دوپا پی کھڑے ہیں اس وقت اس طرح گھل مل کر باتیں کر رہے ہیں گویا ایک ماں جانی ہوں۔ مگر کل دفتر میں بیٹھ کر زہر بکھیرنے لگیں گے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہو گا کہ جنوری ۱۹۵۷ء میں مہاتما گاندھی نے بریت کیوں رکھا تھا۔ مولانا حبیب الرحمن نے مجھے سنایا کہ وہ مہاتما جی کے پاس گئے اور کہا کہ میرے لئے ویدیش جانے کا انتظام کر دیں میرے جیسے لوگ پاکستان میں رہیں یہ خارج از بحث ہے اور ہندوستان میں حالات ایسے ہو رہے ہیں کہ ہمارا رہنا مشکل ہو رہا ہے

مہاتما جی نے کہا کہ آپ کے سوال کا جواب کل دوں گا۔ دوسرے دن انھوں نے بھوک ہڑتال کا اعلان کر دیا۔

جب میں ان سے سرگنگارام ہسپتال میں ملا تو باتوں باتوں میں انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم کبھی پنڈت نہرو سے ملے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ تقسیم کے بعد نو برسوں میں ایک بار بھی ان کے درشن نہ کر سکا۔ یہ کیوں؟ ان کے اس سوال پر میں نے کہا کہ میں اپنے کو اتنا چھوڑا نہیں سمجھتا کہ ملاقات کی درخواست کروں اور جواب ملے کہ پنڈت جی کو فرصت نہیں۔ اور میں اتنا بڑا بھی نہیں کہ پنڈت جی کو مجھ سے ملنے کی خواہش ہو۔ اس پر مولانا نے کہا کہ مجھے اچھا ہو لینے دو میں پنڈت جی سے تمھاری ملاقات کراؤں گا اور اس پر میں نے یہ شعر پڑھا

عمر تو ساری کٹی عشقِ بتاں میں موہن

آخری وقت میں کیا خاک مسماں ہوں گے

اس وقت مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ مولانا کے آخری درشن ہیں۔

حیف در چشمِ زون صحبتِ یارِ آخر شد

مہاشہ کرشن ایڈیٹر روزنامہ پرتاپ - ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء

رئیس الاحرار

برادر عزیز مولوی عزیز الرحمن جامعی نے اپنے والد مرحوم رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کے حالات زندگی قلم بند کر کے ایک بلند فریضہ انجام دیا ہے۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن صاحب میرے مقتدر رفیقوں میں تھے وہ اپنے سیاسی شعور، جوش عمل، اولوالعزمی، اور جدوجہد کے اعتبار سے ہمیشہ نمایاں رہے۔ تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لیا اور اس راہ میں کئی بار قید و بند کی شدید صعوبتیں برداشت کیں۔

کتاب "رئیس الاحرار" میں مولانا مرحوم کی سیاسی بصیرت، قول و عمل کی ہم آہنگی اور فکر و فکر کی دور رس کو جس تاریخی پس منظر کے ساتھ واضح کیا گیا ہے اس سے کتاب کی سیاسی اہمیت کافی ذرا فی ہو گئی ہے اور واقعاتی طور پر یہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا ایک ایسا باب بن گئی ہے جس کا مطالعہ سیاسیات کے طالب علموں کے لئے بہت مفید ہو گا۔

واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد کی ہماری سیاسی تاریخ بڑی پہلو دار ہے۔ یہ دور سیاسی کشمکش کا ہی نہیں بلکہ مذہبی افکار، تہذیبی رویات، تمدنی فکر اور اجتماعی عمل کے میدانوں میں بھی ایک نئے شعور، انقلابی بیداری اور رنگارنگ توانائی کا ہے۔ مشرق و مغرب کی مقصود اقدار حیات کا ہے۔ جب تک بھرپور بصیرت اور ہوشمند نظر کے ساتھ اس دور کا مطالعہ نہیں کیا جائے گا اس وقت تک ہم برٹش عہد کے گونا گوں مسائل کی روح تک نہیں پہنچ سکتے "رئیس الاحرار" میں اس دور کا تجزیہ کیا گیا ہے اور فکر کی ایک نئی پہنچ قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے گو یہ نقطہ نظر واضح بحث و تمحیص ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کے بعض اجزاء سے اختلاف بھی ہوتا ہے یہ تعمیری اور کافی حد تک ایک فہمی سفر کی نشان دہی کرتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ کتاب کا ہر حلقہ میں خیر مقدم کیا جائیگا۔ اس کتاب میں جو خطوط و خطبات سیاسی حالہ کا پس منظر ہیں۔

خادم ملت

حفظ الرحمن کان اللہ مرحوم

۲۶ فروری ۱۹۶۱ء

انہی کی خاک میں پوشیدہ ہے یہ چنگاری

کتاب رئیس الاحرار، مولانا جلیب الرحمن لدھیانوی کے مسودہ کو نہایت غور و فکر اور دل چسپی کے ساتھ پڑھا۔ مولانا مرحوم کی زندگی ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم کردار رہی ہے اور ابتدائے تحریک آزادی سے لے کر حصول آزادی تک ملک میں جو بھی سیاسی اور فکری نشیب و فراز درپیش آئے۔ ان میں مولانا مرحوم کا رول ہمیشہ انفرادی عظمت، ایمان کی حرارت، حب الوطنی، فکر کی نچستگی، ذہن کی صفائی اور جوشِ عمل کے مضبوط عزائم سے لبریز رہا۔ وہ چالیس سال تک بھرپور سیاسی بصیرت اور عظیم منفرد شعور کے ساتھ وطن عزیز کی جدوجہد آزادی اور اس کے عروج و ترقی کی تحریک میں جانباز، سرفروش اور بے غرض حوصلہ مندر کی حیثیت سے ممتاز قومی رہنماؤں کی صف میں شریک ہے یہی وجہ ہے کہ رئیس الاحرار کی حیات افروز داستان، ہندوستان کی جنگ آزادی کی ایسی تاریخ بن گئی ہے جس کے مطالعہ سے نہ صرف غور و فکر کی نئی راہیں کھلتی ہیں بلکہ ان میں ان مسلم رہنماؤں کی جدوجہد کے وہ خطوط بھی ملتے ہیں جن کی بنیاد پر مسلم قوم کے روشن مستقبل کو تعمیر کرنے کے لئے مستقل سو سال تک سرفروشانہ جدوجہد کی گئی۔ اس اعتبار سے یہ کتاب سیاسی حقائق کی ایک اہم تاریخی دستاویز ہے جسے آج سے بہت پہلے شائع ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن اب بھی اس کی اشاعت تاریخی ضرورت کو پورا کرتی ہے اور ہندوستان کے سیاسی مفکرین کو ایک نئے اور غیر جانبدارانہ غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔

رئیس الاحرار مولانا جلیب الرحمن لدھیانوی کے پردادا حضرت مولانا شاہ عبدالقادر سید احمد شہید مولانا رشید احمد گنگوہی۔ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی

و غیر ہم کے ممتاز معاصرین میں تھے جنہوں نے پنجاب میں قومی اور انقلابی افواج کی رہنمائی کی اور دکنی پہنچ کر انگریزی افواج سے فتح پوری مسجد سے لے کر لال قلعہ کی دیواروں تک دست بستہ لڑے۔ بے شک انھیں اس جہم میں ناکامی ہوئی۔ لیکن وہ اپنے خاندان میں ایسی روح آزادی چھوڑ گئے جسے انگریزی دور کا بہیمانہ تشدد بھی ختم نہ کر سکا۔ ۱۸۵۷ء کی پہلی ناکام جنگ آزادی کے بعد ۱۸۵۷ء میں علمائے لدھیانہ پھرنے حوصلوں اور جرأت کے ساتھ میدان سیاست میں داخل ہوئے اور کانگریس کے قیام کے ساتھ ہی انھوں نے کانگریس کے حق میں فتویٰ دے کر ہندوستان کی آزادی کے لئے پہلے سیاسی مکتب خیال کی ابتداء کرنے میں نمایاں حصہ لیا اور اس طرح سیاسی تدبیر اور فکر کی دوررسی کی شان دار مثال قائم کی۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے خاندان کی اس فکری اور انقلابی روایت کو نہ صرف اپنایا بلکہ اسے آگے بھی بڑھایا۔ وہ ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں پورے چالیس سال تک شریک رہے اور ہمیشہ ایک سیاسی مفکر کی حیثیت سے منفرد رہے اور ایک سچے مجاہد کی طرح مصائب و آلام جھیلنے رہے۔ سامراجی تشدد کا نشانہ بنتے رہے۔ جیل جلتے رہے، اپنوں اور غیروں کی ستم رانیوں کا شکار ہوئے۔ آخر کار گھر سے بے گھر ہوئے اور اعلان آزادی کے ساتھ ہی انھیں لدھیانہ چھوڑ کر دہلی قیام کرنا پڑا لیکن اس پر بھی وہ دل برداشتہ نہ ہوئے بلکہ اسی بلند ہمتی اور استقلال کے ساتھ ہندوستان کی جمہوری اور سیکولر ریاست میں مسلمانوں کے با اثر وجود کے لئے کام کرتے رہے۔

رئیس الاحرار کا دور عظیم ملی رہنماؤں کا دور ہے۔ امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، مفتی اعظم حضرت علامہ کفایت اللہ صاحب، حکیم اجل خاں، ڈاکٹر انصاری، نقیب انقلاب سید عطار اللہ شاہ بخاری اور مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی

ان میں سے ہر ایک انفرادی عظمت کا حامل ہے۔ ان حریت پسندوں نے بے دریغ قربانیاں کر کے شدید مخالف ہواؤں میں بھی شمع آزادی کو روشن کئے رکھا۔ ہمہ رنگی میں بنیادی وحدت کے لحاظ سے رئیس الاحرار کا شمار بلاشبہ مذکورہ بالا حضرات کے ممتاز رفیقوں میں ہوتا ہے۔

میں اپنے طالب علمی کے دور سے ہی مولانا کی سیاسی بصیرت اور ان کی فکری عظمت سے متاثر رہا۔ آزادی سے قبل جب وہ ایک مرتبہ دیوبند تشریف لائے تو مجھے ان سے ذاتی تعارف کا شرف حاصل ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب ہمارے ملک کا سیاسی ماحول کشیدگی، ہیجان اور امیروہیم کے نقطہ عروج (CLIMAX) پر تھا۔ اور نرگہ پرست رہنماؤں نے ملک کو تشدد اور نفرت کے آتش فشاں کے دہانے پر لا کر بٹھا کر دیا تھا۔ مجھے اب بھی یاد ہے کہ مولانا نے تقسیم ملک کے اعلان کو ٹائم بمب (TIME BOMB) سے تشبیہ دے کر مسلمانوں کو اس کے ہولناک نتائج سے گاہ کیا تھا۔ اس مختصر سی صحبت کا نقش آج بھی میری بزم فکر کو روشن کئے ہوئے ہے۔ جب مولانا دہلی میں قیام پذیر ہوئے تو احقر کو بارہا ان کے در دولت پر حاضر ہونے اور فکر و نظر کے گوشوں کو منور کرنے کے مواقع ملے۔ یونیورسٹی کے دوران قیام میرا اصرار کئی بار ان کو علی گڑھ کھینچ کر لایا اور ہر بار طلباء نے ان کی تقاریر میں ایک نئی روشنی کا احساس کیا۔ طلباء علی گڑھ سے وہ بڑی شفقت اور محبت کرتے تھے۔ طلباء بھی ہجوم در ہجوم ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گھنٹوں ان کے ارشادات سے محفوظ و مستفیع ہوتے۔ مولانا علی گڑھ میں ذاکر صاحب کے وجود کو زبردست اہمیت دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں دعا کرتا رہتا ہوں کہ ذاکر صاحب کی رہنمائی میں علی گڑھ نئے ہندوستان کی تعمیر میں نمایاں کردار ادا کرے اور ایک بار پھر یہاں زندگی کے نئے اور صحت مندر و رابط کی بنیاد پڑے۔

محبت محترم مولانا عزیز الرحمن جامی اپنے والد صاحب کی یادداشتوں اور خطوط کو ایک عرصہ سے محفوظ کرتے رہے ہیں۔ یہی یادداشتیں اور دستاویزیں ہیں جو مولانا مرحوم کے سیاسی انداز فکر کو اجاگر کرتی ہیں اور ان کے سیاسی مرتبہ کو متعین کرتی ہیں اور تحریک آزادی کا فکری پس منظر پیش کرتی ہیں۔ تاریخی نقطہ نظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کتاب میں صدہا سالہ بکھرے ہوئے حالات کو جس مستند اور مفصل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے رئیس الاحرار کا درجہ مولانا آزادی تصنیف کے بعد دوسرا ہے۔ اس میں مجموعی حیثیت سے ہماری قومی تاریخ کی ٹھوس مگر غبار زدہ حقیقتیں پیش کی گئی ہیں اور تاریخی ثبوت کے ساتھ ان کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ سیاسی پس منظر کی تاریخی نوعیت اس خط و کتابت سے معلوم ہو جائے گی، جو رئیس الاحرار اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان مختلف مواقع پر ہوئی۔ ان خطوط کے علاوہ ہاتھ کا گاندھی اور ڈاکٹر راجندر پرشاد کے مراسلات نیز دیگر ہندوؤں کے خطوط بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں جو ابھی تک غیر مطبوعہ تھے۔ ان کی شمولیت سے اس کتاب نے ہندوستان کے سیاسی منظر و پس منظر میں سنگ میل کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وطن عزیز کی آزادی کے لئے جو عظیم اور سرفروشانہ کارنامے مسلمانوں نے انجام دیئے ہیں۔ ان کی فراہمی اور شیرازہ بندی قوم میں ایشاد و قربانی کے جذبات کو زندہ رکھنے اور ابھارنے کے لئے اشد ضروری ہے۔ اسی لئے موضوع اور مواد کے اعتبار سے یہ کتاب ایک ضخیم اور طویل سلسلے کی پہلی اور جاندار کڑی ہے جو AUTHENTIC بھی ہے اور (INSPIRING) بھی۔

مولانا عزیز الرحمن جامی نے اپنے والد محترم کی زندگی کے بارے میں واقعات کو جس تفصیل کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ وہ انہیں کا حق سمجھا کیوں کہ وہ ملکی سیاست میں

۱۹۳۹ء سے اپنے والد کے رفیق سفر رہے ہیں اور تحریک آزادی میں بذاتِ خود بھی
 پُر جوش حصہ لیا ہے۔ ان کا شمار پنجاب کے چوٹی کے سرگرم قوم پرور مسلم نوجوانوں
 میں رہا ہے۔ بطور اخبار نویس کے بھی آپ نے تحریک آزادی میں نمایاں حصہ لیا ہے۔
 اور آج بھی ملک کی ترقی اور قوم کے سیاسی، سماجی اور تعلیمی میدان میں سرگرم
 حصہ لے رہے ہیں۔

کتاب کی زبان ادبی بھی ہے اور عوامی بھی۔ فاضل مصنف نے سیاسی تاریخ کو
 بڑے دل چسپ اور مؤثر پیرایہ میں بیان کیا ہے اور ہر مقام پر ادبی حسن کو قائم
 رکھا ہے۔

سیاسی اصطلاحات میں ادبی رچاؤ ہے اور اختلافی مسائل میں ادب و احترام
 کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ نیز تاریخی واقعات کی ترتیب میں فنِ تاریخ اور غریب
 داری کے جذبے سے کام لے کر عزیز صاحب نے سیاسی لٹریچر میں ایک پاکیزہ روایت
 کو قائم کیا ہے جس کے لئے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ خدا ان کو ہمت عطا کرے کہ
 وہ اسی محنت اور شغف کے ساتھ اپنے علمی و تاریخی جستجو کے ذوق کو جاری رکھیں۔ آمین
 ظہیر الدین صدیقی ایم اے ایل ایل بی علیگنائب سیکریٹری ثقافت بورڈ دہلی

پانی بلڈنگ حویلی حسام الدین حیدر

بلیماران - دہلی ۲۰

۲۶ اگست ۱۹۷۵ء

مولانا حبیب الرحمن صالہ دھیانوی: چند نقوش و تاثرات

حافظ پروردگار نے سے یاد آتا ہے کہ مولانا کی سب سے پہلی زیارت ۱۹۲۹ء یا ۱۹۳۰ء کو لاہور کے ایک جلسہ عام میں ہوئی تھی جو مجلس احرار کے زیر اہتمام بیرون دہلی دروازہ یا موچی دروازہ منعقد ہوا تھا، غالباً مجلس احرار کی بنیاد بھی اس وقت نئی نئی پڑی تھی۔

پہلے روز جلسے میں مولانا سید عطار اللہ شاہ بخاری کی تقریر ہوئی، انھوں نے حاضرین جلسہ کو جو ہزاروں کی تعداد میں تھے یہ مژدہ سنایا کہ کل فلاں گاڑی سے صدر مجلس احرار مولانا حبیب الرحمن لہ دھیانوی آرہے ہیں۔ آپ لوگ اسٹیشن پران کا استقبال کریں۔ یاد نہیں کہ اس سے پہلے یہ نام کانوں میں پڑ چکا تھا یا نہیں؟ قرینہ ہے کہ ضرور پڑ چکا ہوگا، اس لئے کہ ۱۹۲۶ء ۱۹۲۷ء عری سے زمیندار نظر سے گزرتا تھا اور ہم لوگ لکھنؤ میں اس کو بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے تھے۔ یہ بات بہت بعید از قیاس ہے کہ اس کے صفحات پر اس مجاہد جنگ آزادی و سرخیل احرار کا نام بار بار نہ آیا ہو۔

ٹھیک یاد نہیں غالباً ۱۹۳۰ء یا ۱۹۳۱ء ہو گا میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بندر سی فرانس انجام دیتا تھا، اسی زمانے میں سیرت سید احمد شہید لکھنے کا خیال پیدا ہوا میں اپنے ایک عزیز شاگرد کے ساتھ لکھنؤ سے ہردوئی کے لئے پنجاب میل میں سوار ہوا، اسی درجہ میں مولانا حبیب الرحمن صاحب بھی سفر کر رہے تھے، کشیدہ قامت، چہرہ سرخ و سفید، پیشانی اور آنکھوں سے ذہانت اور اعتماد کا اظہار، غالباً میرے بھائی صاحب (ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی صاحب) سے لکھنؤ میں وہ بار بار مل چکے تھے۔ اسی تقرب سے میری طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کا ذکر آیا، فرمایا

کہ ”ہمارے بزرگ مولانا عبدالقادر صاحب اور ان کے شیخ و مرشد حضرت شاہ عبدالرحیم

صاحب جن کی رائے پور میں خانقاہ ہے، سید صاحب کے بڑے معتقد تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق دلایا، پوری گفتگو یاد نہیں۔

اس کے بعد وہ وقت آیا کہ جب میرا رائے پور سے خصوصی تعلق پیدا ہوا اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد حاضری کی سعادت حاصل ہونے لگی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب، مولانا حبیب الرحمن کے آنے سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جس میں محبت و احترام دونوں شامل ہیں۔ لیکن محبت کا پلہ بھاری ہے۔ اپنی چار پائی کے سامنے ان کے لئے چار پائی بچھواتے ہیں، ٹکے رکھواتے ہیں، حضرت کی مجلس میں کم لوگ اتنی بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں جتنی مولانا۔ حضرت ان کی باتیں بغور سنتے ہیں، وہ بھی حضرت کا احترام شیخ و مرشد کی طرح کرتے ہیں لیکن اس میں بھی محبت اور ناز کی ایک آمیزش ہوتی ہے جو نتیجہ ہے قدیم نیاز مندی، بڑے حضرت رائے پوری سے براہ راست تعلق، اور بزرگان لدھیانہ، خصوصاً مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانوی کی دینی خدمات، مجاہدانہ جذبات، حمیت دینی اور ایشانہ قربانی کا۔ جس کا حضرت کے یہاں بڑا درجہ، اور اعتراف تھا۔

بعض مرتبہ مولانا کی گفتگو، ان کا نقطہ نظر اور ان کے تبصرے بہت سے حاضرین مجلس کے لئے نامانوس، اور بعض اوقات وجہ آزمائش بن جاتے، لیکن حضرت کا ان کے ساتھ طرز عمل دیکھ کر کسی کو تردید یا مناظرہ و مباحثہ کی جرأت نہ ہوتی۔ البتہ بعض بے تکلف شرکار جن کا بڑے حضرت سے قربت کا تعلق بھی تھا اور حضرت بھی ان کی دلداری فرماتے تھے کچھ سوال و جواب کر لیتے اور کبھی کبھی سخن گسترانہ باتیں بھی ہو جاتیں۔ لیکن سب احنیاب و اعتدال کے ساتھ۔

دو ایک بار اس کا بھی موقع آیا کہ حضرت کا قیام خاص مولانا کے مکان واقع کوچہ رحمن بلیار ان میں ہوا۔ یہاں ہفتے ہفتے، عشرے عشرے قیام رہتا۔ راقم السطور کو بھی دو ایک بار

معیت کا شرف اور مولانا کا مہمان بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔

مولانا، حضرت کے معمولات، ضروریات اور مزاج و مذاق سے پورے طور پر واقف تھے اور اس کی رعایت فرماتے تھے، حضرت بھی اس قیام پر خصوصی یگانگت کی بنا پر بہت منشرح اور بے تکلف ہوتے۔ بڑی پر لطف مجلسیں رہتیں جن میں حالات حاضرہ، دینی و ملی سیاست، پرانے تجربات و حقائق اور اصلاح نفس و اصلاح باطن کی لطیف آمیزش ہوتی تھی۔ حضرت کا قیام جب قصاب پورہ (نواب والی مسجد) میں ہوتا اور وہ اکثر طویل ہوتا تو صبح ہوا خوری کے وقت (جو اکثر پرانی عید گاہ کی طرف ہوتی) مولانا ساتھ ہوتے اور بے تکلف گفتگو فرماتے رہتے۔ حضرت بھی اس سے لطف لیتے۔ بعض خدام جن میں یہ راقم آٹم بھی شریک ہے مولانا کے بعض خیالات سے اتفاق نہ کر سکتا، ادب کے ساتھ اس سے اختلاف کرتا۔ واپسی تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ لیکن کسی تلخی اور تجاوز عن الحدود کی نوبت نہ آتی۔ حضرت کی گفتگو اکثر قول فیصل کا کام دیتی اور اجاب و خدام کے اس فیرازے کو مجتمع رکھتی۔ دہلی کے قیام کے زمانے میں مولانا زیادہ سے زیادہ وقت حضرت کی خدمت میں گزارنے کی کوشش کرتے اور حضرت کو بھی گویا ان کا انتظار ہی رہتا۔

حضرت رائے پوری جب لکھنؤ تشریف لاتے اور طویل قیام فرماتے اور ایسا ۳، ۴ بار ہوا، تو اکثر مولانا ساتھ ہوتے یا بعد میں آکر شامل ہو جاتے۔ ایسا ایک دو بار دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانے میں اور دو تین مرتبہ تبلیغی مرکز واقع کچہری روڈ میں ہوا۔ اس وقت مجالس کا لطف دو بالا ہو جاتا۔

حضرت کا مولانا اور ان کے خاندان سے کیا تعلق تھا۔ کس طرح ان کو اس خاندان کا بچہ بچہ عزیز تھا۔ کس خوشی سے لدھیانہ تشریف لے جاتے اور ان کے یہاں قیام کرتے، مجلس احرار کے ساتھ آپ کا کیا مربیانہ و سرپرستانہ تعلق تھا، مولانا کے جیل جانے سے (جس کی نوبت اکثر پیش آتی تھی) حضرت کو کس قدر فکر اور تعلق خاطر پیدا ہو جاتا، اس سبکی تفصیل

سوانح حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری میں آگئی ہے۔ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔
 مولانا کے سیاسی خیالات و نظریات سے پورا اتفاق نہ ممکن تھا نہ ضروری۔ ان
 کے خیالات و رجحانات سے بھی جو ان کے ذاتی تجربوں اور خاص طرح کی تربیت و ماحول سے
 پیدا ہوئے تھے، ہم آہنگی بھی کسی معاصر کے لئے خواہ وہ خرد و نیاز مند ہو ضروری نہیں۔ لیکن جس
 چیز میں زیادہ قیل و قال کی گنجائش نہیں وہ ان کا جذبہ حریت، انگریز دشمنی، وطن دوستی،
 اخلاقی بلندی، شخصیت کی دلاویزی اور ایک خاص طرح کا قائدانہ بائیکاٹ ہے جو خود اعتمادی،
 پاکیزہ زندگی اور خلوص کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔

ان چند سطروں کو لکھ کر یہ نیاز مند بھی اس جرم میں شرکت کی سعادت حاصل کرتا ہے جو
 مولانا کے ذکر خیر کے لئے سجائی گئی ہے۔ غفر اللہ لہ! والحقم با بانی الاما لحسین و
 شیوخہ المقبولین

ابوالحسن علی۔ ناظم ندوۃ العلماء و صدر مدرس ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ

۱۰ شعبان ۱۳۹۵ھ

۱۸ اگست ۱۹۷۵ء



وہ فخر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی	کسے خبر کہ ہزاروں مہتمم رکھتا ہے
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی	خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
اسی مقام سے آدم ہے ظل سبحانی	یہی مقام ہے مومن کی قوتوں کا عیار

یہ جبر و قہر نہیں ہے، یہ عشق و مستی ہے

کہ جبر و قہر سے ممکن نہیں جہاں بانی

(اقبال)

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

یہ کہنے میں مبالغہ نہیں کہ برصغیر کی صحیح تاریخ اب تک ضابطہ تحریر میں نہیں آئی۔
 انیسویں اور بیسویں صدی کے سیاسی حالات پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں سے اکثر کسی ایک
 نقطہ نظر کو ثابت کرنے کے لئے لکھا گیا ہے۔ آزادی وطن تقسیم ہندوستان کی شکل میں
 عالم وجود میں آئی۔ بد قسمتی سے تقسیم ہند کی تمام تر ذمہ داری برادران وطن نے مسلم لیگ
 کے لاہور رزلوشن سن ۱۹۴۷ء کے سبب مسلمانوں پر ڈال دی۔ پاکستان کے رہنماؤں اور
 مورخین نے اس واقعہ کو اپنی سات سالہ جدوجہد کا حاصل سمجھا۔ ہندوستان کا
 مسلمان جس نے بے سوچے سمجھے پاکستان کی تجویز کا ساتھ دیا تھا، وہ سیاسی محرکات کو
 سمجھنے سے قاصر رہا تھا اس طرح حالات سے مرعوب ہوا کہ وہ خود اپنی نگاہ میں مجرم
 بن گیا۔ اس سیاسی قضیہ میں کسی کو یہ مہلت نہ ملی کہ وہ صحیح طریقہ پر انیسویں اور بیسویں
 صدی کی سیاسی اور سماجی اصلاح کی تحریکوں پر غور کر کے حالات کا تجزیہ کر سکے اور انصاف
 کے ساتھ یہ بتائے کہ آخر مسلمانوں نے سن ۱۹۴۷ء تک کسی علیحدہ وطن کا مطالبہ کیوں نہیں کیا۔
 اور اگر پاکستان کا مطالبہ درحقیقت ایک آئیڈیولوجیکل اسٹیٹ کا مسئلہ تھا تو جہاد حسب
 فی کیوں کینٹ مشن کی تجاویز کو قبول کیا اور کانگریس کیوں ان تجاویز کو قبول کرنے کے
 بعد منحرف ہوئی؟ پھر یہ مسئلہ بھی قابل غور ہے کہ اس پر آشوب دور میں جب کہ ہندو
 مسلمان کی تفریق برصغیر کی سیاست میں واضح ہوتی جا رہی تھی آخر کیوں علماء اور قوم پرست
 مسلمانوں کے گروہ نے کانگریس کا ساتھ دیا۔ یہی سرفروشان وطن کا گروہ تھا جس نے
 آخر تک تقسیم وطن کو ماننے سے انکار کیا اور ان ہندو کانگریسی رہنماؤں سے جن سے ان
 کے پرانے روابط اور علاقائی تعلق عین صبح آزادی طلوع ہونے کے وقت ہر پیکار ہو گیا۔

درحقیقت برصغیر کی تاریخ کے صحیح رخ کا قوم پرست مسلمانوں کے نقطہ نظر کو سمجھے بغیر تعین کرنا ممکن نہیں یہ مسلمان جو عزت کے طالب نہ تھے کہ اپنی ملی قیادت کی سادھ کو قربان کر کے آزادی وطن اور اتحاد ہندوستان کی خاطر انھوں نے ہندو رہنماؤں سے اشتراک عمل کیا تھا۔ یہ لوگ عہدوں کا لالچ بھی نہ رکھتے تھے کہ ان کا سرمایہ اپنا زاویہ اور بوریہ تھا جس پر یہ آخر تک قائم رہے۔ مولانا آزاد نے پارلیمنٹ میں فرقہ پرستوں کے جواب میں ایک بار فرمایا تھا کہ ”جو شخص لالچ نہیں رکھتا وہ بے پناہ ہو جاتا ہے اور بے پناہ شخص کو ملکا بھی نہیں قتل کر سکتی“ قوم پرست مسلمانوں کی آواز ضمیر کی آواز تھی۔ ملک و ملت کے مفادات کا تحفظ ان کا بنیادی فرض تھا۔ اس فرض کو انھوں نے کھٹن حالات اور پراشتوب دور میں جس طریقہ سے نبایا اس کو سمجھنا آسان کام نہیں۔

افسوس کہ ان بلاکشان صادق کی طبعی منکسر المزاجی نے کبھی انھیں اپنی سوانح نگار لکھنے پر نہ اکسایا۔ اور اگر کبھی کچھ لکھا تو اس میں اپنی ذاتی عظمت پر پردہ ڈالنے کی پوری کوشش کی۔ ان حضرات نے تاریخ کے ہر موڑ پر صدق بیانی کے جادہ سے منہ نہ موڑا۔ مجھے وہ شام یاد ہے جب میں حضرت مولانا حبیب الرحمن کی خدمت میں مسلم یونیورسٹی کے طلباء کا ایک وفد لے کر حاضر ہوا کہ ان کو علی گڑھ تشریف آوری کی دعوت دے سکوں۔ مولانا سے لوں تو مدتوں سے خاندانی طور پر نیاز تھا لیکن اس دن ہم نوجوانوں کو دیکھ کر مولانا کو ایسا شرح صدر ہوا کہ وہ گھنٹوں اپنے سیاسی کوائف پر اظہار خیال فرماتے رہے۔ دوران گفتگو انھوں نے بار بار تقسیم وطن کی بڑی ذمہ داری ہندو کی روش اور کانگریسی لیڈروں کی بے اعتدالی اور مصلحت پسندی پر ڈالی۔ مولانا ایک ڈاکٹر کی طرح حالات کا تجزیہ فرماتے رہے اور بتاتے رہے کہ کس طرح وہ جہاں گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو اور دیگر کانگریسی رہنماؤں کو ان کی غلطیوں پر متنبہ کرتے رہے لیکن سیاسی مصلحت نے آخر کو عاجلہ پرستان کیا اور اصولوں کو نظر انداز کر کے مصالح وقت کے آگے سر جھکایا۔

حضرت مولانا کے خیالات کو کوئی ایسا شخص جو ان کی شخصیت کی عظمت سے واقف نہیں ہے ایک بوڑھے ناکام سیاست داں کی حسرتوں کا حساب کہہ سکتا تھا لیکن ہماری خوش نصیبی سے مولانا عزیز الرحمن صاحب لدھیانوی نے مولانا کے خطوط مرتب کر کے ہمیں اس عظیم شخصیت کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھنے کا موقع دیا ہے۔ جو کچھ میں نے مولانا کی زبان سے سنا ان کو من دعن میں ان خطوط میں پاتا ہوں۔ یہ خطوط صرف مولانا کی شخصیت کے ہی ترجمان نہیں ہیں بلکہ اس آزاد ذہن کی ناسندگی کرتے ہیں جس نے مصالحہ وقت سے بے پرواہ ہو کر اپنے فرائض کو ادا کیا۔ مورخ کے لئے ان خطوط میں عظیم اور نادردر خزانہ ہے۔ ان خطوط کے بغیر ہماری تاریخی معلومات ہندوستان کی تاریخ کے اہم دور کے متعلق ادھوری تھیں۔ افسوس ہے کہ اس طرح کے خطوط اور اکابر کی زندگی سے متعلق مرتب نہیں ہوئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کام پر ہماری نوجوان نسل فوری توجہ دے تاکہ تاریخ اپنے اصلی رنگ میں ہمارے سامنے آ سکے۔

یہ خطوط محض ایک ماضی کا آئینہ نہیں ہیں بلکہ مستقبل کے لئے ایک سبق بھی ہیں۔ یہ سبق خود مولانا کی زندگی بھی تھی اور اب یہ خطوط بھی ہیں کہ حق کی آواز مصلحت وقت کی پابند نہیں ہوتی اگر تدبیر و حکمت کے مشوروں کو کوئی قوم یا جماعت نظر انداز کرے تو اس کا مستقبل انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ یوں محض حق کوئی بھی کوئی بڑا کمال نہیں، حق کی آواز تدبیر و حکمت کی آواز بھی ہونی چاہئے اور مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی آواز ایسی ہی آواز تھی۔

علامہ انور صابری نے ۱۴۳۷ھ میں فرمایا تھا: ۷

کوئی سنے نہ سنے الفتلاب کی آواز

پکارنے کی صدوں تک تو ہم پکار آئے

مسلمانوں کا مزاج جو سیاسی ہنگامی زندگی سے متاثر رہا اور نعرہ بازی سے مرعوب۔

مولانا کی آواز کو نہ سن سکا، لیکن اس کے ساتھ ہی مصالحہ وقت نے ہندو رہنماؤں کو اس

طرح متاثر کیا کہ وہ بھی ان سچے بے باک ہمدردوں کی زبان نہ سمجھ سکے۔ ان ہمدردوں نے اپنا فرض ادا کیا۔ اگرچہ اس وقت ان کی آواز سنی ان سنی کر دی گئی۔ میں نے اس قومی محرومی کو ایک شعر میں یوں کہا ہے۔

آخر کار جو ہونا تھا وہی ہو کے رہا

مدقوں ہم نے جو ہونا تھا وہ ہونے نہ دیا (عابد اللہ غازی)

ہر ماضی مستقبل کے لئے ایک سبق ہے۔ مولانا کے افکار ہمارے لئے ماضی کا ایک ایک سبق بھی ہیں اور مستقبل کے لئے شمع راہ بھی۔

مولانا کی شخصیت پر مجھ جیسا مبتدی کچھ کہنے کے قابل نہیں۔ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں نے مولانا کی آنکھیں دیکھی ہیں اور ان کی شفقت کا مریہون منت رہا ہوں، ان کے بارے میں مشہور مورخ ڈاکٹر تارا چند کا یہ قول درست ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی

۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۶ء تک

”ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے تری محفل میں ہو“

ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ جو حکومت ہند کے مشہور مورخ ادیب اور سفیر حکومت ہند ڈاکٹر تارا چند نے مرتب کی ہے اور اس کی اشاعت حکومت کے پبلیکیشن ڈویژن نے کی ہے۔ جنگ آزادی کی تاریخ حصہ سوئم میں ہندوستان کا مشہور مورخ ڈاکٹر تارا چند رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے بارے میں پوری فراخ دلی سے اس طرح ان کا تذکرہ کرتا ہے جو ہندوستان کی تاریخ میں سنہری حروف ہیں

عابد اللہ غازی (ایم، اے، پی، ایچ، ڈی) ہارڈ یونیورسٹی امریکہ۔

مولانا شاہ عبدالقادر رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے جلا مجد تھے انھوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریز کمپنی کی حکومت کے خلاف کھلم کھلا فوجی اور جنگی بغاوت کی۔

اور ہندوستان کی آخری جنگ آزادی لڑنے کے لئے فوجی کمان سنبھالی۔ ان کی کمان میں
 لڑھیلے سے جنگ آزادی کی فوج نے دلی کی طرف رخ کیا۔ دلی پہنچ کر وہ اور ان کی فوج
 بہادر شاہ ظفر کی کمان کے ماتحت مسجد فتح پوری سے لے کر فوارہ تک مسلح انگریزی افواج
 سے لڑتے رہے۔ ان کے ساتھ ٹوپ خانہ بھی تھا (اور پوری فوج سفرینا بٹالین تھی، اور ریپا
 ٹونک فوجی دستے بھی)

بہادر شاہ ظفر کے بھائی مولانا شاہ عبدالقادر پنجاب کی جنگ آزادی کی فوج کے کمانڈر
 انجینئر کی حیثیت سے اپنی فوجی صلاحیت کی بنا پر اپنے خاندان اور اپنی فوج کو دلی سے لے کر ٹیپالہ
 کے جنگلات میں روپوش ہو گئے اور اسی دوران ان کا انتقال ہو گیا۔ اور مولانا شاہ
 عبدالقادر قصبہ سترائے میں دفن ہوئے اور ان کے صاحب زادے لڑھیلے چلے گئے۔
 رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کے جدا مجد مولانا شاہ عبدالقادر کے صاحبزادوں
 نے اپنے مشن کو قائم اور جاری رکھا۔ مولانا شاہ محمد جو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کے
 دادا تھے۔ انھوں نے سرسید کی قائم کردہ جماعت

پیر و پیٹک ایسوسی ایشن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور سرسید کی اس جماعت کو ہندوستانیوں کے لئے
 نہر قاتل قرار دیا گیا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کی راہ میں اس تحریک سے آنے والے خطرناک
 نتائج سے ہندوستانی مسلمانوں کو آگاہ کیا کیونکہ سرسید کی تحریک ہندوؤں اور مسلمانوں
 میں منافرت کا پہلا بیج بونے کے مترادف تھی۔

مولانا شاہ محمد نے کانگریس کے ابتدائی ایجنڈے میں جس کی سرسید سرگرمی اور پرچوش
 طریقے سے مخالفت کر رہے تھے ان کی مخالفت کے جواب میں مولانا شاہ محمد نے کانگریس کے
 حق میں اور ہندوؤں کے ساتھ بھائی چارہ قائم کرنے کے لئے ایک فتویٰ نصرت الابرار کے
 نام سے شائع کیا اور اس پر ہندوستان اور ارجاز مقدس (اور دیگر اسلامی ممالک کے
 ہزاروں علماء کے دستخط کرا کے یہ فتویٰ مولانا شاہ محمد نے ۱۸۸۶ء میں مرتب کیا اور ۱۸۸۷ء

کانگریس کے اجلاس الہ آباد کے موقع پر تقسیم کیا۔ اس فتویٰ میں تفصیل کے ساتھ سرسید کی آزادی کش تحریک اور جماعت پٹری کا وہ ایسوسی ایشن کو ناجائز قرار دے کر ہندوستانی عوام کے سامنے شرعی اور اسلامی نقطہ نظر پیش کیا (ڈاکٹر تیار ساجند کی تاریخ کے علاوہ مولانا طفیل احمد صاحب مصنف مسلمانوں کا روشن مستقبل نے اور ڈاکٹر راجندر پرشاد صد جمہوریہ ہند نے اپنی کتاب ہندوستان کے مستقبل میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن اور ان کے جد امجد مولانا شاہ عبدالقادر اور ان کے دادا مولانا شاہ محمد رئیس الاحرار کے خسر مولانا شاہ عبدالعزیز کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے اور ان کی کتابوں میں یہ تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں اور نصرت الابرار عنقریب دوبارہ مولانا عزیز الرحمن جانی لدھیانوی جو کہ مولانا عبدالقادر کی ساتویں پشت میں ہیں تیسری دفعہ شائع کر رہے ہیں نصرت الابرار میں ٹبری خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب میں مولانا رشید احمد گنگوہی نے علماء لدھیانہ شاہ محمد اور شاہ عبدالعزیز سے معافی مانگ کر نصرت الابرار کے اس فتویٰ پر دستخط کئے جو کہ شاہ محمد نے مرتب کیا تھا جس کی ابتداء فی مخالفت مولانا رشید احمد گنگوہی نے غلط فہمی کی بنا پر کی تھی اور یہ بات ایک کھلا ہوا جھوٹ اور غلط ہے کہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے یا علماء دیوبند نے کوئی فتویٰ کانگریس کے حق میں دیا تھا)

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کے دادا مولانا شاہ محمد اور ان کے خسر مولانا شاہ عبدالعزیز نے اپنے علم و فضل، تقویٰ و سخاوت، تدبیر و حکمت عملی، فراست، ذہانت، فطانت

۱۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد حضرت مولانا گنگوہی نے سیاسی رخ بدل دیا تھا۔ وہ سرسید کے ساتھ ہو گئے تھے۔ لیکن یار لوگوں نے حضرت گنگوہی کے نام سے علماء لدھیانہ مولانا شاہ محمد رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف سرسید کے حق میں حضرت گنگوہی کا فتویٰ شائع کر دیا۔ جس کے بعد علماء لدھیانہ نے حضرت گنگوہی کو خط لکھا۔ اس خط پر حضرت گنگوہی نے طویل معذرت نامہ لکھ کر کانگریس کے حق میں فتویٰ دینے والے علماء کی تائید میں دستخط کر دیے۔ عابد اللہ غازی۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی

بے باکی اور عوام میں ایک پاکیزہ مقبولیت کی بنا پر لدھیانے کو پنجاب میں جنگ آزادی کا مرکزی
 شہر بنادیا۔ پنجاب کے عوام و خواص، ہندو مسلمان صاحب حیثیت اور مالدار دانش ور
 اور وکلاء وغیرہ پنجاب کے ہر طبقہ خیال کے لوگ علماء لدھیانے کی زیر نگرانی و زیر سرپرستی اور
 ان کے وعظ و نصیحت کی بنا پر ہندوستان کی آزادی کے رضا کار اور صحیح معنوں میں نیشنلسٹ
 بن گئے اور انگریز کی آرکائز میں لدھیانے کے علماء اور عوام و خواص کے بارے میں یہ فتویٰ
 صادر کر دیا گیا کہ علماء کے ساتھ لدھیانے کے شہری بھی انگریز کے باغی ہیں (اس
 تحریک کا ذکر لدھیانے کے عام شہریوں کا نقطہ خیال اور علماء لدھیانے کی جدوجہد آزادی
 کے بارے میں مسٹر سادو نے اپنی کتاب ہندوستان کی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں تفصیل
 سے لکھا ہے)

جنگ آزادی کی تحریک کو دن بہ دن لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھانے کے لئے مولانا شاہ محمد
 کی تجویز اور اشارے پر ۱۸۹۶ء میں ایک انگریزی اخبار آہنہ در کے نام سے شائع ہونا شروع
 ہوا۔ اس اخبار میں انگریزی حکومت پر شدید نکتہ چینی کی جاتی تھی۔ اس اخبار نے یہ سلسلہ
 ۱۹۱۳ء کی جنگ بلقان تک جاری رکھا۔ بلقان دار کے فوری بعد پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء
 میں اس اخبار کو بند کر دیا گیا (اس کے ایڈیٹر جس کا نام خواجہ احمد شاہ تھا چار سال تک
 مقدمہ چلایا۔ آخر پر لوی کونسل میں خواجہ احمد شاہ کو کامیابی حاصل ہوئی اور ہندوستان کی
 انگریزی حکومت کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ مگر اسی عرصہ میں اخبار آہنہ در کا پریس ہو کہ لاہور
 میں تھا اس کی ساری مشینری برباد ہو چکی تھی اور وہ اس قابل نہ رہ گیا تھا کہ اس سے دوبارہ
 آہنہ در شائع کیا جائے۔ آہنہ در کے پہلے ایڈیٹر علی الترتیب سر فضل حسین جو اس وقت کانگریس
 کمیٹی پنجاب کے صدر تھے اور دوسرے ڈاکٹر سر عبدالقادر جو اس زمانے کے آزاد خیال
 بیسٹروں میں تھے اور تیسرے ملک برکت علی نج کے عہدے سے استعفا دے کر علماء لدھیانے
 کی ہدایت پر اس اخبار کے ایڈیٹر بنے تھے، ان تینوں آدمیوں کو بلقان دار سے لے کر ۱۹۱۳ء

کی جنگ کے آخر تک بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۹۱۹ء میں جوہنہی گاندھی جی نے تحریک خلافت کی رہنمائی کا اعلان کیا، کانگریس اور تحریک خلافت کو ایک ہی جماعت قرار دے کر ایک ہی کمانڈر اور ایک ہی نصب العین کے ماتحت ہندوستان کی جنگ آزادی کے لئے تحریک عدم تعاون یا لا تعاون شروع کی جس کا مطلب انگریزی اشیاء کا بائیکاٹ، ترکوں کی مدد ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ تھا۔

اس اعلان کے ہوتے ہی پنجاب کے جنگ آزادی کے مرکز لدھیانہ سے مولانا شاہ عبدالقادر کے پوتے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، گاندھی جی کی چھائی ہوئی تحریک میں شامل ہو گئے اور یہ واحد شخصیت تھی جس نے خلافت مومنٹ اور گاندھی جی کی تحریک ستیگرہ کو ایک ساتھ چلایا۔ اس وقت رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کی عمر ساٹھ سال تھی۔ وہ پہلے دن سے کانگریس میں شامل ہوئے اور آخری دن ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کی صبح اقدار کے دن آٹھ بجے تک کانگریس کے ساتھ رہے۔

کانگریس میں ان کا کردار ایک انفرادی کردار تھا وہ نہایت فہیم اور اپنے اصولوں کے پکے تھے اور دوسروں کے نظریات پر اصولی اور با دلیل تنقید کرتے تھے۔ اس ضمن میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے بارہا گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال کے نظریات کو رد کیا اور ان کی جگہ نہایت ہی سلجھے ہوئے اور منطقی نظریات پیش کئے۔ گاندھی جی اور پنڈت جی نے ہمیشہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کی قدر کی۔ مجلس احرار اسلام ہند، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن کا دوسرا نام تھا۔

۱۹۲۹ء میں جب کہ راوی کے کنارے پہلی دفعہ کانگریس نے مکمل آزادی کا ریزولوشن پاس کر کے ہنرورپورٹ کو گاندھی جی کے ہاتھوں دریائے راوی میں غرق کر دیا، اس وقت مولانا ابوالکلام آزاد کی رہنمائی اور ارشاد و ہدایت پر لاہور میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن اور ان کے ساتھیوں نے مجلس احرار اسلام ہند قائم کی جس کا مرکزی نصب العین ہندوستان

کی آزادی اور کانگریس کے ساتھ تعاون قرار دیا گیا۔ مجلس احرار کے اصول و قواعد کے تحت
نصب العین کی تشریح ہندوستان سے انگریزی حکومت کا خاتمہ، اقوام ہند میں میل جول
پیدا کرنا قرار دیا گیا۔ مجلس احرار اسلام ہند کے چیدہ چیدہ اصول یہ تھے۔

(۱) ہندوستان کی کامل آزادی (۲) ہندوستان کی جنگ آزادی میں تہذیبی،
تمدنی، تعلیمی آزادی کا اقوام ہند کے لئے پورا خیال رکھا جائے گا اور یہ بات بنیادی قرار
دی جائے گی کہ ہندوستان کی آزادی کے بعد اقتصادی، تعلیمی اور تمدنی آزادی لازمی جز
ہے اور چھوت چھات کو پورے طور پر ختم کیا جائے گا (۳) ہندوستان کی کامل آزادی کے
بعد صوبائی آزادی کی ضمانت دی جائے گی اور صوبوں کے اختیارات تہذیبی، تمدنی اور
تعلیمی اعتبار سے مکمل اختیارات ہوں گے اور اس میں مرکز مداخلت نہیں کرے گا یعنی صوبوں
کی مکمل آزادی فیڈرل گورنمنٹ کے ماتحت ایک تسلیم شدہ حقیقت ہوگی (۴) (الف) مرکزی
فیڈرل حکومت کے تحت صوبوں کو جو آزادی حاصل ہوگی اس میں اقلیتوں کو دس فیصدی
تعلیمی، تہذیبی، تمدنی اور اقتصادی حقوق دیئے جائیں گے۔ (ب) اکثریت کے صوبوں میں
مسلمانوں کے مذہبی قوانین ۳۰ فی صدی ووٹوں کے بغیر طے نہیں کئے جائیں گے اور مسلمانوں
کی مذہبی، تمدنی اور تہذیبی آزادی کو تسلیم کیا جائے گا اور اس میں صوبائی حکومتوں کی طرف
سے کوئی دخل نہیں دیا جائے گا۔ (ج) مرکزی فیڈرل گورنمنٹ میں جو سپریم کورٹ بنایا جائے گا
اس میں ہندو مسلم عیسائی برابر کے جج شریک ہوں گے۔ (د) ہندوستان کے مسلم اوقاف میں
کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے گی اور مسلمانوں کو اپنے ٹرسٹ قائم کرنے کی کھلی آزادی ہوگی۔
(ک) ہندوستان کی مرکزی فوج میں مسلمان اور دوسری اقلیتوں کے افراد بلا کسی تعصب کے
برابر کے بھرتی کئے جائیں گے۔ (و) ہندوستان کے پس ماندہ اور اقتصادی لحاظ سے
کمزور صوبوں کی فیڈرل گورنمنٹ بھرپور مدد کرے گی اور صوبوں میں امتیاز قائم نہ کیا جائے گا۔
(ز) اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کی اسمبلی اور دوسرے نمائندہ اداروں میں ایک ایسی تعداد

منتخب ہونے کے لئے منظور کی جائے گی جس پر اقلیت کا اعتماد قائم رہ سکے۔ اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کو کم سے کم تیس فی صد ووٹ دیا جائے گا۔ (ح) ہندوستان کی مرکزی حکومت اقلیتوں کی مذہبی، تہذیبی، تمدنی، روحانی، اقتصادی روایات میں کوئی مداخلت نہیں کرے گی، بلکہ اقلیتیں اس بارے میں جو فیصلہ کریں گی انہیں مرکزی فیڈرل گورنمنٹ کو منظور کرنا ہوگا۔ (ط) ہندوستان کی اسلامی زندگی اور مسلم پرسنل لا جو کہ مسلمانوں کے بنیادی مذہبی حق ہیں اور ان کے بغیر مسلمانوں کی بنیادی حقیقتیں ختم ہو جاتی ہیں اس لئے مسلم پرسنل لا میں مرکزی فیڈرل گورنمنٹ مداخلت نہ کرے گی اور نہ ہی صوبے اس میں مداخلت کریں گے۔ (ی) مذہبی مقدمات مسلمان ججوں کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔

یہ وہ زندگی ہے جو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن سے لے کر مولانا شاہ عبدالقادر تک تاریخ کے سنہری حروف ہیں۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن دس سال تک احمدیہ کے صدر رہے۔ ۱۹۱۹ء سے ۵ جولائی ۱۹۳۵ء تک چھ دفعہ جلیوں میں گئے اور نظر بند رہے۔ مولانا کی کل مدت اسیری اور نظر بندی ۱۳ سال چھ ماہ ہے۔ مولانا کی زیر صدارت مسلمانوں کے لئے جن حقوق کا مطالبہ کیا گیا ہے ان حقوق کا اور ان کی زندگی کا ڈاکٹر ناراجند کی تحریر کردہ یادداشتوں سے باخبر رہ کر ترجمہ کیا گیا۔ ڈاکٹر ناراجند کی تحریریں گورنمنٹ کی مستند کتاب ہسٹری آف دی فریڈیم موومنٹ ان انڈیا بابت ناراجند میں صفحہ ۲۸۲ د ۲۸۳ پر تحریر ہیں۔

مسلم لیگ کے نظریہ پاکستان کے برخلاف مجلس احمدیہ اسلام ہند نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں جو قربانیاں دی ہیں، مصائب، مشکلات اور پریشانیاں اٹھائی ہیں، ان کی خدمات ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ میں ایک سنہرے باب کا اضافہ کرتی ہے۔ رئیس الاحرار اور ان کی جماعت مجلس احمدیہ کا ہندوستان کی آزادی اور ہندوستانی اقوام کے بارے میں یہ پختہ خیال تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی بھلائی اس میں ہے کہ

وہ ہندوستان کی مشترکہ تہذیب و تمدن کا ساتھ دیں۔ ہندوستان جو کہ رنگ تہذیبوں کا مرکز ہے اس میں مسلمانوں کی تہذیب و تمدن، تعلیم و سیاست، مذہب اور خاص قسم کی انفرادیت کو کوئی خطرہ نہیں ہے اسی مکتب خیال کے مطابق مجلس احرار نے ہندوستان کی آزادی میں ہمیشہ حصہ لیا اور قربانیاں دیں۔ (ڈاکٹر ستارا چند مصنف ہسٹری فریڈیم نٹ آف انڈیا خود پنڈت جواہر لال نہرو نے مولانا کے بارے میں یہ اعتراف فرمایا ہے جس پر میں اس تاثر کا اختتام کرتا ہوں۔)

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی سے میں بہت برسوں سے واقف ہوں۔ جدوجہد آزادی کے دوران ہم ایک دوسرے کے بہت قریب رہے اور اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ہماری ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

مولانا موصوف جس عقیدہ میں یقین رکھتے تھے اور جس جرأت اور آہنی استقامت کے ساتھ وہ اس پر قائم رہے اس کے سبب میں ہمیشہ ان کا تدارک رہا اور ان کا احترام کرتا رہا۔ آزادی سے قبل اور اس کے بعد بھی انھوں نے بہت سی تکالیف اٹھائیں۔ حتیٰ کہ آزادی کے فوراً بعد ہی پاکستان اور شمالی ہند میں جو المیہ رونما ہوا اور جس کی لپیٹ میں وہ شدید طور پر آئے مگر اس سے ان میں تلخی نہیں آئی اور انھوں نے ہمت نہ ہاری۔ وہ اپنے شہر لدھیانہ میں ہندو مسلمان اور سکھ سب کے ہی محترم رہے۔

ان کے انتقال سے مجھے گہرا صدمہ ہوا۔ وہ ایک جوان مرد سپاہی کی حیثیت سے ہماری آزادی کی تحریک میں یاد کئے جانے کے قابل ہیں۔

جواہر لال نہرو

عابد اللہ غازی ایم۔ اے، پی۔ ایچ، ڈی ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ

۲۲ اگست ۱۹۷۵ء

حال مقیم ۵۲۹۶۔ کوچہ رحمان چاندنی چوک۔ دہلی نمبر ۱۱۵۰۰۶

حبیب

اچھا ہوا کہ آپ بھی ہم سے بچھڑ گئے

اچھا ہوا کہ آپ بھی ہم سے بچھڑ گئے
تھے لوگ بے حسی کے سمندر میں غوطہ زن
تیرے دل و دماغ تھے قدرت کا معجزہ
ہر مرحلہ میں جبر و تشدد کا سامنا
القصد ایک عہدِ صحابہ کی یادگار
شورش وہ آج عازمِ فردوس ہو گیا
ورنہ اُمید و یاس کا قصہ دراز تھا
اور اس پر یہ ستم کہ خدا بے نیاز تھا
سینہ ترا مدینہ سوز و گداز تھا
ہر مرکز میں فضلِ خدا کا راز تھا
جس کا وجود، نغمہ طرازِ حجاز تھا
دار و رس کے خوف سے جو بے نیاز تھا

اے دوائے داستانِ وفا ختم ہو گئی

صرصر کی چوٹ کھا کے عبا ختم ہو گئی

جو کچھ ہوا درست ہوا، خوب تر ہوا
برہم رہا ہے نقشہ عالم اسی طرح
نالہ بلب ہیں نغمہ سرایانِ فضل گل
وہ لوگ جو قفس میں رہے ہیں تمام عمر
جن کا وجود برق جہاں تاب کا جواب
کوثر پہ آ ملیں گے حریفانِ بادہ نوش
نوکی قلم پہ آہ و فغاں آگئی تو کیا؟
آمدھی اُفتاب سے تابہ افق چھا گئی تو کیا
بوئے تہن کو بادِ خنراں کھا گئی تو کیا
ان کے چمن میں برق، ستم ٹوٹا گئی تو کیا
اک مرگِ ناگہاں اسٹینس تڑپا گئی تو کیا
اے مرگ، شکریہ تزا، تو آگئی تو کیا

”لائی حیات آئے قصائے چلی چلے

اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے“

دل انقلابِ حال سے نالاں ہے دوستو! شیرازہ حیات پریشاں ہے دوستو

نا سازگار آب و ہوا ہے کہاں چلیں
جو کچھ سلوک ہم سے چمن میں کیا گیا
اپنے لہو سے لالہ و گل کو نکھار دو
کچھ دوستوں کے غم ہیں تو کچھ سانھیوں کی یاد
آخر کہاں چلا گیا سالار کارواں؟
اک زد پڑی ہے زندگی مستعار پر

صبر کی زد میں نظم گلستاں ہے دوستو
تاریخ افس پہ ششدر و حیراں ہے دوستو
یہ بھی علاج گردش دوراں ہے دوستو
ان پر مدار دیدہ گریاں ہے دوستو
کس سے کہیں کہ حشر کا ساماں ہے دوستو
دور سچ کہوں تو موت کا احساں ہے دوستو

حکمہ دیا اجل نے غریب الدیار کو

لوٹا ہے فصل گل میں خزاں نے بہار کو

شورش کشمیری مرحوم

سید الاحرار

ایک مردِ با خدا جرنیلِ ہمت کا دھنی
بند کا باسی تھا وہ پنجاب کا لختِ جگر
روح جس کے چہرہ پر نور کی ادنیٰ صفت
قوم کی خدمت گزاری شغل تھا جس کا مدام
سرزمینِ ہند پر چمکا جو بن کر آفتاب
ملک و ملت کے فدائی تھے حبیبِ خوش بیاں
شہرِ لدھیانہ کو جس کی برتری پر ناز ہے
جس کی عزت قوم کے باپ سدا کرتے رہے
لیڈرانِ قوم ہوں لدھیانوی جیسے اگر
التجاق جس کو چمکائے چمکتا ہے وہی

قوم کی خدمت میں گزری جسکی ساری زندگی
دشمنوں کے ہوش گم ہوتے تھے جس کو دیکھ کر
جس نے پائی قوم کی خدمت کے بدلے میں رخت
جنگ آزادی میں گزری جسکی صبح جس کی شام
جس نے پایا ہر قدم پر حق پسندی کا خطاب
یاد رکھے گا ہمیشہ جن کو اپنا گلستاں
آج بھی گونجی ہوئی اس شیر کی آواز ہے
جس کا دم پیارے ہوا ہر لال بھی بھرتے رہے
شام کی تاریکیاں بن جائیں گی نورِ سحر
اپنی منزل کی طرف بے خوف بڑھتا ہے وہی

التجاء امروہوی دہلی

یکم ستمبر ۱۹۷۵ء

بہ سلسلہ تاریخ جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین - حصہ چہارم

رئیس الاحرار

در حدیث دیگران



خوش تر آں باشد کہ ستر دہراں
گفتہ آید در حدیث دیگران

مرتب

عزیز الرحمن جامعی لہ صیانوی ثم دہلوی 5296 کوچہ رحمان

باب دوم —
۲۵ جنوری ۱۹۷۵ء

”ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی“

جن کے خطوط والد صاحب کے نام نمبر دار تاریخ کے مطابق ہیں

نمبر شمار	خط نمبر	خط نمبر
۱	ڈاکٹر اجندر پرشاد صدر جمہوریہ ہند کا خط	۱۹۶۱ء
۲	ڈاکٹر ذاکر حسین کا خط	۱۹۶۸ء
۳	اختر عزیز صاحب سابق ناظم ریاست بھوپال وزیر مالیا	۱۹۶۶ء
	عزیز الرحمن جامی کا خط	
۱	مولانا ابوالکلام آزاد	۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۷ء
۲	سید اللہ شاہ صاحب	۱۹۲۷ء
۳	مفتی کفایت اللہ کے نام خط	۱۹۳۱ء
۴	ڈاکٹر انصاری مرحوم	۱۹۳۱ء
۵	ڈاکٹر اجندر پرشاد	۱۹۳۴ء
۶	حبیب، پنڈت خط و کتابت	۱۹۳۶ء
۷	چودھری شیر جنگ	۱۹۳۰ء
۸	گاندھی حبیب خط و کتابت	۱۹۳۵ء
۹	لامہ ڈگریس	۱۹۳۵ء
۱۰	حضرت مدنی کا خاص خط اور اس کا جواب	۱۹۵۴ء
۱۱	حبیب، بشیر خط و کتابت	۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۵ء
۱۲ A	حبیب، احمد سعید خط و کتابت	۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۸ء
۱۲ B	نہرو رپورٹ اور خلافت کمیٹی کی خط و کتابت	۱۹۳۸ء
۱۳	ملک برکت علی سکریٹری مسلم لیگ	۱۹۳۴ء

نمبر شمار	خط نمبر	سنہ
۱۵	۱۵	۱۹۵۶ء
۱۶	۱۶	۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۳ء
۱۷	۱۷	۱۹۳۱ء
۱۸	۱۸	۱۹۳۷ء
۱۹	۱۹	۱۹۳۷ء
۲۰	۲۰	۱۹۳۸ء
۲۱	۲۱	۱۹۳۸ء
۲۲	۲۲	۱۹۳۹ء
۲۳	۲۳	۱۹۳۳ء
۲۴	۲۴	۱۹۳۷ء
۲۵	۲۵	۱۹۳۷ء سے ۱۹۵۳ء
۲۶	۲۶	۱۹۵۵ء
۲۷	۲۷	۱۹۵۰ء
۲۸	۲۸	۱۹۳۷ء
کے دوسرے کلر		

راشٹر پتی بھون
۱۶ فروری ۱۹۶۱ء

مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کا شمار ہمارے نامی سماجی اور سیاسی کارکنوں میں ہوتا ہے۔ اسی سلسلے میں کئی موقعوں پر میری ان سے ملاقات بھی ہوئی۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ ان کے فرزند مولانا عزیز الرحمن نے اپنے والد محترم کی سوانح عمری لکھی ہے۔ جو اس وقت زیر طبع ہے۔ مجھے امید ہے کہ مولانا صاحب کی زندگی کے مفصل حالات عام پبلک کے لئے سبق آموز ہوں گے اور اس کتاب کو مقبولیت ملے گی۔ راجندر پرشاد (یہ خط و کتابت رئیس الاحرار کے بارے میں ہے جو یکم فروری ۱۹۶۱ء کو ڈاکٹر راجندر پرشاد صدر جمہوریہ نے لکھا اور کتاب رئیس الاحرار میں شائع ہوا)

عزیزم عزیز صاحب۔ السلام علیکم

تین ہفتے سے ادھر ہو گئے کہ آپ کی کتاب ”رئیس الاحرار“ ملی بھتی۔ سوچا کہ پڑھ لوں تو رسید اور شکر یہ بھیجوں۔ پڑھنے کا موقع ملنے سے پہلے ایک سفر پیش آگیا۔ اب پڑھ پایا ہوں۔ آپ نے بیٹا ہونے کا حق ہی ادا نہیں کیا بلکہ آزادی ہند کے ایک ممتاز مجاہد اور حیات ملی کے ایک اہم معمار کی زندگی پیش کر کے ایک قومی فریضہ بھی پورا کیا ہے۔ مبارک ہو۔ جو چیزیں آپ نے اس سلسلہ میں یک جا کر دی ہیں ان سے تحریک قومی کے مورخ کو بڑی مدد ملے گی۔ اس سلسلہ میں آپ نے مجھے یاد فرمایا اور کتاب کا ایک نسخہ مجھے بھیجا اس کے لئے دل سے شکر گزار ہوں خدا آپ کی عمر میں برکت دے اور آپ کے نیک ارادوں کو کامیاب فرمائے۔ خیر طلب

۹ مئی ۱۹۶۱ء ذاکر حسین گورنر بہار

۷۸۶۔ گلی ناظم صاحب۔ اندرون بدھوارہ۔ بھوپال (صدر جمہوریہ ہند)

عزیز محترم! السلام علیکم۔ مزاج شریف ۹

آپ کو شاید رنج اور ملال ہو گا کہ میں آپ کے ”سلسلہ پیش بہا“ اور روح افزا تحفہ ”رئیس الاحرار“

کو دبا کر خاموش بھیج دیا ہوں اور اپنی قلم سے شکریہ اور تعریف کے دو لفظ لکھے جانے کی توفیق بھی مجھے نہ ہوئی۔ اگرچہ اپنی اس کوتاہی کے متعلق میرا کوئی غم نہ ہو، غم گناہ بدتر از گناہ، تصور کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی مجھے امید ہے کہ میرے اس عذر کو آپ ضرور درست تسلیم کر لیں گے۔ کہ میری یہ کوتاہی صرف اس لئے دانستہ عمل میں آئی ہے کہ میں رئیس الاحرار کو 'الف سے' تک پڑھ لینے سے قبل آپ کی اس بے پایاں عنایت کا محض رسمی شکریہ ادا کر دینا بالکل بے معنی اور غیر ضروری سمجھتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ گزشتہ تین دنوں میں رئیس الاحرار کے 'الف سے' تک مطالعہ سے پورے طور پر مستفید اور مستفیض ہو چکا ہوں۔ اور اس کے بعض بصیرت افروز حصوں کو تو مکرر اور سہ کرا کر پڑھنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ رئیس الاحرار کی اہلیہ محترمہ اور صاحبزادی کے انتقال پر ملال اور خود رئیس الاحرار کی دائمی مفارقت کے حسرت ناک حالات پڑھ کر بے اختیار آنسو بھی بہا چکا ہوں۔

آپ نے رئیس الاحرار کی ترتیب و تنظیم میں جس محنت اور کوشش کا دانش سے کام لیا، اس کی الفاظ میں داد دینا ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کی جزائے خیر آپ کو دے گا۔ آپ کا یہ کارنامہ ہندوستان و پاکستان کی موجودہ و آئندہ نسلوں کے لئے، خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتی ہوں۔ گزشتہ سوا دو صدی کے حالات ماضی کو ہی محفوظ نہیں کرے گا، بلکہ ہر آنے والے مستقبل کے لئے بھی شمع ہدایت کا کام کرے گا۔ آپ کے اس احسان عظیم کے بارے میں حق شناس لوگ کبھی سبک دوش نہیں ہو سکتے۔ مجھے تو یہ کہنے میں بھی باک نہیں ہے کہ آپ کی رئیس الاحرار، مولانا آزاد علیہ الرحمۃ کی انڈیا دنس فریڈم کے درجہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ ع

ایں سعادت سب زور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ہندوستان میں آئندہ اردو رسم الخط کے انجام کے پیش نظر میری ناچیز رائے تو یہ ہے کہ رئیس الاحرار کو اگر دیوناگری رسم الخط میں بھی شائع کر دیا جائے تو آنے والی صرف ہندو ہی نہیں بلکہ مسلمان نسلوں کو بھی اس کے مطالعہ سے بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اردو رسم الخط کی طرف

سے مایوسی میرے دل میں ان مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کو جو اس وقت اسکولوں میں زیر تعلیم ہیں،
 دیکھ کر پیدا ہوئی ہے۔ باوجود اردو بطور اختیاری مضمون پڑھنے کے بھی وہ ناگری رسم الخط
 میں ہر چیز لکھنا اور ناگری رسم الخط کے رسائل و اخبارات پڑھنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ میرا
 خیال ہے کہ وہ اردو املا کی ایک سطر بھی صحیح نہیں لکھ سکتے اور نہ ردائی سے اردو کا کوئی
 رسالہ یا کتاب پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں۔ اس پر ہمیں افسوس بھی نہ کرنا چاہئے۔ جب ہر مضمون کا ذریعہ
 تعلیم لازماً ہندی اور دیوناگری رسم الخط کی کتابیں ہوں گی۔ نیز حصول معاش کے تمام ذرائع
 کا انحصار دیوناگری رسم الخط پر ہو گا تو مسلمان والدین سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنے بچوں پر اردو
 جیسے مشکل رسم الخط کا بھی بار ڈالتے رہیں، کہاں تک مناسب ہو سکتا ہے۔ مسلمان گھرانوں کی آئندہ
 آنے والی نسل کو تو شاید اردو خط پڑھوانے کے لئے بھی کسی بڑے بوڑھے کی تلاش میں سرگرداں
 رہنا پڑے گا۔ اردو اسلامی زبان تو ہے نہیں۔ بنگال، جنوبی ہند وغیرہ صوبوں میں بھی تو کثیر
 تعداد ایسے مسلمان دینداروں کی موجود ہے جو نہ اردو لکھ سکتی نہ پڑھ سکتی ہے۔ بلاد اسلامیہ
 ترکی، مصر، شام، عراق، انڈونیشیا، سعودی عرب وغیرہ میں کون اردو لکھ پڑھ سکتا ہے۔ وہاں
 کی تو عام بول چال کی زبان بھی اردو نہیں ہے۔ ہندوستان میں تو خدا کا شکر ہے کہ جس زبان کو قومی
 اور سرکاری درجہ دیا جا رہا ہے۔ وہ انٹی، پچاسی فیصدی اردو سے ملتی جلتی ہے۔ سوال رسم الخط
 کا رہ جاتا ہے۔ اس کے بارے میں مولانا رئیس الاحرار کا مشورہ طبری اہمیت رکھتا ہے۔ انھوں
 نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”اکثریت کا منشا ناگری رسم الخط کو ہی تمام ہندوستان میں رائج کرنا ہے تو
 مسلمانوں کو اس بارے میں یہاں کوئی جھگڑا مول نہ لینا چاہئے اور تمام قسم کا اسلامی ترغیب
 علماء اور صوفیاء کا اور خصوصاً میرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہندی رسم الخط میں منتقل کر دینا
 چاہئے۔ تاکہ اسلام کی سچی تعلیم برادران وطن کے سامنے بخوبی آجائے اور مسلم لیگ کے ذریعے پراپگنڈا
 نے ان کے دماغوں میں جو مستقل بذہنی پیدا کر رکھی ہے۔ جلد ناکل ہو جائے“ (رئیس الاحرار صفحہ ۳۵۱)
 بھی معاف کرنا۔ میں کہاں سے کہاں سبک گیا ہوں۔ ہاں تو اگر پوری کتاب رئیس الاحرار کی منتہی

دیوناگری رسم الخط میں نہ ہو سکے تو کم از کم مولانا رئیس الاحرار کی سیاسی زندگی از ابتدا تا انتہا کے تمام ابواب سیاسی تقاریر و خطبات اور لیڈران ہندو پاک سے مراسلت اور بحث مباحثوں پر مشتمل کل مضامین ہندی میں منتقل ہونے چاہئیں۔ اور میں تو یہ بھی چاہوں گا کہ انگریزی میں بھی رئیس الاحرار کا ترجمہ ہو جائے۔ تاکہ مولانا رئیس الاحرار کی حب الوطنی، صبر و تحمل، استقلال اور استقامت، حق کی راہ میں بے خوفی اور بے باکی، قید و بند کی صعوبتوں، مال و اسباب کی تباہیوں، بریادوں، خانہ دیہانیوں اور سب سے زیادہ ملک و قوم کی آزادی کے لئے وفادارانہ اور جاں نثارانہ مسلسل جدوجہد کی صحیح تصویر ان تینوں زبانوں میں سے کسی ایک زبان بھی جاننے والے ہر فرد کے سامنے آکر ہر شخص کے دل و دماغ کو گہرا اور ترپا سکے اور اس مشعل آزادی کی روشنی میں جس کو اس بطل حریت نے اپنا سب کچھ بچھا کر رکھا ہے۔ ہر مذہب و ملت کے لوگ اپنے پیارے وطن کی آزادی کے راستہ پر بل جل کر قدم بڑھاتے چلے جائیں۔

اب کچھ اپنی محرومی قسمت کی نسبت

آپ نے اپنی وسعت نظری اور وسیع الاخلاقی سے کام لے کر مجھے اپنے والد مرحوم کے ”نہایت عزیز دوست اور ساتھی“ کے قابل رشک اعزاز سے معزز و مفتخر فرمایا ہے۔ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ ”چھ نسبت خاک را با عالم پاک“

اگست ۱۹۱۶ء میں جب لدھیانہ کو میں نے مستقل طور پر خیر باد کہا ہے (۱۹۱۶ء کے بعد میں صرف ایک مرتبہ لدھیانہ ۱۹۲۰ء میں چارچھ دن کے لئے گیا ہوں۔ اور یہ چارچھ دن بھی میں نے بستر علالت پر گزارے تھے اور سوائے گھر والوں کے کسی کو نہ تو میرے لدھیانہ پہنچنے کی اطلاع ہوئی تھی اور نہ میں خود کسی سے مل سکا تھا) اس وقت تک تو آپ عالم وجود میں بھی نہیں آئے ہوں گے۔ کیونکہ میں نے آپ کا سن پیدائش ۱۹۱۴ء یا ۱۹۱۵ء اخذ کیا ہے۔ اس ۱۹۱۶ء سے ۱۹۵۶ء (سن وصال رئیس الاحرار) تک کے درمیانی چالیس سال کے طویل عرصے میں میری

مردی قسمت یہ رہی کہ میں نہ تو مولانا مرحوم کی زیارت پر سعادت کا شرف حاصل کر سکا اور نہ خط و کتابت یا کسی اور ذریعے سے اپنے حالات یہاں تک کہ اپنے پتہ اور قیام کی بھی اطلاع مولانا مرحوم کے سمیع مبارک تک پہنچا سکا۔ اور نہ مولانا مرحوم کی سیاسی یا نجی زندگی کے ان شاندار تفصیلی کلاموں سے جن کا انکشاف اب رئیس الاحرار کے مطالعہ کے بعد مجھ پر ہوا ہے مطلع و آگاہ ہو سکا۔ کوئی اردو اخبار 'المجتبیٰ' وغیرہ بھی میرے پاس نہیں آتا تھا۔ البتہ انگریزی اخبار 'ٹائمز آف انڈیا' میں گا ہے گا ہے مولانا کا نام نامی کسی خبر کے سلسلہ میں پڑھ کر مولانا کی یاد تازہ کر لیا کرتا تھا۔

والد صاحب مرحوم کے منشن پر ریٹائر ہو جانے کے بعد ۱۹۱۹ء میں ہم لوگوں نے لدھیانہ کی مستقل سکونت اختیار کی تھی۔ اس وقت میری عمر ۵ سال کی ہو گی۔ میں آٹھویں درجہ میں پڑھتا تھا۔ آٹھواں اور نوواں درجہ میں نے مشن ہائی اسکول اور خالصہ ہائی اسکول لدھیانہ سے پاس کیا۔ میٹرک ۱۹۱۹ء میں ایم۔ اے، اور ہائی اسکول امرتسر سے پاس کیا اور بی۔ اے ۱۹۱۵ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے۔ مولانا غلام رسول چہر چار سال تک میرے روم فیلو اور کالج فیلو رہے۔ ۱۹۱۵ء میں لدھیانہ واپس ہو کر ایک سال کے لئے اسلامیہ اسکول لدھیانہ کا ہیڈ ماسٹر ہو گیا اور ۱۹۱۶ء میں بھوپال آ جانے پر میری لدھیانہ کی سکونت اور قیام کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس طرح لدھیانہ کے قیام کے آٹھ سال میں سے بھی امرتسر اور لاہور کے قیام کی ۵ سالہ مدت کو نکال کر میرا مستقل قیام لدھیانہ میں صرف تین سال رہا۔ ابتداً دو سال تو ۱۵ اور ۱۶ سال کی عمر کے اور آخری ایک سال ۲۲ برس کی عمر کا۔ مولانا مرحوم سے کب اور کس ذریعے سے ملاقات ہوئی۔ یہ مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور یاد ہے کہ صرف مولانا مرحوم ہی نہیں، بلکہ آپ کے دادا مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے دادا کے برادران مولانا مفتی محمد نعیم صاحب اور مولانا مفتی محمد رمضان صاحب بھی مجھ پر بزرگانہ شفقت فرماتے رہے ہیں۔ مفتی محمد نعیم صاحب یا مفتی محمد رمضان صاحب مجھے یاد پڑتا ہے کہ خالصہ ہائی اسکول کے نویں درجے میں میرے اردو۔ فارسی کے استاد بھی رہے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم سے میرے اتنے عارضی اور رواداری کے ایسے واقعات کے باوجود جن کی آپ کی پوری عمر میں تجدید بھی کبھی نہیں ہوئی آپ نے مولانا مرحوم کے "ہدایت عزیز دست اور ساتھی" کے گراں قدر خطاب سے مجھے کیوں اور کس بنا پر نوازا؟

اس سوال کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ مولانا اپنی زندگی میں صرف آسمان سیاست کا ستارہ بن کر ہی نہیں چمکے، بلکہ رموز باطنی اور انوار روحانی سے بھی ان کا دل منور رہا۔ اس کا ثبوت وہ پر خلوص شفقت نامہ تھا جس سے مرحوم نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ قبل مجھ ایسی چیز گننام، دور افتادہ اور چالیس انتالیس سال سے لاپتہ ہستی کو نوازا تھا۔ دوسرا ثبوت جنرل انکیش کے سلسلے میں بھوپال آنے پر آپ کا خاص کوشش سے میرا سراغ اور پتہ لگا کر مجھ سے ملنا تھا۔ تیسرا ثبوت یہی ہے کہ آپ نے مجھے مولانا مرحوم کے "ہدایت عزیز دست اور ساتھی" کے زمرہ میں داخل کر دیا ہے۔ اور وہ چیز مجھے عطیہ کر دی ہے جو میری بقیہ زندگی میں ہر وقت میرے زیر مطالعہ رہ کر مولانا مرحوم کی یاد میرے دل میں تازہ کرتی رہے گی۔ مولانا مرحوم کے مجھ ایسی حقیر ہستی کے ساتھ اس باطنی اور روحانی تعلق پر میں جس قدر بھی فخر ادا کر دوں وہ کم ہے۔ کاش کہ مولانا مرحوم کے اول و آخر شفقت کے موصول ہونے پر میں کشاں کشاں مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر ایسی بزرگ اور شفیق ہستی کی قدوسی کا شرف حاصل کر لیتا۔ میری کوہ باطنی کا یہ نتیجہ تھا، کہ میں نے شفقت نامہ کے جواب میں خود مولانا کو اپنے قدم مہینت لزوم سے بھوپال کو عزت بخشنے کی دعوت دے دی۔ اپنی اس بد نصیبی پر میں اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک پشیمان رہوں گا۔ مولانا ملک و قوم کی خدمت بجالاتے ہوئے شہید ہوئے ہیں اور چوں کہ شہید تا ابد زندہ رہتے ہیں، اس لئے آپ جب مزار مبارک پر حاضر ہوں تو مولانا کے حضور میں میرا عاجزانہ سلام اور دعا خیر کی درخواست پیش کر دیجئے گا۔

آخر میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اگرچہ میں نے کبھی پبلک پلیٹ فارم پر تقریر یا اجازت میں تحریری بیانات کے ذریعے کوئی حصہ نہیں لیا۔ لیکن میرے اور مولانا کے سیاسی خیالات اور عقائد میں جو مجھ پر رئیس الاحرار کے مطالعہ سے واضح ہوئے ہیں ایک نقطہ کافری بھی نظر نہیں آتا۔ نوابی دور کے

مسلم لیگی ماحول میں اپنے ان ہی سیاسی عقائد اور تقسیم ہند کی مخالفت کی بنا پر کچھ تھوڑا سا حیارہ مجھے بھی بھگتنا پڑا ہے۔ یعنی یہ کہ میری عمر کے لحاظ سے اڑھائی سال قبل مجھے ۱۹۲۶ء میں پیش پر ریٹائر ہونا پڑا۔ حالانکہ میرے حسن کارگزاری کے صلے میں مجھے دوبارہ بہادر اور دنا ظم الانشار کے خطابات بھی مل چکے تھے۔ اور نظامت یعنی کلکٹری سے ریونیو سکریٹری کے عہدہ پر ترقی بھی دی جا چکی تھی سی اسٹیٹ بننے پر کانگریس منسٹری نے بلا میری درخواست اور تکمیل عہد نامہ کے میرے اس نقصان کی تلافی اسٹے کے الیکشن میں مجھے کانگریس کا ٹکٹ دے کر کرنی چاہی تھی لیکن اپنی کوتاہیوں اور خامیوں کے پیش نظر میں نے ہائی کمانڈ کی منظوری ہو جانے کے بعد بھی الیکشن میں کھڑے ہونے سے انکار کر دیا اور میرے انکار کے بعد مسلمانوں میں طرزی مشرتی صاحب کو یہ موقع دیا گیا۔

آپ سے اور مولانا مرحوم سے باوجود اتنی دوری اور اجنبیت کے میری اتنی قربت کا باعث غالباً سیاسی عقائد کی ہم آہنگی اور یکسانیت ہی ہے جس سے باطنی اور روحانی طور پر مولانا مرحوم مطلع رہے ہوں گے۔ آپ کا رئیس لاہور کا اس خلوص اور محبت کے ساتھ مجھے بھیجنا۔ اور میرا یہ عہدہ سب مولانا مرحوم کے باطنی اور روحانی فیوض اور تصرفات کے کرشمے سمجھنے چاہئیں۔ رئیس لاہور کے مطالعہ نے کچھ فراموش شدہ ہستیوں کی بھی جن سے پچاس سال پہلے دوستی، شناسائی یا معمولی واقفیت رہ چکی ہے یا تازہ کردی۔ مثلاً غلام رسول جہر، مولانا ظفر علی خاں، فضل حسین، میاں محمد شفیع، میاں عبدالحی، مولانا منظر علی انظر، ڈاکٹر اقبال، خواجہ احمد شاہ، مولانا محمد کریم صاحب، مولانا مفتی محمد نعیم صاحب۔ مولانا محمد رمضان صاحب وغیرہ وغیرہ

میں بھی اب چہرے سحری ہوں، عمر کی ۲۰، منزلیں طے کر چکا ہوں۔ آپ کے قبلہ والد صاحب مرحوم کا سن پیدائش ۱۸۹۲ء معلوم ہوا اور میرا سن ولادت ۱۸۹۳ء ہے لیکن میں نے بمقام بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال۔ مولانا مرحوم کو کبھی اپنا بزرگ سمجھا، اور آپ کو بھی اپنا بزرگ ہی سمجھتا ہوں اگرچہ عمر میں آپ مجھ سے ۲۵ سال چھوٹے ہوں گے۔ اپنا ۹ جولائی ۱۸۹۳ء کا فولڈ پیش کر رہا ہوں تاکہ اگر کبھی حکیم علی کوثر صاحب مجھے گھسیٹ کر دہلی لے جائیں تو آپ کو مجھے پہچاننے میں دقت پیش

نہ آئے۔ حکیم صاحب سے ملاقات ہو تو میرا سلام عرض کر دیا جائے۔ وہ بہت علیم الفرست ہیں
اسی لئے میں نے ان کے آخری عنایت نامہ کا جواب بھی نہیں دیا۔ بہت سمجھ فراموشی کر چکا ہوں۔ اب
اجازت دیجئے

ازدہلی ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۵ء

محرمی مکرمی قبلہ اختر عزیز صاحب مدظلہ! سلام مسنون

آپ نے جس تعلق خاطر محبت اور شفقت کا اپنے خط میں اظہار فرمایا ہے وہ میری توقعات
کے عین مطابق ہے۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ قبلہ والد صاحب نے آپ کا پتہ کہاں سے معلوم کیا یا
اتنا ضرور یاد ہے کہ آپ کا جواب آنے پر مسلسل کئی روز تک آپ کا ذکر فرماتے رہے، جو جملہ میں
کتاب پر آپ کو لکھا ہے وہ دراصل قبلہ والد صاحب کا ارشاد فرمایا ہوا تھا۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ
قبلہ والد صاحب کا آپ سے روحانی اور مخلصانہ ذہنی تعلق رہا ہے۔ مجھے انھوں نے اپنی زندگی میں
ہدایت فرمائی تھی کہ اگر تم کبھی بھوپال جاؤ تو اختر عزیز صاحب سے ضرور ملنا۔ اسی بنا پر میں آپ
کی خدمت میں حاضر ہوا تھا

آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں نے 'رئیس الاحرار' کا انگریزی ترجمہ کر لیا اور میں اب اس
کوشش میں ہوں کہ کتاب کو ہندی رسم الخط میں تبدیل کر دوں۔ لیکن اس سلسلہ میں ابھی تک کوئی
موزوں آدمی نہیں ملا جس پر میں ترجمہ کے بارے میں اعتماد کر سکوں۔ نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین
صاحب جو آج سے ۲۵ سال قبل میرے استاد بھی رہ چکے ہیں۔ انھوں نے اپنے ایک انگریزی خط میں
مجھے تحریر فرمایا ہے کہ انگریزی ترجمہ فوراً شائع ہو جائے تو بہت ہی اچھا ہے۔ اس خط کے بعد میں
ہمایوں کبیر صاحب سے خط و کتابت کی تاکہ اگر اوقات سے مدد مل جائے تو انگریزی کی کتاب شائع کر اسکا
لیکن محکمہ اوقاف نے باوجود کبیر صاحب کے توجہ دلانے کے کوئی امداد نہیں کی۔ مالی اعتبار سے یہ
خود اتنا صاحب حیثیت نہیں ہوں کہ میں یہ بوجھ برداشت کر سکوں۔ آپ نے اپنے بارے میں جو کچھ
تحریر فرمایا ہے اسے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اس زمانے کے باشندوں اور عالم فوج والوں کا نقطہ نظر

نقطہ نگاہ تقریباً ایک ہی تھا۔ مسلمانوں کے علمی طبقوں میں ہم خیالی قدر مشترک تھی۔ کوئی بھی علم دوست آدمی خوارہ کہیں بھی تھا وہ ملک کی بہبودی اور حیات ملی کے بارے میں اپنی فہم و فراست کے مطابق ایک ہی رائے رکھتا تھا جو لاریب تھی۔ مگر اس کے بعد ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۵ء تک ہندوستان کے اہل لاکہ مسلمان مشکوک اور جذباتی افکار میں مبتلا ہو گئے۔ آج جو کچھ بھی رونما ہو رہا ہے وہ اسی مشکوک فکر اور جذبات کا نتیجہ ہے۔ یہ داستان دراز بھی ہے دل گزار بھی۔

جناب قبلہ کوثر صاحب کا درہی آنا بہت مبارک ہوا کہ آپ سے تعلقات کی تجدید ہو گئی۔ اور آپ تک میں اپنی کتاب پہنچا سکا۔

ڈاکٹر ذاکر صاحب کے بعد آپ کا دورہ سرا خط ہے جسے میں نے اور میرے بچوں نے بار بار پڑھا اور ایسا محسوس ہوا کہ خود آپ ہی سے باتیں ہو رہی ہیں۔ آپ نے یہ بھی عنایت فرمائی کہ اپنی تصویر بھی اور اس بندہ حقیر دنیا چیز کو اپنی نوازش ہائے کرم سے نوازا ہے۔ مجھے آپ کے دلی آنے سے بے حد خوشی ہو گئی۔ کوثر صاحب کی موجودگی میں میں یہ گزارش تو نہیں کر سکتا کہ آپ میرے قیام فرمائیں لیکن میں یہ درخواست ضرور کروں گا کہ ایک دو بوم آپ میرے غریب خانہ پر قیام واکر خدمت کا موقع عنایت فرمائیں۔

آپ کی دعاؤں کا بے حد محتاج ہوں۔ میری اہلیہ اور بچے آپ کی خدمت میں سلام گزار ہیں۔

عزیز الرحمن جاسمی لدھیانوی شہر دہلی

ملکت۔ ۱۹ مارچ ۱۹۳۹ء

جی فی اللہ

خواستگار معافی ہوں کہ آپ کے خط کا ہر وقت جواب نہ بھیج سکا، وہی چومیں گھنٹے جو ہر انسان

کے حصے میں آئے ہیں، میرے حصے میں بھی آئے ہیں۔ مگر کام اس سے زیادہ ہے جہاں گھنٹوں میں انجام

پایا جاسکتا ہے

سٹریٹ گوپال آپا ریہ نے غلط طریقہ اختیار کیا ہے جس مقصد کی حمایت کا وہ دعویٰ کر رہے

ہیں۔ اسی کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ میں نے انہیں بہت سمجھایا لیکن انہیں کسی نہ کسی طرح منسٹری کے عہدوں پر واپس جانا اتنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ اند کسی بات پر غور کرنا ضروری نہیں چاہتے۔

والسلام علیکم
ابوالکلام

سری نگر۔ ۲ ستمبر ۱۹۳۵ء

آل انڈیا کانگریس کمیٹی۔ سراج بھون الہ آباد

حی فی اللہ

خیال تھا کہ لاہور میں آپ سے ملاقات ہوگی لیکن سر دست لاہور کا پہلو گرام منورہ گردینا پڑا۔ اب ستمبر کے آخر میں قصد کروں گا اور انشاء اللہ ملاقات ہوگی۔ جو بات اب طے کرنی ہے وہ یہ ہے کہ مصالحہ کا مقصد کیا ہے۔ آپ جمیعت احرار کو بدستور مستقلاً انگ رکھیں یا کانگریس میں شامل ہو جائیں میں نے ابھی تک کوئی آخری رائے قائم نہیں کی ہے۔ مشورہ و ملاقات کے بعد اسے طے کیا جاوے گا۔ اس وقت تک میں نے مصلحتاً یہی مناسب سمجھا کہ آپ کو پنجاب کانگریس کے حلقہ میں شامل نہ کروں۔ چنانچہ ایک سب کمیٹی جو کہ کل انتخابات کی تیاریوں کے لئے بنائی جا رہی ہے اس میں مولانا غزالی وغیرہ کا نام شامل کر دیا ہے، آپ کا نہیں کیا، اسی خیال سے کہ پہلے آپ سے مشورہ ہو جائے، اس کے بعد حسب مصالحہ وقت آپ طریق کار اختیار کریں۔

ابوالکلام

حکمتہ۔ ۱۳ نومبر ۱۹۳۵ء

حی فی اللہ

خط پہنچا کیا کروں، دل مانتا نہیں کہ آدمی بیماری کے مقابلہ میں ہار جائے۔ بہر حال اب ارادہ کیا ہے۔ چند دنوں کے لئے بندھ بیجا چل کے ایک غیر آباد مقام میں چلا جاؤں اور سکون خاطر کی کوشش کروں۔

انشاء اللہ بوقت فرصت میں آپ کو بعض امور کی نسبت لکھوں گا جو پیش ہوا و خاطر ہیں

اپنے والد بزرگوار اور تمام احباب و مخلصین کو سلام و دعائے خیر پہنچا دیں۔

ابوالکلام آزاد

بندھیا چل ضلع مرزاپور۔ ۱۷ نومبر ۱۹۳۵ء

آل انڈیا کانگریس کمیٹی سراج بھون الہ آباد

جی فی اللہ

آپ کا خط مورخہ ۱۲ نومبر وصول ہوا۔ بندھیا چل مرزاپور کے قریب ایک قصبہ ہے، اور اسی ریلوے لائن پر واقع ہے۔ خط و کتابت کے لئے بندھیا چل (ضلع مرزاپور) پتہ کافی ہوگا جب تک میری واپسی کی خبر نہ ملے، کلکتہ کے پتے سے خط نہ بھیجئے۔ روڈن کی تاخیر ہو جاتی ہے۔

پنجاب کانگریس کی جو حالت آپ نے لکھی ہے وہ میں بھی محسوس کر رہا ہوں لیکن بحالت موجودہ اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ نئی کمیٹیوں کے بننے کا انتظار کیا جائے۔

آپ کا ایک تار ملا تھا جس میں رجسٹرڈ خط کی ترسیل کے لئے لکھا گیا تھا۔ میں نے اس کے جواب میں کسی قدر تفصیل بذریعہ خط طلب کی تھی۔ اس کا جواب مجھے ابھی تک نہیں ملا۔ اس بارے میں تامل نہ کیجئے، جو صورت حال ہو بلا تامل لکھئے۔ حتیٰ الوسع کوشش عمل میں آئے گی۔

آپ نے لالہ تلک رام کی نسبت جو کچھ لکھا ہے میں نے اسے الکشن فائل میں رکھوا دیا ہے۔ تاکہ بروقت غور کیا جاسکے لیکن میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ سربست آپ کوئی وعدہ ان سے نہ کریں۔ نہیں معلوم ضلع کانگریس کمیٹی اس حلقہ سے کس کی سفارش کرتی ہے اور کانگریس کے نقطہ خیال سے اس کے حقوق کس درجہ کے ہوتے ہیں۔ سنٹرل اسمبلی کے لئے بعض امیدواروں کا انتخاب صحیح طور پر نہیں ہوا کیونکہ وقت بہت کم تھا اور غلطی کی وجہ سے میں وقت نہ دے سکا لیکن اس صورت حال کا کافی بوجھ میری طبیعت پر ہے اور اب میں نہیں چاہتا کہ صوبوں کے امیدواروں کے انتخاب میں اس طرح کی کوئی گزردی رونما ہو۔ ہمیں یقیناً قابلیت اور اہلیت بھی چاہیے لیکن ساتھ ہی حتی الامکان ان لوگوں کو آگے رکھنا ہے جنہوں نے ملکی تحریک کی راہ میں قربانیاں کی ہیں۔ والسلام علیکم

ابوالکلام

حضرت امیر الہند حضرت مولانا صاحب

السلام علیکم۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ہر وقت آپ کی صحت کا خیال رہتا ہے کل پرسوں کے اخبار میں پھر پڑھا کہ آپ کو بخار آرہا ہے۔ اس خبر کو پڑھ کر طبیعت میں بہت بے چینی ہے۔ اور یہ بھی پڑھا کہ آپ ابھی تک وہاں کانگریس کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا کہ میں اب ایک دو ماہ آرام کروں گا۔ خدا کے لئے آپ اس بدنصیب قوم پر رحم کیجئے اور دو ایک ماہ مکمل آرام کیجئے تاکہ آپ کی صحت بالکل درست ہو جائے۔ کانگریس کو پریذیڈنٹ مل جائیں گے مگر عالم اسلام کو ابوالکلام نہیں ملے گا۔ میں اور میرے گھر والے تمام آپ کی صحت کے لئے ہر وقت دعا گو ہیں ہم سب آپ سے بھی دعا کے خواستگار ہیں۔ والسلام حبیب الرحمن۔ حبیب روڈ لدھیانہ

حبیب روڈ۔ شفاعت منزل لدھیانہ۔ یکم اگست ۱۹۴۶ء

بخدمت گرامی شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالکلام آزاد صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کی کامیابی پر آپ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میرے متعلق کوئی خدمت ہو تو اس کے لئے میں تیار ہوں۔ اگر ادھیانہ مسلمان خواہ وہ کسی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں ان کی عزتیں خطرے میں پڑ چکی ہیں اور اپنے قتل کے انتظار میں ہیں، اس کی زیادہ تر ذمہ داری پنجاب کی وزارت پر ہے۔ کانگریسی وزیر اراکین تو ہم سے ملنا ہی پسند نہیں کرتے، اگر ملتے ہیں تو سپانے وزارت کی طرح۔

پنجاب میں رشوت ستانی پہلے سے زیادہ ہے۔ محکمہ سول سپلائی اور محکمہ راشننگ میں تو رشوت خاص طور پر بڑھ گئی ہے۔ جن شہروں میں راشننگ کی ضرورت نہ تھی ان شہروں میں راشننگ جاری کر کے وزراء نے عوام کو اور زیادہ مشکلات میں ڈال دیا۔

مولانا عبدالرحمن میانوی پر جو ظلم ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ ان پر ایک جھوٹا فرضی کیس

بنا کر چلایا گیا۔ لیکن کسی کانگریسی وزیر نے ان کی شنوائی نہ کی کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے تاخیر جب گواہ ہی انہیں پہچان نہ سکے، تو پولیس کو جھک مار کر مقدمہ واپس لینا پڑا۔ لیکن وزارت اس سلسلہ میں کسی کام نہ آ سکی۔

اسی طرح جالندھر شہر میں آج کل تین مسجدوں کے درمیان سینما ہال بننے کی اجازت دی گئی ہے۔ سچر صاحب اس محکمہ کے انچارج ہیں۔ چونکہ سینما بنانے والے ایسے لیگی مسلمان ہیں جو بعض کانگریسی ہندوؤں کے ذاتی دوست ہیں اس لئے سچر صاحب اس تعمیر کو روکنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ مسلمان سینما ہال کی مسجدوں کے پاس بننے کی وجہ سے لڑیں گے اور پنجاب کی کانگریسی وزارت کو مسلمانوں پر گولی چلانے کا اچھا موقع ملے گا۔

ان واقعات کے متعلق کچھ تفصیل بر غور دار عزیز الرحمن بھی آپ کی خدمت میں بیان کر دیگا عوام کانگریسی مسلمان جو شہر کی کانگریس تحریک میں شامل ہو کر تباہ و برباد ہو چکے ہیں ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ پنجاب میں ایسے لوگوں کی تعداد ایک ہزار سے اوپر ہے۔ آزاد خیال متوسط الحال مسلمان شہر اور لاہور اپنی کاروباری زندگی کے لئے کانگریسی وزارت کے دباؤ پر ہفتہ کو روزانہ حاضری دیتے ہیں، نہ تو ان کو قطعی جواب دیا جاتا ہے نہ ہی ان کا کوئی کام کیا جاتا ہے وہ ٹھک ہار کر چار چار پانچ پانچ صد روپیہ خرچ کر کے مایوس ہو کر گھروں کو واپس لوٹ آتے ہیں جن سے کانگریس کے مقصد کو نقصان پہنچتا ہے۔

یہاں لکھنا نہ میں عید کے روز جو واقعہ پیش آیا ہے اگر یہ واقعہ دس برس قبل پیش آتا تو بغاوت ہو جاتی اور حکام قتل کر دیئے جاتے۔ سیاسی کام بلا تعاون کے چل نہیں سکتے۔ جب تک ایک کو دوسرے کی امداد حاصل نہ ہو آزاد خیال مسلمان مطمئن نہ ہو سکیں گے۔ یونینسٹ وزارت پر کوئی گلہ نہیں، نہ وہ پہلے ہمارے تھے نہ اب ہیں۔ کانگریسی وزارت سمجھتے ہیں کہ حصول حکومت کے بعد ان کو اپنے پرانے سیاسی دوستوں کی ضرورت نہیں رہی نئے لڑائی ان کو مل گئے ہیں حکومت کی مشینری پر ایسویٹ طور پر مسلم لیگی حلقوں کو خوش کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اسی کمزوری دنیا

پر ہماری جماعت کے لوگوں کو مسجدوں اور عید گاہوں سے نکالا جا رہا ہے۔ اگر سرحدی وفارت کی طرح حکومت میں اپنے دوستوں سے مشورہ لیا جائے تو تمام مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ اور تمام کام آسانی سے ہو سکتے ہیں۔

لدھیانہ کے واقعہ عید اور جالندھر شہر کے سینما ہال کے متعلق آپ کی فوری مداخلت کی ضرورت ہے۔ اگر اس وقت آپ نے توجہ نہ فرمائی اور لدھیانہ کے افسران کو سزا نہ ملی تو آزاد خیال علماء بالخصوص اور آزاد خیال عوام کو بالعموم عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنا مشکل ہو جائے گا، اور نتیجہ بھی کانگریس کے حق میں بہتر نہیں آئے گا۔ یہ چند واقعات آپ کی خدمت میں اس لئے تحریر کر رہا ہوں تاکہ آپ صورت حال کو بہتر بنا سکیں۔ حبیب الرحمن لدھیانوی

حبیب روڈ لدھیانہ۔ ۹ اکتوبر ۱۹۴۶ء

بخدمت حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالکلام آزاد دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ پنجاب کے کانگریسی ذریعہ جو سلوک کر رہے ہیں، ان کی بار بار شکایت کرنے سے بھی شرم آتی ہے۔ جالندھر میں یہ بات مشہور ہے کہ چودھری لہری سنگھ نے سینما کے سلسلے میں شیخ غلام دستگیر سے کچھ لین دین کیا ہے مگر میں ابھی اس کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ مگر حالات نہایت بد سے بدتر ہو گئے ہیں۔ لدھیانہ میں عید کی نماز کے سلسلے میں جو جھگڑا ہوا تھا اس کے متعلق گورنمنٹ پنجاب نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ نہ وہ آفیسریاں سے تبدیلی کئے گئے اور نہ ہی ان کو کوئی سزا ملی۔ اور نہ آپ کے ارشاد کے مطابق ابھی تک یہ اعلان ہوا ہے کہ پرانے اماموں کی تبدیلی نہیں ہوگی۔

اس خط کے لکھنے کا اصل مقصد میرا یہ ہے کہ کانگریس کے اندر اب آپ کی پالیسی کیا ہے عام خیال یہ کیا جاتا ہے کہ آپ سوشلسٹوں کے ساتھ ہیں۔ کانگریس کی صدارت کے لئے آپ کے نام کا پیش ہونا اور جے پرکاش نارائن سے اس کی تائید کرنا اور باقی کانگریس ورکنگ کمیٹی

کے ممبران کا خاموش رہنا اور خصوصاً پنڈت ہماہر لال کا۔ اس بارے میں لوگ بہت ہی مختلف
 ان خیال ہو گئے ہیں۔ مجھے اس سلسلہ میں صاف اور صحیح رہنمائی کی ضرورت ہے کیا یہ صحیح ہے
 کہ آپ باہر اسلامی ممالک میں تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔ یا یہ صحیح ہے کہ کانگریس والے آپ کو
 بھیجنا چاہتے ہیں۔

کشمیر کے سلسلے میں ہم کیا کریں۔ عبداللہ کی پارٹی ملے دفتر امداد لاہور میں آئے ہوئے ہیں
 اور وہ مجلس امداد سے پوری پوری امداد چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں کیا کرنا چاہئے ان دونوں
 سلسلوں میں ہر خود دار عزیز الرحمن کچھ باتیں رہانی عرض کرے گا۔ والسلام حبیب الرحمن لدھیانوی

حبیب روڈ۔ لدھیانہ۔ ۱۹ نومبر ۱۹۴۷ء

حضرت امیر الہند شیخ اسلام دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ایک عرضیہ ارسال خدمت کیا تھا۔ امید ہے کہ پہنچ گیا ہو گا۔ آپ
 کا نام ملا۔ جواب میں اس لئے تاخیر ہوئی کہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ کون سا وقت مقرر کر کے آپ کی خدمت
 میں پہنچنے کی اطلاع دوں۔ یکایک مجھے اختلاف قلب کا دورہ پڑ گیا۔ دو تین دن اس میں مبتلا رہا۔ اس
 کے بعد چنانک چھوٹا لڑکا بیمار ہو گیا اور اس کے ساتھ ساتھ کام کی مصروفیت بہت زیادہ تھی۔
 اب کل مبین تاریخ کو کاظمی صاحب کے الیکشن میں جو لیاقت علی صاحب کے مقابلے میں لڑ رہے ہیں۔
 جا رہا ہوں۔ چوبیس تاریخ کو لدھیانہ واپس آ جاؤں گا۔ ۲۷ نومبر کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہونے
 کا پختہ ارادہ کر دیا ہے۔ اگر اس وقت تک آپ کا قیام بندھیا چل میں رہے تو میں انشاء اللہ ۲۹-۳۰
 نومبر تک آپ کی خدمت میں پہنچ جاؤں گا۔

کل ۱۸ نومبر کو پنڈت جواہر لال نہرو سنٹرل اسمبلی کے الیکشن کے سلسلے میں لدھیانہ تشریف لائے
 ان کے دوپہر کے کھانے کا انتظام میرے محترم دوست خواجہ محمد اعظم صاحب کے مکان پر میرے علم
 اور مشورے کے بغیر ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی کی طرف سے کیا گیا۔ جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے اس مشورے

سے اتفاق کیا۔ سٹی کانگریس کمیٹی کے صدر مسٹر عبدالغنی نے اس سے شدید اختلاف کیا۔ اختلاف ہی نہیں کیا بلکہ مخالفت کی اور جو تار مسٹر عبدالغنی نے مفتی محمد نعیم صاحب صدر ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی کو دیا ہے اس کی نقل آپ کو بھیج رہا ہوں۔ اس تار میں جو الفاظ میرے محترم دوست خواجہ محمد اعظم کے لئے استعمال کئے گئے ہیں ان کو پڑھ کر مجھے بے اندازہ دکھ ہوا ہے۔ جب تک مسٹر عبدالغنی کو کانگریس سے نہ نکال دیا جائے اس وقت تک کسی شریف مسلمان کے لئے کانگریس میں آنے کی جگہ نہیں ہے۔ خواجہ محمد اعظم صاحب خواجہ احمد شاہ مرحوم کے بڑے لڑکے ہیں۔ ان کا خاندان تمام ہندو مسلمانوں میں معزز سمجھا جاتا ہے۔ اس گھر سے زیادہ پنڈت جی کی عزت افزائی کے لئے اور کون سی جگہ تجویز ہو سکتی تھی۔ خواجہ اعظم صاحب ہمیشہ سے کھد پھنتے ہیں اور کانگریس کے ممبر رہے ہیں۔

نہرو رپورٹ کے زمانے میں مسلمانوں کا جو اختلاف تھا وہ آپ کو معلوم ہے۔ جون ۱۹۲۶ء میں لدھیانہ میں آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس کا اجلاس تھا۔ اس اجلاس کو چلانے والے خواجہ محمد اعظم اور ان کے بڑے بھائی خواجہ محمد یوسف تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کے شدید اختلاف کے باوجود پنڈت موتی لال نہرو کو ہر مشورے سے کانفرنس میں شمولیت کے لئے دعوت دی اور ان کا لدھیانہ میں زبردست استقبال ہوا اور مسلمان کشمیری نوجوانوں نے خود ان کی گاڑی کو کھینچا۔ پنڈت جی کے اس وقت یہاں تشریف لانے سے بھی خوش ہوئے۔ کاش ان کی خط و کتابت میرے پاس محفوظ ہوتی تو میں آپ کی خدمت میں بھیجتا۔ جنگ سے پہلے لدھیانہ میں آل انڈیا اسٹیٹ کانفرنس ہوئی۔ پنڈت جو اہر لال اس کے صدر تھے۔ اس وقت بھی خواجہ صاحبان نے پنڈت جی کو شاندار ڈنر دیا اور ایڈریس دیا۔

سب سے بڑا دکھ مجھے اس بات کا ہے کہ جب عبدالغنی کو معلوم ہو گیا کہ پنڈت جی کے کھانے کا انتظام خواجہ صاحب کے یہاں ہوا ہے تو انھوں نے مسلم لیگیوں سے کہہ کر خواجہ صاحب کے مکان پر مسلم لیگیوں کا سخت قسم کا مظاہرہ کرایا۔ خدا کا شکر ہے کہ لیگی اپنے مقصد میں ناکام رہے۔ کوئی شرارت نہیں ہو سکی۔ ان کے پرانے تعلقات لدھیانہ میں مسلم لیگیوں سے ہیں۔ مسٹر عبدالغنی نے شکہ میں

انہی تعلقات کی بنا پر مسلم لیگ ٹکٹ پر کامیاب ممبر کو جو لیگ کے ٹکٹ پر ایک ہی تھا، کانگریسی ممبروں کے
 دوٹوں سے میونسپل کمیٹی کا صدر بنایا۔ تار کے الفاظ ہی عبدالغنی کے خلاف باز پرس کرنے کے لئے کافی
 ہیں۔ باقی واقعات ثبوت کے لئے تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی جائے تو سب چیزیں ثابت ہو سکتی ہیں۔ امید ہے
 کہ اس معاملے میں آپ خاص توجہ فرمائیں گے۔ مہربانی فرما کر آپ مجھے مطلع فرمائیں کہ آپ کا کب تک
 بندھیا چل قیام رہے گا۔

خدمت مولانا ابوالکلام آزاد صدر آل انڈیا کانگریس کمیٹی۔ بندھیا چل

حبیب روڈ لدھیانہ ۲۹ نومبر ۱۹۴۵ء

حضرت امیر الہند شیخ الاسلام دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا گرامی نامہ ملا۔ اور تاریخ بھی موصول ہوا۔ میں کاظمی صاحب کے
 الیکشن سے کل ہی واپس آیا ہوں اس لئے جواب میں تاخیر ہوئی۔ مسلم آزاد بورڈ کے الیکشن کے سلسلے
 میں شیخ حسام الدین، مولانا منظر علی انظر اند اپنے دوسرے عزیز کام کرنے کے لئے یو۔ پی میں گئے ہوئے
 تھے۔ میں انشاء اللہ العزیز ۱۰ ستمبر کو مرزا پور سے آپ کے ساتھ کلکتہ چلوں گا۔ وہاں دو تین دن آپ
 کی خدمت میں ٹھہروں گا۔ اور اگر مجھے یہاں کام سے فرصت مل گئی تو شاید یکم دسمبر کو آپ کی خدمت میں
 حاضر ہو جاؤں گا۔ مگر اس کے باوجود بھی کلکتہ چلوں گا انشاء اللہ۔ صحت خراب ہے، آپ کی دعا کا
 محتاج ہوں۔ کئی ایک پرزگرام صحت کی خرابی کی وجہ سے اچانک ملتوی ہو جاتے ہیں۔ آپ کس ٹرین سے
 مرزا پور سے کلکتہ تشریف لے جائیں گے تاکہ میں اسی ٹرین سے دہلی سے چلوں۔ عزیز ضیاء الرحمن نے
 ایک خط آپ کی خدمت میں آج ہی روانہ کیا ہے۔ وہ آپ کی توجہ کا بے حد محتاج ہے۔ والسلام

حبیب الرحمن

حبیب روڈ۔ شفاعت منزل۔ لدھیانہ۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء

حضرت امیر الہند شیخ الاسلام۔ دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ۳ نومبر کا لکھا ہوا گرامی نامہ ملا اس خط کے آپ کے اس فقرے

نے "کیا کروں دل مانتا نہیں کہ آدمی بیماری کے مقابلے میں ہار جائے" میری روح میں یقین اور جسم میں کام کرنے کی ہمت پیدا کر دی ہے۔ اختلاج قلب کے مسلسل دورے پڑ رہے ہیں۔ اس کے باوجود کچھ نہ کچھ کر رہا ہوں۔ آپ نے خط کے آخر میں تحریر فرمایا ہے انشاء اللہ تعالیٰ بوقت فرصت بعض امور کی نسبت لکھوں گا۔ جو پیش نہاد خاطر ہیں اس تحریر کا بے حد انتظار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تندرستی عطا فرمائے اور آپ کے فیض کو عام کر دے۔ اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ آپ بندھیا چل تشریف لے گئے ہیں۔ بندھیا چل کا پتہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے خط کلکتہ کے پتے پر بھیج رہا ہوں۔

پنجاب کانگریس کے حالات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جو حالات پہلے تھے اب بھی ہیں۔ نہ کام کا ڈھنگ بدلا اور نہ مشورے کو ضروری سمجھا گیا ہے۔ پنجاب کانگریس کی طرف سے جو اقرار نامہ سرگودھل چند نارنگ کو دیا گیا ہے اس نے حالات کو اور بھی خراب کر دیا ہے۔ اس کی کٹنگ بھیج رہا ہوں۔ ہندو مسلم سبھا کی پوزیشن اس اقرار نامے سے کسی قدر قوی ہو گئی ہے اور آزاد خیال مسلمانوں کی نشستیں پہلے سے زیادہ خطرے میں پڑ گئیں۔ یہ کسی کی شکایت نہیں، حالات کی اطلاع ہے۔ ضروری گزارش، لدھیانہ۔ انبالہ۔ کرنال۔ شملہ کے شہری حلقے سے پہلے لالہ دیش بندھو اسمبلی کے ممبر ہیں۔ اب نئے اپنے دوست لالہ تلک رام اگر وال صبن کی درخواست دلوائی ہے۔ ۱۹۱۳ء سے لے کر آج تک لالہ تلک رام جی نے جس دلیری سے کانگریس اور ملک کی خدمت کی ہے وہ اس بات کی سفارش ہے کہ ان کو پنجاب اسمبلی میں کام کرنے کا موقع دیا جائے اور میں کہہ سکتا ہوں کہ پنجاب بچٹ بنانے میں ان سے مفید آدمی پنجاب کانگریس کو نہیں ملے گا۔ لالہ جی نے اگرچہ جیل نہیں کاٹی لیکن وہ مینسپل کمیٹی میں ممبران سے کام اور حکومت کا مقابلہ کرتے رہے، اور دو دفعہ کانگریس کی طرف سے ممبر ہونے کی وجہ سے دس ممبر بھی قرار دیے گئے۔ لالہ جی عملی طور سے غیر متعصب ہیں اور مینسپل کمیٹی میں کام کر کے اپنے شہر پر ثابت کر دیا ہے

حبیب الرحمن لدھیانوی

لہ لالہ جی شملہ میں کشمیر میل کے حادثہ میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور ان کا لڑکا بھی۔

۱۸ دسمبر ۱۹۳۶ء

بخدمت حضرت امیر الہند شیخ الاسلام دامت برکاتہم

السلام علیکم۔ مجھے کلکتہ کے سفر میں خونی بوا سیر کا دورہ شروع ہو گیا تھا، جو ابھی تک جاری ہے لیکن صحت اب پہلے سے اچھی ہے اور اب خون بھی کم آ رہا ہے۔ آپ کی دعا کا محتاج ہوں۔ آج اخبارات میں یہ خبر پڑھ کر بے حد تشویش ہوئی ہے کہ مسٹر رفیع احمد قلدانی کو موٹر سے سخت حادثہ پیش آیا اور وہ بے ہوش ہو گئے جس کی وجہ سے وہ ہسپتال میں داخل کر دیئے گئے۔ ان کی خیریت معلوم کرنے کے لئے میں نے آج لکھنؤ تار بھی دیا ہے۔ برخوردار عزیز الرحمن یا خلیل الرحمن دونوں میں سے کسی کو آپ کی خدمت میں بھیجنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ والسلام

حبیب الرحمن

حبیب روڈ۔ لدھیانہ۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۵ء

امام الہند شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالکلام آزاد دامت برکاتہم

السلام علیکم۔ آپ کے تینوں تار ملے۔ آج میں نے آپ کی خدمت میں تار روانہ کیا ہے کہ اگر آج سیٹیں ریزرو ہو گئیں تو ۳۰ دسمبر کی شام کو آپ کی خدمت میں پنجاب کلکتہ میل سے پہنچ جاؤ گا۔ آج لاہور ایک آدمی کو سیٹیں ریزرو کرانے کے لئے بھیجا ہے۔ اگر ریزرو ہو گئیں تو کل ۲۸ کی رات کو کلکتہ کے لئے روانہ ہو جافل گا۔ اطلاعاً عرض ہے۔ والسلام

حبیب الرحمن

حبیب روڈ۔ لدھیانہ۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۵ء

سیدی و مولائی حضرت مولانا ابوالکلام آزاد دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ۲۸ دسمبر کو سیٹیں ریزرو نہ ہو سکیں۔ اس لئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ نہیں ہو سکا۔ ۲۹ دسمبر کو روانہ ہونا اس لئے بے کار نکلا کہ میں ۳۰ دسمبر کو کلکتہ نہیں پہنچ سکتا۔ چونکہ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ آپ ۳۰ دسمبر تک کلکتہ میں قیام فرمائیں گے۔

اب جہاں آپ مستقل قیام فرمائیں اس کی اطلاع فرمائیں تاکہ میں جلد حاضر ہو سکوں۔ والسلام
حبیب الرحمن

حبیب روڈ لدھیانہ۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۳۵ء

سیدی و مولائی حضرت مولانا دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ۲۸ دسمبر کو سیٹیں رینڈونہ ہو سکیں اس لئے سفر نہ کر سکا۔ ۲۹ دسمبر
کو اس لئے روانہ نہیں ہوا کہ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ ۳۰ تک کلکتہ ٹھہروں گا۔ اگرچہ میری طبیعت
خراب ہے اور سفر کے قابل نہیں ہوں مگر حالات کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں
مہربانی فرما کر مجھے مطلع فرمائیں کہ میں کہاں جلد از جلد حاضر ہو جاؤں۔

آپ کے ارشاد کے مطابق پنجاب میں کہیں بھی احرار اور کانگریس امیدوار کا مقابلہ نہیں ہوا
تھا۔ قصور کے حلقہ سے احرار نے اپنا امیدوار بٹھا دیا۔ اگرچہ ان کو یقین تھا کہ ہمارا امیدوار کامیاب
ہوگا۔ اب مولانا عبدالغفار صاحب غزنوی اس حلقے سے کانگریس کے امیدوار ہیں۔ تمام مل کر ایک
دوسرے کی مدد کر رہے ہیں۔ لاہور کے سول حلقے سے میاں محمد رفیق صاحب احرار امیدوار اور
ان کے مقابلے میں میاں عبدالعزیز بیرسٹر امیدوار تھے۔ بابو محمد دین مزنگ کے رہنے والے پرانے
مشہور کانگریسی نے لاہور کے اس حلقہ سے بطور سیکٹر امیدوار درخواست دی تھی۔ اتفاقاً
میاں عبدالعزیز صاحب کی درخواست مسترد ہو گئی۔ اس وقت بابو محمد دین نے وعدہ کیا کہ وہ میاں
محمد رفیق صاحب احرار امیدوار کے حق میں درخواست واپس لے لیگا۔ اب حالت یہ ہے کہ کبھی کوئی
شخص ان کی طرف سے اعلان کر دیتا ہے کہ انھوں نے لیگ کا ٹکٹ لے لیا ہے۔ لالہ کدلر ناتھ صاحب سہگل
ایم، ایل، اے نے بیان دیا ہے کہ بابو محمد دین صاحب بدستور کانگریسی ہیں۔ اب بابو محمد دین کہتے ہیں
کہ اگر حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مجھے حکم دیں تو میں بیٹھ جاؤں گا۔ ان کی کامیابی کی وہاں کوئی امید نہیں۔
اول تو ضمانت ضبط ہوگی اور ہار جانا تو یقینی ہے۔ مہربانی فرما کر بہت جلدی اس بارے میں بذریعہ تار بابو
محمد دین کو آپ حکم لکھیں کہ وہ بیٹھ جائیں۔ ان کو بیٹھنے کا حکم معرفت مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی دیں۔

والسلام۔ حبیب الرحمن۔ لدھیانوی

عزیزم مولوی حبیب الرحمن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ - فرقہ قادیانی کے بارے میں، میں مسئلہ کو اس طرح سمجھتا ہوں
خود دن از من و لقمہ شردن از تو

اس کی تفسیر کے مقابل خواہ کل امت کا خلاف ہو وہ سب اس کے نزدیک گمراہ ہیں۔ حدیث پیغمبر
اسلام کی جو اس کی وحی کے موافق نہ ہو اس کی نسبت اس کی تصریح ہے کہ ردی کے ٹوکے میں پھینک
دی جائے۔ ان دو اصول اسلام یعنی کتاب اور سنت کی تو اس کے نزدیک یہ حاصلات ہیں اور حسب
تصریح اس کے اس پر شریعت بھی نازل ہوتی ہے۔ اور بمقابلہ اسلامیہ کے بعد ختم نبوت کے آئندہ
کوئی شریعت نہیں ہوگی، صریح اقرار شریعت کیا ہے اور نیز اس کا اعلان ہے کہ آئندہ حج کا دین
کا ہوا کرے گا اور نیز جہاد شرعی اس کے آنے سے منسوخ ہو گیا۔ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
کے معجزات تو تین ہزار ہی نقل ہوئے ہیں۔ منشی غلام احمد قادیانی کے نمین لاکھ ہیں جن میں تحصیل چندہ
کی کامیابی بھی شمار ہے اور اس کے استعار ہیں۔

زندہ شد ہر نبی بآدم نم ہر رسولے نہاں بہ پیر سہم

آنچہ نادوست ہر نبی را جام داداں جام را مرا انجام

نیز اپنی مسیحیت کی امید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جن پر ایمان جزدین محمدی ہے ایسی توہین
کی ہے جس سے دل اور جگر شق ہوتا ہے اور اس کے نزدیک تحقیقی توہین ہے۔ الزامی یا بقول
نصاری تو درکنار ہی توہین عیسیٰ علیہ السلام میں علاوہ اپنی اپنی تحقیقی توہین کے ایک اور
طریقہ بھی اختیار کیا ہے کہ نقل نصاریٰ کے سر رکھ کر توہین سے اپنا دل ٹھنڈا کرتا ہے۔

گفتہ آید در حدیث دیگران

یہ معاملہ بیشتر اسی پیغمبر برحق کے ساتھ کیا ہے تاکہ عظمت ان کی دلوں سے اتار دے اور خود
مسیح بن بیٹھے۔ اس واسطے ہنود کے پیشواؤں کے ساتھ ایسا نہیں کیا ہے بلکہ توفیق کی ہے، اور
ایسے ہی بزرگان اسلام امام حسین علیہ السلام وغیرہم کی تحقیر اور اپنی نقلی میں کوئی دقیقہ نہیں

چھوڑا۔ فرض یہ کہ اس دجال کی دعوت اس کے نزدیک سب انبیاء اور رسل صلوات اللہ علیہم سے بڑھ چڑھ کر اور افضل و اکمل ہے۔ علماء اسلام نے اس فتنہ کے استیصال میں خاصی خدمتیں کیں مگر وہ خدمتیں انفرادی اور خصوصی تھیں، اس وقت ایک لطیفہ غیبی نمودار ہوا ہے کہ جہاد ملت جناب ساقی القاب مولوی ظفر علی خاں صاحب دام ظلہ اس خدمت کا فرض ادا کر رہے ہیں جس کی وجہ سے جناب ممدوح اور ان کے رفقاء جناب مولانا عبد الرحمان صاحب اور مولوی لال حسین صاحب اختر اور احمد یار خاں صاحب سپرد حوائث ہیں۔ ہم کو کچھ حمیت اور حمایت اسلام سے کام لینا چاہئے۔ اہل خطہ کشمیر سمجھ اور بوجھ لیں کہ جو کچھ قادیانی جماعت ان کی امداد کر رہی ہے وہ اہل خطہ کے ایمان کی قیمت ہے اور ناممکن ہے کہ کوئی امداد اور ہمدردی اس فرقہ کی ایمان فریدیہ کے سوا ہو ۷

دانی کہ چنگ دعوہ چہ تقریر میکنند

پہناں خورید بادہ کہ تکفیر میکنند

اور جن لوگوں نے اس فرقہ کے ساتھ کسی قسم کی ردا داری برتی ہے وہ خطرہ میں ہیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کوئی معمولی بیعت ہے بلکہ ایک چھوٹی پیغمبری سے ایک بڑی پیغمبری قادیانی میں تحویل ہونا ہے۔ اور جس کا جی چاہے ان عقاید ملعونہ قادیانی کا ثبوت ہم سے لے اور اس شدید وقت میں کہ وطن کو بے صمیمیہ کے ایمان پر چھاپہ مارا گیا ہے کچھ غیرت ایمانی کا ثبوت دے۔

جن حضرات نے اس احقر سے حدیث شریفہ کے حرف پڑھے ہیں جو تقریباً دو ہزار ہوں گے وہ اس وقت کچھ ہمدردی اسلام کی کر جائیں اور کلمہ حق کہہ جائیں اور انجمن دعوت و ارشاد میں شرکت فرمائیں۔

اس فرقہ کی تکفیر میں توقف یا تو اس وجہ سے ہے کہ صحیح علم نصیب نہیں ہوا اور اب تک ایمان و کفر کا فرق ہی معلوم نہیں ہوا۔ اور نہ کوئی حقیقت فصحاء ایمان کی ان کے ذہن میں ہے۔ اور نہ کوئی مصلحت دنیاوی دامن گیر ہے۔ ورنہ اسلام کوئی نسب اور نسلی لقب نہیں ہے، جیسے یہود اور ہندو

کا ازل نہ مولد جو کوئی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے بس وہ قومی نسی لقب یا ملکی دشہری نسبت کی طرح
 لاینفک ہی رہے، بلکہ عقاید اور عمل کا نام ہے اور ضروریات قطعہ اند مستندات شرعیہ میں کوئی تاویل و
 تحریف بھی کفر و الحاد ہے۔ (زندہ) اند الحاد اس کو کہتے ہیں کہ سچے دین کو گڑبڑ کر دے، اور یہ کھلے کفر
 سے بدتر ہے، یہی اس دجال کی تسلیم کا حاصل۔ ۱۲ منہ)

جب کوئی ایک حکم قطعی اور متواتر شرعی کا انکار کر دے وہ کافر ہے، خواہ اور بہت سے
 کام اسلام کے کرتار ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَيُؤَيِّدَ الَّذِينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ اس میں وارد ہوا ہے۔ حق تعالیٰ صحیح
 علم اور سمجھ اور توفیق عمل نصیب کرے۔ آمین

انتباہ

آخر میں یہ عاجز بحیثیت رعیت ریاست کشمیر ہونے کے حکومت کشمیر کو متنبہ کرنا چاہتا ہے کہ
 قادیانی عقیدہ کا آدمی عالم اسلام کے نزدیک مسلمان نہیں ہے۔ لہذا حکومت کشمیر جمیع اہل اسلام
 اور مذہب قدیمی اہل کشمیر کی رعایت کرتے ہوئے کادیانیوں کی بھرتی اسکولوں اور محکموں میں نہ کرے
 ورنہ اختلال امن کا اندیشہ ہے۔ نقل مطابق اصل

(شیخ الاسلام علامہ) محمد الودشاہ کشمیری عفا اللہ عنہ از دیوبند محلہ خانقاہ ۱۲۵۱ھ

شیخ الاسلام حضرت الودشاہ کشمیری کے تحریری ملفوظات جو کہ حضرت نے خود اپنے قلم سے لکھ

کر مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کو ارسال فرمائے۔ (عزیز الرحمن لدھیانوی)

نوٹ: ۲۵ رزی قعدہ کو ایک عظیم الشان جلسہ زیر اہتمام انجمن امداد اسلام دیوبند منعقد ہوا۔ حضرت
 شاہ صاحب مظلّم نے تاریخ اسلام پر تبصرہ فرماتے ہوئے فتنہ کادیان پر مفصل تقریر فرمائی۔ اس کے بعد
 تقریر بالا پڑھ کر سنائی گئی اور تمام حاضرین جلسہ نے خواہش کی کہ اس کو طبع کر کے شائع کیا جائے۔

پیارے پنڈت جی۔

نسیلم! آپ کا گرامی نامہ سنبھا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ آپ نے اپنے خط میں مجھ سے یہ درج کیا ہے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ مجھے آپ کے کس طرز عمل سے شکایت ہے، مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ البتہ جب آپ جیسے حضرات جو ہندوستان کی آزادی کے علم بردار ہیں بے ضرورت غلطیاں کرتے ہیں تو مجھے دکھ ضرور ہوتا ہے۔ ہندوستان میں یہ غوغا مچایا جا رہا ہے کہ مسلمان کانگریس میں شریک نہیں ہیں اگرچہ یہ بات سرے سے ہی غلط ہے مگر نیشنلسٹ ہندو اور انگریز اپنے اپنے مفاد کے لئے یہ پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔ اس پروپیگنڈے سے مقصد دونوں کا جدا جدا ہے۔ انگریز کا مقصد تو یہ ہے کہ وہ دنیا پر ظاہر کرے کہ کانگریس صرف ہندوؤں کی جماعت ہے۔ اس ساتھ مسلمان شریک نہیں اور ہندو اس لئے یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے کانگریس جھڑے سے وطن کے لئے قربانی اور آزادی کا کام تو لیں، لیکن جب علی حقوق کی تقسیم کا وقت آئے تو ہم انہیں یہ کہہ کر محروم کر دیں کہ تم نے وطن کی آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا، ورنہ آج بھی اس تعداد سے کانگریس میں شریک ہیں جو ہندوؤں کی تناسب آزادی سے کسی طرح بھی کم نہیں میرا یہ بھی یقین ہے کہ ننانوے فیصدی ہندو نیشنلسٹ زبان سے کہتے ہیں کہ مسلمان کانگریس میں آئے مگر دل سے چاہتے ہیں کہ نہ آئیں۔

آپ کو یاد ہو گا کہ مولانا شفیع دادی، سید مرتضیٰ بہادر وغیرہ وغیرہ ۱۹۲۲ء تک پکے کانگرس تھے، لیکن جب سراج پاشی نے سبلی میں سرحد کی اصلاحات کے متعلق ہندو ذہنیت کا ثبوت دیا اور داک آؤٹ کر گئے تو وہ الگ ہو گئے۔ میں ان لوگوں میں ہوں کہ جس کا جذبہ یہ ہے کہ ہندوؤں کی تمام غلط کاریوں کے باوجود مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ کانگریس میں شریک رہنا چاہیے۔ میرے وطن کی آزادی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔

فرقہ دارانہ تصفیہ اور کانگریسی لیڈر

فرقہ دارانہ تصفیہ کے خلاف جو پروپیگنڈہ ہندوستان میں ہوا یا ہو رہا ہے۔ اسے پڑھ کر
بے حد حیرت ہوتی ہے اور میں گھنٹوں سوچتا رہتا ہوں کہ ہم کسی احمق دنیا میں آباد ہیں کہ یا اللہ
ہم ہمارے اپنے تصفیہ کرنے کی ہے اور جس کا تصفیہ ہم نے اپنے بعض خود غرض اور وطن ستھن
دوستانیوں نے اپنی بددیانتی سے خود نہیں ہونے دیا۔ اس کا الزام دوسروں پر کیوں دیتے ہیں
تو میں نہرو رپورٹ کی شکل میں فرقہ دارانہ تصفیہ ہوا۔ مگر گاندھی جی سکھوں کو خوش کرنے کے
اس کو دریائے راوی میں غرق کر گئے اور جن لوگوں نے اس تصفیہ کے لئے اپنی قوم سے بازو اڑا
پتھر کھائے ان سے اس کے غرق کرنے کے وقت مشورۃ تک بھی نہ لیا گیا۔ اس کے بعد وہ مکمل آزادی
نڈ ٹریبل کانفرنس میں لئے گئے ہیں۔ میں ان دنوں بمبئی میں موجود تھا اور میں نے ان سے مل کر کہا آپ
نامہ جانیے جب تک آپ ہندوستانی قوموں میں باہمی تصفیہ نہ کر لیں۔ مگر وہ دنیا میں نہ کسی کی سننے
لے ہیں اور نہ ماننے والے۔ بہر حال راولڈ ٹریبل کانفرنس میں لندن گئے اور ملک کو جو اس سے نقصان
اٹھا سچ گیا ملک کے بدترین دشمن اس راولڈ ٹریبل کانفرنس میں لئے گئے تھے جنہوں نے وزیر اعظم
مردے دیا کہ ہمارے فرقہ دارانہ معاملات کے متعلق جو تصفیہ کر دیں وہ ہمیں منظور ہوگا۔ جب وہ
یہ ان لوگوں کے ارادے کے خلاف آیا تو ان لوگوں نے اس کو مسئلہ بنا کر اس کے خلاف پروپیگنڈا
سردار پٹیل نے لدھیانہ کی ایک کانفرنس میں ایک تقریر میں جو کھلی اسمبلی کے انتخاب کے سلسلہ میں
کہا کہ مالوی جی خود وزیر اعظم سے فرقہ دارانہ تصفیہ لے کر آئے ہیں اور خود ہی اس کے خلاف
پیگنڈا کر رہے ہیں۔ سردار نے سخت الفاظ کہے تھے مگر میں انہیں نقل کرنا نہیں چاہتا۔ کاش!
اے اس تصفیہ کے خلاف اگر اس بنا پر پروپیگنڈا کرتی کہ یہ فیصلہ ہندوستانی قومیت کے خلاف
— ان کا یہ کہنا کہ ہندو فہمیت پر ایک خوبصورت خلاف ہوتا، مگر بات تو محض ہوتی لیکن
نے کیا کیا۔ پنڈت مالویہ جی سے لے کر ان کی پارٹی کے تمام اراکین اور اخبارات نے یہ کہا کہ
ہا اور بنگال میں اسلامی راج قائم ہوگا۔ میرا یقین تھا کہ آپ اس خیال سے علیحدہ رہیں گے
جو شخص ہندوستان کے لئے مکمل آزادی چاہتا ہے اس کا اس بات سے کیا تعلق ہے کہ اگر یہ

ہندوستان کو کیا دیتا ہے کیا نہیں۔ اس کا تو ایک ہی کام ہے کہ وہ بدیشی طاقت کو کہے کہ میرا گھر خالی کر کے
 اور بس۔ لالہ لاجپت رائے آنجنانی نے مجھے دھرم سالہ جیل میں ۱۹۲۲ء میں یہ کہا تھا کہ اگر کانگریس
 نے ہندوستان کے لئے کوئی آئین تیار کیا، یا وہ کسی آئین کے رد و قبول کی بحث میں پڑ گئی تو تمام اقوام
 ہندو پس میں لڑنے لگ جائیں گی اور ہندوستان کی آزادی بہت دور ہو جائے گی یہ بات کتنی سچی نکلی
 آپ سے یہ دکھ سچا ہے کہ آپ نے کمیونل ایوارڈ کے سلسلہ میں کانگریس میں تبدیلی پیدا کی اور
 آپ اس پارٹی کے سامنے جھکے جو وطن کی آزادی کے ساتھ ساتھ ہندو راج کے خواب دیکھ رہی ہے
 کیا آپ مجھے سمجھا سکتے ہیں کہ کمیونل ایوارڈ کے مسترد کرنے کے کیا معنی ہیں؟ کہ ہم انگریز سے کہیں کہ وہ دوپہ
 ہمارے لئے کوئی فیصلہ کر دے۔ اگر اس سے مراد یہ نہیں تو اس کے استرداد کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ
 یہ کہ اقوام ہند کسی باہمی تصفیہ پہنچیں۔ یہ مطلب ہے کہ ہم ہندوستانی اقوام سے یہ کہہ رہے ہیں کہ آپس
 میں مل کر کوئی تصفیہ کر دو۔ اگر پہلی بات سہی تو بدیشی حکومت جو فیصلہ کرے گی وہ ہندوستانی مفاد کے
 خلاف ہو گا۔ اور اگر ہم خود کوئی تصفیہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ پہلے ہونا چاہئے۔ جب ہم تصفیہ کریں گے
 تو یہ خود مسترد ہو جائے گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پنجاب کے سکھ اور ہندو اور بنگال کے ہندو
 بھی کسی ایسے فیصلے کو ماننے کو تیار نہیں ہیں، خواہ وہ خالص قوم پرستی کی بنیادوں پر ہی کیوں نہ ہو جو
 سے ان کو یہ خطرہ ہو جائے کہ اس تصفیہ سے پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت ہو جائے گی۔
 آپ کے موجودہ طرز عمل سے کانگریس کے وقار کو ایک صدمہ پہنچا ہے (مثلاً پنجاب میں)۔ اول تو
 پہلے ہی کانگریس کا کوئی وقار نہیں کیونکہ پنجاب کی کانگریس آپ نے چار ڈاکٹروں کے ہاتھ میں دے
 رکھی ہے۔ پندرہ برس سے میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ان کا سوائے آپس میں لڑنے کے کوئی کام نہیں ہے
 خیر دو ڈاکٹر تو اس وقت اعلانیہ کانگریس سے الگ ہو گئے ہیں۔ ایک تو مسجد شہید گنج کے ٹکٹ پر درک
 کر رہا ہے اور دوسرا امرت سر کی مسجد حوض میں نماز تراویح کے بعد مسلمانوں سے یہ کہہ رہا ہے کہ میں
 پنجاب اسمبلی میں اس لئے جا رہا ہوں کہ مسلمانوں کو پنجاب میں چھپن فی صدی سٹیمیں نہیں ملیں۔ ان کے
 اس حق کو میں لینے کے لئے اسمبلی میں جا رہا ہوں۔ باقی دو ڈاکٹر ہیں ان کو لڑنے سے فرصت نہیں۔ آپ

اس سمجھوتے نے ایک کانگریسی ڈاکٹر کو خفا کر دیا ہے اور مالوی پارٹی برسرِ اقتدار آگئی اور مجھے اندیشہ ہے کہ مالوی پارٹی ہی الیکشن میں کامیاب ہوگی۔

ان حالات میں میرا یہ مطلب نہیں کہ پنجاب میں کانگریس کا اثر نہیں۔ خدا کا شکر ہے میرے دوستوں نے کانگریس کے اثر کو پنجاب میں زیادہ پھیلایا ہے۔ مگر برسرِ اقتدار پارٹی کی جنگ نے کانگریس کو پنجاب میں فنا کر رکھا ہے۔ مکمل آزادی کے ریزولوشن کے بعد کانگریس کا کام یہ ہے کہ وہ حکومت کے ہر عطیہ سے بے نیاز رہے اور اس کو فرقہ پرستوں کے حوالے کر دے اور جو کانگریسی واقعی کانگریسی ہے اس کا فرض ایک ہی ہے کہ عوام الناس میں سچی آزادی کی تڑپ پیدا کرے۔ اگر میرے بس میں ہوتا میں وطن کی آزادی کے لئے مسلمانوں کو ہندو راج پر بھی راضی کر لوں کیونکہ میرے نزدیک اب ہندوستان میں کون سی اسلام کی حکومت ہے جو ہندو راج کے ہونے سے چلی جائے گی۔ ہندو راج اپنوں کا تو راج ہوگا یہ میرے بے ربط خیالات ہیں۔ امید ہے ان سے آپ میرا مافی الضمیر سمجھ گئے ہوں گے۔

نوٹ: میں چونکہ مسلسل سفر میں رہتا ہوں اس لئے آپ کا خط مجھے ستمبر کو ملا اور انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے پڑھوانے اور سمجھنے میں دیر ہوئی۔ کبھی ملاقات ہوئی اور آپ کو بات کرنے کی فرصت بھی ہوئی تو دل کھول کر باتیں کروں گا۔ فقط

حبیب الرحمن لدھیانوی

شفاعت منزل۔ ۲ فروری۔

بیابے پنڈت جی

تسلیم۔ چند ضروری امور کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

۱۔ آپ نے اپنی کتاب میں احمد پارٹی کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ یہ مسلمانوں کی ایک بہترین جماعت تھی۔ لیکن کراچی کانگریس میں ایک مسلمان کے ورکنگ کمیٹی کا ممبر بنانے پر یہ جماعت کانگریس سے الگ ہو گئی اور بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی تہ میں کچھ اور بھی تھا۔ جو کچھ بھی آپ نے ہماری پارٹی کے متعلق لکھا وہ غلط اطلاعات پر مبنی ہے۔ مجلس احرار ۱۹۲۹ء میں کانگریس کمیٹی لاہور میں بنائی گئی تھی۔ ۱۹۳۰ء کی

کانگریس تحریک میں تمام پارٹی کانگریس کے کام پر لگ گئی اور اپنے نام کو اچھالنے کی کوشش نہ کی۔ جس
 مسلمان کی درکنگ کمیٹی میں لئے جانے کی مخالفت کی گئی، وہ کسی ذاتی اغراض یا شخصی عداوت پر نہیں کی گئی تھی
 بلکہ پارٹی دیانت داری کے ساتھ یہ سمجھتی تھی کہ یہ شخص اس اعزاز کا اہل نہیں بلکہ یہاں پہنچ کر کانگریس
 کو بھی نقصان پہنچائے گا اور مسلمانوں کی بدنامی کا باعث بھی ہوگا۔ چنانچہ جو کچھ ہم نے اس شخص کی نسبت
 سمجھا تھا آپ پر بھی ثابت ہو گیا۔ میں کراچی کانفرنس کے زمانے میں جیل میں تھا۔ کیونکہ مجھے عارضی صلح کے
 سلسلے میں رہا نہیں کیا گیا تھا۔ مگر آپ کو اس کی خبر تک نہیں ہوئی کہ کون کارکن کہاں ہے اور کیوں رہا نہ
 ہوا۔ کراچی کانگریس کے بعد ہی پنجاب میں کانگریس کے الیکشن ہوئے۔ اس میں جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ
 کسی شریف اور خوددار آدمی کے لئے قابل برداشت نہ تھا۔ اب کوئی چارہ نہ تھا کہ کوئی شریف اور خوددار
 آدمی وطن کے لئے چار آنے کا ممبر رہ کر کام کرے اور اس کی انتخاب بازی سے الگ ہو جائے۔ یہ وہ اسباب تھے
 جس کی وجہ سے ہم نے کسی ایسے کام میں حصہ نہ لیا جو ہمارے لئے شہرت کا باعث ہوتا، البتہ اپنی ہمت کے
 مطابق کانگریس کا کام ضرور کیا اور میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ہماری جماعت سے بڑھ کر کسی نے کام نہیں کیا۔
 انتخاب کے سلسلے میں میں نے اور میری تمام جماعت نے مسلسل اور صاف طور پر مسلمانوں کو
 کانگریس کی طرف جانے کا مشورہ دیا۔ بلا کسی پرواہ کے میں نے ہر بیان اور ہر تقریر میں مسلمانوں کو کانگریس
 میں شامل ہونے کی اپیل کی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہماری بدقسمتی کا دور پھر پنجاب میں شروع ہو گیا۔
 پنجاب کانگریس میں ایسی پارٹی برسرِ اقتدار آگئی جو ذاتی عداوت اور اسلام دشمنی کے اندر زیادہ پیش
 پیش ہے۔ خواجہ عبدالرحمن غازی بی۔ اے، ایل، ایل، بی اورت سری میرے ان دوستوں میں ہیں جن
 کی سیاسی قابلیت کا آدمی پنجاب میں دوسرا مجھے تو نظر نہیں آتا۔ جس نے دیانت داری، جرأت اور دلیری
 سے پچھلے پندرہ سال میں سخت سے سخت آزمائش کے وقت کانگریس کا ساتھ دیا۔ جس شخص نے اپنے
 دوستوں کی ہلکی سی مخالفت کو کانگریس کے بارے میں برداشت نہیں کیا، آج فرضی اور بے قاعدہ انتخاب
 کر کے اس کو امرت سر کی کانگریس کمیٹی سے الگ کر دینے کا اعلان کیا جاتا ہے یہ الگ کرنے والے وہی لوگ ہیں
 جو بدقسمتی سے کانگریس کے نام پر پنجاب اسمبلی کے ممبر ہو گئے اور پارٹی کا لیڈر ڈاکٹر کچلو ہے، جس نے الیکشن

کے زمانہ میں علانیہ کانگریس کی مخالفت کی اور کہا کہ میں مسلمانوں کو چھپن فی صدی حقوق دلانے کے لئے کونسل میں جا رہا ہوں اور ہندوؤں کی وہی پارٹی آج کانگریسی ہے جس نے دو سال ہوئے اسمبلی کے انتخابات میں دیوان چمن لال کی جو اس وقت کانگریس ٹکٹ پر بھائی پرمانند کے مقابلے میں کھڑے ہوئے تھے علانیہ مخالفت کی اور ان کو شکست دلائی۔

لڑھکیانہ میں اجوا پارٹی کے ممبر اور رکن انفرن سمیت پنڈت مٹی لال کالیہ، جو کانگریس ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے ہیں کے استقبال کے لئے گئے۔ مگر مقامی کانگریس کمیٹی کے متعصب عہدہ دار نے ان کو بے عزت کیا اور واپس کر دیا۔ دوسری طرف میری جماعت کی یہ پوزیشن ہے کہ ہم نے انتخاب کے زمانے میں کانگریس کا پرچہ پیگنڈا کیا۔ مجھے ایک دوست نے کہا کہ تم ابھی ایک مصیبت سے بچاتے نہیں پاسکتے، تم کانگریس کے حق میں پرچہ پیگنڈا نہ کرو، ورنہ مسلمان تمہارا ساتھ نہ دیں گے۔ میں نے جواب میں یہی کہا کہ جب میں سول نافرمانی میں کانگریس کے لئے بند ہو سکتا ہوں تو اس وقت ملک کا کیسے ساتھ نہ دوں۔ پنجاب میں آپ نے بھی اور کانگریسی لیڈروں نے بھی کہا کہ پنجاب سرکاری صوبہ ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ پنجاب کے عوام ہندو ہوں یا مسلمان کانگریس سے محبت کرتے ہیں۔ مگر یہاں کی عام آبادی اور مخلص کارکن کانگریسیوں سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔ جماعتوں کی زندگی، انسانوں کی شرافت اور ان کی سمجھ پر موقوف ہے۔ پچھلے دو سال میں کس قدر محنت کر کے فضا کو درست کیا ہے مگر ڈر ہے کہ اس فضا کو برباد نہ کر دیں۔

پنجاب میں جہاں کہیں کانگریس کمیٹی کا سالانہ انتخاب ہوتا ہے یا ممبر بنائے جاتے ہیں اس کی حقیقت یہ ہے کہ نہ اخباروں میں اعلان ہوتا ہے، نہ بذریعہ ڈھول شہروں میں اطلاع دی جاتی ہے کہ فلاں تاریخ تک ممبر بنیں گے اور ممبری کے یہ شرائط ہیں، بلکہ مجھے ذاتی تجربہ ہے کہ گزشتہ سال میں نے یہاں کے بعض کانگریسی دوستوں سے ممبری کے فارم مانگے تو نہیں دیئے گئے۔ اگر پنجاب میں کانگریس کا انتخاب بھی اسی طرح ہو جس طرح گورنمنٹ نے کر لیا ہے تو موجودہ پارٹیاں خود ہی ختم ہو جائیں۔ کانگریس کمیٹی کے کارکن، حکومت کے ارکان سے انتخاب کے سلسلے میں زیادہ تنگ دل ہیں۔

دنیا کو شکایت ہے کہ حکومت و دفتروں پر اپنا اثر ڈالتی ہے۔ لیکن میرا تجربہ یہ ہے کہ پنجاب کی کانگریس
 کمیٹیاں سرے سے عوام کو کانگریس کا ممبر بنانا بھی نہیں چاہتیں تاکہ کانگریس کے عہدے فنانہ ہو جائیں
 یہ حالات اس لئے لکھے گئے ہیں کہ آپ شاید کوئی اصلاح کر سکیں۔ شکایت نہیں اور نہ کوئی پروپیگنڈا۔
 (۲) آپ کی ایک تقریر کا مقدمہ جو بمبئی میں آپ نے مسٹر جناح کے خلاف کئی اخبارات میں نکالا
 ہے جس پر ہندوستان کے تمام مسلمانوں نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور اسلامی پریس نے
 آپ کے خلاف ایڈیٹوریل لکھے ہیں۔ ہمیں خود مسٹر جناح سے بمبئیوں باتوں میں اختلاف ہے۔ مگر ہم
 حتیٰ الوسع احتیاط سے کام لیتے ہیں اور جھگڑا پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ مسٹر جناح کا ہندوستان میں
 کوئی مخالفت ہو یا موافق، لیکن ہر شخص انہیں دیانت دار ماڈریٹ سمجھتا ہے۔ گورنمنٹ مسٹر جناح کو
 کسی قیمت پر خرید نہیں سکتی اور اس ^{مرکزی} سبلی میں کانگریس کی کامیابی مسٹر جناح کی رفاقت پر مبنی رہی ہے جس
 سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ پچھلے دنوں میں مسٹر جناح نے بار بار اعلان
 کئے کہ ان کی پارٹی کانگریس کے ساتھ کام کرے گی اور وہ مخلوط انتخاب کے حامی ہیں۔ مسلم پریس نے
 تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ الیکشن سے پہلے آپ کو بھی علم تھا اور جناح کو بھی کہ مسلمان کانگریس ٹکٹ
 پر کامیاب نہیں ہوں گے اور آپ کو یہ بھی علم تھا کہ سارے ہندو کانگریس کے ٹکٹ پر نہ آسکیں گے۔
 اسی لئے اس وقت آپ مسٹر جناح کی انتخابی جدوجہد کو پسند کرتے تھے۔ لیکن چند صوبوں میں کانگریس
 کی فتح نے کانگریسی لیڈروں میں غیر ضروری غرور پیدا کر دیا ہے۔ اب وہ سب کو ذیل سمجھنے لگے ہیں جیسے
 کہ وہ ۱۹۳۷ء کی عارضی صلح کے بعد سے مسلمانوں کو سمجھنے لگے تھے۔ آپ اس وقت ہندوستان کے
 بڑے لیڈر ہیں۔ آپ کی زبان سے ایسی باتیں نکلیں جس سے اقوام میں تلخی پیدا ہو ملک کے لئے نقصان
 رساں ہے۔ ہم فتح کے بعد یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ انگریز ملک سے نکل گیا اور ہم مالک ہو گئے، حالاں کہ
 انگریز ابھی اسی ملک میں موجود ہے۔ میں اس کہنے میں حق بجانب ہو گیا کہ ملک میں فرقہ وارانہ فساد
 لیڈروں کی غیر ذمہ دارانہ تقریروں اور تحریروں سے شروع ہوئے ہیں۔ مسٹر جناح سے جس بات پر
 آپ کا جھگڑا شروع ہوا ہے وہ کوئی بات ہی نہ تھی، بلکہ اگر آپ ان کی تقریر کا جواب نہ دیتے تو البتہ

زیادہ مؤثر جواب ہوتا یا جواب میں ایسے اچھے الفاظ استعمال کئے جاسکتے تھے جس سے تلخی پیدا نہ ہوتی۔
 نہرو رپورٹ میں ہمیں کیوں ناکامی ہوئی، صرف اس لئے کہ کلکتہ کنونشن میں مسٹر جناح سے نازیبا سلوک
 کیا گیا اور آج اسی تاریخ کو پھر وہ ہرایا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم نے یہ بات سچ کہی تھی کہ ”ہندو
 مسلمان میں کوئی جنگ نہیں۔ لیڈروں کی ذاتی رنجشوں نے سارے کام کو تباہ کیا ہے۔ اگر مسٹر جناح اور
 پنڈت مونی لال نہرو اور جبگیر اور مولانا شوکت علی میں ذاتی رنجش نہ ہوتی تو ملک کا یہ حال ہوتا۔“ آپ
 کو معلوم ہے کہ کئی سال کے بعد ملک کی فضا پھر درست ہو رہی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اسے الفاظ کی تیزی
 سے بگڑنے نہ دیا جائے۔ مسٹر جناح کے متعلق جو تقریر آپ کی چھپی ہے اس پر ہندوستان کے کل اسلامی
 پریس نے لکھا ہے، ”مسٹر جناح خیالات کے اعتبار سے آپ کے بہت قریب ہیں اس سے بہتر اور آدمی نہیں
 ہے، آپ ان کو اور قریب لانے کی کوشش کریں۔“

۳۔ جلد سے جلد آپ سے کسی قریب اسٹیشن پر ملتا چاہتا ہوں، بشرطیکہ ایسی جگہ آپ کا
 دو تین دن قیام ہو تاکہ ملک کے اندر آنے والے حالات پر آپ سے تفصیلی گفتگو کر سکوں۔ یہ خط نہ کہتا
 آپ سے اس لئے کرتا ہوں کہ جی چاہتا ہے کہ ملک میں کانگریس کی وقعت ہو اور ملک کی آزادی قریب
 آجائے چونکہ آپ مجتہد ہیں اس لئے جو بات دل میں تھی آپ کو صاف صاف لکھ دی خواہ آپ
 اسے قبول کریں یا نہ کریں۔ احسان کا اڈیٹوریل جس میں آپ کی تقریر شامل ہے ہمراہ ارسال ہے۔

حبیب الرحمن لدھیانوی۔ صدر مجلس احرار اسلام ہند

مخدوم المکرم حضرت مفتی صاحب

آج لاہور سے واپس آیا تو آپ کا گرامی نامہ ملا۔ جن الفاظ کے ساتھ آپ نے مجھ کو مخاطب
 فرمایا ہے۔ میں ان کا مستحق نہیں ہوں آپ کی عزت اور احترام میرے دل میں پہلے سے زیادہ ہے
 مجھے جمعیتہ العلماء کے موجودہ طریقہ کار سے سخت اختلاف ہے لیکن باوجود اس کے میرے دل میں ایک
 سیکنڈ کے لئے بھی یہ شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ جو کچھ جمعیتہ العلماء نے اب تک کیا ہے اس میں کوئی بددیانتی

ہے۔ ہر مسلمان نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو شریف ہو، دوسروں کی عزت کرتا ہو اور اپنی عزت کی اس کو قدر ہو، اس سے ہر وقت ہر حالت میں تبادلہ خیالات کیا جاسکتا ہے۔ آپ کے والا نامہ کا قطعی اور آخری جواب میں اس مسئلہ کو اپنی جماعت کے سامنے پیش کر کے دے سکتا ہوں، لیکن علی برادران کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیا حجاز وفد لے جانے کے وقت سے اب تک ان کا کوئی کام آپ کے نزدیک اخلاص پر مبنی ہے۔ کیا انھوں نے حرمتِ رسول کے مسئلہ میں غلطی نہیں کی مخلصین کو ذلیل کرنے اور فرقہ پرستوں کی امداد کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت کیا۔ اور کیا کوئی شخص اس بات کی تردید کر سکتا ہے کہ محمد علی اپنی رہنمائی کے زعم میں سرحد میں جا کر اسلامی تحریک کو قیل نہیں کیا نہ روپورٹ کے متعلق جو کچھ شوکت علی نے کیا ہے کیا اس میں دیانت کا بھی کوئی دخل ہے میں یقین سے کہتا ہوں اگر محترم موتی لال نہرو علی برادران کو اپنے جلوس میں دائیں اور بائیں بٹھالیتے تو علی برادران نہرو روپورٹ کو آسمانی صحیفہ بناتے میری آنکھوں نے دیکھا ہے اور کانوں نے سنا ہے کہ انھوں نے سوامی جی کے ساتھ مل کر کام کرنے کا پروگرام بنایا اور سوامی جی کے کہنے پر قسم کا پروگرام منظور کرنے پر تیار ہو گئے۔ اس وقت کہنیا لال بن راز احمد گاندھی جی کی سرماں برداری کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ _____ میں اور کیا عرض کروں اور کیا لکھوں۔ کلکتہ میں جو کچھ ان دو رام پوری شریف انسانوں نے کیا ہے وہ اس قابل نہیں کہ اسے کوئی شریف آدمی نقل بھی کر سکے۔

شریف سے ملا جاسکتا ہے۔ سر آغا خاں کی زبانی صحت کے لئے دعا ہو سکتی ہے مگر ابوالکلام آزاد ڈاکٹر انصاری اور مخلصین کی جماعت مقدر ماندہ درگاہ ہو چکی ہے کہ رئیس الاحرار رضی اللہ عنہم اسلام ان بات کرنے کے روادار نہیں، ہمارے دشمنوں سے روپیہ لے کر ولایت کی سیر کرنے والے آج ہم پر سرمایہ داروں کے روپے کا الزام لگاتے ہیں۔ میں آپ کو یقین داتا ہوں کہ میں نے ان دونوں بھائیوں کے خود اپنے ہاتھوں سے بوٹ صاف کئے ہیں اور پہنائے ہیں۔ اس لئے کہ میں ان کو مسلمانوں کا ہی خواہ سمجھتا تھا۔ لیکن حجاز کے واقعے سے لے کر اب تک جو حالات مشاہدہ میں آئے ہیں مجھے یہ دونوں

۳۳ اگست ۱۹۴۵ء

محترم نپڈت جی

حافظ ابراہیم صاحب کے الیکشن میں آپ نے ہم سب کو بلایا اور کامیابی کے بعد نواب اسماعیل صاحب کے جواب میں آپ نے یہ لکھا کہ انتحاب میں جو سخت کلامی یا زیادتی ہوئی ہے وہ احرار اہل جمعیت کے کارکنوں کی ہے۔ گویا کانگریس کی خدمت کرنے کا یہ سرٹیفکیٹ تھا جو آپ نے ہمیں دیا تھا اسی طرح جب لکھنؤ کانگریس کے مشورے سے حافظ ابراہیم صاحب کا جلوس کامیاب کرنے کے لئے احرار والینڈز اور کارکن جس میں میں بھی شریک تھا، کا پیہر گئے تو وہاں پر مسلم لیگ کی طرف سے حافظ و خلافت کیٹی پنجاب اور علی بھائیوں کا اختلاف ایسا ہی تھا جیسا کہ اقبال نے کہا ہے گلہ ہائے وفا و جفا نما

حرم کو اہل حرم سے ہے۔ کسی بہتہ کد میں بیان کر دے تو ضمن کلمہ کہ دے ہری ہری

ابراہیم کے جلوس پر پتھروں کی بارش اور لٹھیاں برسائی گئیں اور حالات یہ ہو گئے کہ حافظ صاحب اور میں شاید قتل ہو جائیں۔ تب احرار والینٹرز نے حافظ صاحب کی اور میری جان بچائی، اور وہ خوب پٹے اور زخمی ہوئے مگر ہوا یہ کہ احرار والینٹرز اور لیگی والینٹرز دھڑلے گئے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کانپور نے بیان دیا کہ احرار اور لیگ کا فساد ہو گیا اس لئے گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں لیگی والینٹرز کی ضمانت اسی دن لے لی گئی اور احرار کی آٹھ دن کے بعد اس قسم کی دس بارہ مشایا صرف یو پی گورنمنٹ کی آپ کو بتا سکتا ہوں

شملے میں تو آپ نے مسلم لیگ کو پانچ سیٹیں دینا منظور نہ کیں۔ مگر وارڈھا جا کر گاندھی جی نے بیان دے دیا کہ پاکستان سکیشن ابھی تک منظور ہے۔ اس کہنے کا شملہ کانفرنس کے بعد یہ مطلب ہے کہ کانگریس کے ہندو لیڈر پاکستان دینے کو تیار ہیں اور اگر کاوٹ ہیں تو حبیب الرحمن سے لے کر ابوالکلام آزاد تک۔ آپ نے کشمیر سنبھلے ہی فوٹاب ممدوٹ صدر مسلم لیگ پنجاب اور نواب دولتانہ سکریٹری مسلم لیگ پنجاب کی دعوت پر آپ نے پارٹی لی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مولانا آزاد پر جوتوں اور پتھروں کی بارش کرائی۔ ان کو آپ نے عزت بخشا۔ آپ نے ان کے اس کہنے کو سچا کر دیا کہ ہمارے دل میں کانگریس کے ہندو لیڈروں کی پوری عزت ہے البتہ کانگریسی مسلمانوں کے لئے ہمارے دل میں کوئی عزت نہیں ہے۔ سینکڑوں مسلمان میرے دوست یہ کہتے ہیں کہ جب پنڈت جواہر لال نہرو اور گاندھی جی لیگی لیڈروں کی عزت کرتے ہیں تو آپ ان کے کیوں خلاف ہیں۔ معاف کریں آپ نے نیشنلسٹ مسلمانوں اور آزاد خیال مسلمانوں کو استعمال کرتے ہیں، اور بس۔ آپ میاں ممتاز دولتانہ کے یہاں ٹھہر بیٹھے جو کمیونسٹ ہونے کے ساتھ مسلم لیگ ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے اس کے کہنے پر پارٹی بھی لی ہے۔ اس طریقہ کار نے کانگریس اور ملک کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کا اندازہ آپ نہیں کر سکتے۔

پنڈت جی آپ جانتے ہیں کہ میں کانگریس یا آپ لوگوں سے نہ کوئی لالچ ہے اور نہ کوئی فرعن۔ جو مسلمان آج ہمارے مخالف ہیں وہ ہمارے پیر چومتے تھے اور پیر چومنے کو تیار ہیں

اُن کا ہم سے ایک مطالبہ ہے کہ ہم کانگریس کے معاملہ میں صرف خاموش ہو جائیں۔ ہم نے جب تک کانگریس کا ساتھ دیا ہے یا دے رہے ہیں۔ وہ ہندوستان کی آزادی اور ملک کی عزت کے لئے ہے۔ ہم نے ملک کی آزادی کی محبت میں عزت، آبرو اور مال سب کچھ قربان کر دیا ہے۔ کاش ہندو کانگریسی لیڈروں کے دل میں اس کا احساس ہوتا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کا ہمارے ساتھ طریق کار ایک سیاست داں کا ہے ایک محب وطن کا نہیں ہے۔ آپ افتخار الدین جیسے مسلمانوں کے دوست میں جن کے مسلمان ڈائریور بھی ان کے ساتھ نہیں ہیں اور یا مسلم لیگ کے لیڈروں سے آپ ملے بغیر چل نہیں سکتے۔

میں یہ کہنا بھول گیا کہ جب ملک خضر حیات تھاں نے پنجاب میں جناح اور مسلم لیگ کو ختم کر دیا تو گاندھی جی نے بھائی جناح لکھ کر اس کو زندہ کر دیا۔ اگر ملک کی آزادی کی محبت ہمارے دل میں نہ ہو تو سچ کہتا ہوں کہ آپ کا طرز عمل ایک منٹ کے لئے بھی کانگریس میں کام کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ آپ کا فرض تو یہ تھا کہ کوئی مسلم لیگی لیڈر آپ کے پاس آتا تو آپ اس سے کہتے کہ حیات کرنی ہے جو مولانا داؤد غزنوی اور حبیب الرحمن سے کرو اور بس۔ اگر آپ لوگوں نے ایسا کیا مہوتا تو آج آپ کو یہ حق دیکھنے نصیب نہ ہوتے کہ کانگریس میں تلاش کرنے سے بھی مسلمان نہیں ملتا۔ آپ کا جواب آنے پر آپ کی اجازت سے یہ خط پریس کو دیا جائے گا۔

آپ کا بھائی (مولانا) حبیب الرحمن لدھیانوی صدر مجلس حرار اسلام ہند

۵ مئی ۱۹۳۱ء

مولائے اکرم

میں نہ آپ کی طرف سے مطمئن تھا اور نہ سب نے لاپردائی برقی، بلکہ سخی رہائی کے بعد مایوس ہو کر اپنے اور آپ کے جذبہ خودداری پر بھروسہ کر گیا۔

ہوم سکریٹری اور دیگر ذمہ داروں سے جا کر تبادلہ خیالات اکثر اوقات کرتا رہا لیکن گورنمنٹ پنجاب کی رپورٹ پر ”آپ کی تقریر شدیداً گنہگار پر جوش ہوئی رہی“ ہمارے لئے فوراً سوال خودداری

کا پیدا ہو گیا اور اس کے بعد اب اس سے زیادہ گر کر التجا کو آپ کے اشار کے منافی اور خود داری کی ضد سمجھا اور مناسب جائگہ دونوں کی مدت پوری کر کے بے منت غیر آپ عنقریب آجائیں گے اور جلد از جلد مجھ سے ملاقات ہوگی۔

بعض اہم امور کے متعلق آپ سے جلد ملاقات ہونا ضروری ہے۔ آپ بعد ازادی آجائیں تو بہتر ہے۔

میں ۹ تک تو دہلی میں مسلسل رہوں گا، اس کے بعد شاید بھوپال اور پھر امر کو رام پور رہوں گا۔ فقط والسلام مخلص مختار احمد انصاری (ڈاکٹر انصاری مرحوم)
۳۱ مئی ۱۹۳۱ء

مکرمی جناب مولوی حبیب الرحمن صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ دلی مبارک باد عرض ہے۔

اپنی مدت قید پوری ہی کر چھوڑی۔ ہاں کیوں کسی کا احسان لیجئے مردان خود دار اسے ہی کہتے ہیں۔ ماشاء اللہ سبحان اللہ

میں آج رام پور جا رہا ہوں۔ آپ کی ملاقات نہایت ضروری ہے۔ ایک وقت کے لئے آپ اگر مرحون کو آجائیں تو سب سے ملاقات بھی ہو سکے گی۔ باقی عند التلاقی
فقط والسلام۔ مخلص مختار احمد انصاری دہلی دریا گنج

۵ مئی ۱۹۳۱ء
دہلی

جناب مولانا۔ علیکم السلام ورحمۃ اللہ

آپ کا خط ۵ جون ۱۹۳۱ء کا آج مجھ کو بعد ایسی ملاز اور یہ اتفاق ہے کہ بالکل اسی طرح کا خط شیخ صاحب کا بھی امت سر سے آج ہی پہنچا۔ مضمون دونوں خطوط کے واحد ہیں اور صرف لفظی طور پر اقلیتوں کے لئے ۳۰ فیصدی پر ترمیم کا اصرار ہے، اسے تو اس سمجھوں یا خیال کی کیسایت بہر حال یہ واقعہ ہے کہ آپ لوگوں کا اصرار کیسا ہے۔

میں نے اپنی فرید پور کی تقریر میں علی الاعلان آپ لوگوں کی منشا کے مطابق ترمیم بجائے تیس فی صدی کے ۲۵ فی صدی کر دی۔ اور نہ صرف یہ بلکہ آپ دیکھئے گا کہ اقلیتوں کے تحفظ کی تعداد بجائے ۳۰ فی صدی کے ۲۵ فی صدی کر دی گئی۔ بلکہ پنجاب اور بنگال میں اکثریتوں کے اگر بالوں کو حق دئے دی نہ دی جائے یا اگر وٹروں کی فہرست پر مسلمانوں کی تعداد ان کی آبادی کے تناسب سے نہ آ سکے تو اس وقت تک جب تک کہ ان دونوں میں سے کوئی صورت پیدا نہ ہو ان دونوں صوبوں (پنجاب اور بنگال) میں مسلمان اکثریت کا کم سے کم ۱۵ فی صدی نشستوں کے تحفظ کا مطالبہ کرے گی میں اپنی تقریر کی ایک کاپی شیخ حسام الدین کے پاس روانہ کر رہا ہوں اور ان سے استدعا کر رہا ہوں کہ وہ آپ کے پاس ترجمہ کر کے جلد بھیج دیں گے۔

اسی تقریر میں صفحہ ۵ کی دفعہ الف شامل ہے۔ اس سوال کو کافی توضیح کے ساتھ حل کر دیا ہے جو آپ لوگوں کے اجلاس میں کمی رہ گئی ہے اور جس کی واپسی پر لوگوں کو اصرار ہے اور یہ کہ نہ صرف وہ دفعہ واپس ہو گئی ہے بلکہ بعض اور مفید تجاویز پر حاوی ہے۔

مولانا میں نے کئی خطوط لکھے جن کے جواب میں آپ کی تشریف آوری کا مقررہ جواب ممکن ہے آیا ہو لیکن آپ کے آنے کی اشد ضرورت تھی۔ مجھ کو اپنے گجرات جنیل کے اجاب سے سخت دکھ ہے اور آپ سے تو سخت شکایت ہے۔ دیکھئے کہ سب نے نیشنلسٹ مسلم پارٹی کے بعد لکھنؤ کے قریب (کچھ دنوں سے یا کچھ دنوں بعد) چودھری صاحب شیخ حسام الدین صاحب۔ سید عطار اللہ شاہ بخاری اور غازی عبدالرحمن صاحبان کو الگ الگ خطوط لکھے اور ان میں سے کسی نے بھی گوارا نہ کیا کہ مجھ کو اس خط کی رسید ہی لکھ دیتے۔

چودھری صاحب نے ڈاکٹر سید محمود صاحب کو ایک خط لکھا اور اس کی نقل مجھ کو بھی بھیج دی، گویا میرے اس خط کا جس میں سیاست حاضرہ پر شرکت عمل کی دعوت تھی، اس طرح جواب دیا گیا۔ بہر حال میں نہیں سمجھتا کہ اب اس اعلان ترمیم کے بعد بھی آپ لوگوں کے لئے سعی اور جدوجہد کوئی غنہ باقی ہوگا۔

مولانا! کہی ہوئی باتوں پر اعتماد نہ کرنا چاہئے۔ ہم کو ان داندازیوں سے بالکل الگ رہ کر اپنے عزم و استقلال کا مظاہرہ کرنا ہے۔ پیشتر کوئی کون تھا یا اس کا نصب العین کیا تھا، اس بیکار مسئلہ پر گفتگو میں وقت ضائع نہ کرنا چاہئے اور نہ آپ کو اس میں وقت ضائع کرنا چاہئے۔ کہنے والے اس سے بھی زیادہ آئندہ کہیں گے۔ ہم کو اپنے کام سے کام ہونا چاہئے۔

آج میں جا رہا ہوں اگر آپ کے یہاں کی تاریخیں ۱۱/۱۲ کے بجائے تیسرے مفتے جلسے کے لئے مقرر ہوئیں تو میں بھی کسی نہ کسی طرح شرکت کرتا اور تبادلہ خیال سے فائدہ اٹھاتا۔ لیکن میری سے ۱۰ روکنے ہو کر ۱۲ روک لانا ہو رہا ہے میرے لئے ناممکن ہے۔ ابھی ابھی فرید پور سے مارا مار چلا آ رہا ہوں۔ تھکان کے علاوہ اب طبیعت بھی اس قدر شدید محنت کی متحمل نہیں رہی۔ والسلام
آپ کا مخلص مختار احمد انصاری (دہلی دریا گنگہ)

رحمان منزل۔ لدھیانہ۔ ۲۴ جولائی ۱۹۳۱ء

محترمی و مکرمی جناب ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم۔ آپ سے رخصت ہو کر میں اور شاہ صاحب اور شیخ حسام الدین صاحب دودن میرٹھ ٹھہرے اور ۲ جولائی ۱۹۳۱ء کی شام کو لاہور پہنچے۔ ۲۲ اور ۲۳ دو دن تک مجلس احمدی کی ورکنگ کمیٹی کانگریس کے فارمولا پر غور کرتی رہی۔ بعض اختلافات کی وجہ سے فارمولا ناقابل قبول قرار دیا گیا۔ آج یا کل ایک بیان اس کے متعلق جماعت کی طرف سے شائع ہو جائے گا۔ جن وجوہات کی بنا پر فارمولے کو نامنظر کیا گیا ہے، میرے خیال میں وہ ایسے نہیں ہیں کہ اگر آپ کوشش فرمائیں تو ان کا حل ہو سکتا ہے۔ اس عریضہ لکھنے سے اصلی مقصد یہ ہے کہ ہماری جماعت کا کوئی فرد ایک منٹ کے لئے یہ نہیں چاہتا کہ وہ آپ سے یا حضرت مولانا ابوالکلام آزاد

سے کسی مخالفت کا اظہار کرے۔ آپ نے دہلی میں کئی تقریریں فرمائی ہیں اس کا خلاصہ جو اخبارات میں شائع ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ”علیحدہ انتخاب کے حامی سب کے سب گریڈنٹ کے تنخواہ دار ہیں۔“ اس فقرہ سے ہم سب کو لذیت پہنچی ہے۔ بعض دوستوں کا خیال تھا کہ اخبارات میں اس

کا تردید ہی بیان دے دیا جائے۔ پھر سب دوستوں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ آپ کی خدمت میں لکھا جائے، آپ ہی تردید فرمادیں۔ کیونکہ شاید اخبارات نے غلط رپورٹ شائع کی ہو۔ مجھ کو امید ہے اس معاملہ میں آپ ہماری مدد فرمائیں گے۔

وہی خواہش ہے کہ آپ کے بعضی جاننے سے پہلے آپ سے ایک دفعہ پھر مل سکوں بشرطیکہ ہندوستان میں اطلاع مل جائے کہ آپ اس ہندو دہلی میں ہیں۔ والسلام معہ الاکرام

حبیب الرحمن لدھیانوی صدر مجلس احرار ہند

صداقت آشرم ٹینہ۔ ۲۵ مارچ ۱۹۳۶ء

مکرمی مولانا صاحب

بعد آداب تسلیم۔ میں بخیریت پٹنہ پہنچا۔ آپ کی خیریت چاہتا ہوں۔ آپ نے ہربانی کر کے جو الجمعیت کا پرچہ بھیج دیا تھا۔ اس کی نسبت میں نے یہاں ایسوسی ایٹ پریس کے منیجر کے پاس خط لکھا جو میرا بیان الجمعیت میں چھپا ہے، وہ میں نے نہیں دیا اور وہ کہاں سے ایسوسی ایٹ پریس نے الجمعیت کے پاس بھیجا۔ اس کے جواب میں جو خط آیا ہے اس کی نقل بھیج رہا ہوں اس سے صاف ظاہر ہو گا کہ میں نے یہ بیان دیا ہی نہیں۔ چونکہ آپ نے ہربانی کر کے میری توجہ اس طرف دلا دی تھی۔ آپ کو اس کی نسبت عرض کر دینا ضروری سمجھا اور شکریہ ادا کرتا ہوں نہیں تو یہ غلط فہمی رہ جاتی اور مجھے کوئی موقع بھی اس سے صاف کرنے کا نہیں ملتا۔ زیادہ آداب۔

نیا زمندراجندر پرشاد (پہلے ہندو)

۶ دسمبر ۱۹۳۶ء۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی۔ سورتاج بھون الہ آباد

مولانا حبیب الرحمن صاحب صدر مجلس احرار لاہور

مکرمی۔ آپ کا خط مجھے بعضی سے واپسی پر کل ملا۔ اس کا جواب انگریزی میں بھیجتا ہوں لیکن آپ کی آسانی کے لئے یہ مختصر جواب اردو میں بھیجتا ہوں۔ میں نے اپنے پہلے خط میں آپ کی توجہ چند سوالوں کی طرف دلائی تھی۔ ان سوالوں کا ذکر آپ نے اپنے جواب میں کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس پر غور کریں اور اپنی صلاح مجھے دیں۔ مجھے اس بات سے مطلب نہیں ہے کہ ہندو معاہدہ سمجھا یا

نیشنلسٹ پارٹی کی کیا اس مسئلہ میں رائے ہے۔ مجھے تو کانگریس کی رائے سے مطلب ہے اور میں جانتا چاہتا ہوں کہ آپ کو اس سے کیا شکایت ہے۔ کانگریس کی رائے یہ ہے۔

فرقہ دارانہ فیصلہ ہندوستان کی آزادی کے لئے نقصان دہ ہے۔ وہ ہندوستان بھر کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے اور جو ہمارے اصلی سوال غریبی اور بیکاری ہیں ان کو پیچھے کر دیتا ہے۔ یاد رکھئے کہ یہ فیصلہ خالی ہندوؤں اور مسلمانوں کی نسبت نہیں ہے۔ اس میں سب قومیں اور فرقے شامل کئے گئے ہیں یہاں تک کہ انگریز بھی ہیں۔ اس کے ذریعے سے ہندوستان کے آٹھ نو ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ بنگال میں جو یورپین ہیں ان کی خاص اہمیت ہو گئی ہے اور ان کی رضا مندی کے بغیر کسی گروہ کے لئے بھی کام کرنا مشکل ہو گا۔ اس لئے یہ فرقہ دارانہ فیصلہ مسلمانوں کا خالی نہیں ہے بلکہ اس میں اور بھی پھیل گیاں ہیں جو ہمیں آگے بڑھنے سے روکتی ہیں۔ ایک اور بات غور طلب ہے کہ اس فیصلہ سے اثر کچھ اور پری لوگوں پر آتا ہے چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان یا کوئی اور عام لوگوں پر یا ان کے سوا کوئی اثر نہیں غریبی یا ہندوستان کی بڑھتی ہوئی بے کاری سے کوئی مطلب نہیں۔ جو شخص ملک کی آزادی چاہتا ہے یا جو شخص عام لوگوں کی غریبی دور کرنا چاہتا ہے اس کو ان اور پری باتوں میں دل چسپی نہیں ہو سکتی ہے۔ اور جو رکا وٹیں اس کے راستہ میں آئیں ان کو ہٹانا چاہتا ہے۔ فرقہ دارانہ فیصلہ ایک بنیادی طور سے ہماری قومیت اور آزادی کے خلاف ہے چنانچہ اس کو ہٹانا ہی ہے۔ اگر ہم آزادی چاہتے ہیں۔ کیوں کہ آزادی اور یہ فیصلہ ساتھ ساتھ نہیں چل سکتا۔

یہ کانگریس کی رائے ہے، جہاں تک اصولی سوال ہے لیکن کانگریس کا یہ بھی پختہ یقین ہے کہ اس مسئلہ پر کوئی مناسب فیصلہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ مختلف فرقے مل کر رضا مندی کے فیصلے پر نہیں پہنچتے۔ اس لئے کانگریس کوئی قدم بغیر اس رضا مندی کے نہیں اٹھانا چاہتی۔ علاوہ رائے دینے کے وہ کوشش اس بات کی کرنا چاہتی ہے کہ ہم سب آپس میں مل کر فیصلہ پر پہنچیں۔ آپ اسی دونوں باتوں میں فرق دیکھئے گا۔ کانگریس کی رائے صاف ہے، وہ فرقہ دارانہ فیصلہ کے بالکل خلاف ہے لیکن عملی طور پر وہ کچھ کیا نہیں چاہتی جب تک کہ آپس کا فیصلہ نہ ہو جائے اس کی رائے کہیں لی جائے

تو وہ رائے ضرور دے گی۔ اگر نئی کونسلوں میں یہ بات پیش ہو (کانگریس والے نہیں ہیں کہ مگر) تب کانگریس اپنی رائے ضرور دے گی کہ فرقہ دارانہ فیصلہ غلط اور نقصان دہ ہے لیکن اس کے ساتھ اس بات کو صاف کرنا چاہیے کہ اس میں ترمیم اس سمجھوتہ کے ساتھ ہونی چاہئے اس کے لئے ایسے مسئلہ پر کوئی رائے نہ رکھنا یا خاموش رہنا ایک فضول اور نیکی بات ہو جاتی ہے۔

ہرمانی کر کے آپ مجھے بتائیے کہ اس کانگریس کی رائے سے آپ کو کیوں نا اتفاقی ہے۔ آپ اور احرار لوگ ہندوستان کی کامل آزادی چاہتے ہیں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ فرقہ دارانہ فیصلے کے ہوتے ہوئے ایسی آزادی ہم حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ اس کو ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں تو وہ ایک غلط چیز ہے اور اس کو ہٹانا چاہئے۔ سوال یہ نہیں ہے کہ ہندوؤں کو کیلئے اور مسلمانوں کو کیا ملے جو بھی کچھ کسی کو ملے یہ فیصلہ غلامی کا فیصلہ ہے اور کوئی قوم جو آزادی چاہتی ہے اس کو منظور نہیں کر سکتی۔ یہ ممکن ہے کہ مسلمانوں کو جو کچھ اب ملا ہے وہ کسی اور ذریعے سے بھی محفوظ رہ سکے۔ لیکن اس فیصلہ کی بنیاد ہر صورت سے بدلتی پڑے گی۔ اور عام مسلمانوں کو ملا ہوا کیا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ ان مسئلوں پر غور کر کے اپنی رائے بھیجیں۔ میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کو اس فیصلہ سے زیادہ نقصان ہے نسبت اوروں کے۔ اگر کسی کو فائدہ ہے تو وہ ایک مٹھی بھرا دھوپ کے آدمیوں کو، اور عام لوگوں کو نہیں۔ فقط

نیا زمند۔ جواہر لال نہرو

۱۷ اپریل ۱۹۳۳ء

میرے نہایت ہی عزیز اور قابل تکریم دوست و بزرگ

آپ کا شفقت نامہ پڑھا۔ خود کو کھویا ہوا سا محسوس کرنے لگا۔ میں حیران ہوں اور افسوس کے ساتھ مصرع خدمت ہوں کہ میری نسبت آپ کی معلومات ستر یا غلط اور بے معنی ہیں۔ آپ کو یقین ہونا چاہیے کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور صرف محبت کرتا ہوں۔ میں اس بات کا نہایت شرمندگی کے ساتھ اقبال کرتا ہوں کہ مجھے اپنے والد بزرگوار سے کبھی کوئی دوسلی اور محبت نہیں ہوئی

میری زندگی میں یہ سب سے پہلا موقع ہے کہ میں ان جذبات کو جو کہ ایک شریر بچہ کو اپنے شفیق باپ کے ساتھ ہوا کرتے ہیں آپ کے ساتھ اپنی طرف سے وابستہ دیکھتا ہوں۔

میری طرف سے آپ کے متعلق سوائے محبت اور عقیدت کے اور کچھ بھی معرض تحریر اور بیان میں نہیں آسکتا۔ میں نے ہرگز کبھی اور کسی سے یہ نہیں کہا کہ آپ مجھے مسلمان بنانا چاہتے ہیں بلکہ میں ہمیشہ سہی کہتا رہا کہ آپ سدا ہی میرے دہریہ ہیں سے، اپنی گہری محبت کے باعث دیکھی اور پریشان رہے۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ اس نے اپنی کم فہمی اور بے وقوفی کی وجہ سے میرے لفظوں کو غلط شکل میں آپ کے سامنے پیش کیا۔ کتابوں کے متعلق بھی کسی نے بالکل ہی غلط کہا کہ میں نے بالکل نہیں پڑھیں یہ بالکل ٹھیک ہے کہ میں نے سب نہیں پڑھیں لیکن ان کا بیشتر حصہ پڑھا جس میں سے ابھی تک بھی بہت کچھ میرے ذہن میں ہے۔ بوقت ضرورت اسے بیان بھی کر سکتا ہوں۔ پھر میں نہایت ادب سے اور نہایت افسوس کے ساتھ جناب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ میری نسبت جو کچھ آپ سے کہا گیا وہ بالکل غلط اور سہوہ ہے۔ میں نہایت زور سے اس کے خلاف پروٹسٹ کرتا ہوں اور آپ سے نہایت عاجزانہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھ کو ہمیشہ ہی اپنا عزیز ایک بے وقوف اور سچا تصور فرماتے رہیں۔ مجھے یہ سب کچھ معلوم کر کے سخت تکلیف ہوئی ہے۔

مجھے آپ کے خطوط سنیں مے ورنہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ میں ان کا جواب نہ لکھتا۔ میں حسب معمول نہایت ہشاش بشاش اور خوش و خرم ہوں۔ اپنے ان ایام اسیر کا سے بہت کچھ فائدہ اٹھا رہا ہوں۔ خوب ورزش کرتا ہوں اور روزانہ آٹھ نو گھنٹے نہایت غور سے مطالعہ کرتا ہوں۔ کم از کم میرے لئے کوئی نہایت ہی مفید ثابت ہوئی۔ میں بہت کچھ سیکھ رہا ہوں جس کے لئے باہرہ کروقت نہیں مل سکتا تھا۔ کاش کہ لکھنے کی بھی اجازت ہوتی۔

نہایت افسوس ہے کہ آپ عیسا صلیح جو انسان ایسا نہیں کہہ سکتا۔ اگر کبھی لدھیانہ خط تحریر فرمائیں تو اپنے بزرگوار کی خدمت میں میرا نہایت عاجزانہ سلام لکھ دیجئے گا۔ مجھے ان کی وہ شفقت کیلک اور مسکٹ کبھی نہیں بھولیں گے۔ مولانا عبدالغنی اور اسلم کو بھی سلام کہہ دیجئے گا۔

مجھے سخت افسوس ہے کہ ابھی تک خدا کے متعلق میرے وہی خیالات ہیں بلکہ کچھ زیادہ گہرے ہیں۔ میں شرمندہ ہوں اور جناب سے معافی کا خواستگار ہوں۔

مکرمی پنڈت جگت رام جی کی خدمت میں میری نہایت خلوص، عقیدت اور محبت سے منسکار عرض کر دیجئے گا۔ خواہش ہے کہ کبھی ان کے بھی درس بشن ہو جائے۔ نصیحت کے لئے میں ان کا دل سے مشکور ہوں۔ سردار جلال سنگھ جی پنڈت جی کو بہت یاد کرتے ہیں اندر منستے کہتے ہیں۔
آپ کا وہی جنگ۔ ملتان سنٹرل جیل

سور اکتوبر ۱۹۳۷ء

ملتان جیل قابل تعظیم بزرگ حضرت مولانا تسلیم

واللہ، بہت کوشش کی کہ جذبات کے زیر و بم کو فکر حیات کی فاروں میں ہی خوابیدہ پٹا رہنے دوں۔ لیکن ٹھٹھا تھا کہ ذرا سے مس سے یہ کانپ کر جھنجھٹا اٹھیں گی، سرسراہیں گی اور سردھننا شروع کر دیں گی۔

بہ دل من فطرت خاموشی آمد موسم

ساز از فوق نوا خود را بمضرا بی شب زندہ

آج کم بخت دل ایک عرصہ دماغ کی جدوجہد کے بعد کشاں کشاں آپ کے قدموں کی طرف لئے جا رہا ہے۔ آج وہی پرانی باتیں سامنے آ رہی ہیں۔ آپ کی پدرانہ شفقت آنکھوں میں جھانک جھانک کر مسکراتی نظر آ رہی ہے۔ بعد میں اپنے وسیع الخیال کے آتے سے آپ کے فارموں کو چھو رہا ہوں میرا قلب ایک آواز کے لئے تڑپ رہا ہے۔ میں بولتا ہوں لیکن جواب نہیں ملتا۔ گاتا ہوں لیکن آواز میں ترنم نہیں پاتا۔ لاچار عاجز ہو کر چیخ رہا ہوں۔ آہ معلوم ہوتا ہے کہ دل کن کی باتوں میں الجھ کر اسیر ہو رہا ہے افسوس — وہاں ہوں جہاں ایک کھوکھلی بانسری کی طرح چیخنے اور چلانے کے لئے رہ گیا ہے۔ ہوا کی لہریں میری خوشیوں کے ہمراہ کراہتی ہوئی پھر رہی ہیں۔ میری تنہائی اپنی جگہ سسکیوں کی تاب نہ لا کر بے حس و حرکت میرے چاروں طرف اپنا دامن پھیلائے ہوئے ہے اب جو دھڑی کرنل شیر جنگ ماڈل ٹاؤن دہلی میں قیام پذیر ہیں جو دھڑی صاحب نے ۱۲ سال جیل کالی ہے "مرتب"

آج ایک خیال آیا۔ اتنا عرصہ آپ کے ساتھ رہ کر پھر بھی میں آپ کو کیوں نہ دیکھ سکا اور کیوں نہ اپنے دل کی بات لکھ سکا۔ صرف اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی حیثیت بہت اونچی ہے میں اشارۃً بھی کسی پیغام کو راز دارانہ پیغام نہیں بنانا چاہتا۔ ایسے وسیع خیالات شاید آپ تک نہ پہنچے ہوں۔

محبت! سوز و گداز کے سفید کھلے ہوئے کنول پر خاموش و با چشم پر نرم بیٹھی کسی ایک سمت کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔ محبت! جذبات کے انتہائی عروج پر پہنچ کر تمام موجودات سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ لیکن محبت بے زبان ہوتی ہے۔

شہیدِ محبت نہ کافر نہ غازی

محبت کی رسمیں نہ تزکی نہ تازی

پھر بھی میں آپ کو لکھ رہا ہوں۔ جیسے بادلوں میں گھری ہوئی رات اپنی انتہائی تاریکی میں بھی جلی کی کرن سے چمک اٹھتی ہے اور خوفناک بلا خیز طوفان جب اپنی پوری قوت سے سمتِ در کی چھاتی کو طوفان خیز موجوں میں تبدیل کر دیتا ہے تو اپنی "لا متناہی" کو تلاش کرتا ہے کہ میں کتنا غلیم ہوں ٹھیک اسی طرح جذبات میں چھپا ہوا دل۔ دل کے تاریک پہلوؤں کے راز کے افشا ہوتے ہی اپنی انتہا دیکھتا ہے۔ یہی دل کی خوشی ہے، خواستہ و نخواستہ کہتا ہے اور خواستہ و دیکھتا ہے۔

جس طرح کہ پرندے گاتے ہیں۔ چڑیاں اڑتی ہیں۔ برف گھلتی ہے۔ گلاب کھلتے ہیں۔ مٹی کا دیا زندگی کی لہریں دیکھ کر کجج جاتا ہے۔ صبح کا وقت، کالے کالے درختوں کے پیچھے سے جو کہ متکبر اور غیور پہاڑ کی چوٹی کے پیچھے کھڑا ہے۔ اور پہاڑ کی چوٹی برف کی طرح سفید ہو جاتی ہے۔

نرم بادل کی باریک سے باریک چادر بھی نہیں تھتی۔ دور کی ٹھنڈی ہواؤں کا آوارہ سے آوارہ جھونکا بھی نہیں تھا۔ میں تھا اور وہ پسلی ہوئی آگ اور میری لامحدود تنہائی تھی اور بس۔ دماغ میں ایک دھندلا سا خیال تھا اور زبان پر ایک تڑپتی ہوئی آہ تھی۔

محرے خواست ز مرغ چمن و باد و بہار
تکیہ بر صحبت آں کرد کہ پیدازے داشت

میں دن بھر اپنی کوٹھری میں پریشان گم کردہ اور آوارہ پھرا کرتا۔ رات آتی اور بلاوجہ مجھے چھڑ چھڑ کر جگاتی رہی۔ بالآخر پریشانی میں گانا شروع کرتا، گانا گاتا اور یہاں تک گاتا کہ صبح اپنا ندی پر بند لئے میرے نمنوں سے اپنا سنا ملا ڈالتی اور میرے آس پاس کا بحر خوشی طبع کی ٹھنی ٹھنی اور میٹھی میٹھی آواز نغمہ میں تبدیل ہو جاتا اور میں بس محم حکیم بن کھاموش ہو جاتا۔ اگلے دن کی آوارگی و پریشانی لکھنے کیلئے اپنے بکھرے ہوئے سواں کو اکٹھا کر کے تیار ہو بیٹھتا۔ یہ تھی میری حالت جب رستے ہوئے زخم کی طرح میں یہاں آیا تھا۔

آپ کا ایک شفقت نامہ اس زمانہ میں موصول ہوا تھا جناب تک میرے سامنے جھلک رہا ہے۔ اس کے بعد آپ نہ جانے کہاں گئے اور کیا ہوئے۔ آج بھی جب میں یہ لکھ رہا ہوں نہیں جانتا کہ آپ کو کس مقام پر پاؤں گا۔ اور پاؤں گا بھی یا نہیں۔ کون جانتا ہے کہ اس کا کیا حشر ہو رہا ہے۔ فرض اگر کسی سیاہ دریا کے تاریک ساحل سے کسی برہم ساحل کے کنارے کسی تاریکی پر پہنچے اور عتیق راستوں سے ہوتا ہوا آپ تک پہنچ بھی گیا تو کیا ہے۔ آپ مجھے لکھیں گے اور سر فراز کریں گے (خدا کرے کہ آپ تک پہنچ جاؤں۔

ہاں! اگر آپ کے پاس ہوں یا اگر کوئی دقت نہ ہو تو ڈاکر اقبال کی اردو اور فارسی تصانیف جو منظر ہوں مجھے بھیج دیجئے۔ زبور عجم آپ کی میٹھی یادگار میرے پاس ہے۔ اس کے علاوہ بھجوا دیجئے۔ کچھ نہ کچھ گانا ہوں گا

مولانا عبدالغنی اور بھائی عبدالنبی کہاں ہیں؟ انہیں کچھ سعادت ملی گئی یا ابھی نہیں؟ میں نے انہیں ایک خط بھیجا تھا لیکن خارجہ نے وہ اب تک پہنچایا نہیں۔ سالبہ جواب مجھے نہیں ملا۔ میں نہیں جانتا اور کون کون سے اصحاب ہیں۔ اب محبت اور آنسوؤں کے ساتھ وادع ہوتا ہوں۔

(۱۲ سالہ قیدی ملتان جیل)۔ آپ کا ہمیشہ وہی۔ شیر جنگ (کرنل چودھری شیر جنگ پتہ ماڈل ٹاؤن دہلی)

بھائی حبیب الرحمن

آپ کا خط اور اخبار کی کٹنگ ملی۔ اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ میرے لکھنے کا غلط مطلب نکال کر لکھا ہے۔ ہر جین ٹپڑھئے تو آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ میں نے دراصل کیا لکھا ہے۔

آپ کا کام ہی گاندھی

حبیب روڈ۔ شفاعت منزل۔ لدھیانہ۔ اگست ۱۹۴۵ء

محترم مہاتما جی

خدا آپ کو سلامت رکھے۔ جن دعاؤں کے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا وہ دوسرے پرچہ پر رسالہ میں لکھا آپ کا بیان پڑھا کہ آپ مسٹر جناح کو پھر پاکستان دینے کو تیار ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کو جناح صاحب سے گجراتی (ہم وطن) ہونے کی وجہ سے بہت محبت ہے۔ اس لئے آپ ان کو بھول نہیں سکتے اور ہمیشہ ان کو سر بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی غلط ہوں۔ آپ کے اسی شریفانہ طریقہ کار نے رجعت پسند طاقتوں کو مضبوط کر دیا۔ جب سے پاکستان کا ریترو ویشن مسلم لیگ نے منظور کیا ہے۔ اسی وقت سے آپ یہ فرما رہے ہیں کہ اگر مسلمان چاہیں تو ان کو پاکستان دیا جائے گا، میں (اسی وقت سے آپ کے ان فقروں کا یہ مطلب خیال کرتا ہوں) (یقین نہیں) کہ آپ چاہتے ہیں کہ مسلمان صوبے الگ ہو جائیں اور ہندو سات صوبوں کو مضبوط گورنمنٹ آسانی سے بن سکے تاکہ مسلمانوں کے مطالبات کا قصہ ختم ہو جائے اور حالات کی مجبوری نے آپ کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا۔

خدا کے پاک ہم سب کو صحیح سوچنے اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(مولانا) حبیب الرحمن لدھیانوی

دیوبند۔ ۱۹۵۳ء

محترم المقام زیار مجدد کم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، - مزاج مبارک - مورخہ، (رجبوری باعث سرفرازی

ہوا۔ مکتوبات کے متعلق میری رائے نہیں تھی۔ مجھ پر بار بار زور دیا گیا، مگر میں نے انکار کیا جس کی وجہ
 مستعد ہیں۔ جن میں بڑی وجہ میری ہے۔ بفضلہ تعالیٰ ہمارے پاس حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی
 رحمۃ اللہ علیہ اور کابر کے مکتوبات کا مرانی کا ذخیرہ نہایت مفید اور کارآمد موجود ہے۔ ان کے ہوتے
 ہوئے مجھ جیسے نالائق اور کم علم بے مایہ کے مکتوبات کا ہونا انتہائی شرمناک ہے اور ان بزرگوں کی
 ہمسری کا ادعا ہے، کم از کم یہ تو ضرور ہے کہ اپنی انانیت کا مظاہرہ ہے آپ کو معلوم ہے کہ مجھ میں حضرت
 شاہ صاحب کا حافظہ اور متبحر نہیں ہے۔ نہ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم اور مولانا کفایت اللہ
 صاحب مرحوم کی ذکاوت ہے۔ نہ مولانا شبیر احمد صاحب کی حسن تقریر و تحریر اور عالمیت ہے۔ نہ ان
 حضرت کا متبحر اور وسعت علمی ہے۔ پھر ان حضرات کے مکتوبات کا شائع نہ ہونا اور میرے مکتوبات کی
 اشاعت کس قدر بے شرمی اور انانیت کی بات ہے۔ حضرت شیخ الہند، حضرت نانوتوی، حضرت
 گنگوہی قدس اللہ اسرارہم کے مکتوبات کہاں ہیں۔ حسین احمد کون چیر ہے جس کے مکتوبات شائع کئے
 جائیں۔ یہ عموماً باتوں پر مشتمل ہوں گے خصوصاً جب کہ علیم الفرصتی کی وجہ سے اور کم مانگی کی بنا پر
 جیلوں اور ریلوں میں لکھے گئے ہیں کتابوں کے لئے اس کے استعداد سے خالی ہوں اور پھر تحریک آزادی
 کے انہماک نے مختلف اطوار اور احوال کے اندر مبتلا کیا ہو کسی طرح مناسب نہیں تھا کہ ایسا ذخیرہ
 عام لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ مکتوبات علیحدہ علیحدہ ہونے میں اور حالت ہے جو کہ کاتب اور
 مکتوب الیہ کے معاملات خصوصاً اور وقتی معاملات پر مبنی ہوتی ہے اور مجموعہ بصورت کتاب کی اور
 حالت ہے۔ مگر احباب نے کچھ نہ سنا اور جمع کر کے بغیر دکھائے ہوئے شائع کر دیا۔ میں اس کو
 غیر مفید اور ناپسندیدہ مضر سمجھتا تھا۔ اس لئے میرا منع کرنا ان کے اور زیادہ اصرار کا باعث ہوا۔ میری
 کم مانگی ہرگز ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ بہر حال جو نہ ہونا چاہئے تھا وہ ہو کر رہا۔ مجھ سے بار بار
 یہی کہا گیا کہ اس سے لوگوں کو فائدہ ہوئے اور ہوں گے واللہ اعلم۔ اب اگر وہ مفید ہوں فمن اللہ اور
 اگر غیر مفید یا مضر ہوں تو ننگ اسلاف کرام سے اس کے سوا ہوی کیا سکتا ہے۔

آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق تحریر کو پسند فرمایا۔ فللہ الحمد والمنة، جزاکم اللہ

خیر الجزا۔ مجھ کو اس کے طبع کے پہلے اور فوری دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔ نیز آپ کے نشان دیئے مقامات پر نظر ڈالنے کی نوبت آئی۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب مرحوم کے متعلق جو ان کی تنخواہ حیدر آباد کے متعلق لکھا گیا ہے وہی علم ہے اور متوق ذریعے سے ہے۔ ممکن ہے کہ غلط ہو۔ مگر یہ بھی قابل غور ہے کہ سر اکبر حیدری صاحب نہ کوئی منتشر متقی ہے نہ ان کو تحریکات آزادی سے لگاؤ تھا، بلکہ انگریز کے پروردہ اور اس کے آوردہ تھے۔ وہ اگر تحریک آزادی کی رکاوٹوں میں حصہ لے کر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے مٹانے میں ایسے حضرات کو کام میں لائیں تو کیا تعجب ہے۔ میرے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے روکنے کے لئے کیا کیا نہیں کیا گیا اور کیسے کیسے طریقے نہیں برتنے گئے۔ اس کا علم مجھ کو یا واقفین اسرار انگریز کو بہت کچھ ہے۔ میرے لئے تو بہت سے طریق ترغیب اور ترہیب کے لئے عمل میں لائے گئے اور اس میں بہت سے ثقات اور ارباب تقویٰ سے مدد لی گئی۔ میں نہیں کہتا کہ وہ سب فاسد الینیت تھے، مگر انہوں نے کیا اور بہت کچھ کیا۔ بہت کمزور تھے وہ ڈر گئے اور جو کچھ نہ کرنا چاہتے تھے، اگر گزرے۔ بہر حال یہ زمانہ اور حال گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم عند اللہ وهو بحسب لنا ولہم۔

مولانا قاضی احسن صاحب مرحوم کے لئے وہ کلمہ غلط نہیں لکھا گیا۔ واقعات تو بہت زیادہ ہیں اتنے کلمے سے تو کوئی دوسرا زیادہ نفع اٹھا سکتا۔ ہماری معلومات تو اتنی پردہ میں ہی ہیں اور انشاء اللہ رہیں گی۔ یوم تبلی السرائر کے مشرور سے اللہ تعالیٰ ان کو اور ہم کو اور تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

محترم! حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک نے بہت سوں کی قلیاں کھول دیں اور بہت سے دوستوں کو دشمن اور بہت سے دشمنوں کو دوست ثابت کر دیا یا ظاہر کر دیا۔ عجیب امتحان تھا جس نے کھرے کھوٹے کا تمیز کر دیا۔

مرا درد لست دل اند اگر گویم زباں سوزد

دگر دم در کستم ترسم کہ منفرا استخوان سوزد

عالیجاہ! آپ کا حسن ظن مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے مگر یہ تنقیدات

ہری سمجھ میں نہیں آئیں ان مکتوبات کے ذخیرہ کو بالاستیعاب دیکھنے کی اب تک نوبت نہیں آئی۔ اور
اب اتنی فرصت ہے غلطیاں ہوں گی اور ضرور ہوں گی۔ مگر والا جاہ حسب قول شاعر

من از دست دیگر ہرگز نہ تالم
کہ بمن اُنچہ کرداں آشنا کرد

شیخ آپ کی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے تنہائیوں میں باتیں ہوتیں تو شاید اس قدر حسن ظن
اخفا پر آپ ہم کو نہ فرماتے۔ والسلام

نگ اسات حسین احمد غفرلہ از دارالعلوم دیوبند

(یہ خط ۲۳ جنوری ۱۹۵۲ء مطابق ۷ ارجمادی الاول ۱۳۷۱ھ کو ملا)

چہ رحمان۔ چاندنی چوک۔ دہلی۔ ۲۶ جنوری ۱۹۵۲ء

بخاریت حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ حضرت کا والا نامہ ملا۔ مجھے اس بات کی سخت ملامت ہے کہ
میں نے حضرت کو اس قسم کا خط کیوں لکھا۔ جو حضرت کو ناگوار خاطر ہوا۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف
کئے اور آپ بھی معاف فرمائیں۔

یہ بات میں یقین سے عرض کرتا ہوں اس خط کے لکھنے میں میری نیت نیک تھی کوئی اعتراض
عود نہ تھا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے مخالفین کے حالات اور اندرونی واقعات
مجھے بھی بہت کچھ علم ہے۔ مگر اسی بیماری کے زمانے میں پرانے "القاسم" رسالے دیکھ رہا تھا
اور سارے میں اس ایڈریس کا خلاصہ درج تھا جو ۱۹۰۵ء میں گورنر لاٹوش کو مدرسہ میں دیا گیا تھا۔
اس کو پڑھ کر طبیعت ٹھنڈی ہو گئی۔ کہ مدرسہ کے بزرگوں میں دو قسم کے خیالات قدیم سے چلتے رہے
اس لئے اس بارے میں یہ خط لکھنے کی جرأت کی، ورنہ مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں آپ کو لکھوں
بات درست ہے یا غلط۔ آخر میں میں آپ سے پھر معافی چاہتا ہوں۔ اب تو میرا دل بہت چاہتا

کہ میں اپنا درد دل آپ کو سناؤں اور آپ سے سنوں جب بھی آپ مجھ کو وقت عنایت فرمائیں۔ والسلام

جیب الرحمن لدھیانوی۔ ۲۰ جمادی الاول ۱۳۷۳ھ

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ والا نامہ مورخہ ۱۱ ستمبر باعث سرافرازی
ہوا۔ یاد فرمائی کا شکر گزار ہوں۔ محترم! مجھے سخت افسوس ہے کہ میں اپنی نالائقی کی وجہ سے
مہمانوں کی کما بینفی خدمت نہیں کر سکتا۔ میں جب کسی کے یہاں جاتا ہوں تو وہ حضرات قسم قسم کے
عمدہ اور لذیذ کھانے کھلاتے ہیں مگر جب وہ میرے عزیز خلیفہ پر تشریف لاتے ہیں تو نہایت معمولی
اور غریبانہ کھانا پیش کیا جاتا ہے۔ وہ حضرات عنایت فرما کر اسی کو قبول کر لیتے ہیں حقیقت میں یہ
انہی کا احسان ہے۔ اسی طرح پینے کا پانی صرف تازہ پیش کیا جاتا ہے۔ برف کا کوئی انتظام نہیں۔
نہ کمرے عمدہ ہوا دار ہیں نہ پلنگ حسب قاعدہ مکلف ہیں۔ نہ فرش اور تو شک تکیہ کا انتظام ہے نہ متعدد
پنکھے ہیں۔ اس لئے میں خود اپنی جگہ پر شرمندہ رہتا ہوں۔ کسی مہمان کا میرے یہاں آنا اور ٹھہرنا
فقط اس کا احسان اور کرم ہے۔ میرا ہرگز ہرگز احسان نہیں ہے۔ مگر کیا کروں عاجز اور غریب ہوں
پھر آپ کا کرم فرمانا اور بھی عظیم الشان ہے۔ آپ ابلا ہوا سالن کھاتے ہیں جو کہ نہایت معمولی ہوتا
ہے۔ آپ میرے مکان میں ٹھہرتے ہی نہیں، صاحبزادوں کے یہاں ہی قیام فرماتے ہیں، وہ ہی
آپ کی خدمات انجام دیتے ہیں، اس پر ہی آپ کو رنجیدہ خبر پہنچائی گئی جس کی نہ مجھ کو اطلاع تھی نہ
گھر والوں کو۔ ارشد کی والدہ کو اس کا سخت صدمہ ہوا اس نے اسی روز کہا تھا کہ مولانا جلیل الرحمن
صاحب نے کیوں آج خلاف عادت معاملہ کیا۔ وہ جب تشریف لاتے تھے حکم فرماتے تھے کہ میرے
لئے ایسا سالن تیار کرو اور بالکل اپنے گھر کا سا معاملہ کرتے تھے۔ مگر آج ان کی روٹی سالن
شیخ الادب صاحب کے یہاں سے گئی۔ اس کو اس زمانے سے جب کہ آپ کی اہلیہ محترمہ دیوبند
آئی تھیں آپ کے خاندان سے خصوصی تعلق ہو گیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ مجھ کو کوئی خبر نہیں۔ تحقیق
پر معلوم ہوا کہ روٹی پکانے والی نے یہ ناشائستہ کلمات کہے تھے۔ گھر والوں میں سے کسی کو اطلاع
نہ تھی۔ اس پر آپ کو تاثر ہوا۔ یقیناً ایسے معاملہ پر جس قدر بھی مجھ کو اور والدہ ارشد کو شرمندگی

ہوا کم ہے۔ اس لئے مجھ کو معافی طلب کرنی چاہئے۔ آپ تو الٹا معاملہ کر رہے ہیں۔ دعوات صالحہ سے فراوانی نہ فرمائیں۔ فقط والسلام

ننگ اسدات حسین احمد غفرلہ۔ از دارالعلوم دیوبند۔ ۱۶ محرم ۱۳۷۵ھ

بخدمت حضرت استاد المکرم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ ریاست حیدرآباد کے متعلق جو ایجنٹیشن آریہ سماج نے شروع رکھا ہے اس کا جواب حکومت کی طرف سے بھی نہیں دیا جا رہا اور باہر جو حیدرآباد کی حمایت ہو رہی ہے وہ بھی غلط ہے۔ لہذا میں ۱۵/۱۶ فروری کو آل انڈیا پریجا منڈل کانفرنس کا اجلاس تھا۔ ہندوستان بھر کے ذمہ دار لوگ اس میں شریک ہوئے۔ کوئی ریاست نہیں جس کے نمائندے یہاں آئے ہوں میرا خیال تھا کہ ریاست حیدرآباد سے بھی کوئی ذمہ دار آدمی یہاں آئے گا اور خوبصورت ریلے سے اپنے معاملے کو پیش کرے گا۔ لیکن وہاں سے چند آدمی آئے مگر وہ بے چارے سیاسی باتوں سمجھ ہی نہیں سکتے۔ وہ اپنے آپ کو کہتے تھے کہ ہم گورنمنٹ کے آدمی نہیں ہیں۔ ہم سپیک کی طرف سے آئے ہیں، حالاں کہ وہ نظام گورنمنٹ کے آدمی ہیں۔ ان حضرات نے ایک اعلان بھی شائع کیا جو آپ کی دست میں بھیج رہا ہوں۔ ان کو کانفرنس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ مگر میں نے پنڈت جواہر لال نہرو کو ان کو اجازت لے دی تاکہ یہ لوگ اپنا معاملہ پیش کریں۔ مگر ان حضرات نے وہاں جا کر یہ کہا اگر ہمیں ووٹ دینے کا حق دیا جائے، تب ہم اپنا کیس پیش کریں گے ورنہ نہیں، چنانچہ قاعدے کے مطابق ان کو ووٹ دینے کی اجازت نہیں مل سکتی تھی۔ اس لئے انھوں نے اپنا کیس بھی پیش نہیں کیا۔ اس سے انھوں نے ریاست کو شدید نقصان پہنچایا لیکن حسن اتفاق سے ڈیلی گیٹ میں سے ایک شخص نے یہ ترمیم پیش کی کہ جہاں ہم حیدرآباد میں ذمہ دار حکومت مانگتے ہیں اسی کے ساتھ ساتھ آریہ سماج کی اس تحریک کو جو اس نے ریاست کے خلاف شروع کر رکھی ہے ناپسند کرتے ہیں۔ چنانچہ تحریک پاس ہو گئی۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ریاست اپنی تمام قوت صرف کرنے کے بعد بھی اس تحریک کو پاس نہیں کر سکتی تھی اور یہ حضرات جو حیدرآباد سے آئے تھے انھوں نے اس کا صلہ دیا

کہ رات کو مقامی مسلم لیگ کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف ایک جلسہ کیا۔ یہ خط میں نے آپ کو اس لئے لکھا ہے کہ شاید آپ معاملہ کو صحیح لائن پر لاسکیں۔ ریاست حیدرآباد ایک بہت بڑی مشکل میں پھنس گئی ہے مگر وہاں کے لوگ اس کا کوئی حل نہیں سوچ سکتے۔ ریاستوں کے متعلق میرا تجربہ یہ ہے کہ ریاست کے حکمران حکومت اور روپیہ کے نقشے میں کبھی کوئی بات نہیں سنتے لیکن جب ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے تو پھر یہ اپنے مخالف کے قدموں پر ذلت کے ساتھ کرتے ہیں۔ جس طرح کہ جو حالت موجودہ وقت میں اکبر حیدری کی ہے کہ مسٹرایٹے کو تاریں دے رہے ہیں۔ کبھی ہندو یونیورسٹی کو ایک لاکھ روپے کا اعلان کیا جا رہا ہے جس کو دوسری قوم نے رشوت کے نام سے تعبیر کیا۔ ریاستوں کے معاملے میں سب سے زیادہ بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ ان کے گرو جی حضور ہی ہوتے ہیں اور ان میں سے اکثر سی آئی ڈی کے آدمی ہوتے ہیں۔ موجودہ آریہ سماج فخریہ کا آسان جواب یہ تھا کہ ریاست ایسے پانچ سات ہندو مسلمانوں کو دعوت دیتی کہ جو ہندوستان میں کانگریسی اور پکے قوم پرست سمجھے جاتے ہیں اور ان کے سامنے آریہ سماج کا تمام حال رکھا جاتا کہ انھوں نے اسلام کے خلاف کیا کیا کیا ہے۔ خیر تو ایسی ہی باتیں ہیں، کوئی ذمہ دار آدمی ملنا تو اس سے بات کی جاتی، جو نہ سی، آئی، ڈی ہو اور نہ جی حضور ہی ہو۔

کیا آپ جمیۃ العلماء ہند کے اجلاس پر دہلی تشریف لائیں گے۔ اگر تشریف لانا ہوا تو میں بھی ضرور دہلی پہنچوں گا۔ ورنہ ابھی تک میں نے دہلی جانے کا ارادہ نہیں کیا۔ والسلام

(مولانا) جلیل الرحمن۔ لدھیانوی صدر مجلس احرار اسلام ہند

از ڈاکھیل ضلع سورت

برادر محترم دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ آپ کا خط پہنچا۔ نہایت خوشی ہوئی۔ خدا کا شکر کہ اپنے مجمع میں تم جیسے شیر دل، مستقیم الحال، محب اسلام موجود ہیں۔ بھائی میں یہاں یک سوئی سے ایک گوشہ میں بڑا بواڑھانی تین سال سے قرآن کریم اور استاد رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کی تھوڑی سی خدمت کر رہا تھا۔ فی الحقیقت مجھے بھی بے انتہا مسرت ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و رحمت سے وہ کام کرا دیا جس

کی توقع کم از کم مجھے اپنے سے نہ تھی۔ آپ دیکھ کر امید ہے بہت خوش ہوں گے۔ ادائے ربیع الاول میں میرا قصد وطن آنے کا ہو رہا ہے۔ کاش آپ سے ملاقات ہو سکے۔ مجھ کو آپ سے قلبی تعلق ہے اور آپ کے حق میں فلاح دارین کی دعا کرتا ہے۔ یہاں سب احباب خصوصاً عزیزم مولوی محمد عیسیٰ سلمہ سلام مسنون کہتے ہیں۔ جناب مولانا عبدالرشید مرحوم کی وفات کا حال سن کر بہت قلق اور صدمہ ہوا۔ حق تعالیٰ مرحوم کو فردوس بریں میں پہنچائے اور ان کی یادگاریں بھی قائم رکھ کر ترقی دے۔

اپنے والد ماجد مولانا محمد رمضان صاحب۔ مولانا نعیم صاحب اور سب بھائیوں کو سلام مسنون کہہ دیں۔ گھر میں سب خورد و کلاں کو سلام و دعا کہہ دیں۔

شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ۔ ۱۸ صفر ۱۳۵۸ھ

دیوبند۔ ضلع سہارن پور

برادر محترم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ کل آپ کا کارڈ غیر متوقع طور پر پہنچا۔ مجھے آپ کا دیوبند آنا معلوم ہوا تھا۔ اندیشہ بھی کہ مجھ سے ملنے کا قصد کر رہے ہیں۔ بہر حال پھر کبھی موقع ہو گا تو ملاقات ہو جائے گی۔ میں آپ کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں۔ میں تین سال سے امراض کے چکر میں ہوں۔ وقتاً فوقتاً دورے پڑتے رہتے ہیں پھر کچھ افاتہ ہو جاتا ہے۔ بقول اکبر مرحوم کمرہ ہے میری صحت بھی کمزور مری بیماری بھی زندہ جو رہا کچھ کرنے سکا۔ بیمار جو پڑا تو مرنہ سکا۔ دعا کی ضرورت مجھے بھی ہے۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی۔ ۲۵ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ

دیوبند ضلع سہارن پور

برادر محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا پرچہ مل گیا۔ اس سے قبل کوئی خط نہیں ملا۔ تعجب ہے میں بالکل نہیں سمجھا کہ کس قصور کی معافی چاہتے ہیں۔ میرے ذہن میں تو شاید ہی آپ کے قصور کا تصور بھی نہیں۔ مجھے اس سے سخت تکلیف ہوئی کہ آپ کو میرا جواب نہ ملنے سے تکلیف ہو رہی ہے۔

میرے نہایت ہی عزیز اور محترم بھائی، اس کا تو دوسو سو بھی اپنے اندر اس دعا گو کی طرف سے نہ لائے
 اور اگر فرض کیجئے کوئی قصور ہوا تو مجھے معلوم نہیں، لو آپ بالکل طبعاً اطمینان رکھئے کہ میرا قلب نہ صرف آپ کی
 طرف سے صاف ہے، بلکہ آپ کی سچی محبت سے معمور ہے اندر اسی طرح یہ بھی یقین رکھتا ہوں کہ آپ کے دل
 میں بھی میری محبت جاگزیں ہے۔ کیا آپ ایسی چیزیں جس کا تعلق ہمارے قلب سے ہو ہو سکے۔ ہم کو آپ سے
 فی اللہ محبت ہے۔ بلاشبہ میں نے پہلے زندگی سے ایک بڑی حد تک یک سوئی اختیار کر رکھی ہے۔ اس کے
 اسباب جو کچھ ہوں اس لئے دائرہ خموشی میں پڑا ہوں مگر جان و دل سے اپنے احباب کے لئے دعا کرتا ہوں۔
 امید ہے اب آپ میری طرف سے بالکل مطمئن ہو جائیں گے۔ البتہ خدائے تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھے
 اور تندرست کر دے۔ آپ کی زندگی بہت قیمتی ہے۔ فقط

شبیر احمد عثمانی - ۲۷ صفر ۱۳۶۷ھ

دیوبند۔ ضلع سہارن پور

برادر محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ میں اس مرتبہ بہت علیل رہا۔ دردِ نقرس اور دردِ حوالی گروہ کے شدید
 دورے پڑتے رہے۔ ایک ماہ تک گھر سے نہیں نکل سکا۔ اب مجھے البتہ صحت ہے۔ کچھ خفیف سا اثر پانچ
 میں باقی ہے۔ امید ہے انشاء اللہ زائل ہو جائے گا۔

آپ کی خرابی صحت کا حال معلوم کر کے بہت قلق ہوا۔ حق تعالیٰ ظاہری و باطنی صحت عطا فرمائے
 ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی کچھ نعمتیں بھی مردِ مومن کے لئے ہوتی ہیں جن کا اندازہ پہلے سے نہیں ہوتا۔ زندگی
 موت کی یک سوئی اور تنہائی نے قرآن کریم میں تدبر کا موقع دیا۔ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ بہت سے فقہاء
 محترمین پر قید کی سختیوں نے علوم کے دروازے کھلوائے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو اندہم سب کو قرآنی
 روح سے زندگی بخشے۔ حواشی قرآن کریم جس نقطہ نظر سے میں نے لکھے ہیں وہ اس سے مختلف ہے جو
 اس وقت آپ کا نقطہ نظر ہے۔ الحمد للہ ان حواشی نے بہت سے لوگوں کے نظریے قرآن کے متعلق تبدیل
 کر دیے اور ہر طبقہ کے تلاوت کرنے والوں کو ان سے درجہ بدرجہ فائدہ پہنچا۔ وہ بھی درست ہے۔

فی الحال جس نقطہ نظر کے ماتحت آپ مشورہ دے رہے ہیں، میں یہ ضرورت مدت سے محسوس کر رہا ہوں
 ہاشم اس کے لئے وقت مل جائے اور توفیق حق مساعد ہو۔ آپ بھی دعا فرمائیں۔ امید ہے دعائیں یاد
 رکھیں گے۔ سب اجاب کی طرف سے سلام مسنون پہنچے۔ عزیزم مولوی محمد یحییٰ سلمہ کی طرف سے سلام مسنون۔
 دعا گو شبیر احمد عثمانی۔ دیوبند

از ڈائجیل۔ ضلع سورت

بخدمت گرامی برادر محترم دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ آپ کا خط ملا۔ میں بہت زیادہ درس میں مشغول تھا۔ الحمد للہ کل صحیح
 بخاری ختم ہو گئی۔ آپ کی پھوپھی کے صبر و سکون کی دعا کی گئی اور مرحوم کی مغفرت کے لئے۔ آپ دونوں
 صاحب اس مرتبہ جو اشلے کر گئے اسی طرح کا اثنا آپ یقین کیجئے کہ ہمارے دلوں پر چھوڑ گئے ہیں۔ اللہ
 تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے اور ہمیشہ از ہمیشہ اپنے دین کی خدمت کا موقع دے۔ کبھی کبھی اپنے احوال سے
 اور مجلس کی کیفیت سے مطلع کرتے رہیں۔ ترجمان احرار علی گڑھ کے چند پرچے دیکھے۔ بعض مضامین
 بہت مفید اور پر مغز ہیں۔ یہاں سب حضرات کو آپ کا خط سنا دیا۔ سب سلام کہتے ہیں۔ عزیز الرحمن
 سلمہ کا حال معلوم نہ ہوا۔ کیا صورت ہوئی۔ شاہ صاحب سے ملاقات ہو تو سلام مسنون عرض کر دیں۔
 میں انشاء اللہ ۱۲/۱۳ شعبان تک دیوبند پہنچوں گا۔ کتاب کے متعلق دوسرا پرچہ ملاحظہ کیجئے۔

شبیر احمد عثمانی۔ ۲۰ رجب ۱۳۵۶ھ

دیوبند۔ ضلع سہارن پور

برادر محترم!

بعد سلام مسنون آنکہ نواز شش نامہ پہنچا۔ بحمد اللہ اس کے مضمرات کو میں نے سمجھ لیا۔ اپنے
 مسلک سیاسی کے خلاف میری نرم سے نرم تحریر کو فتویٰ قتل سے تعبیر کرنے کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں
 آئی۔ کیا عام حالات کا جائزہ لے کر اس پر کوئی رائے قائم کرنا اور زیادہ سے زیادہ مہذب انداز میں
 اس کا اعلان صرف آپ ہی حضرات کا حق ہے، کسی دوسرے کو اس کی آزادی نہیں اور اگر محض

تعلقات کی بنا پر یہ شکوہ کیا گیا ہے تو اس کا جواب اگر کبھی ملاقات ہوئی تو زبانی عرض کر دوں گا۔
 اگر میرے طرز عمل سے آپ کو یہ واضح ہو گیا کہ حق بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرنا چاہئے، تو
 یقیناً میں اس سے خوش ہوں بشرطیکہ اسی طرز و شان سے حق کہا جائے جس طرح میں نے کہا ہے ہاں
 اگر بدلہ لیا جائے تو اس سے نکالا جاتا ہے تو

حسبنا اللہ ونعم الوکیل وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ

والسلام۔ شبیر احمد عثمانی دیوبند۔ ۴ رذی الحجہ ۱۳۶۲ھ

دیوبند۔ ضلع سہارن پور

برادر محترم دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ مدت ہوئی خط اور رسالہ "نصرۃ الابرار" مل چکا ہے۔ میں اپنے احوال
 عوارض کی وجہ سے جلد جواب لکھنے کا موقع نہ پاسکا۔ اصولی حیثیت سے آپ کو اولاً میری تحریرات پر
 شرعاً یا عقلاً تنقید کر کے یہ ثابت کرنا تھا کہ جن مقدمات پر وہ مبنی ہیں وہ صحیح نہیں۔ محض زور دار ادا
 میالذہ آمیز الفاظ میں اپنے جذبات یا تنقیدات کا اظہار میرے مسلک کے ابطال کے لئے کافی نہیں
 ہو سکتا۔ جن خوفناک عواقب دینیہ پر آپ متنبہ فرما رہے ہیں میں بحمد اللہ ان کے امکان سے غافل
 نہیں، لیکن اگر خدا نکر وہ وہ وقوع میں آگئے تو اس کا سبب صرف وہ لوگ ہوں گے جو آنکھ بند کر کے
 ہندوؤں کی کانگریسی سیاست کے پیچھے چل پڑے اور اپنی قوم کے بہترین احساسات اور صحیح نصیب العیر
 کو نہایت لاپرواہی سے بے سوچے سمجھے ٹھکرا دیا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر مستقبل میں آپ لوگوں کی جھلکا
 غلطیوں کا خمیازہ حاملین دین کو بھگتنا پڑا تو میری ذات بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہے گی۔ تاہم اگر میری
 بہت ہی ناتوان اور ضعیف مگر بروقت کوشش سے ان بُرے نتائج کی شدت میں کچھ کمی ہو گئی تو میں اسے
 بھی سب کے حق میں ایک طرح کی خوش قسمتی سمجھوں گا۔ کاش آپ سب حضرات دینداری اور سرفروشی
 کے سچے جذبے کے ساتھ اس سیاسی ادارے میں داخل ہو کر جس کا دروازہ ہر مدعی اسلام کے لئے ہر وقت
 کھلا ہوا ہے سچائی کی طاقت اور جمہور مسلمین کی پشت پناہی سے اس پر قبضہ کر لینے اور بھڑکریوں کے گلے

دھڑکیوں کی پاسبانی میں چھوڑ کر دوسری طرف نہ بھاگ جاتے تو اللہ کے فضل سے اس روز سیاہ
 نہ دیکھنے کا کوئی اندیشہ نہ رہتا جس کے تصور سے آپ گھبرا رہے ہیں۔

(اور وقت نہیں گیا۔ اب بھی ایسا کر سکتے ہیں)

پلوگوں نے اپنی قوم کا ساتھ دینے اور ان کی غلط کاریوں کی اصلاح کرنے کے بجائے کھلم کھلا ایسا
 دیر اختیار کر لیا جو قوم سے بے وفائی اور احکام شرعیہ سے لاپرواہی کی طرف مشعر ہے۔ کیا ہندو
 شریعت کی حکومت میں آپ "دارودھا اسکیم" سے بہتر نصاب تعلیم بنائے جانے کی امید رکھتے ہیں۔

وہ جماعت جو بے شمار مسلمانوں، قبیل التعداد شیعوں اور چند بزرگ خود دعویٰ اسلام رکھنے
 والے اور کلمہ پڑھنے والے ملحدوں یا زندقوں پر مشتمل ہوتے ہوئے مسلم قوم کے استقلال اور کلمہ اسلام کی
 رہنمائی کے نام پر لڑ رہے ہیں کیا اس کے مقابلے میں آپ اس جماعت کا تسلط و اقتدار بڑھا کر اسلام
 سرحد اور مسلمانوں کو مغرور اور علماء کو موقر بنائیں گے جس میں اکثریت غالبان افراد کی ہے جو کلمہ
 اسلام سے غلامیہ بنیاد، حکومت الہیہ کے شدید ترین مخالف اور مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال
 بدترین دشمن ہیں جن کی اسلام دشمنی بر ملا اور کبریات و فترات ظاہر ہو چکی ہے اور اب بھی ظاہر ہوتا ہے
 ہندوؤں، دھرمیوں، بلکہ ایک دھرمی ہی آج کل اسپر مشرک مذہبی کے بعد اقتدار رکھتا ہے، اور
 ادویانی، شیعہ، مشرقی مغربی کسی کے لئے اس کا دروازہ بند نہیں۔ یہ ہی کمیونسٹ جن کا ذکر
 مسلم لیگ کے ساتھ بار بار کیا جاتا ہے کل تک اس میں سب شریک تھے، درآئیں لیکہ اکابر علمائے اس
 مگر ان اور عہدہ دار بنے رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا اور اب بھی کمیونسٹ کو وہاں سے ان کے
 خاوندانہ تدارک و صبر سے خارج نہیں کیا گیا۔ در نہ جواہر لال نہرو ان سے پہلے خارج کئے جاتے جن کی طرح
 سرائی اب بھی سیاسی اسٹیج پر بڑے بڑے مقدر سین کرتے ہیں۔ وہاں علماء، محققین و مفسرین کی موجودگی
 یا مشرکین کی قیادت کا مسئلہ تو آپ کو معلوم ہے۔ ہم نے ان کو ابتداء قائم نہیں بنایا، وہ اپنی دماغی
 قابلیت یا دوسرے کوئی اسباب کی بنا پر مسلم اکثریت کے قائد بن گئے۔ اب ان کا مقابلہ کر کے جماعت مسلمین
 میں تفرقہ ڈالنا، درآئیں لیکہ وہ اس وقت ایک مضبوط اصول اور صحیح نظریہ کے حامل بھی ہیں، کیسے

درست ہو سکتا ہے جب کہ سلطان متغلب یا باقادر لشروط امیر اور خلیفہ کے متعلق اطاعت کی تصریحات موجود ہیں اور جب کہ اس قیادت کو خود اکابر علماء جمعیہ ۳۳ء میں مستقل اور کئی اختیارات سپرد کر کے خوب مستحکم اور مضبوط کر چکے ہیں۔ (دیکھو خط مطبوعہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی ۳۳ء) غالباً ان حضرات کی نظر بھی اس وقت اسی نقطہ پر مرکوز ہوگی کہ یہ عصری سیاست کے موافق ایک آئینی جنگ ہے جس سے مسٹر جناح کی قیادت میں مسلمان اچھی طرح عہدہ بنا ہو سکتے ہیں۔ مسٹر جناح عالم نہ سہی خوش عقیدہ نہ سہی، محدث و مفسر نہ سہی، لیکن جو آئینی کشتی لڑی جا رہی ہے اس کے دائرہ پیچ سے خوب واقف ہے۔ لارڈ زربکو کے مقابلے میں اس گام اہی کو آگے بڑھائیں۔ آخر حضرت اشمول نبی کی موجودگی میں بنی اسرائیل کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے طاوت کو امیر شکر بنایا تھا اور حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام نے یریدین معاویہ کی قیادت میں مدینہ قیصر پر وہ چڑھائی کی جس کی بشارت صحیح بخاری میں آئی ہے۔ پھر میں نہیں جانتا کہ آج کسی مفسر قرآن کی موجودگی میں مسٹر جناح کو قائد بنانا سے کیا قیامت ٹوٹے پڑی اور جو چیز ۳۳ء میں جنت تھی، ۳۴ء میں جہنم کس طرح بن گئی۔ جمعیۃ علماء اسلام نے اگر اس قیادت کی تعریف اور مسلم لیگ کی تائید کی تو کیا گناہ کیا۔ اس کی تائیس کرنے والوں کی نیت کیا تھی اور اندرونی احوال کیا تھے اس کا مجھے کوئی علم نہیں۔ میں تو تمام علماء اسلام کے متعلق یہ ہی حس ظنی رکھتا ہوں کہ جس نے اپنے نزدیک جو رسنہ بحالات موجودہ مسلمانوں کے لئے اصلح و انفع سمجھا، اختیار کر لیا یہ رایوں کا اختلاف ہے، آگے اللہ سبحانہ و تعالیٰ عالم السرائر ہے۔ فہما ہم علی اللہ

مولانا ابوالکلام آزاد کے علم و ادب اور ذاتی عقائد و خیالات پر میں کوئی بحث کرنا نہیں چاہتا نہ میں ان کو خود غرض سمجھتا ہوں۔ لیکن فی الحال جس لائن پر چل رہے ہیں میرے نزدیک وہ اس منزل مقصود پر پہنچانے والی نہیں جس کا نشان اکھوں نے ”الہلال“ و غیرہ میں دیا تھا۔ اس کے باوجود میرے قلب میں ان کی عزت برابر موجود ہے۔ رسالہ ”نصرۃ الابرار“ میں جو کچھ لکھا ہے آج بھی اس کا مخالف کون ہے۔ دنیوی معاملات میں ہندو کے ساتھ نفس اشتراک عمل کو مطلقاً کون ناجائز کہتا ہے۔ سر سید احمد خاں اب کہاں ہیں جو ان کے ذاتی عقاید کا مسئلہ زیر بحث لایا جائے۔ تمام علی گڑھ والوں کو یک قلم ان کے جملہ عقائد

میں ہم نوا رکھنا محض تحکم ہے۔ کیا آپ کے یاد دوسرے اکابر علماء کے نزدیک تمام علی گڑھ والے کا فرد مرتد نہیں۔
ایسے مسائل میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ غلط بحث نہ کیجئے۔ کفر و ارتداد کی بحث اسلام کے نازک ترین
مباحث میں سے ہے۔ آپ کے آزاد پارلیمنٹری بورڈ نے جن لوگوں کو امیر دارمختب کیا ہے کیا ان میں کوئی
علیگ یا انگریزی تعلیم یافتہ نہیں اور اس میں فیصدی کتنے علماء دین لائے گئے ہیں۔ یہ بورڈ تو کانگریس
کا نہ تھا۔ خالص مسلمانوں کا تھا۔ جو پچاس فیصدی علماء کا مطالبہ آپ مسلم لیگ سے کر رہے ہیں، وہاں
کیوں نہ منویا گیا، بلکہ بعض ایسے کنڈیڈیٹ کھڑے کئے گئے جن کو منصب سے کوئی لگاؤ نہیں۔

ہاں تو نصرة الابرار کا ذکر تھا جو الفاظ آپ نے میرے نقل کئے میں میں اب بھی ان کو صحیح
سمجھتا ہوں۔ لیکن آج کی کانگریس اٹھاون برس پہلے کی کانگریس نہیں۔ نہ آج کے عام حالات وہ ہیں
جو اس وقت تھے۔ اگر آج کل کے حالات اس وقت ہوتے تو کیا "نصرة الابرار" صفحہ ۹ پر پہلے سوال
کا جواب آپ کے اور علماء لدھیانہ کے نزدیک یہ ہی ہوتا کہ "سرکار انگلشیہ بہتر ہے کیونکہ سرکار دولتہ
مثل روس کے متعصب نہیں اور سلطان اور (جواکیم بڑا بادشاہ ذی اقتدار اہل اسلام خادم حرمین
شریفین اور محافظ بیت المقدس (کربائے معلیٰ ہے) اور سرکار دولت مدار میں برخلاف روس کے
اتحاد قائم چلا آتا ہے۔ اگر بالفرض والتقدیر سرکاری دولت مداری مملکت روس سے بہتر نہ سمجھی جائے
تب بھی رعایائے اہل اسلام کو شرعاً حرام ہے کہ سرکار کے برخلاف روس یا سلطان روم وغیرہ سے درپردہ
رابطہ و اتحاد پیدا کرے۔" غور کیجئے کہ شرکت کانگریس کے متعلق جس سوال کا جواب علماء نے دیا ہے اس
سوال میں یہ الفاظ بھی ہیں "اور ان کا (یعنی کانگریس والوں کا) اصل اصول یہ ہے کہ بحث ان ہی امور
میں ہو جو کل جماعت ہائے ہند پر مشتمل ہوں اور ایسے امور کی بحث سے گریز کیا جائے جو کسی ملت یا مذہب کو
مضر ہو۔ یا خلاف سرکار ہو۔ اس جماعت میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟"

کیا آج بھی شرکت کانگریس کے متعلق آپ کے سوال کے یہی الفاظ ہو سکتے ہیں۔ آپ تو بڑے
سیاسی کارکن ہیں اور اگلے پچھلے احوال پر نظر رکھتے ہیں۔ تعجب ہے کہ ۵۸ برس پہلے کے فتادی کو موجودہ
صورت حال پر منطبق کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ایک چیز اور بھی واضح رہے کہ اس فتوے پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے ایسے
 علماء کے دستخط ہیں جو یقیناً کسی سیاسی جماعت میں اس وقت کام نہیں کر رہے تھے۔ کیا آپ کے نزدیک
 ان علماء کبار کو ایسے سیاسی مسائل میں فتویٰ دینے کا حق تھا؟ اگر تھا تو آج کسی مولوی کو آپ اس حق
 سے کیوں محروم کرتے ہیں۔ میرے بھائی! اپنے کو حد سے زیادہ ذہین و فہیم اور دوسروں کو بالکل اٹو
 نہ سمجھئے۔ کسی ایک چیز غائب کو حاضر سے بہتر سمجھ لینا ہے۔ میں جس چیز کو پورے غور و فکر کے بعد بحمد اللہ
 شریعت کی روشنی میں صحیح سمجھتا ہوں جب تک اس بنیادی اصول کی غلطی مجھ پر ظاہر نہ ہو زوائد سے مطمئن
 نہیں ہو سکتا۔ لیکن طویل خطوط کا سلسلہ قائم رکھنا نہ میری قدرت میں ہے نہ ہر سطر کے جواب میں سالہ
 لکھنا بحث کو ختم کرے گا۔ اس قسم کے شبہات جو نفس مسئلہ سے متعلق ہیں، ان کے متعلق میں ایک تحریر
 مرتب کر رہا ہوں جو چھپ کر شائع ہو جائے گی، کیونکہ ہر ایک شخص کو فرداً فرداً جواب دینا ممکن نہیں۔
 ایک آپ ہی کے خط کے ہر ہر لفظ اور سطر پر بحث کی بجائے تو خاصی کتاب تیار ہو جائے۔ یہ چند سطور قلم
 روک کر لکھی گئیں۔ امید ہے اسے پڑھ کر قدیم تعلقات کی نسبت کوئی برا اثر نہ لیں گے اور اگر یک سوئی
 کی ساعتوں میں ٹھنڈے دماغ سے غور کریں تو کیا بعید ہے کہ موجودہ حالات کے اعتبار سے صحیح راستہ
 سمجھیں آجائے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ”المصادق یتقلب فی
 یوم واحد مائة مرة دائراً فی مثبت علی حالة واحدة مائة سنة“ (سچائی کا عاشق ایک دن میں سو
 مرتبہ بدل سکتا ہے اور دنیا کا ایک ہی حالت پر سو برس بجا رہتا ہے) والسلام

شبیر احمد عثمانی لے

حبیب روڈ۔ لدھیانہ۔ ۷ ارنوبر ۱۹۴۵ء

حضرت استاذ المکرم علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ جو فتویٰ ہمارے قتل کے جوازیں کلکتے میں تیار کیا گیا اس پر آپ کے
 دستخط پڑھ کر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ اس دنیا میں ہر چیز کی امید کرنی چاہئے۔ آپ کے ان دستخطوں سے
 یہ بات واضح ہو گئی کہ حق بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں ہونا چاہئے۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔

والسلام۔ حبیب الرحمن

۲۹۶

لے۔ اگر آج مولانا شبیر احمد عثمانی زندہ ہوتے تو خود دیکھ لیتے کہ جن لوگوں نے پاکستان یا تھا انھوں نے

پاکستان کو اور مذہب اسلام کو کس قدر زبردستی خوار کر دیا۔ اس الٹا جوار کی رائے کو قرآن مجید

استاذ المکرم حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا گرامی نامہ پہنچا۔ جواب کا بہت بہت ممنون ہوں۔ آپ کی عزت اور محبت جس قدر میرے دل میں ہے اس کا اندازہ آپ نہیں فرما سکتے۔ آپ نے مجھ ہی کو نہیں بلکہ اپنے سینکڑوں بے فرض مخلص محبت کرنے والوں کو بے گناہ قتل کر دیا ہے۔ جناح کی قیادت کا اعلان اور پاکستان کی حمایت سوائے قتل کے فتوے سے اور کن الفاظ سے تعبیر کر دیں۔ یہ کس کی مجال کہ کوئی آپ کو یہ کہے کہ آپ کو اپنی رائے کے اظہار کا حق نہیں۔ لیکن آپ انصاف فرمائیں کہ جو شخص کسی جماعت میں کوئی کام نہ کر رہا ہو اسے کسی سیاسی رائے دینے کا کیوں حق حاصل ہے۔ آپ یقین فرمائیں کہ آپ نے ہمارے ہی قتل کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ آپ نے اپنے اور تمام علماء کے خلاف قتل کا فتویٰ صادر کر دیا ہے زمانہ میری اس بات کی شہادت دے گا اور وقت بتائے گا کہ علماء نے جناح کے پیچھے لگ کر اسلام کو کتنا نقصان پہنچایا۔ آپ آج اس جماعت کے ساتھ کھڑے ہیں جو قادیانیوں، تبرائیوں، خداوند مذہب کے منکر کمیونسٹوں کو ہمراہ لے کر اسلام کو سر ملینہ کرنے کے لئے چلی ہے۔ آپ کے بزرگوں کا فتویٰ تو یہ تھا کہ سرسید احمد خاں کے ساتھ اشتراک عمل بھی جائز نہیں۔ اور ہندوؤں سے مل کر دنیاوی کام چلانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ تقریباً ۳۰ برس کا عرصہ ہوا، آپ نے نصرة الابرار کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ تمہارے بزرگوں نے سرسید احمد خاں قادیانیوں کے بارے میں جس رائے کا اظہار فرمایا وہ ان کا کشف صریح تھا۔ اور انھوں نے مسلمانوں کو گمراہی سے بچا لیا۔ رسالہ نصرة الابرار بھیج رہا ہوں۔ اس پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی دستخط ہیں۔ اللہ کی شان ہے سرسید احمد کو کافر کہنے والوں کی روحانی اولاد اسی سرسید احمد کی روحانی اولاد کے پیچھے ہاتھ جوڑے کھڑی ہے۔ اور اسی کو اسلام اور مسلمانوں کا نجات دہندہ سمجھتی ہے۔ ہیں اور مولانا حفظ الرحمن صاحب سہارن پور میں آپ کے اس بیان کا ذکر کر رہے تھے۔ مولانا حفظ الرحمن کے آنسو آ گئے۔ انھوں نے کہا کہ آگے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے سے ہمارے اور اسلام کے دشمن ہم کو ذبح کرتے تھے۔ اب

آپ نے ان کی جگہ لے لی۔ ایک طرف آپ کی عظمت اور عزت اور دوسری طرف دشمنان اسلام کے ہاتھوں
 اپنی اور اسلام کی تباہی دیکھ رہے ہیں اور خاموش بھی نہیں رہ سکتے۔ آپ خود ہی فرمائیے کہ ہم کیا کریں
 اور کیا نہ کریں۔ آپ نے لفظ بد لفظی کا تحریر فرما کر مجھے بہت دکھ پہنچا یا۔ میری بد لفظی کی حقیقت یہ
 ہے کہ میں نے سہارن پور کے جلسے میں آپ کے اس بیان کا ذکر کرتے ہوئے یہ لفظ کہے ہیں کہ میں علامہ
 شبیر احمد صاحب کے جوتوں کو اپنے سر پر رکھنا باعث فخر سمجھتا ہوں۔ آپ نے مجھے جناح خیال فرمایا
 ہے کہ میں اپنے سے اختلاف رائے رکھنے والے کو گالی دوں اور ان کی بے عزتی کروں میں نے آج تک
 اپنی تقریر میں معمولی سے معمولی لگی کے متعلق سخت بات نہیں کہی چہ جائے کہ آپ جیسی بزرگ ہستی کے
 متعلق کوئی بات کہوں یا دل میں بھی لاؤں۔ حضرت اقدس غور سے سنئے۔ یہ مسلم لگی طبقہ کسی بھی عالم
 کا وقار اور اس کی عزت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اپنے اقتدار کو بڑھانے کے لئے اور مذہب
 کو مٹانے کے لئے مذہب کے نام پر آپ حضرات سے کام لے رہا ہے۔ میں نے اعلان کیا تھا کہ اگر مسلم لگی
 میں صداقت ہے تو پچاس فیصدی نشستیں علماء کے لئے مخصوص کر دے۔ ہم پنجاب سے احمدیوں
 کانگریس کے ٹکٹ پر چھ مستند علماء کھڑے کر رہے ہیں۔ عالموں کے لئے میں کوئی شرط لگانا نہیں
 چاہتا۔ عالم ہوں، خواہ بریلوی ہوں، خواہ دیوبندی ہوں۔ کیونکہ میرے نزدیک ہندوستان
 کے مسئلہ کا حل اور مذہب کی آزادی اور ہندو مسلمان کی حفاظت صرف علماء کے ذریعے ہی ہو سکتی
 ہے۔ اسمبلیوں کے اندر اور باہر سیاسیات پر علماء کا قبضہ ہونا چاہئے۔ جب تک علماء اسمبلیوں میں پچاس
 فی صدی نہیں ہوں گے ہندوستان کا مسئلہ کبھی حل نہیں ہوگا اور یہ پاکستانی مسلمان اسمبلیوں کے
 ذریعے سے ایسا نصاب تعلیم بنائے گا جس سے مذہب کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔ اگر علماء اسمبلیوں
 کے اندر کیا یہ حقیقت نہیں واجب الاحترام بزرگ جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ کو اس لئے وجود میں لایا گیا کہ وہ
 جناح صاحب اور مسلم لگی کی واحد نمائندگی کی لوگوں میں تبلیغ کرے نہ کہ علماء کی قیادت اور مذہب
 کی سر بلندی کے لئے۔ دوسرے لفظوں میں اس جماعت کا وجود انگریزی اقتدار کو قائم کرنے کے لئے
 عمل میں لایا گیا۔ آپ خود جانتے ہیں کہ ان میں اکثر وہ علماء ہیں جو تحریک خلافت سے لے کر آج تک ہر

اسلامی تحریک کی مخالفت کرتے رہے۔ اگر آپ یا یہ علماء یہ کہتے ہیں کہ ہماری تقلید کرو۔ ہم قربانی اور
 ایثار کے راستے سے ہندوستان کو آزاد کرائیں گے اور اسلام کو سر بلند کر کے دکھا دیں گے تاکہ
 دنیا کو معلوم ہو جائے ہم صوفی مسجدوں کے ملا ہی نہیں بلکہ ہم قرآن شریف کی تعلیم کے ذریعے سے دنیا
 کی سیاسی رہنمائی بھی کر سکتے ہیں اور قرآن ہی کی تعلیم سے دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ مگر آپ نے
 جتنی علماء اسلام نے کہا تو یہ کہا کہ جناح کی تقلید کرو، رہی ہندوستان کا سیاسی رہنما ہو سکتا ہے۔
 اس کا اعلان بھی سنائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ قرآن جاننے والے قرآن کے ذریعے سے ہو
 تو میرے دل کو بے حد مسرت ہوتی۔ سیاسی رہنمائی نہیں کر سکتے۔ مگر مولانا ابوالکلام کی عزت اس وقت
 میرے دل میں اس لئے سب سے زیادہ ہے کہ وہ کانگریس کے صدر ہو کر مذہب اسلام کی حفاظت
 کر رہے ہیں انھوں نے کانگریس کی صدارت سے لے کر دہریوں اور تمام غیر مذاہب ہی پر نہیں بلکہ مسلمانوں
 کے اس غیر اسلامی ذہن رکھنے والے طبقے پر یہ ثابت کر دیا کہ قرآن کا عالم اور صرف قرآن کا عالم جو
 جناح کی موجودہ تعلیم سے کوئی تعلق نہیں رکھتا وہ اس دنیا میں بڑی سے بڑی سیاسی رہنمائی کر سکتا
 ہے۔ مولانا آزاد کے اس طرز عمل نے یہ اعلان کر دیا کہ قرآن کا جاننے والا ہی حقیقی معنی میں ملک
 کی آزادی اور امن قائم کر سکتا ہے۔ کاش آج آپ بجائے جناح کے مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ
 ہوتے تاکہ دنیا پاک ماضی کے قرآن جاننے والے مولانا ہی ہندوستان کو آزاد کرائیں گے۔ نصاب
 تعلیم میں مذہب کا خیال رکھا جائے گا۔ مجھے آپ کے اس لکھنے سے کہ جناح کو ہندوستان کا سیاسی
 لیڈر تسلیم کیا جائے بڑا دکھ ہوا ہے، گویا ہندوستان کے قرآن کے سب سے بڑے مفسر نے انگریزی
 داں طبقے کے سامنے اقرار کر لیا ہے کہ مولوی سیاست نہیں جانتا اور یہ بھی اقرار کر لیا کہ وقت کی
 سیاست کو قرآن کا مفسر نہ چلا سکتا تھا، نہ سمجھ سکتا تھا۔ یہ علماء کے قتل کا فتوے نہیں تو اور کیا
 ہے۔ میرے محترم پاکستان الیکشن کے لئے ایک نعرہ ہے۔ الیکشن ختم ہو جائے گا تو مسلم لیگ کانگریس
 کے ساتھ مل کر ونا رہیں بنانے کی کوشش کرے گی۔ واحد ناسدگی کا مقصد یہ ہے کہ تمام اقتدار
 بدین طبقے کے ہاتھ میں رہے اور سیاسی اقتدار کسی ایسی جماعت کے ہاتھ میں نہ آجائے جو مذاہب کی

سر بلندی اور ہندوستان کی آزادی کی خواہش مندرجہ ذیل۔ اور یہ بھی کہ آپ کو میری بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ انگریزی داں طبقہ کانگریس سے صلح کرنے کے بعد علماء کو کچلنے کے لئے علماء سے بھی یہی فتویٰ پیش کرائے گا کہ ان علماء نے ہم کو کانگریس میں شریک نہ ہونے اور وطن کی آزادی کے لئے روکا کیوں کہ اس طبقہ کے سامنے مذہب نہیں ہے چند نوکریاں اور نشستیں ہیں اور بس۔ اور جب ہندو نے یہ ٹکڑا اس کے سامنے ڈال دیا۔ اور یہ طبقہ انگریز سے مایوس ہو گیا۔ تو پھر یہ طبقہ اپنی ملازمتوں اور نشستوں کی طرح اسلام کو مٹا کر ہندو دوستی کا ثبوت دے گا۔ میں نے اپنے دل کا سارا دکھ ان الفاظ میں آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اب آپ کا جی چاہے اپنوں کے ساتھ رہیں یا غیروں کے ساتھ رہیں مصیبت زدہ درد مند اور بالخصوص جس کو اپنوں ہی نے مارا ہو وہ اچھی زبان اور اچھے الفاظ لکھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس لئے معافی کا خواستگار ہوں۔

والسلام — حبیب الرحمن لدھیانوی

حبیب روڈ۔ لدھیانہ۔ ۹ جنوری ۱۹۴۶ء

حضرت استاذ المکرم مولانا بشیر احمد عثمانی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وکرامہ اور نصرة الابرار، دونوں اکٹھے موصول ہوئے۔

آپ کے گرامی نامے کو میں نے بغور پڑھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ نے آنے والے خطرے کو محسوس فرمایا۔ باقی اس کی ذمہ داری کس پر ہے اور اس کا حل کیلئے یہ آنے والا وقت بتلائے گا۔

آپ سے عقیدت اور محبت ہے اس لئے آپ سے میرا کوئی بحث و مناظرہ نہیں چل سکتا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی امداد فرمائے چونکہ آپ کے اچانک بیان سے ایک صدمہ پہنچا تھا

اس لئے اپنے جذبات و خیالات بغیر کسی لفاظی کے آپ کے سامنے رکھ دیئے۔ کوئی گستاخی ہو تو

معافی چاہتا ہوں باوجود اس کے آپ کی رائے کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے ہلک جانتا ہوں

اگر اجازت ہو تو خط و کتابت شائع کر دی جائے۔ والسلام

حبیب الرحمن لدھیانوی

بازار بلیماران دہلی۔ ۲۵ اپریل ۱۹۳۹ء

محترم مولانا حبیب الرحمن صاحب زید مجدکم

السلام علیکم۔ الحمد للہ کہ آپ کی ضمانت تو ہوئی۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں ڈھائی ماہ کے بعد
برائے واپس ہوا۔ یہاں پہنچ کر تبادلہ خیالات کا بھی موقع نہ ملا تھا کہ آپ گرفتار ہو گئے۔ یہاں
کی پارٹیوں میں جو صورت حالات درپیش ہے وہ آپ کو معلوم ہے مسلمانوں میں یہ صلاحیت ہی نہیں
کہ کسی معاملے پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ ذاتی اغراض اور ذاتی منافع کے پیش نظر یا جماعتی وقار
اور جماعتی استحکام کے مد نظر مختلف باتیں کہتے جا رہے ہیں مسلم لیگ اور کانگریس کی باہمی کش مکش کے
مقابلے میں فلسطین کی فکر ہے اور نہ عرب کی ہے۔ انگریز نے ایسا خوش غالیہ ڈالا ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی
فکر میں مبتلا ہو گیا ہے۔ آپ مقدمہ کو وسیع کیجئے۔ میں کل آٹھ یوم کے لئے ڈابھیل اور رمانڈیر جا رہا ہوں
واپسی پر انشاء اللہ پہلی ٹرین سے لدھیانہ حاضر ہوں گا۔ آپ سے زبانی باتیں کرنے کے بعد کوئی رکے
قائم کروں گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر آپ کے لدھیانہ سے جانے پر کوئی پابندی نہ ہو تو آپ کو دہلی بلا لوں گا۔
بہر حال تبادلہ خیالات کی ضرورت ہے۔ آپ اس عرصے میں تمام ممبران کو خط لکھ کر جواب حاصل کر لیجئے۔
میں اس رائے سے متفق ہوں کہ آپ ایک اجتماع بہت جلد لدھیانہ میں کیجئے۔ جو لوگ سفر خرچ نہ برداشت
کر سکیں ان کے لئے سفر خرچ کا بھی انتظام کر دیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن آپ اجتماع سے پہلے
اکیس آدمیوں کو خط لکھ کر ان کی رائے معلوم کر لیتے تاکہ کسی کو عند باقی نہ رہے میں اتنے ڈابھیل سے
واپس آ جاؤں۔ نقیض بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ جو کچھ آپ نے کہا ہو گا وہ میں جانتا ہوں اور
جو کچھ کہا گیا ہے اسے بھی سمجھتا ہوں۔ آپ میرے خط کا جواب ضرور دیں۔ ڈاک ڈابھیل جائے گی، اگر
کوئی ضروری امر ہو تو میں ڈابھیل ہی سے جواب دے دوں گا۔ میں نے ڈاک کا انتظام کر دیا ہے امید
کہ آپ بھی بخیر ہوں گے۔ فقیر احمد خاں۔ گلی قاسم جان دہلی

بازار بلیماران دہلی۔ ۲۳ مئی ۱۹۳۸ء

محترم مولانا ناد مجدکم

السلام علیکم۔ بیاد دل کی واپسی پر مفصل خط ملا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان میں انقلاب کی خواہش کا بہت بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچے گا اور وہ سب آزاد ہو جائیں گے۔

انہی جذبات کے ماتحت ہر قسم کی جدوجہد کی گئی تھی لیکن ۲۰ سالہ نتیجہ آپ کے سامنے ہے انگریز کی قوت بحال موجود ہے۔ ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں کے ساتھ یہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ سرحدی مسلمان، فلسطین کے مسلمان، عرب اور افریقہ کے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

ہماری حالت یہ ہے کہ انگریز سے جنگ یا مسلمانوں کی امداد یا ملک کی آزادی صرف زبانوں پر رہ گئی ہے جب کہ ہمارے سامنے وزارتیں ہیں، ملازمتیں ہیں اور ناقص آئین کو چلانا ہے۔ کانگریسی حکومتوں سے منافع حاصل کرنا ہے، خواہ خوشامد کی راہ سے ہو یا ان کو مرعوب کر کے ہو۔ انگریز کی پوزیشن بالکل محفوظ ہے، اگر کوئی حرکت کرنے کا خیال بھی آتا ہے تو مسٹر نیت اور سر سکندر کی وزارتیں سامنے آ جاتی ہیں۔ ان حالات میں آپ ہی فرمائیے کہ کیا کیا جائے۔ قراردادوں میں پہلی اور بری قرارداد وہی ہے اور اخبار میں شائع بھی ہوئی ہے میں اس کی نقل ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ استقبالیہ کمیٹی کی تقریب اعزازی پارٹی سے شروع ہوئی اس لئے مجبوراً شریک ہوتا ہوں میرا تمام ادھ شریک کا نہ تھا۔ پارٹی کے بعد استقبالیہ کا سلسلہ شروع ہوا اور جو کچھ ہوا اس سے کم و بیش آپ واقف ہو چکے ہوں گے۔ میں آپ کی توجہ دفعہ ۶۲ کی طرف منقطع کرنا چاہتا ہوں اس میں اپنے اراکین کا جلسہ منعقد کر کے کہا ہے اگرچہ عاملہ یا منتظمہ کا نام نہیں ہے لیکن بظاہر منتظمہ معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ صوبہ کی جمعیت کے اراکین تو وہی ہیں جو اس کی منتظمہ کے رکن ہیں۔

رہا یہ معاملہ کہ آپ کی منتظمہ کے کون حضرات ہیں ان کا حال آپ کو معلوم ہوگا۔ بہر حال آپ لوگوں کو اطلاع دے دیجئے جو حضرات جمع ہو جائیں ان سے ہی مشورہ کر کے منتخب کر لیں۔

فقیر احمد سعید۔ کان اللہ

بازار بلیار ان۔ دہلی۔ ۲۰ مئی ۱۹۳۸ء

محترم و مکرم جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب

السلام علیکم! مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی خدمت میں ابھی تک حاضر نہیں ہو سکا۔ لیکن میں آپ کے کام سے غافل نہیں ہوں۔ ساندیر میں حافظ صدق صاحب کو آپ کے کام کا انچارج کر آیا ہوں۔ معذرت معذرت! اقرار۔

جمعیت کے سالانہ اجلاس کی دہلی میں سچی کر رہا ہوں۔ خیال تو یہ تھا کہ وسط جون میں ہو جائے لیکن باہمی اختلاف کے باعث کچھ تاخیر ہو گئی۔ اختلاف کو سلجھانا آپ جانتے ہیں کس قدر مشکل ہے۔ ذاتی رفاہیوں اور عداوتوں کے اظہار کا اس سے بہتر کوئی موقع نہیں کہ کسی اجتماع کے موقع پر اس کا مظاہرہ کیا جائے۔ بہر حال حالات پر قابو پانے کی سچی کر رہا ہوں دعا فرمائیے۔

کانگریس اور احمدیہ کی باہمی کشمکش سے توقع ہے کہ امت مسلمہ لیگ کامیاب ہو گئی ہوگی۔ میں نے ایک انتخابی اعلان کیا تھا جو نظر سے گزرا ہوگا۔ پنجاب میں اگرچہ علماء کا وجود عدم برابر ہو گیا ہے لیکن آپ ہی حضرات کا نام مفتخر علماء میں ہے اور آپ ہی کا نام احرار ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جمعیت مرکزہ کے لئے علماء کا انتخاب ہو جائے، کیونکہ اگر مرکزی جماعت نے انتخاب کیا تو نہ معلوم کس قسم کے حضرات کو منتخب کیا جائے۔ بہتر ہے کہ آپ اور مولانا مفتی نعیم صاحب اور مولوی عبداللہ خان اور مولانا احمد علی صاحب اور دیگر حضرات باہمی مشاورت سے انتخاب کر دیں۔ میں آپ کی خدمت میں اصول و ضوابط کی کاپیاں بھیج چکا ہوں۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ مفتی محمد نعیم صاحب کی خدمت میں بھی آج خط روانہ کر رہا ہوں۔

جواب کا منتظر فقیر احمد سعید۔ گلی قاسم جان۔ دہلی

بازار بلیار ان۔ دہلی۔ ۲ جون ۱۹۳۸ء

محترم مولانا زاد محترم

السلام علیکم۔ الحمد للہ آپ کا مقدمہ بدل گیا۔ خدا کرے آپ کی ۱۵۲ بھی ختم ہو۔

آپ کا جیل میں رہنا اس وقت مفید نہیں بلکہ آپ کو باہر رہنے کی ضرورت ہے۔ میں نے آپ کو کہا تھا کہ آپ علماء کا ایک اجتماع کر کے انتخاب کر دیجیے۔ مولانا محمد نعیم صاحب سے بھی ذکر کیا تھا اور وہ بھی آمادہ تھے اور انھوں نے غالباً اخبار کو ایک بیان بھی اس سلسلہ میں دیا تھا۔

ملاقات کے سلسلے میں آپ سے بہت نادم ہوں۔ مجھے خود بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ جمعیتہ علماء اور مجلس احرار کے متخذاً العمل ہونے کا بہترین وقت یہی ہے۔ جاسنین میں اس قسم کی خواہش ترقی پر ہے اس موقع کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے اور تمام مخالف قوتوں کا صحیح اور مستحضرہ قوت سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ میں جلد از جلد آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعی کر رہا ہوں۔ میں ممنون ہوں گا اگر آپ فیصلے کی آخری تاریخ سے مطلع فرمائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آخر جولائی تک تو بہر حال مقدمہ جاری رہے گا۔

بہر حال احباب کو سلام۔

خیریت کا طالب فقیر احمد سعید خاں۔ گلی قاسم جان۔ دہلی۔

دہلی۔ ۲ ستمبر

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب کا مکتوب مسٹر محمد علی جناح کے نام
مسٹر جناح کی حالیہ تقریر پر سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے حسب ذیل خط
مسٹر جناح کو روانہ کیا ہے۔

محترم کرم جناب محمد علی جناح صاحب

سلام مسنون۔ آپ نے تقریباً دو سال کے بعد پھر اس ضرورت کو محسوس کیا ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع ہو جانا چاہئے۔ آپ نے جمعیتہ علماء و مجلس احرار، جماعت خاکسار اور نیشنلسٹ مسلمانوں کا نام لے کر ان سے اپیل کی ہے کہ وہ مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے جمع ہو جائیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت بھی ایسی نہیں ہے جو باہمی اتحاد کا احساس نہ کرتی ہو بالخصوص ایسے زمانے میں جب کہ اس باہمی اتحاد پر آئندہ مسلمانوں کی باعزت زندگی کا دار و مدار ہو۔

لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ جب اس قسم کی عام دعوت دیتے ہیں تو غیر آئینی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ میں آپ کو اس سے پیشتر بھی سیال کوٹ کی ایک تقریر پر مطلع کر چکا ہوں۔ آپ تمام مسلمانوں کو تو لیگ کے پرچم کے زیر سایہ بلا سکتے ہیں لیکن جماعتوں کو دعوت دینے کا یہ طریقہ یقیناً غیر آئینی ہے۔ اگر آپ فی الواقع یہ چاہتے ہیں کہ تمام مسلمان باہمی مل کر مستقبل کے لئے کوئی راہ مقرر کریں۔ تو آپ کا فرض ہے کہ آپ ایک آل پارٹیز کانفرنس منعقد کریں۔ یا تمام جماعتوں کے مخصوص نمائندوں کو ایک مشترکہ اجتماع کی غرض سے جمع کریں اور اس اجتماع میں مسلم لیگ کے بھی مخصوص نمائندے جمع ہوں اور باہم تبادلہ خیالات سے ایک مشترکہ اور متفقہ راہ عمل مقرر کریں اور ان اختلافات پر غور کریں جن کی وجہ سے مسلمانوں کی آزادی پسند جماعتیں اس وقت تک مسلم لیگ سے علیحدہ رہی ہیں۔ یا شریک ہو کر علیحدہ ہو گئیں۔ اگر آپ میری رائے سے متفق ہوں اور اس قسم کے اجتماع کی دعوت دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ مسلم جماعتیں جن کا آپ نے اپنی تقریر میں نام لیا ہے باہم جمع ہو کر مسلم لیگ سے تبادلہ خیالات نہ کریں۔ اور کسی مفید نتیجے تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوں۔ میرے نزدیک یہ طریقہ بہت غیر آئینی بلکہ غیر جمہوری ہے کہ آپ اپنی طے شدہ پالیسی کو قبول کرنے کی دعوت دیں جس سے ملک کا ایک بہت بڑا اور معقول طبقہ متفق نہ ہو۔ بلکہ آپ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو باہم مشوہ سے پالیسی طے کرنے کی دعوت دیجئے۔ تاکہ یہ سمجھا جائے کہ آپ غیر لگی مسلمانوں کی رائے کو بھی سننے اور اس پر غور کرنے کو تیار ہیں اور آپ کی یہ خواہش ہے کہ تمام مسلمانوں کی متفقہ رائے سے مسلم قوم کے مفاد کی کوئی راہ تلاش کی جائے۔

میں آپ سے توقع کرتا ہوں کہ آپ میرے عریضہ پر خاص توجہ فرمائیں گے میں آپ کے امید افزا جواب کا بے صبری سے انتظار کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ کے مزاج بخیریت ہوں گے۔ چونکہ آپ کی تقریر پریس میں شائع ہو چکی ہے۔ اس لئے میں بھی اپنا یہ خط پریس کو دے رہا ہوں۔ فقط

فقیر احمد سعید کان اللہ لہ۔ صدر جمعیتہ علماء رصوبہ دہلی

نوٹ:- یہ خط مولانا احمد سعید صاحب نے رئیس الاحرار کو لکھ دیا تھا جس نے اس کو اخبار نے ریکارڈ کر لیا۔

موترا المصنفین - کوچہ چیلان - بیت السعید دہلی - ۲۹ جولائی ۱۳۵۶ھ

محترم و مکرم حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب زید مجدکم

السلام علیکم اگر امی نامہ ملا - شکریہ - اپنی کامیاب رہائی پر دلی مبارکباد قبول کیجئے۔ میں تقریباً ایک سال سے صاحب فراش ہوں۔ قلب اور معدے کے دوروں نے ختم کر دیا ہے۔ ریاضی بوا سیر کا یہ انجام ہوا کہ نہ سفر کے قابل ہوں اور نہ تقریر کر سکتا ہوں۔ خیال تھا کہ آپ دہلی تشریف لائیں گے تو زیارت کروں گا۔ سیاسی حالات کے متعلق بھی یہ ہے کہ صرف وضعداری نباہ رہا ہوں۔ دندہ ہوں مگر زندگی کی لذتوں سے محروم ہوں۔

کوشش سچے سمجھوتے کی ہمیشہ رہے گی۔ لیکن خدا جانے کیوں ناکامی ہوتی ہے۔ دہلی میں احرار کا کن اور در کر جو کچھ کر رہے ہیں وہ جمعۃ اور احرار کے سمجھوتہ کی راہ میں حائل ہیں اس لئے آپ کو اندازہ نہیں کہ سمجھوتہ کی راہ میں کون سی باتیں حائل ہیں۔

صاحب زادے بلند اقبال جس کام کے لئے تشریف لائے ہیں اس کی کوشش ہو رہی ہے دعا فرمائیے کہ خدا تعالیٰ کامیاب فرمائے۔ سیرت کی ایک کتاب ارسال کر رہا ہوں۔

فقیر احمد سعید کان اللہ ناظم موترا المصنفین

لدھیانہ - ۲ مارچ ۱۹۳۷ء

خدمت حضرت مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیتہ علمائے ہند دہلی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ میرا ارادہ تھا کہ میں مجلس تحفظ ناموس شریعت کے اجلاس مورخہ ۸ مارچ ۱۹۳۷ء کو جو دہلی میں منعقد ہونے والا ہے شرکت کروں۔ لیکن یکایک میری صحت آج خراب ہو گئی اور نیز میرے لئے ۹ مارچ کو لاہور پہنچنا ضروری ہے۔ اس لئے اپنی غیر حاضری کی معذرت چاہتا ہوں۔

شاروا ایکٹ کے سلسلہ میں جمعیت کے حکم پر مسلمانوں نے ہڑتال اور جلسوں اور جلوسوں اور تاروں پر تقریباً ایک کروڑ روپے کا نقصان برداشت کیا ہو گا۔ اب ہر مسلمان اس بات کا منتظر ہے

کہ آیا جمعیتہ یکم اپریل سے کس قسم کی سول نافرمانی کے لئے عملی قدم اٹھاتی ہے۔ ہندوستان کے تمام آدمی اب تحقیقاتی کمیشنوں کی حقیقت سے واقف ہو چکے ہیں اور ان کو یقین ہے کہ یہ کمیشن صرف وقت اور روپیہ کے ضائع کرنے کے لئے مقرر ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے میری رائے میں اگر ہم اراکین جمعیتہ کے وقار کو قائم رکھنا چاہتے ہیں اور واقعی شاردہ ایکٹ کی نامنظوری ہماری دلی خواہش ہے، تو ہمارا فرض ہے کہ ہم جمعیتہ کی طرف سے سول نافرمانی کا عملی قدم یکم اپریل سے پہلے اٹھائیں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ہر مسلمان جس نے جمعیتہ کے حکم پر اپنا وقت اور روپیہ کا نقصان کیا ہے ہم پر ملامت کرنے میں حق بجانب ہوگا۔

حبیب الرحمن

مولانا احمد سعید کے نام

لدھیانہ۔ حبیب روڈ۔ شفاعت منزل۔ ۴ نومبر ۱۹۳۷ء

محترمی مولانا

سلام مسنون۔ مسٹر رفیع احمد قدوائی کے نام میں نے ایک خط لکھا ہے۔ اس کی نقل آپ کو بھیج رہا ہوں۔ اس پر بہت جلد غور فرمائیں۔

میں بجنور کے الیکشن سے فارغ ہو کر میرٹھ فلسطین کانفرنس میں پہنچا۔ وہاں سے سیدھا سہارن پور گیا۔ چار دن سے یہاں صرف اس لئے ٹھہرا ہوا کہ یہ معلوم کر لوں کہ یہاں کوئی شخص کانگریس کے ٹکٹ پر کامیاب ہو سکتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ہماری کئی سال کی محنت ڈسٹرکٹ بورڈ کے کانگریس پر بیڈنٹ نے فنا کر دی۔ دو ماہ پہلے تمام مسلمان کانگریس کے حق میں تھے۔ مگر یہاں کے کانگریسی حضرات کی مخلصانہ کوشش سے وہ مسلمان کانگریس سے بالکل دور ہو گئے۔ یہاں کی سیت پر تین آدمیوں میں سے ایک کامیاب ہوگا۔ خان بہادر مقصود علی خاں مولانا منفعت علی صاحب دکیل سہارن پور شاہ نذر حسین صاحب۔ ان تینوں میں سے دو جس طرف ہوں گے وہ کامیاب ہوگا۔ بلکہ حالات کا فیصلہ اس وقت یہ ہے کہ مولوی منفعت علی صاحب اگر مقصود علی خاں کی طرف ہوں تو وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مولوی منفعت علی کے اس فیصلہ کے بعد کہ وہ

کس طرف ہوں گے۔ دوسرا فریق مقابلہ ہی نہ کرے۔

کل دوٹ چھ ہزار ۱۰۰۰ ہیں۔ جس میں سے ساڑھے تین ہزار مولوی منفعت علی خاں صاحب وکیل کی برادری کے ہیں۔ جو ان کے زیر اثر ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مولوی منفعت علی صاحب، مقصود علی خاں صاحب کے ساتھ ہوں گے۔ میں نے مقصود علی خاں سے کہہ دیا ہے کہ ہم اس شخص کی مدد کریں گے جو کانگریس کے ٹکٹ پر ہوگا۔ اب یہ آپ کی مرضی ہے جس کو چاہیں ٹکٹ دیں، نہ دیں مگر آپ نے ان تینوں آدمیوں کے سوا کسی اور کو کانگریس کا ٹکٹ دیا تو پھر کانگریس کنڈیڈیٹ کو عبد السمیع کی طرح شکست ہوگی۔ اگر آپ کو کوئی اور اچھا کنڈیڈیٹ نہ ملے یا یہ لوگ کانگریس کا ٹکٹ نہ لیں تو بہتر ہے کہ آپ یہاں اپنا امیدوار کھڑا نہ کریں۔ مجھے یہ بھی معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اس الیکشن میں غیر جانب دار رہیں گے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر آپ لوگوں کے لئے اور بھی زیادہ مشکل ہوگی۔ اس خط کی وصولی کی اطلاع مجھ کو لدھیانہ کے پتے پر ملنی چاہئے۔ پتہ یہ ہے

جلیب روڈ - شفاعت منزل - لدھیانہ - جلیب الرحمن - ازبھارن پور

دہلی - ۶ جولائی ۱۹۲۸ء - سنٹرل خلافت کمیٹی

جناب محترم مولانا جلیب الرحمن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے جناب کی خدمت میں ایک عرضیہ اس مضمون کا ارسال کیا تھا کہ حسب تجویز مرکزی خلافت کمیٹی، آپ کی موجودہ خلافت کمیٹی پنجاب کا الحاق مرکزی کمیٹی سے توڑ دیا گیا ہے اور مرکزی خلافت کمیٹی پنجاب میں ایک صورت کی جدید خلافت کمیٹی قائم ہو گئی ہے۔ لہذا حسب سابق پنجاب خلافت کمیٹی کا سارا ریکارڈ جدید خلافت کمیٹی کے سکرٹری کے حوالے کر کے ان سے رسید لے لیجئے کہ جدید خلافت کمیٹی باضابطہ کام کر سکے۔ میرے اس عرضیہ کے جواب میں جناب نے مجھے لکھا ہے کہ میں مرکزی خلافت کمیٹی کی وہ تجویز آپ کے پاس بھیج دوں جس کی رد سے پنجاب خلافت کمیٹی کا الحاق مرکزی خلافت کمیٹی سے توڑا گیا ہے اور اس قرار داد کی نقل پر مولانا شوکت علی صاحب کے دستخط ہوں۔ نیز میں اس امر کی بھی آپ کو اطلاع

دوں کہ فلاں مقام اور فلاں تاریخ پر پنجاب خلافت کمیٹی کا الحاق توڑا گیا ہے اور اس کے وجہ بھی لکھوں۔
جواباً گزارش ہے کہ قرارداد حسب ذیل ہے :-

۱۔ صوبہ پنجاب کی خلافت کمیٹی نے جمعیت خلافت کے قواعد و ضوابط کی اس طرح خلاف ورزی کی ہے کہ جن ہدایات کے مطابق عمل کرنا از روئے دفعہ (۱) اس کا فرض تھا اس کے خلاف عمل کرنے اور پریکٹس کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور پھر کمیٹی کی رپورٹ کی موافقت میں ہدایات جمعیت خلافت کے خلاف مسلسل کارروائی کی جس کے بعض نہایت اہم حصوں کے خلاف جمعیت مرکزی نے لکھنؤ میں فیصلہ کیا تھا، اور بالآخر صوبہ پنجاب کی خلافت کمیٹی کے عہدہ داروں اور نمائندوں نے نہر دیپورٹ کی بے جا حمایت میں مرکزی کمیٹی کے جلسے منعقدہ ۲۴ دسمبر مقام کلکتہ میں ناجائز طور پر امتیاز پیدا کرنا چاہا اور جمعیت مرکزی کے عہدہ داروں اور انٹرنیٹوں کے خلاف جھوٹے، بے بنیاد اور نہایت رکیک الزامات لگائے اور ان کو اخبارات میں شائع کرا دیا۔ اور ایک بے ضابطہ جلسہ میں شریک ہو کر جلسہ کے فیصلے کو جمعیت مرکزی کا فیصلہ قرار دے کر پھر کمیٹی رپورٹ کی حمایت میں آل پارٹیز کنونشن میں شرکت کے لئے نمائندے بھیجے۔ اس لئے مجلس مرکزی نہایت افسوس کے ساتھ ان پر اس اختیار کو استعمال کرتی ہے۔ جواز روئے دفعہ (۳) دستور میں اسے دیا گیا ہے۔ اور پنجاب کی خلافت کمیٹی کو الحاق سے علیحدہ کرتی ہے اور عہدہ داران کو جمعیت خلافت ہدایت کرتی ہے کہ جلد سے جلد پنجاب کے صوبے میں خلافت کمیٹی کو از سر نو قائم کریں اور تمام صوبہ میں خلافت کمیٹی کی مقامی شاخیں قائم کریں۔

یہ تجویز ۲۸ دسمبر کو کلکتہ میں پاس ہوئی ہے جس میں پنجاب خلافت کمیٹی کا الحاق مرکزی کمیٹی سے توڑا گیا ہے اور تجویز میں ان وجوہ کا بھی علیحدہ ذکر کر دیا گیا ہے جن کی بنا پر الحاق توڑا گیا ہے۔

قرارداد کی نقل پر مولانا شوکت علی صاحب کے دستخط کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ یہ محض ایک رسمی اور دخی چیز ہے جسے کوئی بھی سکریٹری انجام دے سکتا ہے۔ اس قدر لکھنے کے بعد مجھے یقین ہے کہ آپ اس فضول بحث کو طول نہ دے کر قدیم خلافت کمیٹی کا سارا ریکارڈ جدید خلافت کمیٹی کے حوالے کرنے میں ذرا بھی تاخیر نہ کریں گے۔ محمد عرفان۔ بمبئی۔ دفتر جمعیت خلافت ہند

کا صدر دفتر اور پریس بمبئی میں ابتدا سے قائم ہے۔ افسوس ہے کہ ہم کو اول سے خیال نہ آیا، ورنہ نہایت معمولی قیمت پر اپنا مکان خریدا جاسکتا تھا اور جو روپیہ کرایہ کی صورت میں مالکان مکان کو دیا گیا ہے وہ بچ جاتا اور دوسرے اہم کاموں میں صرف کیا جاتا۔ گزشتہ آٹھ سال میں مکانوں کے کرایہ کی مد میں قریباً اسی ہزار روپیہ دیا گیا۔ آج بھی جمعیت خلافت اپنے دفتر اور پریس وغیرہ پر تقریباً پانچ سو روپیہ ماہوار صرف کرتی ہے اور پھر بھی آرام نہیں ملتا۔ اس وقت مکان بہت سستے بک رہے ہیں اور جناب صدر و دیگر جناب کے مشورہ کے بعد جو گزشتہ مئی کی مجلس عاملہ کے وقت ہم کو دیا گیا تھا۔ ہم مکان کی تلاش میں ہیں۔ ایک مکان تلاش کیا گیا جو غالباً تین ہزار روپیہ میں مل جائے گا۔ ایک وسیع احاطے میں تین مختلف قطعات ہیں علاوہ شاگرد پیشہ وغیرہ کے یہ دفتر خلافت، عملہ پریس اور موٹر وغیرہ سب سامان آسانی سے اس میں آسکے گا اور پھر بھی اس کے کچھ قطعات بچ رہیں گے جو کرایہ پر اٹھائے جاسکیں گے۔ تقریباً پانچ ہزار سے دس ہزار تک اس کی مرمت اور اصلاح میں صرف ہوگا۔ غالباً پانچ ہزار میں آسانی کے ساتھ کام ہو جائے گا مگر احتیاط دس ہزار تک کی منظوری طلب کی جاتی ہے۔ ہم خادمان خلافت نے جو بمبئی میں مقیم ہیں اس کو اچھی طرح دیکھ لیا ہے اور ہماری تجویز ہے کہ:

”چھوٹانی ملز“ سے چالیس ہزار روپیہ تک قرض لے کر دفتر خلافت اور پریس کے لئے اپنا مکان خرید لیا جائے جو ہمیشہ کے لئے ایک مستقل جائداد ہوگی۔ ”چھوٹانی ملز“ کا روپیہ بینک میں جمع ہے جس پر پانچ فی صدی منافع ملتا ہے۔ وہی منافع بلکہ اس سے تھوڑا یا زیادہ جمعیت خلافت چھوٹانی ملز کو ماہانہ ادا کر دیا کرے گی اور اس کے علاوہ عطیات اور ماہانہ مصارف سے بچا کر رفتہ رفتہ اس قرض کو ادا کرے گی بلکہ ایک صورت یہ بھی ممکن ہے کہ مکان خرید کر چھوٹانی ملز کے پاس رہن کر دیا جائے۔

ہم کو قوی امید ہے کہ دفتر عملہ اور پریس سب کو جگہ دینے کے بعد اتنی مکانیت بچ جائے گی کہ انشاء اللہ اس کے کرایہ سے چھوٹانی ملز کے روپیہ کا منافع ادا کر دیا جائے گا اور دفتر پریس پانچ سو روپیہ ماہوار کے بوجھ سے سبک دوش ہو جائے گا۔ بینک کا منافع چالیس ہزار روپیہ پر دو ہزار سالانہ ہوتا ہے

جو کرایہ کی آمدنی سے بآسانی ادا ہو جائے گا۔ خود تحریک خلافت کے لئے اس کا مستقل مکان اس کے استحکام کا باعث ہوگا۔ یہ جامداد ہر وقت انشا اللہ اپنی قیمت وصول کر سکے گی۔ اور کسی طرح اس میں کسی قسم کے خسارہ اور خطرہ کا اندیشہ نہیں ہے۔ ہم دستخط کرنے والوں میں جمعیت خلافت کے خدام ہی نہیں بلکہ شہر بمبئی کے ذمہ دار ایسے تاجر بھی ہیں جو تحریک خلافت سے ہمدردی رکھتے ہیں اور اس کے سہی خواہ ہیں۔

امید ہے کہ آپ بواہسی ڈاک بہت جلد اپنی تحریری اجازت عطا فرمائیے گا تاکہ یہ موقع ہاتھ سے نہ نکل جائے اور جلد تر ہم پانچ سارے پانچ سو روپے ماہوار کے بار سے سبک دوش ہو جائیں۔ اگر اول سے ایسا کرنا ممکن ہوتا تو انسی ہزار کی رقم دوسروں کی جیب میں نہ جاتی۔ اب ہم کو آئندہ جو کام کرنا ہے وہ مضبوطی اور استحکام کے ساتھ کرنا ہے جس کے لئے ایک مستقل مرکز کی ضرورت ہے۔ والسلام

آپ کے نیاز مند بھائی۔ عبدالستار نقیلم خود۔ ۲۔ عمر بھائی چاند بھائی۔ ۳۔ عبدالرؤف خاں

۴۔ سید عبدالرؤف حاجی عبدالکیریم۔ ۵۔ منشی ولی اللہ ۶۔ محمد یوسف ولد محمد حسن سردار ۷۔ محمد فاروق

یاد رہے ولے۔ ۸۔ حمید احمد۔ ۹۔ قمر احمد سکریٹری سنٹرل خلافت کمیٹی۔ ۱۰۔ سید عبداللہ بریلوی۔

۱۱۔ اسماعیل ۱۲۔ محمد عرفان آنریری فنانشل سکریٹری۔ ۱۳۔ ایچ۔ اے جلال الدین۔ ۱۴۔ شوکت علی

خدام کتبہ و آنریری سکریٹری سنٹرل خلافت کمیٹی۔ ۱۵۔ عبدالشکور صالح محمد۔ ۱۶۔ شعیب قریشی

آنریری سکریٹری خلافت کمیٹی۔ ۱۷۔ عبدالرحمن صدیقی بدقلم شوکت علی بعد اجازت۔ ۱۸۔ محمد جمشید علی۔

محبت مکرم

السلام علیکم! ہم اس خط کے ذریعہ آپ کی توجہ ایک اہم معاملہ کی طرف منطوف کرنا چاہتے ہیں کہ آپ مرکزی خلافت کمیٹی کے آئندہ اجلاس میں جو ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰ اگست ۱۹۲۸ء کو مکھنؤ میں منعقد ہونے والا ہے شرکت فرمائیں گے اور اس وقت تک ہماری تجویز پر غور کر کے کوئی رائے قائم کر لیں گے تاکہ اس جلسہ میں اس ضروری امر کا فیصلہ ہو سکے۔

آپ صاحبان کے سامنے ان گراں بہا خدمات کا ذکر کرنا جو آپ کی جمعیت خلافت نے ترکوں،

اسلام اور خلافت اسلامی کے لئے کی ہیں تحصیل حاصل ہے۔ ترکوں کی مصیبت و ابتلا کے وقت مسلمانان
 ہند کی عدیم المثال قربانیاں ہماری ملت کی تاریخ میں ہمیشہ ایک درخشاں صفحہ رہیں گی۔ ہم مسلمانان ہند
 ایک غریب جماعت ہیں، منتشر ہیں، پریشان ہیں لیکن باوجود اپنی تمام اندرونی مشکلات کے جب خلافت
 اسلامی خطرے میں تھی تو ہم نے نہ اپنے مال کو مال سمجھا، نہ جان کو جان جانا۔ ہماری مفلس جماعت نے
 ترک مجاہدوں کو تقریباً ۳۰ لاکھ روپیہ نقد بھیجا۔ خود ملک کے اندر مسلمانوں میں ایسی بیداری پیدا کی
 اور ان کے منتشر اوراق کی اس طرح شیرازہ بندی کی کہ ترکی معاملات میں بے کرد و مسلمانان ہند کی
 ایک متحدہ رائے بن گئی جس کے اخلاقی وزن نے آخر ترکی صلح نامہ کی ترتیب میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا
 کی تلوار کے اثرات کو معتد بہ مدد پہنچائی اور اس لئے گزرے وقت میں بھی دنیا کو توحید ملت اسلامی کا
 روح پرور نظارہ دکھلا دیا۔ جتنی رقم نقد ترکوں کو بھیجی گئی تقریباً اسی قدر ہندوستانی مسلمانوں میں بیداری
 و نظم پیدا کرنے کے اہم کام پر صرف کی گئی۔ جمعیت خلافت کے پاس ان کثیر مصارف کے بعد جب صرف
 چھوٹانی سال کا سرمایہ باقی رہا تو اسی وقت سے خلافت کے کارکنوں میں ایک با اثر جماعت اس
 خیال کی حانی تھی کہ اس سرمایہ کو ہندوستانی مسلمانوں کی مختلف ضروریات کے لئے ایک مرکزی
 سرمایہ کی شکل دی جائے۔ لیکن پھر بھی ہم نے اپنی ضرورتوں کو پس پشت ڈالا اور جب ہلال احمر کا دند
 ہندوستان آیا تو اس کے لئے ملک میں باوجود پرمردگی کی فضا کے کافی سرمایہ جمع کر دیا اور اگرچہ اس
 وقت تک ”چھوٹا مل“ باضابطہ قانونی طور پر جمعیت خلافت کے نام منتقل نہ ہو سکی تھی تاہم اس وفد کی
 خدمت میں ہم نے یہ ”مل“ بھی ترکوں کی مدد کے لئے پیش کر دیا۔ اس وفد کے اراکین نے قریباً
 ۱۰ لاکھ کا سامان فروخت کیا اور خود ”مل“ کو بھی فروخت کرنے کی کوشش کی۔ گورنمنٹ آف انڈیا
 کے ہاتھ بیچنے کی کوشش کی گئی۔ صوبہ بمبئی کی حکومت اور محکمہ جنگلات کے ہاتھ فروخت کرنے کی کوشش
 کی گئی، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ وفد کے جانے کے بعد جب اس مل کا حق ملکیت باضابطہ جمعیت خلافت
 کے نام منتقل ہو گیا تو اس جمعیت نے بھی ہر طرح اس کو بیچنے کی کوشش کی لیکن خریداری کی کوئی معقول
 اور قابل قبول تجویز پیش نہ ہوئی۔ لاچار جمعیت خلافت اس کا رخانہ کو چلاتی رہی اور عرصہ تک

نقصان پہ چلاتی رہی اور کہیں اب جا کر ہزار دقت اس کی آمدنی و خرچ میں توازن پیدا ہو سکتا ہے۔
 ہماری رائے میں اب وقت آگیا ہے کہ ہم سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کریں کہ اس کارخانہ کے متعلق کیا
 کیا جائے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ترک اپنی مصیبت و ابتلا کے زمانے سے نکل چکے۔ اب ان کی
 ضروریات کی کفالت کے لئے ایک آزاد اور مضبوط قومی حکومت کے تمام وسائل موجود ہیں۔ دوسری
 طرف ہم مسلمانان ہند کی موجودہ حالت نہایت تشویشناک ہے۔ جمعیت خلافت نے مسلمانوں کی جو شیرازہ
 بندی کی تھی اس میں پھر انتشار پیدا ہو گیا ہے۔ قومی تحریکوں میں شرمردگی آگئی ہے۔ ہمارے مفید سے
 مفید کام سرمایہ کی کمی کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں۔ ادارہ اگر چل رہے ہیں تو نہایت دقت و پریشانی
 کی حالت میں۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہماری تجویز ہے کہ بجائے اس کے کہ ”چھوٹائی“ کو فروخت کر کے
 ترکوں کو بھیج دیا جائے یا ترک آکر اسے چلائیں اور یہ دونوں صورتیں تقریباً ناممکن ہیں۔ ہمیں
 اس کارخانہ کو مسلمانان ہند کی قومی ضروریات اور ملی کاموں کے لئے بطور محفوظ سرمایہ کے
 رکھنا چاہئے تاکہ اس ضرورت کے وقت قومی تحریکوں اور ملی اداروں کو اس سے قرضہ دے کر
 ان کی دشواریوں کو رفع کیا جاسکے اور ان کے وجود کو مستحکم بنایا جائے۔ ضرورت رفع ہونے پر یہ
 رقم قرضہ پھر واپس لے کر اسی سرمایہ محفوظ میں شامل کر دی جائے تاکہ آئندہ اس قسم کے کاموں
 میں ان سے مدد پہنچائی جاسکے۔

اپنے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے ہم دو مثالیں آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ مرکزی
 جمعیت خلافت کی موجودہ مالی مشکلات سے آپ ناواقف نہیں ہیں۔ جمعیت کا دفتر آغاز کار سے اب تک
 کرایہ کے مکان میں ہے اور محض کرایہ مکان میں ۸۰ ہزار روپیہ ادا کیا جا چکا ہے۔ کیا یہ قرین مصلحت
 نہیں کہ ”چھوٹائی“ کے سرمایہ سے کوئی رقم قرض دے کر جمعیت کے دفتر کے لئے ایک اوسط درجہ کا مکان
 بمبئی میں خرید لیا جائے۔ جس سے اس وقت جمعیت خلافت کی مالی مشکلات میں بھی معقول کمی ہو جائے گی
 اور جمعیت کے پاس اپنی جائیداد بھی رہے گی۔ جمعیت کے کارکن فضا کے بہتر ہونے کے ساتھ ہی اس

رقم کو پھر سرمایہ محفوظ میں واپس کر دیں گے۔

یا پھر مسلمانان ہند کی واحد اناذ تعلیم گاہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کو لیجے جو ہماری گزشتہ
تنگ و دوکانہایت اہم تعمیری نتیجہ ہے۔ خوش قسمتی سے اس وقت اس درس گاہ کو نہایت اچھے اور مخلص
اساتذہ مل گئے ہیں۔ کام کرنے والوں کی یہاں کمی نہیں۔ لیکن مالی مشکلات کی وجہ سے اندیشہ
ہے کہ ان لوگوں کی تمام کوششیں اور ایثار و قربانی کہیں بے کار نہ جائے کیا ہماری قومی دوراندیشی
کا یہ تقاضا نہ ہونا چاہیے کہ اس محفوظ سرمایہ سے ہم جامعہ ملیہ کو ایک معقول رقم قرض دے کر ان کی
مشکلات کو کم سے کم عارضی طور پر رفع کر دیں تاکہ جب جامعہ کے کارکنوں کو اطمینان نصیب ہو تو وہ
اپنے لئے جلد کچھ سرمایہ فراہم کر سکیں اور اس قرض کو واپس کر دیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنے مفہوم کو کافی طور پر واضح کر دیا ہے آپ سے درخواست ہے
کہ آپ معاملہ متذکرہ صدر پر مرکزی خلافت کمیٹی کے آئندہ جلسہ تک غور فرمالیں گے اور اس جلسہ میں
تشریف لا کر اس کے متعلق یہ فیصلہ کرنے میں مدد دیں گے کہ ”چھوٹانی“ کو بجائے ترکوں کو دینے
کے مرکزی خلافت کمیٹی اسے اپنے قبضے میں رکھے اور اس سے مسلمانان ہند کے قومی کاموں کے لئے
بظور سرمایہ محفوظ کے کام لے۔ والسلام

نبیازمند۔ مختار احمد انصاری۔ محمد شفیع دافودی

از شملہ۔ مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۳۷ء

مکرمی و معظمی مولانا صاحب دام لطفکم

السلام علیکم۔ میں چند روز کے لئے یہاں رہا ہوا ہوں۔ ہفتہ کو لاہور واپس جاؤں گا۔ میں
نے لاہور میں یہ خبر پڑھی تھی کہ جماعت احمدیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ اسمبلی کے الیکشن میں اپنے امیدوار
پیش کرے۔ میرا ارادہ تھا کہ جس وقت آپ کی طرف سے یہ اعلان ہوگا کہ مختلف امیدوار صاحبان
آپ کو درخواستیں دیں تو میں اپنا نام بھی پیش کر دوں گا۔ لیکن آج شملہ میں ایک دوست سے معلوم
ہوا کہ شاید آپ یہ اعلان نہ کریں اس واسطے میں نے ضروری سمجھا ہے کہ آپ کو اپنے ارادے

سے مطلع کر دوں۔ میں نے حتمی طور پر یہ فیصلہ تو کر لیا ہے کہ شخصی ٹکٹ پر کھڑا نہیں ہوں گا۔ ہاں اگر آپ جیسی جماعت مجھے نامزد کرے تو اس صورت میں میں ملک اور قوم کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہوں اور اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لوں گا۔ مجھے اپنے متعلق کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ میری سیاسی خدمات آپ کو معلوم ہیں۔ میرا ادبیہ نگاہ اور آپ کی جماعت کا سیاسی اعتقاد ہم سے ملے ہوئے ہیں اور میں پورے ضمیر کے ساتھ آپ کی جماعت کا لائحہ عمل اور سیاسی اعتقاد قبول کر سکتا ہوں۔ اس لئے آپ کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لے سکتا ہوں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ملک و قوم کی کچھ خدمت ممبر اسمبلی بن کر کر سکتا ہوں تو میں اس صورت میں آپ کی جماعت کی امداد کو اپنے لئے باعث عزت سمجھوں گا۔ اور آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ مجھے نامزد فرمائیں۔ لیکن اگر آپ اس فرض کے مجھے اہل نہ سمجھیں تو پھر قصہ ہی ختم ہو جائے گا اور میں اس الیکشن میں حصہ نہ لوں گا۔ اس کا جواب اگر ضروری سمجھیں تو لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں فقط

خاکسار۔ ملک برکت علی (لاہوری سابق ایڈیٹر آئین روزانہ انگریزی روزنامہ حکومت ہند کا پرتا مقبوض)

کان پور روڈ۔ الہ آباد

مخدوم و مکرم بندہ حضرت مولانا صاحب

السلام علیکم۔ میں بفضلہ ۲۵ تاریخ کو کان پور اور ۲۶ کو الہ آباد پہنچ گیا اور اسی رات کو سلطان پور گیا۔ جہاں سے یکم جنوری کو واپسی ہوئی۔ پھر یہاں کام ہی میں مصروف رہنا پڑا حافظ خلیل کا خط روپیہ کے لئے آیا ہے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ بچہ کی ولادت کے سلسلے میں ضرورت ہوگی۔ مبلغ ستور روپیہ کا چیک ہر ششہ ارسال ہے جو مولوی عزیز الرحمن صاحب کے نام کا ہے۔ وہ اس کو وصول کر کے روپیہ حافظ خلیل کو اور روپیہ مولوی وحید الزماں صاحب کو دیں گے۔ یہ گائے کی آباد کاری کی کتابت کے سلسلے میں ہے۔ رسالہ آباد کاری گائے کی ۱۰۰ یا اس سے کچھ زیادہ جلدیں جو ۵ سیر کے پارسل میں آسکیں بذریعہ ریلوے پارسل میرے پتے پر روانہ کرادیجئے گا۔ اخبار سے معلوم ہوا کہ پارلیمنٹ کا اجلاس ۱۰ فروری سے ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی پروگرام نہیں بناسکا ہوں

امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔

کتھیا صاحب کے ریلوے پاس کے متعلق جو خط ریلوے بورڈ کو لکھا تھا۔ اس کا جواب آگیا ہے۔ وہ بھی ہر شے ارسال ہے۔ سید مجتبیٰ صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔ والسلام
خاکسار۔ محمد احمد کاظمی

۱۱ جنوری ۱۹۴۵ء

مخدوم مکرم حضرت مولانا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ یوپی کے اہم معاملات کی وجہ سے لکھنؤ گیا ہوا تھا۔ تا نگہ یہ روانہ ہو رہا تھا تو مولوی اصبح الحسن کا تار ملا جس میں ۱۲ جنوری کو لدھیانہ پہنچنے کا حکم تھا۔ مگر میری اہلیہ سخت علیل ہیں تنفس کا سخت دورہ ہو رہا ہے۔ میں اگر کو دہلی واپس آیا۔ کل ڈاکٹر کا معائنہ ہے پرسوں نسخہ تجویز کر لیا کہ ۱۳ کو سرحد کے دورے کے لئے روانہ ہو جاؤں گا۔ اس لئے ۱۲ کو حاضری سے معذور ہوں۔ سخت شرمندہ ہوں مگر کیا کروں، وقتی پریشانی نے مجبور کر دیا۔ اگر فرنیٹر میل سے روانہ ہو تو تار دوں گا اور اگر بھٹنڈہ سے روانہ ہوا تو واپسی سے اطلاع دوں گا۔ مجھے سخت افسوس ہے جناب محترم نے میری گزارش کا قطعاً کوئی جواب نہ دیا۔ اور نہ اس کو اعتنا سمجھا۔ حالاں کہ میں نے محمود علی خاں صاحب کو دیوبند بلا کر کہا تھا کہ آپ کو اس غرض سے تکلیف دیں اور خود میں نے بھی تحریر کیا تھا۔ مگر اب اس کا وقت گزر چکا۔

آپ کا مخلص۔ محمد حفظ الرحمن

دفتر جمعیتہ علماء ہند گلی قاسم جان۔ دہلی

معظم و محترم زبید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ مولانا حفظ الرحمن صاحب آری میرٹھ تشریف لے گئے ہیں۔ آپ کا خط ان کو دکھلا دیا تھا۔ ان کی ہدایت کے مطابق یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔ گزارش ہے کہ ایشیائی کانفرنس ۳۰ مارچ کو ہوگی۔ یعنی اس کے کھلے اجلاس

۲۳۲۳ مارچ کو ہوں گے۔ اس کے قیمتی ٹکٹ دس دس روپے تک ہیں۔ مشاہیر کے لئے پاس بھی ہیں۔ اگر آپ تشریف لائیں گے تو میں آپ کے لئے پاس حاصل کرنے کی سعی کروں گا اور امید ہے کہ آپ کے لئے پاس مل جائے گا۔ والسلام

محمد میاں (دفتر جمعۃ العلماء ہند)

آل انڈیا جمعیتہ علماء ہند

مخدوم و مکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج گرامی مگر امی نامہ موصول ہو کر باعث عزت ہمارے میں نے ابھی وصی احمد صاحب اور حکیم آفتاب احمد صاحب کو خط لکھا ہے اور ان سے اپیل کی ہے کہ دہلی کے ختلاء کے بعد کھنڈ میں آپ ہی کے زیر اہتمام عوبانی اجتماع کر لیا جائے گا۔ مگر مرکزی اجتماع دہلی میں ہی ہو جانے دیجئے کل مولانا آزاد صاحب سے بھی باتیں ہوئیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ کانفرنس سے قبل لائحہ عمل طے کرنا ضروری ہے۔ اس کے لئے ۲۳ اگست کو تعلیمی کمیٹی کا جو جلسہ دہلی میں مولانا کے مکان پر ہو گا اسی دوران میں اس کے متعلق بھی ایک نشست ہو جائے گی۔ بہتر یہ کہ آپ ہی ۲۳ اگست کو یہاں تشریف لے آئیں۔ ناسازی مزاج سے اللہ تعالیٰ جلد شفاء کی عطا فرمائے۔

آپ کا مخلص محمد حفظ الرحمن۔ ۵ اربضان المبارک

از دہلی۔ ۵ نومبر ۱۹۳۵ء

مخدوم و مکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج گرامی۔ بارہ روز کے بعد دہلی سے واپس آیا ہوں اور کل عید کا دن چھوڑ کر پھر جا رہا ہوں۔ ۲۵ نومبر تک یہی سلسلہ رہے گا۔ معاملات پر تو پھر گفتگو ہوتی رہے گی۔ اس وقت آپ کی آمد کی یہاں اشد ضرورت ہے مولانا بشیر احمد صاحب کسی نہ کسی وقت یہاں موجود ہی رہیں گے۔ چند دن جو مرکزی اسمبلی کے سلسلے میں باقی ہیں اس میں ان کی امداد مل جاتی تو اچھا ہوتا۔ مالی مصارف کے متعلق مولانا بشیر احمد صاحب سے گفتگو ہو جاتی۔ اور کوئی بات نہیں جو باعث تصدیق ہو۔ والسلام۔

آپ کا مخلص محمد حفظ الرحمن

مکرم و محترم مولانا - زہدیت معالیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ - مزاج گرامی - گرامی نامہ موصول ہو کر باعث مسرت ہوا۔ کانفرنس کے متعلق آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے میری ناقص رائے میں ایسی عجبت نہ چاہئے۔ اس لئے کہ اول تو ابھی لیگ کانگریس مفاہمت کا نتیجہ سامنے نہیں آیا آج کے دن تک نازک مرحلہ پر ہے اور ہر وقت ٹوٹ جلنے کا اندیشہ ہے۔ دوم کانفرنس کے انعقاد کے اعلان سے قبل پہلے جمعیتہ علماء اور مجلس احرار کے ذمہ دار حضرات کو مشورہ کر کے یہ طے کرنا چاہئے کہ اس کانفرنس کی غرض دفایت کیا ہوگی کیا اس سے قبل کسی نقطہ نظر پر پہنچنے کی اس ضرورت ہے یا بغیر کسی نقطہ نظر متعین کئے مدعوین کانفرنس پر چھوڑ دینا ہے کہ وہ جو کچھ طے کر لیں گے وہی دونوں جماعتوں کے لئے فیصلہ کن ہے۔ ان دونوں امور میں سے کس امر کے پیش نظر کانفرنس کرنا ہے۔ اس کا طے ہونا از حد ضروری ہے تاکہ کانفرنس کسی نتیجہ پر پہنچ سکے۔ اس لئے ابھی لیگ کانگریس سمجھوتے کے نتیجے کا انتظار کر لیجئے اور پھر باہم مشورہ کر کے کانفرنس کی طرح ڈالئے۔ میرا خیال ہے کہ ملتان کی واسپی پر ۲۵ اکتوبر سے دیوبند میں دارالعلوم کی مجلس شروع کی ہے۔ اس درمیان میں لیگ کانگریس کی مفاہمت کا جو نتیجہ نکلے اس کے پیش نظر ۲۲ یا ۲۳ کو چین گھنٹوں کے لئے آپ تشریف لے آئیں۔ غالباً شیخ حسام الدین صاحب بھی ان تاریخوں میں سہارن پور موجود ہوں اور حضرت مولانا سعید صاحب اور حضرت مفتی صاحب بھی ہوں گے تو باہم مشورہ ہو سکے گا۔ اگر اس مشورہ کے لئے وہاں وقت نکل سکا اور آپ نے اس عرض کو قبول فرما لینے کی مجھے جلد اطلاع دے دی تو پھر میں ۲۱ یا ۲۲ کو ارجنٹ ٹاؤن دے کر آپ کی دیوبند تشریف آوری کے لئے جرات کر دوں گا۔ ملتان کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ جمعیتہ کانفرنس کے ارکان مقامی مجلس احرار کا تعاون ضرور چاہتے ہیں۔ ٹھیک وہی اشکال پیش آرہا ہے جو ابتداءً لاہور میں پیش آیا تھا کہ اگر تعاون حاصل کیا جائے تو تعاون دینے کی بجائے اس کی کوشش ہے کہ اس کانفرنس کا یہ پہلو نمایاں نہ رہے کہ یہ جمعیتہ علماء کی کانفرنس ہے اور سمجھا جائے کہ یہ سب کچھ ہمارا صدقہ ہے۔ اور اگر

نہ حاصل کیا جائے تو تفرقہ کا الزام جمعیتہ کانفرنس اور ارکان پر لگا کر ناخوش گوار حالات کا انتظار کیا جائے۔

مگر میں نے اپنی افتاد و طبیعت کے مطابق جمعیتہ کے ارکان کو سختی کے ساتھ ہدایت کر دی ہے کہ اب ہم اس مرحلہ پر نہیں ہیں کہ اس قسم کی تیسرے درجہ کی باتیں سوچیں اور کریں۔ آپ بلا تکلف مقامی احرار کا تعاون حاصل کیجئے اور حتی الامکان عملی زندگی میں دو جماعتیں نہ سمجھ کر باہمی یک جہتی کو کام میں لائیے۔ ملتان سے آج دوسرا خط آیا ہے جس میں وقت پر پہنچنے کی تاکید کی ہے لیکن اس کے اندر سازگار حالات کا ذکر تک نہیں ہے۔ تاہم میں نے آپ کے گرامی نامہ کی روشنی میں ان کو صحیح کوائف سے مطلع کرنے کی تاکید لکھ دی ہے اور خطا و تباہی دونوں پر اطلاع طلب کی ہے۔ امید کہ مزاج گرامی رو بصحت ہو گا۔

آپ کا مخلص محمد حفظ الرحمن

از دہلی۔ ۳۱ رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ

مخدوم و محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مزاج گرامی۔ گرامی نامہ موصول ہو کر بآئینہ مسرت ہوا۔ میں تو ہر دن کے اخبار پڑھ کر حیران ہوں کہ آخر ہماری جدوجہد کا آغاز کب ہو گا اور کب یہ طے ہو گا کہ کون کون سی جماعتیں باہم نزدیک ہو کر اس جدوجہد میں متحدہ محاذ بنانے کو تیار ہیں۔ اور مالی اور اخلاقی مادے کے لئے ہر جماعت اپنے حلقہ اثر میں کب اپیل کر کے یہ اپنے ارادوں کا ثبوت دے گی۔ ہندو نیشنلسٹ کیا کر رہے ہیں۔ اس کے متعلق تو زبانی عرض کروں گا کہ ان سے نقصان پہنچ رہا ہے یا نہیں یا وہ لیگ کے موجودہ ہنگاموں سے متاثر ہو کر مجبوراً اس قسم کی صورتیں اختیار کرتے ہیں جو بالواسطہ قوم پرست مسلمانوں کیلئے مضر ہو جاتی ہیں۔ اس وقت تو سب سے زیادہ اہم باہم مشورت کے بعد پوری جدوجہد کا ہے اور اس بات کو آپ آسان فرما رہے ہیں۔ مجھے تو وہی سب سے زیادہ مشکل نظر آتا ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ علالت اور کمزوری کے باوجود رمضان المبارک میں ہی ایک وفد کے لئے خدمت میں حاضر ہوں۔ اگر ہمت ہوئی تو پیر کو یا منگل کو حاضر ہوں گا یعنی

۸ ایوانہ ۱۹ کو در نہ پھر ۲۳ ۲۵ رمضان کو اس وقت تفصیلی گزارشات پیش کروں گا۔ صاحبزادی کی علالت کے متعلق عرض ہے اللہ تعالیٰ ان کو صحت کامل عطا فرمائے۔ تمام رفقا سلام کہتے ہیں اور مزاج پر سنی کرتے ہیں۔ آپ کا مخلص محمد حفظ الرحمن
از دہلی۔ ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء

مخدوم محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج گرامی۔ اس سے قبل ایک عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں موصول ہوا ہوگا۔ وقت کی قلت اور کام کی اہمیت کے پیش نظر مجلس عاملہ اور مجلس مرکزیہ کے اجلاس بالترتیب ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹ ستمبر کو منعقد فرما پائے ہیں۔ میر نے کوشش کی کہ رمضان سے قبل حاضر ہوں۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ در دسرا اور کمزوری سفر سے مانع رہا۔ خدا را اب عید کے فوراً بعد آپ تکلیف گوارا فرما کر مجلس احرار کے ذمہ دار حضرات سے اس بارے میں قطعی گفتگو کر لیجئے کہ وہ جمعیت علماء ہند کی اس دعوت پر شرکت فرما کر اشتراک عمل کے لئے تیار ہیں یا نہیں۔ وقت بہت کم ہے اس لئے لاہور میں اگر مجلس احرار کی مجلس عاملہ کا اجلاس ۱۵، ۱۶ میں ہو رہا ہے تو ۱۶ کو شب میں روانہ ہو کر ۱۷ کی صبح تک وہ حضرات یہاں پہنچ سکتے ہیں جو اس غرض سے منتخب کر لئے گئے ہوں لیکن آپ کا اس اجلاس میں شروع سے ہی شریک رہنا ضروری ہے۔ مجلس عاملہ اور مرکزیہ دونوں میں شرکت فرما کر اپنے قیمتی مشورہ سے مستفید فرمائیں۔

آپ کا مخلص محمد حفظ الرحمن

از دہلی۔ ۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء

مکرم و معظم حضرت مولانا! زیدت مکارم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مزاج گرامی۔ گرامی نامہ موصول ہوا تھا۔ پیہم اسفار کی وجہ سے جلد جواب نہ دے سکا۔ ادھر شیخ حسام الدین صاحب سے ملاقات ہو گئی تھی۔ ان سے زبانی گفتگو ہوئی اس لئے جلد عریضہ ارسال نہ کر سکا۔ معلوم ہوا کہ کانفرنس سے مراد آپ کی یہ ہے کہ جمعیت علماء

اور مجلس احرار کے چند ذمہ دار حضرات کو مدعو کر کے مشورہ کیا جائے تو اس کے لئے جمعیتہ علماء ہند کی
درکنگ کمیٹی کے ساتھ ساتھ قبل یا بعد دہلی میں ہی دعوت دی جاسکتی ہے۔ اگر حضرت محترم اس کو پسند
فرمائیں، ورنہ جو رائے عالی ہو اس سے مطلع فرمائیں کہ اس سلسلہ میں قدم اٹھایا جائے۔
آپ کا مخلص محمد حفظ الرحمن

از دہلی - ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء رمضان ۱۳۵۴ھ

جناب محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کو معلوم ہے کہ ملک میں انتخابی مہم نے نازک صورت حال اختیار کر لی ہے۔ قوم پرور
جماعتوں کے لئے یہ دور بہت زیادہ پر آشوب ہے۔ اس لئے جمعیتہ علماء ہند حالات کا جائزہ لیتے
ہوئے ضروری سمجھتی ہے کہ ۶ ارب ستمبر ۱۹۳۵ء کو جمعیتہ علماء ہند کی مجلس عاملہ (درکنگ کمیٹی) کے
جلسہ میں قوم پرور حضرات اور قوم پرور جماعتوں کے چند نمائندگان کو بھی دعوت دی جائے۔ تاکہ یہ طے
ہو سکے کہ کیا اس انتخابی مہم کو تمام قوم پرور متحد ہو کر سر کرنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ ظاہر ہے کہ
موجودہ صورت حال میں جدا جدا طاقت آزمائی قطعاً بے کار اور بے سود ثابت ہوگی۔ اس لئے جناب
سے پُروردہ درخواست ہے کہ اس موقع پر ضرور شرکت فرما کر ممنون فرمائیں اور اپنے بیش قیمت مشوروں
سے مستفید ہونے کا موقع بخشیں۔ اجلاس کی کارروائی دفتر جمعیتہ علماء ہند (گلی قاسم جان) میں
۶ ستمبر کو ۹ بجے سے شروع ہوگی۔ جواب سے جلد مطلع فرمائیں۔ والسلام

حسین احمد غفرلہ صدر جمعیتہ علماء ہند۔ محمد حفظ الرحمن ناظم اعلیٰ جمعیتہ علماء ہند

۳۰ مئی ۱۹۳۱ء عزوجل

عزیزی مولوی عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مولانا حبیب الرحمن صاحب کا ایک مکتوب مجھے ایک ہفتہ ہوا موصول ہوا تھا جس کا جواب میں
نے لکھ دیا ہے۔ کچھ ضرورت کی اشیاء رانہوں نے طلب کی ہیں اور یہ فرمایا ہے کہ تم ڈی، آئی، جی سے
طاقت کی اجازت حاصل کرو اور انہیں یقین دلا دو کہ یہ سب گفتگو نہیں ہوگی۔ اس لئے اگر مجھے

اجازت مل گئی تو خود اپنے ہمراہ اشیاء مطلوبہ لے جاؤں گا۔ درنہ کوئی دوسری صورت اختیار
 کروں گا۔ ڈاکٹر گوپی چند صاحب نظر بندی سے رہا ہو گئے ہیں۔ ان کی رہائی نے مولانا عبدالرؤف کی
 رہائی کے امکانات پیدا کر دیئے ہیں میں کوشش کر رہا ہوں۔ مگر خدا بھلا کرے دفتر احرار کا کہ انھوں
 نے نئی مجلس عاملہ کے اراکین کا اعلان کرتے ہوئے جہاں اور فرضی نام لکھ دیئے ہیں وہاں مولانا موصوف
 کا نام بھی لکھ دیا ہے اس سے میری کوشش کو سخت دھکا لگے گا۔ آپ مہربانی کر کے اخبارات میں
 اشاعت کے لئے ایک بیان مجھے لکھ کر بھیج دیں تاکہ اس کی اشاعت اخبارات میں کر دوں مگر جس قدر
 جلد ممکن ہو تاخیر نہ کرنا سب نہیں جس میں آپ یہ ذکر کریں کہ میں نے قبلہ والد صاحب سے جیل میں کئی دفعہ
 ملاقات کی۔ انھوں نے غیر مبہم طور پر مجھ سے ارشاد فرمایا کہ مولانا داؤد غزنوی صاحب کا کانگریس
 میں شمولیت کے متعلق بیان ہماری آپس کی باہمی گفتگو کا نتیجہ ہے اور ہم دونوں کافی غور و خوض کے بعد
 اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہم اپنی تمام سیاسی سربراہی صرف کانگریس کے ساتھ وابستہ رکھیں۔ اس لئے
 میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ دفتر احرار نے نئی مجلس عاملہ کے اراکین کی فہرست میں قبلہ والد
 صاحب کا اسم گرامی ان کی اجازت اور منشا کے بغیر شائع کیا ہے جو شرعاً اور اخلاقاً نہایت ناپسندیدہ
 چیز ہے۔ غرض اس قسم کے مناسب الفاظ لکھ کر اور آخر میں یہ بھی اظہار کر دیں کہ گجرات جیل میں بھی کئی
 ایک احرار ڈکٹیٹرز نے مجھ سے انہی خیالات اور عزائم کا اظہار کیا۔

فقط والسلام فقیر محمد داؤد غزنوی۔ لاہور

محترم بھائی۔ السلام علیکم

امید ہے کہ ہمارے خط آپ کو مل گئے ہوں گے۔ بلادرعزیز محمد طیب سخت بیمار ہے۔ بہرہ
 کو اس سے ۱۰۴ درجہ کا بخار تھا۔ ہمارے پاس کوئی دوا لانے والا بھی نہیں ہے۔ روزانہ بخار ہو جاتا ہے
 والدہ کی حالت بدستور ویسی ہی ہے۔ اس لئے آپ جلد آنے کی کوشش کریں۔ مجلس احرار سے اختلافات
 اس تاریخ سے شروع ہوئے۔ والسلام

بلقیس فاطمہ۔ لدھیانہ (دختر مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی)

مولانا المکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امرت سر کے احباب کے فیصلے اور چودھری افضل حق صاحب اور مولوی منظر علی صاحب کی تائید و توثیق کے بعد یہ اطلاعاً عرض کر رہا ہوں کہ قرار پایا ہے کہ یہ عاجز اور آپ دونوں داروہا جا کر مولانا ابوالکلام صاحب اور پنڈت جواہر لال نہرو صاحب سے ملاقات کریں اور موجودہ حالات کے متعلق جو پنجاب میں ہمیں پیش آرہے ہیں اس کے تمام پہلوؤں پر ان سے گفتگو کریں اور بھی بہت سی باتیں جو بغرض اختصار تحریر میں نہیں لانی جا سکتیں اس لئے یہ عاجز ہفتہ کی شام کو لاہور سے براستہ امرت سر ولدھیانہ عازم دہلی ہو جائے گا۔ آپ اگر لدھیانہ میں تشریف فرما ہیں تو لدھیانہ سے نہیں تو دہلی اسٹیشن پر ملیں۔ آپ کے کرایہ کا انتظام کر لیا گیا ہے مگر آپ کے نزدیک یہ سفر غیر مفید یا نامناسب ہو تو بذریعہ تار مجھے لاہور میں اطلاع دیں تاکہ میں رک جاؤں۔ میں ۵ بجے شام ہفتہ کو لاہور میں رہوں گا۔ اس کے بعد بعزم دہلی امرت سر چلا جاؤں گا۔ ایک اور خط بھی میرے ہمراہ شامل ہو جائیں گے۔ والسلام

فقیر بارگاہ محمدی — محمد داؤد غزنوی۔ لاہور

۲۳ اگست ۱۹۳۵ء باسمہ عزوجل

مولانا المحترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دستی خط موصول ہوا۔ زبانی بھی حالات معلوم ہوئے۔ میں اپنی صحت کی خرابی کی وجہ سے صدارت کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں اور اس تنازعہ صدمے نے مجھے بالکل ادھوا کر دیا ہے۔ پھر یہاں کی مسجد کی جماعت کی ذمہ داریاں بھی مجھ پر ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر صدارت کے فرائض سرانجام دینے سے بالکل قاصر ہوں اسی حالت میں مولوی خلیل الرحمن اور مولوی عزیز الرحمن کا استعفا مجلس احوار سے مناسب ہو گا یا نہیں؟ یعنی ایسی صورت میں وہ کانگریس میں کام کرنے کو تیار ہوں گے کہ نہیں آپ سوچ لیں۔ اس لئے میں نے عبدالرحمن سے کہہ دیا کہ ان کا استعفا ابھی

دفتر میں متدد۔ معلوم نہیں آپ اسے پسند کریں یا نہیں۔ مولانا منظر علی صاحب کا معلوم نہیں آج کل مزاج کیسا ہے۔ اگر آپ ان سے بات کرتے تو زیادہ مناسب تھا۔ مجھ سے تو وہ بہت ہی پرغاش رکھتے ہیں۔ نہ میری لڑکی کی وفات پر تعزیت کے لئے آئے نہ میری رہائی پر آئے۔ جب ان کے احساسات ایسے ہوں تو میرا ملنا مناسب نہیں۔ آپ ہی ان سے ملاقات کر کے کچھ فیصلہ کر سکتے ہیں۔ پنڈت جی کوئی کر آپ کا خط سنا دوں گا۔ آپ کا خط بہت صحیح اور حقیقت پر مبنی ہے۔ لیکن بعض فقرے بہت تیز ہیں۔ یہ اسی صورت میں لکھے جانے چاہئیں جب تعلقات ختم کرنے ہوں۔ اس لئے میں نے اس میں صرف دو فقرے قلم زد کر دیئے ہیں۔ ایک بازاری عورت کی طرح استعمال کرنے کا فقرہ۔ دوسرا فقرہ پرہیز میں دیئے جانے کا۔ باقی جوں کا توں رہنے دیا ہے اور پنڈت جی کو سنا دوں گا۔ اگر اکھوں نے جواب دیا تو دوستی بھجوا دوں گا۔

مقدمہ دار کرنا بے حد مفید ہو گا۔ انشاء اللہ جو مقصد مخالف کرنا چاہتے تھے وہ الٹ ثابت ہو گیا۔ ولا یحییٰ الملک السبعی الا باہلہ، آپ نے یہ لکھا ہے کہ اس بارے میں کوئی کوشش ہونی چاہئے کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہو۔ آیا عدالتی فیصلہ ہو یا نجی اس سے جلد مطلع فرمائیں انشاء اللہ جو خدمت سرانجام دے سکتا ہوں اس میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ والسلام
دلفد غزلوی۔ لاہور

۲۷ اگست ۱۹۴۱ء

باسمہ عزوجل

اعلیٰ المکرم حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ ورضی عنہ دارضیاء السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بعض اخبارات میں یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ آپ پر فلج کا حملہ ہوا اور اس کی وجہ سے آپ بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ مہربانی فرما کر اپنی صحت سے بہت جلد مطلع فرمائیں نہایت شکر گزار ہوں گا۔ میرے معدے کی تکلیف بہت بڑھ گئی ہے۔ گزشتہ دو ماہ سے بڑی تکلیف میں ہوں۔ تبخیر معدہ کی وجہ سے دل کی حرکت پر برا اثر پڑتا ہے۔ خون کا دباؤ دماغ کی طرف ہو جاتا ہے اس سے ناقابل بیان تکلیف ہوتی ہے۔ سو رہضم ایسا ہو گیا ہے کہ مرغ یا ثقیل غذا کھانے

سے (سہماں شروع ہو جاتا ہے۔ اسی پریشانی میں اس سال باہر کہیں نہیں جاسکا۔ اس خیال سے کہ شاید باہر علاج ہو سکے۔ آپ کو بھی خط نہیں لکھ سکا۔ نہایت نادم ہوں۔ مگر معذور ہوں۔ واللہ عند کرام الناس معتدل۔ آپ کی صحت کے لئے گنہگار ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہوں اور سب دوستوں سے دعا کی درخواست کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم غاصیوں کی دعا قبول فرمائے۔

ڈاکٹر گوپی چند صاحب سے میں نے آپ کے متعلق گفتگو کی۔ آپ کی تکالیف کے سلسلے میں کچھ کوشش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے۔ آپ کے لئے بستر کی چادریں اور بڑی چادر انشاء اللہ کسی آنے والے کے ہاتھ بھیج دوں گا۔ آپ سے ملاقات کی اجازت نہیں ملی۔ مہربانی فرما کر اپنی صحت سے بہت جلد مطلع فرمائیں والسلام

فقیر محمد نذیر غزنوی۔ لاہور

اور ونم لوکیل بہت کثرت سے پڑھئے۔ اگر دس ہزار مرتبہ پڑھ سکیں تو بہتر، ورنہ ایک ہزار مرتبہ ضرور پڑھیں۔ درود شریف ۱۱-۱۱ مرتبہ۔ اگر دھوٹوٹ جائے تو پھر وضو کر لیں۔

درہیانہ۔ جناب عالی

کل بتاریخ ۲۲ اگست ۱۹۴۶ء شہر کے لوگوں کا ایک ضروری اجتماع میری صدارت میں در منزل مسجد میں منعقد ہوا۔ مختصر اظہار کے باوجود شہر کے چار پانچ سو اصحاب شریک تھے۔ مینگ میں فیصلہ ہوا کہ شہر و ضلع میں گرد بڑا اور فساد سے جو کچھ اڑ بڑھ رہا ہے۔ اس کے سدھار اور وطن پرستی کا جذبہ بڑھانے کے لئے شہر میں پنچایت قائم ہو جس کا نام وطن پارٹی ہو جس میں سارے شہر کی مدد شریک ہو۔ یہ پارٹی فوری قیام امن کی کوشش کرے۔ فرقہ وارانہ اتحاد قائم کرے۔ شہر ہی حقوق، لوگوں کی آبرو عزت اور کاروبار کی حفاظت کرے۔ پہلک کا اعتماد سے حکومت کی مدد کرے تاکہ ہندوستانی قومی حکومت مضبوط ہو۔ یہ پروگرام اس وقت چل سکتا ہے جب تمام لوگ پوری طرح اس میں شریک ہوں۔ اس لئے باہمی مشورہ سے مشترکہ پروگرام چلانے کے لئے ایک ضروری مینگ بتاریخ ۲۵ اگست ہفت ۳ بجے شام یوسف باغ محلہ اقبال گنج میں منعقد ہوگا۔

آپ جیسے وطن پرست اور دردمندانسان سے درخواست ہے کہ آپ اس میں ضرور شریک ہوں۔ اور اپنے مفیاء مشوروں سے نیک کاموں میں شہر کی رہنمائی فرمائیں۔

مخلص محمد یوسف خواجہ۔ یوسف باغ اقبال گنج۔ لدھیانہ۔

ڈھاکہ۔ ۱۴ جنوری ۱۹۳۶ء

محبت مکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ سنا جاتا ہے کہ آپ بہار سے بہت حفا ہیں اور میں آپ کو بہار میں بلانے کی دعوت دینا چاہتا ہوں۔ اب اس کا فیصلہ خود آپ ہی کر لیں کہ یہ دعوت میری ذاتی غرض کے لئے ہے یا قومی۔

میں چیمپارن ضلع کے حلقہ ڈھاکہ سے اپنے الیکشن کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ مجھے ناکام بنانے کے لئے مسلم لیگ اٹری چوٹی کا زور لگا دے گی۔ نضا پور بھی کہیں بہتر ہے لیکن میری ادھیہاں کے لوگوں کی خواہش ہے کہ آپ اپنی دودن کے لئے اس ضلع میں تشریف لائیں۔ یہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ یوں تو آپ آئیں گے نہیں۔ لیکن میرے الیکشن کے بہانے سے میں آپ کو مجبور کروں گا آپ یہاں ضرور آئیں۔ پنجاب کا الیکشن ختم کر کے بہار آنے کا قصد کیجئے۔

مہربانی فرما کر مجھے ابھی سے بذریعہ تار آنے کی تاریخ سے مطلع فرمائیے اور ایک خط سکریٹری جمعیتہ علماء ڈھاکہ ضلع چیمپارن کے نام بھی لکھ دیجئے تاکہ وہ نجی انتظامات کر سکیں۔ بہار میں اور جگہ بھی گھومنا ہو گا۔ آپ سے دیرینہ تعلقات کی بنا پر امید ہے کہ آپ میری گزارش ضرور قبول فرمائیں گے۔

فقط والسلام۔ آپ کا مخلص دیرینہ۔ سید محمود (ڈاکٹر سید محمود نامی) زیر خارجہ حکومت ہند

جون ۱۹۳۸ء

جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب سلام مسنون

السلام علیکم۔ ملکی حالات نے مدت سے سفر کی اجازت نہ دی جس کی وجہ سے ملاقات نہ ہو سکی۔

دل چاہتا ہے۔ انشاء اللہ رمضان شریف کے بعد زیارت حاصل کر دوں گا۔ ہندوستان کی تقسیم کا اعلان

سن کر دل ہم گیا۔ ہر درویش بجان درویش۔ قوم پرست مسلمانوں کے لئے نہ جائے رفعت نہ پائے ماند
دلاقصہ ہے تینیس سالہ محنت کا پھل وہی غلامی۔ پانچ کروڑ مسلمان ہندوستان میں اکثریت کے
زیر اثر اور کچھ ریاستوں میں اور تین کروڑ بے دینوں کی قیادت و جاگیرداروں، سرمایہ داروں امیروں
سروں، نوابوں اور انگریز کی منشا کے مطابق ان کی پکڑ کے ماتحت انگریز کی کامن ویلتھ میں سائے
کا سارا مسلمان غلامی و غربت کی نئی کڑی سے جکڑا گیا۔ قوم پرست مسلمان نہ ان کو اس حالت میں دیکھ
سکتا ہے نہ بدل سکتا ہے جبکہ انھوں نے خود اپنے اوپر یہ حالت لائی۔ آخر پھر بھی انھیں لوگوں نے کچھ
سوچنا ہے اور بہتری کی طرف حرکت کرانی اور کرنی ہے۔ علاوہ انہیں اخباریں آپ کا مضمون پڑھا۔
کہ آپ قوم پرست ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کو یک جانی کی دعوت، حفاظت حقوق دے
رہے ہیں اور علی بہادر صاحب کی صدارت نے بھی تو اپنے گزشتہ تجربہ کی بنا پر، آپ کو اتنا عرض کر دینے پر
مجبور کر دیا۔ اگر آپ مانا ہیں اور سب کچھ آپ کے ہاتھوں میں گزرا پہلے نے تجربہ کار ہیں۔ ہم نے بھی آپ
کی خدمتوں سے اور زبانوں سے حاصل کیا۔ اپنے فرائض کو پورا کرنے کے لئے عرض کر دیتے ہیں باوجود
تیس سالہ محنت کے بھی نقصان و پریشانی کا سبب جس کو دوبارہ دور کرنا ہے وہ ہے کئی جماعتوں
میں بٹ جانا اور کئی جماعتوں کا ہونا اگرچہ وہ مخلص بھی ہوں یا ایک دوسرے کی تعریف بھی کرتے رہیں
پرانی دوائی کا استعمال جس نے بیماری میں اضافہ کیا خطرناک ہے جب کہ ہمارے پاس مسلمانوں میں
۸۰ سال کا بنایا ہوا مرکز جس کے علمی فیض سے تمام ہندوستان فیض یاب ہے ان کی سیاسی قربانیاں
بھی کسی سے کم نہیں مسلمانوں کے اسلامی و دنیاوی حقوق کا بھی محافظ شرعی صورت میں حق رکھتا ہے
اس کی اکثر شخصیتیں اور خصوصاً شیخ الہند صاحب صدر مخلص و نیک دل ہیں۔ ہندوستان کا اعلیٰ مسلمان
اس بات کا فخر رکھتا ہے جب کہ وہ دیوبند کا سند یافتہ ہو۔ ہندوستانیوں کو اس بات کا بھی فخر
ہے کہ ایسا مرکز دنیا میں نہیں۔ اگرچہ مسلمان خود بھی اس مرکز کو نہیں پہچانتے، لیکن انگریزوں سے اس مرکز کی
پہچان کر قسم قسم کے نشانوں سے اس پر دار کر رہا ہے تاکہ مسلمانوں کے دل میں اس مرکز کا اثر نہ رہے
حتیٰ کہ وہابی کہلایا، کفر کے فتوے دلائے۔ گائیاں دلوں میں، ہند پرورد اور ہند فروخت شدہ کہلویا، انگریز کے

سامنے ہی ایک مرکز دیوبند مسلمانوں کا تھا جس کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ اس نے علماء دیوبند پر طرح طرح کے الزام ترشوائے تاکہ لوگوں کے دلوں میں سے ان لوگوں کی عزت و وقار نہ رہے۔ اگر آج ہم بھی ان لوگوں کو چھوڑ دیں اور پرانے مرکز پر مٹی ڈال کر نئے مرکز کی تلاش میں چلیں تو لیگیوں میں اور ہمارے میں کون سا فرق رہا جب کہ ان کو چھوڑنے میں انگریز کی بھی خوشی ہو اور لیگیوں کی بھی۔ اور پرانی دوائی کو بھی استعمال کیا جائے جس سے مرض میں اضافہ ہوا۔ ہم نے اپنا فرض ادا کرنا تھا۔ اگرچہ آپ پہلے سے اس تجربہ کے شکار ہیں۔ عزیزان کو سلام علیکم

زرعیسی خیل ضلع میانوالی۔
صوفی اللہ داد خاں

۳۰ اگست ۱۹۳۹ء

حضرت مرنی کا خط بسلسلہ مارج صحابہ

مسئلہ مارج صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے متعلق گزشتہ مئی میں شیطان لکھنؤ سے میں نے التجا کی تھی کہ وہ فضا لکھنؤ کو صاف کر دیں تو قوی امید ہے کہ ان کے حقوق مسئلہ مذکورہ بالا میں حاصل ہو جائیں۔ میں جرد جہر کر رہا ہوں اور مجھ کو کامیابی کی امید ہے۔ اگر خدا نخواستہ ناکامی ہوئی تو کوئی موثر قدم اٹھایا جائے گا۔ میں لکھنؤ کے شیعوں کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری عرض سنی اور درستی فضا و امن رسکوں کا قابل رشک مظاہرہ کیا۔ میں نے اس مدت میں بہت زیادہ کوشش کی اور ہر اس دروازہ کو کھٹکھٹاتا رہا جس سے کسی فائدہ کی امید ہو سکتی تھی۔ مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بد قسمتی سے آج تک مجھ کو کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ میں شیعیان لکھنؤ کو تلقین صبر کرتے کرتے تھک گیا۔ جب کہ وہ حضرات بھی اپنے جذبات کو روکتے روکتے تھک گئے۔ اب مزید انتظار کے لئے ان کو روکنے کا میرے پاس کوئی معقول پہلو موجود نہیں۔ شیعیان لکھنؤ خود غور و فکر اور اہل عقل و تدبیر سے مشورہ کر کے جو مناسب تجویز اور راہ عمل قرار پائے باہن دامن رہ کر اس پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ میں ان ذمہ داریوں کے پیش نظر طاقت کے موافق حدت پیش کرتا رہوں گا۔ واللہ ولی التوفیق۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ۳۰ اگست ۱۹۳۹ء دیوبند

مکرمی جناب دہی احمد صاحب سکریٹری مجلس احرار اسلام لکھنؤ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس عریضہ کے ہمراہ اس بیان کی نقل ارسال خدمت ہے جو حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی نے بغرض اشاعت مرحمت فرمایا ہے۔ اگرچہ آپ لوگوں کا شخصی نقطہ نظر یا ہی گفتگو کے موقع پر ظاہر ہو چکا ہے لیکن مناسب ہوگا کہ آپ جماعتی حیثیت سے اس بیان پر غور فرما کر اپنی جماعت کے ارادہ سے ہمیں مطلع کریں کہ آیا قانونی شکنی شروع کرنے کی صورت میں ان کی جماعت ہمارے ساتھ شریک رہے گی یا موجودہ مصالح کی بنا پر آپ لوگ قانون شکنی کے لئے فی الحال تیار ہوں گے۔

ہم لوگ تو اس بات کو پہلے طے کر چکے تھے اگست ششمی میں ہماری غیر موجودگی میں ہماری جماعت کے لوگوں نے قانون شکنی بھی شروع کر دی تھی۔ اب صرف حکومت کو ایک انتباہی اطلاع کر دینا ہے جس کے بعد ۱۰ ستمبر یا اس کے بعد ہم قانون شکنی شروع کر دینا چاہتے ہیں۔ آپ لوگوں میں سے جن کا تعلق کانگریس سے باضابطہ ہے یا جو فی الحال مسلم ماس کینڈکٹ کمیٹی کی خدمت میں منسلک ہیں ان کے لئے میں جانتا ہوں کہ قانون شکنی میں شریک ہونا بہت سی مشکلات کا باعث ہوگا مگر اس سے بچنے کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ فی الحال ایسا صاحب کو جماعت سے رخصت دے دی جائے۔ بشرطیکہ آپ کی جماعت اس اقدام میں ہمارے ساتھ شریک ہونے کا فیصلہ کرے۔ اس عریضہ کے جواب میں براہ کرم مطلع فرمائیے کہ آپ کی جماعت کا فیصلہ کب تک معلوم ہو سکے گا۔ اگر آپ جلد ہی فیصلہ کر سکیں تو میں اس کی اشاعت (مولانا کے بیان کی) اس کے بعد کروں تاکہ ساتھ ہی ساتھ اپنی طرف سے اس کا اعلان بھی کیا جاسکے کہ ہم نے قانون شکنی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ والسلام

خاکسار ظفر الملک علوی لکھنؤ

نوٹ:۔ براہ کرم مولانا کا بیان ابھی صیغہ راز میں رکھا جائے۔ اس کی اشاعت نہ کی جائے۔ میں مناسب وقت پر اشاعت کروں گا۔ ظفر الملک

مخدوم المکرم دامت برکاتہم

السلام علیکم درجۃ اللہ۔ آپ کا گروہی نامہ آج لدھیانہ میں مجھ کو ملا۔ اس خط کو پڑھ کر بے حد حیرت بھی ہوئی اور صدمہ بھی۔ حیران ہوں کہ اس کا کیا جواب لکھوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا عبدالشکور صاحب کیا کر رہے ہیں اور وہ کیا چاہتے ہیں۔

غریب مفلس لفتنگے اور نوخیز لونڈوں کی جماعت نے کام شروع کیا اور مدح صحابہ کے سلسلے میں اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال دیا۔ سب خاموش ہی نہ رہے بلکہ یہ بھی کہہ دیا گیا کہ یہ تحریک ہماری طرف سے نہیں ہے اور ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حکومت نے ان حالات کو سن کر پورا تشدد کیا صوبہ کی مجلس احمار نے کام کو ہاتھ میں لے لیا اور ڈکٹیٹر مقرر کر دیا۔ جنگ شروع کرنے سے پہلے مشورے اور کانفرنسوں کی ضرورت ہوتی ہے اور جب جنگ شروع ہو جائے پھر یا تو اس کی مدد کی جاتی ہے اور یا اس کو فنا کرنے کے لئے مختلف کانفرنسیں بلائی جاتی ہیں۔ اب کانفرنس کا کیا مطلب ہے کچھ نہیں سوائے اس کے کہ اپنی کمزوریوں کو چھپانے کے لئے دوسروں کی آڑ تلاش کی جائے۔ اب تو سیدھی اور صاف بات ہے کہ جس کے دل میں مدح صحابہ کی بندش کے خلاف جذبہ ہے اس کو چاہئے کہ لفنگوں کی زیر قیادت یا تو حیل میں جائے اور یا خاموش ہو کے بیٹھ جائے۔ میرے مالی حالات ایسے نہیں ہیں کہ میں ضرور لکھنؤ جاؤں اگر ہو سکا تو صفحہ خط بھیجوں گا، وہ بھی آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے۔ ورنہ میں اس احتجاج کو بالکل بے فائدہ سمجھتا ہوں۔ یہ عرض صرف آپ ہی کے لئے ہے۔ (یہ خط حضرت مدنی مدظلہ کے نام ہے)

اردو دفتر مرکزی سیرت کمیٹی ضلع لاہور۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۹ء

محترمی و معظمی زاد لطفہ

السلام علیکم۔ اس وقت سیرت کمیٹی کی طرف سے مجمع کے لئے جو اردو وعظ شائع کئے جا رہے ہیں وہ ہر جمعہ کے دن پانچ ہزار مسجدوں میں سنائے جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس سلسلے کو اور زیادہ وسعت دے کر دس ہزار مسجدوں پر جاری کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ خطبات دعوایک ایسا ذریعہ ہیں جس سے

سری نگری سے اس کمائی تک کے مسلمانوں میں ایک آواز کی گونج پیدا کی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کو جنگِ عظیم کے حالات اور مسائل سے باخبر رکھنے کے لئے خطباتِ جمعہ کا ایک خاص کورس شائع کیا جائے۔ اس میں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ آپ کی رائے میں ایسے بنیادی اصول کون سے ہیں جن کو پیش نظر رکھ کر یہ خطبات لکھے جائیں؟ مسلم لیگ نے اپنے گزشتہ اجلاس میں فلسطین اور حقوق کے متعلق جن شکایتوں کا اعادہ کیا تھا، ان خطبات میں ان کا ذکر کرنا چاہئے یا نہیں؟ موجودہ جنگ کے متعلق مسلمانوں کے لئے کون سی پالیسی پر عمل کرنا بہتر ہو سکتا ہے؟ چونکہ یہ مسئلہ نازک تھا اس لئے آپ سے استصواب کرنا ضروری سمجھا گیا۔ امید ہے کہ آپ واضح جواب سے ضرور مشکور فرمائیں گے۔ والسلام

خاکسار عبد المجید قریشی۔ پٹی۔ ضلع قصور

نوٹ:- اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ قریشی صاحب سی آئی اڈی کا کام سنبھال رہے ہیں۔ جواب نہیں دیا گیا۔

مخدوم المکرم

السلام علیکم۔ ذیل کے سوالات ارسال خدمت ہیں۔ حالات کا اقتضا ہے کہ ان کا جواب جلد از جلد ملک میں شائع کر دیا جائے۔ مجھے امید ہے کہ آپ بہت جلد صاف اور مختصر مدلل جواب ارسال فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

آپ کو معلوم ہو گا کہ اس وقت شاہ امان اللہ غازی پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے اور باغیوں کی شرعی حیثیت سے امداد کی جارہی ہے۔ جس سے دشمنان اسلام بے حد فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک سلطنت اسلام کو برباد کر رہے ہیں۔

سوالات

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شاہ امان اللہ غازی دالی افغانستان نے جو اصلاحات اپنے ملک میں جاری کی ہیں کیا وہ ان کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا؟

۲۔ (الف) کیا ان اصلاحات کا اجر اور شاہ امان اللہ کے خلاف بغاوت کرنے کی شرعاً اجازت دیتا ہے؟ (ب) اگر جو جماعت ان اصلاحات کے اجر اور کی بنا پر بغاوت کرنا چاہتی ہے اس کی کسی قسم کی

۱۰ لاہور میں ۱۹۴۷ء میں قریشی صاحب جس مکان میں ۳۳ ٹھہرے تھے وہ انارکلی میں تھا کسی نے رات کو قریشی صاحب کو

مخدوم المکرم نے لائسنس کو نکالا اور اہل جنازہ کے بوکی وجہ سے دفن کر دی گئی۔

معاذ اللہ کرنا کسی مسلمان کے لئے شرعاً جائز ہے۔

- ۳۔ جو لوگ ان اصلاحات کے اجرا کی وجہ سے شاہ امان اللہ کو کافر کہتے ہیں وہ حق پر ہیں۔
- ۴۔ جب کہ دشمنان اسلام مختلف ذرائع سے سلطنت افغانستان کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں شاہ امان اللہ کی امداد کرنا ہر مسلمان پر شرعاً فرض نہیں ہے۔
- سنٹرل خلافت کمیٹی بمبئی

مولانا حبیب الرحمن صاحب دام مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: آپ کا پہلا خط پہنچا تھا۔ بمبئی میں بے شک اتنی دیر سے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس لئے کہ یہ معاملات خطوط اور مراسلات سے نہیں حل ہو سکتے، بلکہ خود جانا چاہئے اور تدبیروں اور حکمت عملیوں کے ساتھ ان بے ایمان سرمایہ داروں سے مدد وصول کرنا چاہئے۔ اس بارے میں میں نے خاموشی اختیار کی تھی۔ میاں منیر بخش سے کہنے کے لئے کئی دفعہ گیا۔ مگر وہ آج کل ایک عرصہ سے دیوالی میں مقیم ہیں۔ انشاء اللہ رمضان کے آخری عشرہ میں جب کہ وہ ماہم پہنچ جائیں گے ان سے عرض کروں گا۔ میں نے کہا تھا اگر آپ خود بمبئی آجائیں تو میاں منیر بخش اور ان کے بھائی میاں محمد دین جو بہت زیادہ امیر ہیں کوشش کی جائے۔ محمد دین صاحب پر مولانا محمد علی کا بھی خاص اثر ہے اور میں نے سنا ہے کہ کوئی شخص ان کے دروازے پر سے خالی نہیں جاسکتا۔ میں رمضان کے بعد دہلی آؤں گا۔

مسلم افغانستان میں بھی آپ کی دوستی اور طریق کار مخصوص ہیں۔ ہماری ذاتی اطلاعات یہ ہیں کہ افغانستان میں سوائے چند نو جوانوں کے ایک متنفس بھی نہیں جو شاہ امان اللہ خاں کے عمل سے موافق ہو۔ یہ سب کسی ایک گروہ کی بغاوت کا نہیں ہے۔ بلکہ تقریباً تمام عمال حکومت، دندارا اور تقریباً ساری پبلک کی مخالفت کا ہے اور یہ سب اکیس کم از کم مجھے انقلاب افغانستان سے چار ماہ پہلے معلوم تھا جب سردار علی احمد خان بمبئی میں آئے تھے تو اس وقت ان سے سارے حالات معلوم ہو گئے تھے اور یہ بھی معلوم تھا کہ آپ آئندہ افغانستان میں ضرور کوئی نہ کوئی تبدیلی ہوگی یہ کیف

ہماری معلومات یہ تھیں کہ سردار علی احمد خاں، جنرل نادر خاں امدان کے دونوں بھائی۔ سردار محمد ولی خاں شیر علی خاں، والدہ امان اللہ خاں سراج النور اور تقریباً ساری فوج اور علمائے سب امان اللہ خاں کی پالیسی کے موافق نہیں ہیں اور خود افغانستان کے انقلاب نے بھی یہی ثابت کیا ہے کہ فوج اور حال حکومت موافق نہ تھی۔ ورنہ حسرت کی بغاوت تو چند ہفتوں میں قلع قمع کر دی جلتے۔ لیکن ایک بچہ سقہ کی بغاوت جسے ڈاکو کہا جاتا ہے اتنی مڑا در ہمہ گیر ہے کہ اس کے سامنے ساری سلطانی فوج نے ہتھیار ڈال دے اور اپنی بے چارگی کا اعلان کر دے۔ بہر حال ہماری اطلاع افغانی سرکاری ذرائع سے یہ ہے کہ بچہ سقہ تو برائے نام ہے اور اس کی پشت پر تقریباً سارا ملک ہے

ایسے حالات میں جو آپ کا رویہ ہے وہ بہت نامستقل ہے اور افغانستان کے لئے تباہ کن ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ امان اللہ خاں سے بہتر سرزمین افغانستان کے لئے کوئی دوسرا شخص نہیں ہو سکتا لیکن ان کو واپس لانے کی تدبیر بھی یہ نہیں کہ تمام علماء افغانستان کو گالیاں دیا جائیں اور بچہ سقہ نام کا جو ایک شخص ہے اسے گتّا اور کیا کیا کہا جائے۔ صورت یہی ہے کہ امان اللہ خاں کو بھی سمجھایا جائے کہ ساری اصلاحات عورتوں کے ننگے بدن میں نہیں رکھی ہوتیں اور ادھر علماء اور مشائخ اور قبائلی کے سرداروں کو بھی سمجھایا جائے کہ یہ چیزیں اتنی اہم نہیں ہیں کہ آپ ان کی وجہ سے ایک بہتر آدمی کو ضائع کر دیں۔ بد نصیبی یہ ہے کہ مرکزی خلافت کے ٹکڑے ہو گئے ہیں ورنہ ایک جگہ بیٹھ کر اگر کوئی مشورہ ہوتا تو سب ایک ہی رائے پر جمع ہو جاتے۔

جن حاجیوں کو آپ بھیجنا چاہتے ہیں، ان کی روانگی سے قبل تار دے دیں تاکہ اسٹیشن پر انہیں رضا کار ملیں اور انہیں ہر قسم کا آرام پہنچائیں۔ اگر مسافر خانہ میں جگہ ہوئی تو انتظام کر دیں گا۔ ورنہ کوئی کمرہ دے دوں گا بہر کیف انہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ کھانے پینے کا سامان ساتھ ساتھ نہ لائیں اور نہ خریدیں، اس لئے کہ کمپنی کے تمام جہازوں میں مسلم ہوٹل کھل گئے ہیں جو نہایت عمدہ اور سستا کھانا بہم پہنچاتے ہیں۔

محمد عرفان (دفتر خلافت کمیٹی۔ ممبئی)

سکندر اردو۔ دہلی جدید۔ ۲۲ مارچ ۱۹۳۹ء

جناب مستطاب مولانا حبیب الرحمن صاحب زاد الطافکم

السلام علیکم۔ امید ہے کہ مزاج و ہاج ترین عافیت ہوگا۔ منشور کے پرچے مطبوعہ مورخہ ۲۲ مارچ میں کچھ مضمون آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس کا تعلق امان اللہ خاں سے ہے چونکہ آپ دیرینہ کرم فرما ہیں لہذا یہ حسارت استفسار کرتا ہوں کہ آیا فی الحقیقت یہ آپ کا بیان ہے یا یونہی آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے ؟ زیادہ ایام بکام

مخلص محمد فاضل۔ از سفارت خانہ افغانستان

ڈیرہ اسماعیل خاں۔ ۷ اگست ۱۹۲۹ء

عالی جناب مخدومی و محترمی حضرت فخرالاحرار صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج اقدس۔ زمانہ زمان جب کہ ہر طرف سے حوادث انقلابی رونما ہو رہے ہیں اور ہندوستان و افغانستان میں بحیثیت سیاسیات دشوار عبور طرائق سے گزر رہے ہیں ایک سلطنت کا دوسری ہمسایہ سلطنت پر اثر ہونا ہر حیثیت سے ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت غازی محمد نادر شاہ ناجی و استقلال بخش افغانستان و سلطنت محروسہ اش کے برخلاف چند گمراہ، کوتاہ اندیش اشخاص نے ضرورت حال و اقتضائے زمانہ سے نا آشنا ہو کر گمراہ کن پراپیگنڈا شروع کر رکھا ہے جو منافی امن۔ اصلاح و قیام سلطنت ہے، اس سے جناب بھی باخبر و واقف ہوں گے۔

اکابر اسلام کی متفقہ آواز کو نہایت سرد جہری و کم دانشی سے پس پشت ڈال کر بے سہرہ پانہ خواستہ افسانے گھڑ کر عام مسلمانوں کو دولت عالیہ افغانستان کے خلاف بدظن کرنے کی جو ناپاک کوششیں شروع کر رکھی ہیں ان سب ہتھکنڈوں سے جناب والا مطلع ہوں گے۔ کیا اب وقت نہیں آیا کہ اکابر اسلام کی مقتدر و واجب الاحترام جماعت ارشاد ربانی لا تقسدا وافی الارض بعد اصلاحہا کی تعمیل کر کے اعلائے کلمۃ الحق فرما کر ایک آزاد شان دار اسلامی سلطنت کو اشارہ

کے شر سے جنھوں نے اپنی بے جا صدا درمٹ پر مفاد اسلامی کو قربان کرنے کی کھٹان رکھی ہے، نجات دلائے اور ایک اہم فرض سے سبک ہو کر عام مسلمانوں کو جی کی نگاہیں بے قراری سے ان طرف اٹھ رہی ہیں رہنمائی کرے۔

برائے مہربانی اپنے ارادہ و خیال سے جو شرعی و پولیٹیکل نکتہ نگاہ اور موجودہ ضرورت وقت کی بنا پر کسی قریبی فرصت میں مطلع فرما کر سرور فرمادیں۔

افغانستان پراپیگنڈا کمیٹی نہایت بے چینی سے جناب کے ارشاد کی منتظر ہے۔ والسلام

نیازمند۔ (شاہزادہ) فضل داد صدر افغانستان پراپیگنڈا کمیٹی۔ کوچہ حافظ جمال

ڈیرہ اسماعیل خاں

(بالکل پرائیویٹ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵

وقت گنت کہ خود را ہمہ ایتار کنیم اصلاح پے اصلاح و طن کرشش بسیار کنیم

رایگاں

ہفتہ وار

جلداول۔ جاجی۔ یوم چہار شنبہ۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۹۶۹ء شمارہ ۴

حوالہ خواہش میکنم

برادر دم مدبر صاحب جریدہ اصلاح! این مکتوب مرا عیناً درج جبریدہ اصلاح نماید
جریدہ عاجز اند اصلاح باین متقین است کہ برادران ہمدرد ہندی ما از ہیچگونہ امداد و اعانت
خود داری نکرده بخودیت ایں اعانت مالی خودشان را لباس علی خواہند پذیرند چہا برادران
حساس ہندی مادر اوقات مصائب ملل شرق خصوصاً ملل اسلامی ہمہ وقت اعانت و ہمدردی
خودشان را عملاً ثابت کردہ اند چندہ ایکہ چند مرتبہ در محاربہ ہائے بلقان و طرابلس دیونان وغیرہ
برادران ترکی ما فرشادہ ایزدیک مسئلہ مسلم است، ہمچنان در ہمیں انقلاب حاضرہ افغانستان
وقتیکہ امیر امان اللہ خاں مخلوع در قتل بر علیہ سقویہا کار داری داشتند۔ جمعیت ہائے تعاونی
ہند خلی فداکاری نمودند۔ جریدہ اصلاح امید میکنم کہ عنقریب ایں اعانت و امداد مالی برادران

هندی ماکه امروز نجات مملکت افغانستان ازین نهمکه است دتا چین حیات آئیده یک کرد
 نفوس اسلامی وسط آسیا را میناید خیلے بسرعت در میدان عمل اثبات دولت در رسید
 الم کشیده افغانستان را ممنون و مریون احسان خویش فرمایند
 همچنان این حمیده محقره از همه نوع بشر استمداد برگزیده امداد اعانت در دمنده
 انسانیت کارانه شلزار نسبت به این حالت تباہ ملت و مملکت افغانستان چشدرامشت دارد

نوحه کابل

برادران غیور افغان مان!

ما اهالی کابل بریاستر حکومت افغانی دریں سالهای دراز خدمت، فداکاری و جان نثاری
 نموده برای شما برادران افغانی خود اسباب همه گونه استراحت و آرامی بودیم آیا، هیچوقت
 از خدمت شما کوتاهی کرده ایم - مزد و رستم شما نبودیم، طباطبی، نان بنائی، خیاطی، چپلی سازی
 پرزدوزی، دباغت و امثال آن برای شما نمیکردیم؛ سراسر ما، دکانها، خانه ها و برای راحت
 و بود و باش شما بود؛ اگر ما بگوئیم از شما استفاده یعنی کمائی نکرده ایم، بل، ما قائل هستیم که شما
 حفاظت مال، جان، ناموس و شرف ما را بینمودید و بر سر سایه شما آرام بودیم، از پول شما فائده
 نمیکردیم، شب در دزد به دعای استقرار حکومت و سلطنت شما بودیم،

و لے امروز اگر فلاکت و تباہی ما را به بنید میدیایند که ما چه مصائب و فوایب و چاریم بر ایمانان
 نمیرسد، خام نمانده، ناموس ما بر باد رفت، اختیار جان، مال، زن و بچه خود را نداریم، روز
 شب بشکنجه و اذیت این دزدان و ظالمان خونخوار ایم، اگر شما گمان کنید که ما خاموش هستیم و این
 خاموشی ما بواسطه آراسیت، نه، این قسم نیست، خاموش بودن ما از استبداد و ظلم و سفاکی
 دزد و ظالم و اشرار نیست اوست، تا حال بهر طرف دست و پا زدیم، و از هیچگونه وساطتی که در
 فسق و فساد این ظالمان از دست ما پوره بود کوتاهی نکردیم، و لے چون کمک ما واجب از دیگران

برآشمار رسید ما تنها و بکس مانده زیاده تر بشکجه ازیت دزد و ظالم گرفتار شدیم و هزارها جوان
 ما اشخاص سر برآورده و خدمتگاران شما اقوام بلکه اکثر پیشوایان و مقتدیان ما در شما مقتول و مجروح
 محبوس تحقین زمانه بے پرده بے آب، بے ناموس و ضبط و تاراج گردیدند این واقعات نیست
 که شما بنده استر با شیدا البته اگر عموم شما بچشم خود ندیده اند بعضی نفری شما که در کابل آمده این
 حالت ندارد ابتلا س عظیم ما ملاحظه کرده اند آیا همان کابلیکه پیشتر دیده بودید حالا هم همان قسم دیدید
 آدم را دیدید که خندان فرحال باشد در کان بود، مسافران دیده میشود مساکین و مردمان
 غریب که خودشان برآه خرید و فرامی کردن نفقه خود در بازار میرفتند آیا یک نفرشان را کس دیده
 متعاضد اهالی کابل در شهر مانده در مساجد بخیل و برادران فریضه نماز که اے خداوندی مست
 رفته و یکجا شده نمیتواند، خاص اینکه هر آدم از سفاکی و خونخواری دزدان فاسق ترسایان و لهرزان
 است انما الشکواشی و حذنی الی الله

شهر کابل پایه تخت سلطنت افغانی امروزه جارف و فاسق و فجور و بختفر دزد کومرانی و کومستانی
 شاره و بس، در وقتیکه از طرف بچه ستم و شهرت شد که بعضی نفری افاغنه از جنوبی آمده بودند
 میخواستیم که زن و مرد را در سر کباب برآمده و حشت و بربریت و بهیمیت بچه سقا و دزدان معیت او
 را در حال تباہ خود را برای شان عرض نمایم، میدانستیم که این اقوام دلاور با غیرت سمیت جنوبی
 و پیشتر محض برآه یک جزئی مسئله مکه دار مسائن دینی و دنیاوی فداکاری و جاه نشاری نمود
 اند حالا ایما هم بیدینی و بی ناموسی این دزدان رایگان یگان دیده و واقف هستند چه طور
 برآه اصلاح و اطاعت بچه سقا و برهن می آیند مال بنطیر قیاس کردیم که البته اینها برای اخذ
 معلومات و حالت تباہ ما و نظر و بیدار این دزدان چند نفر را فرستاده خواهد بود و لذا باید عرض حال
 خود را برآه شان برسانیم، دلی کجا ما بیچاره که چهار نفر هم یکجا شده نمیتوانیم، خود را با بی
 نسلی کردیم که شاید فرآه رحمن و رمتان از فضل بکیران خود در یبه باز و که ما عرض حال خود را
 برادران با غیرت خود برسانیم و انا انما استمداد و استغانت کم، تا اینکه بعضی پرچه ها را اخبار

مبارک اصلاح را که بعضی برادران با غیرت و جوانان با همت مابکابل رسانیده بودند مطالعه نمودیم

لله الحمد هر آن چپین که خاطر میخواست

آخر آمد ز پس پرده تفتیر پدید

علاوه ازین از خبرهای مسرت آور اتحاد و اتفاق شما اقوام با غیرت سمت جنوبی و سمت مشرقی مجاهدت مردانه اسلامیت کارانه تان واقف شدیم و شکریه حضرت الهی را بجا آورده منتظر نعمت نجات خود بفضل و احسان خدای سبحان از دست این ظالمان گردیدیم، خوش بختانه باین مسئله زیاده تر خورسند شدیم که جریده اصلاح میتواند عرض حال و مظلومیت ما را به عموم شما برادران غیور و بهر دو ما برساند، لهذا این احوال جانکاه خود را بشما برادران تقدیم درجا میکنم که وقت غیر همت، اسلامیت، ترحم ناموس، دانش، مردت، شفقت بحال ما بیچاره با مظلومین و در کردار لکه بدنامی از دامن پاک سلطنت افغانی خود تان همین است - زود شود پید همت کنیز به پنجره رحمت خود خود ما را و ما بیچاره با ما حیات دوباره بدهد در دین و دنیا خود را ازین محقوبیه بکشید، سقا دیان رد باه خصال کسی نیستند که طاقت یک ساعته حمله مردانه شما را داشته باشند، فقط سنبلی، غفلت و بی پروائی خود شما است که این ظالمان را ظاهراً قوی ساخته برادران نگانی و هزاره با خیل حمله هائے مردانه نموده و نمایند، و این دزدان داندان سقا را بدو اساتذہ اند که به اصلاح ماکابلی ها پوشش در قطعی شده ولی سروری و خاموشی شما با غیرت ما را خیل مایوس ساخته -

در خاتمه از جناب مدیر جریده اصلاح رجا میکنم که این عرض عاجزانه ما را در اولتر

شماره جریده مبارک خود درج و با اقوام با غیرت و برادران با همت، مان اقوام غیور سمت جنوبی و

دعموم افغانستان شایع نماید، س. ع. کابلی

حوادث داخله

مکان احمد زئی از ببر، حفرد، نوگیره، برگ، چکری و غیره به تعداد شصت نفر

آمده بودند، بیان شان این بود که پیچهر از لشکر ما مستقر خدمت است، بر نقطه که اجازه باشد داخل خدمت میشویم، جناب اعلیٰ محمد نادر خان غازی بآنها هدایت دادند که حال در حدود خود توقف باشند، بعد از فیصله گردید که دیگر لشکرها بطرف سهوگرد حرکت کردند و ابوقت لشکرها تمام شامل خدمت شوند.

اطلاع از دیگر ذرائع موثق که معلومات دارد سه هزار لشکر این اقوام جمع و مستقر

خدمت اند،

محاربه گردیز

اقدام اشترار ستقانی: شب یازدهم بیج الاول اشترار ستقادی بمعاونت درخیل بدران و بعضی از نفری مسنگل به ماتحتی نیتک و خانوی و خان پسر سنگ و آدم خان پسر خان ولی و هندو طوطاخیل و احمد زائی پانزده به ستقاد و بیعت داده بودند تا به حدود طوطاخیل آمده شب نقاط هم حریف را اخذ و استحکام خود را خنثی کرده سیکرام الی کنند خیل. این حدود در ۶ کمره و در طرف شرق رویند واقع است،

شجاعت فوق الاراده مجاهدین حریت

هرمیت بزرگ و تلفات زیاده ستقادیان،

ساعت ۴ بجای محاربه شروع گردید. محاربه خیلی بشرت ۴ ساعت دوام نمود. ساعت ۸ ستقادیها تاب مقاومت را نادرده به عقب نشینی مجبور شدند، ۲ توپ ایطالوی و یک توپ نه پونده سحرانی، ما شنید از زیاد و خینه اسلحه و جبهه شاه شان غنیمت مجاهدین گردیده تا اندازه بخصد نفر شان زنده اسیر و مانفر ستقادی مقتول و مجروح شدند، لشکرهای مجاهدین ستقادیان را محدود کرده که از استحکامات مذکور کم کور و مسافت است و ۲ کمره و گردیز قریب است، تصدیق شان را کرده استحکامات و نقاط مهم را مجاهدین اشغال نمودند شب محاربه معطل و لشکرها استراحت داشتند،

پسپائی عارضی مجاہدین: - فردا آن لشکر ہا باز بہ تغرض شروع نمودند، و لے دریں روز
نظر بہ اعتباری کہ درین بعضی طوائف لشکری پیدا شدہ بود، مجاہدین بہ پیشتر وقت اقامت
نکرده و ضلعت مدافعت را اختیار نمودند، بعضی نفری فوق الذکر پیشتر بہ سقا دبعیت داده بودند، برنگ
اینکہ مصنویات لشکری خراب شود بہ پسپائی شروع کردند، قوم در غیبی و سقا دیہا ازین موقع
استفادہ کردہ بہ پیش رفت طرف رود احمد زئی اقامت کردند

خدانا ترسی و سقا کی سقا دیان

احمد زئی ہائیکہ طرفدار سقا دی بنودند، و بعیت نداده بودند، آہنہا مال و عایلہ خود را
کشیدہ کنارہ کردند و کسائیکہ طرفدار و مطیع و منقاد بودند آہنہا بخاطر جمع بہ قلعہ ہائے خود باقی ماندہ
بودند، افسوس بحال اینہا کہ انداہائی شہر کابل و خوشی و باخواب سوگردد دیگر نقاط کہ سقوط ہوتا
بمال و ناموس طرفداران خود چہ ظلم و جبر کردند، بد بخوانہ ہیچ تنبیہ نشد، بخواب غفلت بودند، خیر
بہمہ جہت دیر نہ آنچہ دیدند

نتیجہ خدمت دزدان یا مکافات عمل: - سقا دیہا کہ ڈال رود احمد زائی شدند اولاً
ہماں اشخاص مطیع و منقاد خود را چور و چپا دل کردہ نہ بنائے شانرا زندہ اسیر بردہ، حتی دو نفر
طفل صغیر ملک عبدالرحمن کٹورا احمد زئی رود را کہ یگانہ طرف دار سقوی و بکابل ہم رفتہ بود و بچہ کردند
ملا داد و شاہ مالی نہیں کہ دین را بدینا فروختہ بہ پنجرہ پیہ سقا دی بر علیہ جمیع اقوام افغانہ و جناب
حضرت صاحب کہ پیرا و بود شدہ کارروائی نمود، سقا دیہا قلعہ اورا سوختا ندہ خودش را
با سعت نفر قوم و عایلہ د خورد و کلاں او بہ تیغ ستم خویش شقہ کردہ کشتند، باقی قلعہ ہائے احمد زائی
و بطوطا خیل را تا کند خیل آتش دادند، فاعتبروا یا ادلی الالبصار

جسمیدہ اصوارح: - اینست نتیجہ مہربانی سقا کہ بطرفداران خودش تطہیق گردیدہ جان
مان، ناموس، شان برباد شد، و لے آہنہا یکہ طرفدار سقا بودند بعد الحمد جان و مال، شان
محفوظ ماند، اگر یا نیمہم اقوام افغانہ تنبیہ نہیںدند بہ الحال شان، نظر با بن حیات مرگ شان

بهتر نسبت بایں موجودیت عدم آنها افضل است، از اقوام با غیرت افاغنه چه شد غیرت، ناموسداری
 شہامت، شجاعت، دینداری، قوم پروری شان، آیا ازین ذلّت خود تنبیه نمیشود، این واقعات
 جانسوز شمارا از خواب غفلت شان بیدار میکنند، هنوز هم قریب و ملیس دشمن را میخورید، دیدید که
 قریب خورده با شما چه شدند، ناموس جان و مال شان را سقوی با چطور سر باد دادند، بحشر مشیر
 و غیرت و مجاہدات، شان، اتفاق و اتحاد شان چیز دیگر ذریعہ نجات شما نمیشود، با خبر باشید
 هنوز سوخت است،

اسیران ستقاوی کہ جمعیۃ ستقاوی رسیدہ

گل محمد غنہ مشریا دارہ مار بزرگ	یکنفر
کنہ کشریا	۲ نفر
تولی مشر	۱ نفر
سپاہی	۱۱۹ نفر

پسپائی دوبارہ ستقاویان

ساعت ۲۴ بجہ شب ۲۲ ربیع الاول اطلاع رسیدہ :-

اطلاع آتش دادن قلعہ ہائے احمد زائی مکند خیل، طوطا خیل کہ بہ شکر ہائے مجاہدین
 رسید، فوراً بیک جوش و خروش بہ تعرض آغاز کردند و از ہر طرف دشمن را بزیر آتش گرفتند، حسن خیل
 احمد خیل جاجی از ہمہ اولتر داخل محاربہ شدند، دیگر شکر ہائے جاجی و دیگر اقوام مینگل میرزہ، احمد زائی
 طوطا خیل یکے بعد دیگرے داخل خطوط حربی گشتند، تا حال کہ ساعت ۶ عصر محاربہ دوام دارد،
 ستقاویہا قریباً ۴ میل عقب نشستند، مجاہدین نقاط ہمہ در ہماں استحکامات اولیہ خود شان را
 کہ از ستقاویہا گرفتہ بودند دوبارہ اشغال کردند، ستقاویان باز درودہ بالا محصور شدہ اند، تلفات
 زیاد ستقاویہا درین محاربہ دادہ آمد تفصیل آن در ثانی دادہ میشود،
 می زائی جدران کہ مکان شان بیشتر آمدہ بودند یک لشکر قومی جمع آوری کردہ در غلگے

رسیدند غلیگی از گردیز قریباً ۶ کروز جساقه دارد) خط فرستاده بودند که مادر کدام نقطه
داخل محاربه شدیم؛ برای نشان هدایت حربی داده شد، مردم دره، درازا که طرفدار سقادی
بودند بآمن ملک و لشکرهای میزانی امید است که درست شوند،

اصلاح دعای کامیابی و اتحاد و اتفاق لشکرهای مجاهدین را بنماید و همچنین فتوحات
شاندارشانرا از خدادند مسلت میکند.

قندهار

کوهستانی دکه هدانی سقادی در شهر قندهار توقف دارند از سور رفتار آنها اهالی شهر
به تنگ آمده خیلی پریشان اند، اقوام قندهاری مثل زمیند اور دگرم سیل و جمیع اهالی محالات آن تدارک
و تهیه لشکر را بر علیه سقویا دارند،

سقادیها در داخل شهر تهیه استحکامات و پیش بینی محصوریت خود را دارند، قندهاریها
را چیزی که پیشتر متاثر و مشتعل ساخته پشیانی اعمال خودشان است و از بے همی خود که سقادیها
را در شهر قندهار داخل ساختند خیل نادم اند،

دو کندک از شش کروی کابل که بقندهار فرستاده شده روز آنها در منزل بارغ
توقف دارند، تو خاندان عسکری قندهار کوشش دارد که آنها داخل شهر و یا دو کندک کویدامنی و
کوهستانی یک جا شوند و لے کن بهای شش کروی که از احوال و سور زختار کویدامنی ها متفراند داخل
شهر نمیشوند، اختلافات زیادے در بین عسکری سقادی هم است.

امید است که عنقریب اقوام قندهامی از میخو قعی استفاده داریں بحالت خود را برپا کنند
بعون الله تعالی.

وحشت در نظام سقوی

تگاب :- سقویا بعض که یک فتح عارضی در تگاب حاصل کردند، قلوبه تگاب را
آتش دارند، اشجار را یکی پے و بارغ باد آراضی مزروعیه شان را خراب کردند، در حق اهالی آن

تا جائیکه دست شان میرسد یک قتل عام را جاری حتی ریش سفیدان پامانده و اطفال مصوم
شکارزابه تیغ ستم هلاک نموده از بنار بردند،

این منظام را حالا وحشیان امریعه نم اجرا نمیکند، دریں عصر حاضر این اولین وحشت
است که محض برای تعیش و نفس پرستی یک درد ظالم در حق مسلمانها و افغانها افغانستان
اجرامی شود،

خدایا اگر افغانه غیرت نمیکند و غیرت از انبارفته، تو غیور هستی منتقم حقیقی هستی،
تو غیرت ناموس مظلومین کمسن و انتقام این منظام را که در حق ما بیچاره با اجرا میشود مگردار
از شر این دردناک وحشی محفوظ دار،

“مجرورین سقادی”

مجرورین درگیر اسیران سقادی که مجاهدین درین محاربه اسیر گرفته اند و در علی خیل جاجی نو
دارند، مجرورین آن که عمداً نفر است طوریکه مجرورین مجاهدین پرستاری و تیمار داری میشوند همان
قسم تحت معالجه گرفته شده اند، غذا و ادویه شان خیل به نظامت داده میشوند، بقیه اسیران
آنها را جائے علیحدہ داده شده، خوراک مثل افراد لشکری بادشان داده میشود، اسیر گرفته
نمیشوند، اگر راست بگویم مجاهدین جاجی آنها را بطوریکه مهمان محافظ میکنند، حالا وحشت سقوی
و انسانیت مجاهدین را ملاحظه کنید که آنها چه منظام بنمایند و اینها چه سلوک میکند
به بین تفاوت ره از کجاست تا کجا

ایک واقعه جانگاہ، شهادت یک نفر جوان رسید وطن خواه آقائے فضل احمد خان
فرقه مشربیک جوان وطن دوست و افسر تعلیم یافته حربی بود، قراریکه ما پیشتر مطلع شده بودیم
در حبس خانہ ارگ مجبوس بود۔

حال جراتہ ہندی خبر شہادت معزی الیہ را شائع کرده اند، نظر سفاکی و وحشت
سقادیان کہ در حق دیگر صاحبان و اعزہ افغانستان اجرا شده، ما این خبر را تسلیم

میکنم، ما از خدائے متعال برائے شهید راہ حریت طلب مغفرت و برائے پسماندگان شان صبر جمیل
 میخوانم و خاتمہ این مظالم را بنیاز میکنم
 از لاہور۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۶ء

جناب مولانا صاحب

تسلیم۔ آپ کے دونوں خط مورخہ ۲۸ ستمبر و ۸ اکتوبر آج موصول ہوئے۔ ۲۹ ستمبر کا خط
 شملہ سے بذریعہ ڈاک واپس آیا ہے۔ وزیراعظم آج کل اس وقت لاہور میں ہیں۔ امید ہے کہ ۱۵
 اکتوبر کے قریب قریب لاہور پہنچ جائیں گے۔ امید ہے کہ لاہور پہنچنے پر جلد از جلد آپ کو ملاقات کے
 لئے تحریر فرمایا جائے گا۔

آگے آپ کو معلوم ہو گا کہ میں اس تاریخ کی شام کو لدھیانہ پہنچ رہا ہوں امید ہے کہ وہاں
 آپ کے نیاز حاصل ہوں گے۔

خیر اندیش۔ بھیم سین سچر

مجلس احرار اسلام ہند۔ لدھیانہ۔ ۱۳ اپریل ۱۹۳۸ء

والد حضرت

انشاء اللہ مزاشما بخیر خواہ بود، عرض حال اینکه در حال مایاں آل انڈیا احرار پولیٹیکل
 کانفرنس در پشاور منعقد کردہ بودیم و در او اعلان پالیسی خود کہ در اخبارات شائع شدہ است
 بالفاظ ذیل کردیم۔

”ایں اجلاس افغانستان قبائلی و سرحد را متنبہ میکند کہ بعضے از حکومت ہائے
 غیر ملکی از عرصہ در پے بر پائے انقلاب در افغانستان زبستہ دو اتیان دارند۔ چنانکہ ایشان
 در ۱۹۲۹ء برخلاف حکومت امان اللہ خان شورش برپا کردہ تختہ اش را بباد دادند، خصوصاً
 در ایں چنین ایام و قتیکہ در او رویا اندیشہ جنگ عظیم در پیش باشد، قبائل را باید کہ نہایت
 محتاط و ہوشیار باشند و گوشش بر پرآ بچندہ غلط نہ ہند۔ ایں اجلاس بخمدت مطبع و

اخبارات ہندی نہایت مؤدبانہ استدعا دار دکھائشان از اشاعت۔ اخبار دہلی و غنبت
حکومت افغانستا کہ ہمسایہ ملک اسلامی ما است پر ہیز کنند دنیا بر ذاتی مفاد و اغراض خویش
دامن اش رخسانندازی نکنند“ والسلام

نیاز آگین حبیب الرحمن صدر مجلس احرار الہند۔ حبیب دہلی لدھیانہ

حبیب دہلی۔ شفاعت منزل، لدھیانہ۔ ۱۳ مارچ ۱۹۴۷ء

برادر مکرم و محترم شاہ صاحب

السلام علیکم۔ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو مجھے یاد ہے کہ سیاسیات میں آنے سے
پہلے میرے اور آپ کے ذاتی تعلقات ۱۹۱۴ء سے شروع ہوئے تھے، ۱۹۱۴ء سے آج تک
میں نے پوری سچائی اور نیک نیتی کے ساتھ آپ کی دوستی کو نبھایا اور یہ بھی امید نہ رکھی کہ دوست
میرے متعلق آپ کو کیا کچھ کہتے رہے جس سے آپ کبھی متاثر نہ ہوئے اور کبھی شدت کے ساتھ میرے مخالف
دوستوں کی زبان بند کی۔

اس فیصلہ سے قبل میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ کی اور برادر دم شیخ حسام الدین
صاحب کی موجودگی میں ایسا تباہ کن طریق کار پاس کیا جائے گا۔ مجھے امید تھی کہ آپ میری
دوستی اور اخلاص کی بنا پر کسی فیصلہ پر پہنچنے سے پہلے اجلاس کو ملتوی کر دیں گے۔ مگر میری
امید کے خلاف ایسا نہ ہوا۔ میں آپ سے جدا ہو رہا ہوں اس حال میں مجھے انتہائی دکھ اور
رنج ہے، لیکن میں اپنی سیاسی رائے اور معلومات کی بنا پر ایسا فیصلہ کرنے پر مجبور ہوا۔ مجھے
مجلس احرار کے دوستوں سے نہ کوئی ذاتی گلہ ہے نہ رنج، بلکہ میں نے اپنی تشریحی جھڑپ میں جو
کچھ لکھا ہے وہ مجلس احرار کی مجموعی پالیسی اور احرار دوستوں کی بعض ایسی سیاسی آرا کی مخالفت
کی ہے جن سے مجھے کسی حال میں بھی اتفاق نہیں ہو سکتا تھا۔

کاش اب یہ دوست آپ کے ساتھ رہیں۔ یا آپ ان کو اپنے ساتھ چلا سکیں، کیونکہ
میں واقعات کی بنا پر جانتا ہوں کہ زیادہ دنوں تک احرار کی گاڑی نہ چل سکے گی۔

ماسٹر تاج الدین صاحب بھی دیرینہ دوست ہیں۔ انھوں نے اپنے مقاصد میں جس وقت مجھے چاہا مجھ سے کام لیا اور اب جب وہ خود آگے بڑھ کر کام کرنے لگے تو انھوں نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ مجھے مستغفی ہونے کا مشورہ دیں۔ مجھے ماسٹر صاحب کے اس طرز عمل پر کوئی شکوہ نہیں، وقت اور حالات خود بتا دیں گے کہ ان کا طرز عمل صحیح تھا یا غلط۔

میری تشریحی چٹھی اس ہفتہ تک پریس میں جائے گی اور آپ سے امید کرتا ہوں کہ آپ اسے اپنے اخبار میں شائع کریں گے۔ مجلس سے علیحدہ ہوتے ہوئے بھی میرے اور آپ کے ذاتی تعلقات میں کمی نہ ہوگی اور ہمیشہ یہ امید کروں گا کہ آپ بھی ذاتی تعلقات کو فروغ دینے نہ کریں گے والسلام۔ حبیب الرحمن لدھیانوی سابق صدر مجلس احرار اسلام ہند

حبیب روڈ۔ شفاعت منزل۔ لدھیانہ۔ ۳۱ مارچ ۱۹۴۷ء

محترم گرامی حضرت مولانا سید عطار اللہ شاہ صاحب

صدر مجلس احرار اسلام ہند۔ لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو مجلس احرار ہند کی مجلس عاملہ نے جس میں ۲۱ ممبران میں سے ۷ حاضر تھے (یو، پی، دہلی اور سرحد سے کوئی بھی اس اجلاس میں شامل نہیں ہوا) جس طریقہ کار کا اعلان کیا اور جس طریقہ سے اس کی تشریحات غیر ذمہ دارانہ طور پر اخبار آزاد کے ذریعہ سے کی گئی ہیں مجھے افسوس ہے کہ میں ایسے حالات میں مجلس احرار کے دوستوں سے مل کر کام کرنے سے محذور ہوں، لہذا مجلس احرار کی نائب صدارت اور ابتدائی کیفیت سے علیحدہ ہوتا ہوں۔

ماسٹر تاج الدین صاحب سے اس سلسلہ میں میں نے جو گفتگو کی تو انھوں نے مجھے یہی

مشورہ دیا کہ اب تمہارے لئے استعفا دینا ہی مناسب ہے، جن دوستوں اور جس جماعت

کے لئے اپنی زندگی کی ہر متاع خرچ کر دی، مجھے دکھ ہے کہ آج انھیں دوستوں نے مجھے جماعت سے علیحدہ ہونے پر مجبور کر دیا۔

حبیب الرحمن لدھیانوی سابق صدر مجلس احرار

نوٹ :- یہ استغفار مہربانی کر کے اخبار آزاد میں شائع فرمادیں۔ اس استغفار کے ساتھ ایک تشریحی خط بھی ہے۔ امید ہے کہ وہ بھی اخبار آزاد میں شائع فرمادیں گے۔

حبیب الرحمن لدھیانوی

جنوری ۱۹۳۱ء

قصہ کشمیر

ہمارا جہ ہری سنگھ معزول والی کشمیر جب گدڑی نشین ہوئے تو انھوں نے اختیارات ہاتھ میں لیتے ہی دو کام ایسے کئے جس کی وجہ سے انگریزی حکومت ان سے ناراض ہو گئی۔ کشمیر میں سے یونین جبیک کا جھنڈا اتار دیا گیا کہ یہ میرا جھنڈا نہیں ہے اور یہ لڑائی بجائے جوں یا کشمیر کے سیالکوٹ میں رہنے لگا۔ ہمارا جہ کا یہ طرز عمل انگریزوں کو قدرتی طور پر ناگوار تھا۔ انگریز بدلا لینے پر نہ جلدی کرتا ہے، نہ شورو مچاتا ہے، وہ ٹھنڈے طریقے سے اپنے مخالف کو اپنے طریقوں سے شکست دیتا ہے کہ دنیا پر نہ سمجھے کہ وہ اپنے کسی واقعہ کا بدلہ لے رہا ہے۔ کشمیر میں خواجہ کمال الدین لاہوری مرزا کے بھائی خواجہ جمال الدین انسپکٹر تعلیمات تھے۔ ان کے اثر و رسوخ سے کشمیر میں تمام تعلیمی اداروں میں لاہوری قادیانی اور مرزائی بھرتی کر لئے گئے اور شیخ محمد عبداللہ کو لاہوری قادیانیوں سے علی گڑھ یونیورسٹی سے باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے امداد بہم پہنچائی۔ شیخ صاحب چونکہ نہایت نیک خوش مزاج اور اچھے نوجوان مقرر تھے اس لئے تعلیمی نفعانے میں ان کا تعارف کشمیری عوام میں کر دیا گیا۔ گویا قادیانیوں نے حکومت کے اشارے سے ان کو طالب علمی کے زمانے میں رہنمائی کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ اور شیخ محمد عبداللہ کے فوٹو ریاست میں اس قدر تقسیم کئے گئے کہ وہاں کا ہر مسلمان ان سے واقف ہو جائے۔

۱۹۳۱ء میں جب کانگریس کو نمک سول نافرمانی کی تحریک میں ایک مذہب کا بیانیہ ہونی

یعنی "کانڈھی اردن" سمجھوتہ ہوا، اسی زمانے میں یکایک تحریک کشمیر کا آغاز ہوا۔ ۱۹۳۱ء میں

یہ شور مچا کہ جموں میں کسی ہندو سپاہی نے قرآن شریف کی توہین کی ہے جب کہ ایک مسلمان

سپاہی پولیس لائن میں قرآن شریف پڑھتا تھا۔ اس افقہ کا شور تمام کشمیر اور ہندوستان میں بڑے پیمانہ پر ہوا
 اور حکومت کشمیر کو ان واقعات کی بنا پر جموں اور کشمیر میں دو مرتبہ گولی چلائی پڑی۔ جب حالات
 زیادہ نازک ہو گئے تو ہمارا جہ کشمیر نے مولانا ابوالکلام آزاد اور دوسروں کو کشمیر بلا کر مشورہ کیا کہ
 اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں کیا ان سے بات چیت ہوئی یہ ہم نہیں جانتے۔ لیکن
 یہ ضرور سمجھا گیا کہ ہمارا جہ کا ذہن غیر فرقہ دارانہ ہے کیونکہ مشورہ کے لئے انھوں نے ایسے اشخاص
 کو منتخب کیا جن میں سے ایک کانگریس کے بڑے وفادار لیڈر تھے اور دوسرے اعتدال پسند۔ ہم سے
 یہ بھی کہا گیا کہ ہمارا جہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان عوام جن کی آبادی ۹۰ فیصدی ہے اگر کچھ مطالبات
 کریں تو یہیں غور بھی کروں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ پٹنوں اور ڈوگروں کا راج ہے وہ یہاں کی
 آبادی کو ابھرنے دینا نہیں چاہتے۔ ان دونوں لیڈروں کے مشورہ اور ملاقات کے باوجود حالات
 میں کوئی سکون پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ کشمیری عوام میں زیادہ گڑبڑ شروع ہو گئی اور سارے ملک میں
 ہندو مسلم فرقہ واریت ترقی کرنے لگی۔ آخری جون اور شروع جولائی میں چودھری انجمن حق مرحوم
 جوا نگر سین کیٹی کے ممبر کی حیثیت سے جیل سے رہا ہو کر آئے تھے اور احرار کے وفادار لیڈر تھے
 انھوں نے اپنے تمام ساتھیوں کو بلا کر یہ کہا کہ کشمیر کا فتنہ انگریزوں نے شروع کر دیا ہے اور وہ اس
 کے ذریعے تمام ہندو مسلم اتحاد ختم و برباد کر دے گا۔ اور کشمیر میں مسلمانوں کو اپنے مفاد کے لئے
 استعمال کرے گا اور ان کو کوئی نفع نہ ہوگا۔ مگر سب نے ان کی بات سن کر ان سنی کر دی اور ٹال دیا۔
 یہ بات سب سے زیادہ عجیب تھی کہ سرہری کشن کول جو انگریزی حکومت کو سب سے زیادہ
 مقبول تھے وہ کشمیر کے وزیر اعظم بنا دیئے گئے۔ اب ہم کیا دیکھتے ہیں کہ یکایک لاہوری اور قادیانی
 مرہٹوں نے کشمیری مسلمانوں کی ہمدردی میں بے پناہ اور زہر آلود فرقہ دارانہ پردہ پسینڈا شروع کر دیا
 اور کشمیر کے دس نئے لیڈر سامنے آئے، شیخ عبداللہ بتانے گئے اور انھوں نے اس قسم کے مطالبات
 رکھے کہ جو جائز ضرور تھے مگر فرقہ دارانہ تھے۔

”کشمیر کمیٹی کا قیام“

۲۴ جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ میں سر میاں فضل حسین کے اشارے سے تمام سرکاری مسلمانوں کا اجتماع ہوا جس میں کشمیر کے یہ نئے لیڈر بھی شریک ہوئے۔ اس اجتماع میں مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ قاریان کشمیر کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ مسٹر عبدالرحیم ورد کو جو خلیفہ کے پرائیویٹ سکرٹری تھے کشمیر کا جنرل سکرٹری بنایا گیا۔ اور وہیں شملہ میں مرزا صاحب کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ کشمیر کے سلسلے میں تمام مسلمانوں نے مجھے اپنا رہنما تسلیم کر لیا ہے۔ اس لئے میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ ۴ اگست ۱۹۳۱ء کو تمام ہندوستان میں ”یوم کشمیر منایا جائے۔“ مسٹر عبدالرحیم ورد نے ہندوستان کے تمام مشہور علماء و فضلاء و کلار اور ڈاکٹروں کو خطوط لکھے کہ آپ کو کشمیر کمیٹی کا ممبر بنایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی منظوری کا انتظار بھی نہیں کیا گیا جائے گا۔ چنانچہ ممبر بنانے کے یہ خطوط علماء و دیوبند اور علماء دہلی کو بھی موصول ہوئے، چونکہ تمام علماء اور ملک کے لوگ حقیقت حال سے ناواقف تھے کسی نے اس سازش کی طرف توجہ نہ کی کہ انگریز اور قادیانی مل کر ملک میں کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ غالباً ۴ اگست ۱۹۳۱ء کو ہی جہانما گاندھی راؤ ڈھیس کا نفر میں شریک ہونے کے لئے لندن روانہ ہو گئے۔ اب جب کہ ملک کو بہت زیادہ اتحاد کی ضرورت تھی، اس وقت کشمیر کمیٹی کا وجود عمل میں آیا اور ٹھیک گاندھی جی کی روانگی کے وقت کشمیر کمیٹی نے ۴ اگست ۱۹۳۱ء کو کشمیر ڈے منانے کا فیصلہ کیا۔

ممبئی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جو اجلاس ۷ رخصیتہ ۱۲ اگست ۱۹۳۱ء ہوا اس میں شریک ہونے کے لئے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین اور حبیب الرحمن لدھیانوی ممبئی پہنچے۔ اس اجلاس میں ان تینوں نے کشمیر کے تمام معاملات میں وہاں کے لیڈروں سے بات کی۔ کئی ایک لیڈر نے کہا کہ کشمیری عوام کو کچھ بیدار ہونا چاہئے تاکہ وہاں کچھ اصلاح ہو سکے۔

ادھر پنجاب میں قادیانیوں نے کشمیر کمیٹی کے نام پر ہنگامہ برپا کر دیا۔ چونکہ ڈاکٹر سر محمد اقبال

کشمیر کمیٹی کے دائس پریذیڈنٹ تھے اور میاں فضل حسین اس کمیٹی کے سرپرست تھے اس لئے تمام انگریزی داں اور سرکاری طبقہ کشمیر کمیٹی کے ساتھ ہو گیا۔ عوام بھی اسلام کے نام پر ہندو راجہ کے خلاف ہو گئے۔

احرار اور کشمیر

لاہور اور پنجاب میں جب احرار دوستوں اور رہنماؤں نے محسوس کیا کہ ساری مسلمان قوم مذہبی طور سے قادیانیوں کی طرف راہنہ ہو جانے لگی۔ اور ہندوستان کی مشترک سیاسی زندگی اور آزادی کی جادو جہد کو سخت دھکا لگے گا۔ تب انھوں نے فوراً کشمیر کے مسئلہ میں دخل دیا۔ مولانا مظہر علی اظہر کو اسی وقت ڈپٹیٹریٹ بنا دیا گیا اور تمام ہندو مسلمان اور سیاسی جماعتوں کو دعوت دی کہ کشمیر کا مسئلہ ہم سب کو مل کر حل کر دینا چاہئے، ورنہ کشمیر کمیٹی صورت حال کو ملک میں خطرناک بنا دے گی۔ اور اُدھر جہاں راجہ صاحب کو لکھا گیا کہ ہم آپ کے خلاف نہیں ہیں بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہیں اور کشمیر کے عوام ہیں اچھے تفرقات ہو جائیں اور ان کو بھی حق زندگی ملے۔ اور ہم آپ کو گدی سے اتارنے کے حق میں نہیں ہیں۔ جہاں راجہ کے سکریٹری نے اس کے جواب میں لکھا کہ گدی سے اتارنے کا حل ہی آپ کے ذہن میں کیوں آیا۔ ہم نے ان کو بتایا کہ کشمیر کمیٹی آپ کو گدی سے اتارنا چاہتی ہے۔ ان کا مقصد نہ کشمیری عوام کا بھلا ہے اور نہ وہ وہاں کوئی سیاسی زندگی چاہتے ہیں، مگر بدقسمتی ہندو پریس نے ہماری مخالفت شروع کر دی اور تمام نیشنلسٹ مسلمان احرار کی موافقت تو کیا کرتے، بلکہ مخالفت شروع کر دی اور انھوں نے ہر طرح کے الزام احرار کے خلاف لگائے۔ عجیب بات یہ تھی کہ کشمیر کے لیڈر تو یہ کہتے تھے کہ احرار حکومت ہند سے مخالفت کر کے اور میاں سر فضل حسین کو ناراض کر کے ہم کو نقصان پہنچائیں گے اور دوسری طرف نیشنلسٹ مسلمان اور ہندو پریس یہ کہتے تھے کہ احرار میاں سر فضل حسین سے مل کر کشمیر میں انگریزی راج چاہتے ہیں، یہاں تک کہ مہاتما گاندھی جی نے بھی ایک بیان لندن سے احرار کے خلاف دے دیا۔ مگر احرار بچتے عقیدہ اور مضبوط عزم کی جماعت تھی جس نے لاکھوں ہتھ سے کشمیر کمیٹی کو ختم کر دیا اور قادیانیوں کو میدان سے بھاگنا پڑا اور ملک پر

وہ کوئی فساد نہ کر سکے تو میاں فضل حسین نے چودھری افضل حق سے کہا کہ تم کشمیر کے مسئلہ میں ہمیں ذلیل کر رہے ہو میں احرار کو ایک ہی دن میں مٹا دوں گا، تو والد صاحب مرحوم نے بڑے نرم الفاظ میں کہا کہ ہم تو پہلے ہی سے مٹے ہوئے ہیں۔ اب اپنی فکر کیجئے۔ کشمیر تحریک کے سلسلے میں تقریباً چالیس ہزار والینٹر جیلوں میں چلے گئے۔ سرکار پرست اور نیشنلسٹ مسلمان مل کر اس تحریک کو روکنا چاہتے ہیں دونوں نے کوشش کی کہ والینٹر معافی مانگ کر باہر آجائیں، مگر ان سب کو ناکامی ہوئی۔ احرار اور کشمیری لیڈروں نے اختلاف کیا تھا۔ احرار کہتے تھے کہ کشمیر میں ذمہ دار حکومت قائم ہو۔ کشمیری لیڈر کہتے ہیں کہ راجہ گدی سے اترے اور حکومت انگریزوں کے ہاتھ میں منتقل کر دی جائے، اور یہی کشمیر کمیٹی کا مطالبہ تھا۔ سرکار پرست مسلمانوں اور ہندو پرستوں نے احرار سے پوچھا کہ کیا وہ حیدر آباد میں بھی ذمہ دار حکومت کا مطالبہ کریں گے تو احرار نے اس کا جواب اثبات میں دیا اور کہا کہ وہاں بھی اسمبلی ہونی چاہئے، بلکہ احرار نے یہاں تک کہا کہ تمام ریاستوں میں ذمہ دار اسمبلی بن جانی چاہئے تاکہ ملک میں آزادی کا راستہ جلد ہی طے ہو سکے۔ جب تمام ریاستوں کے لئے احرار نے ایسا کہا تو نواب بھوپال نے احرار کے خلاف اور ہمالیہ کی موافقت میں ایک بیان دے دیا۔ حبیب الرحمن نے چودھری افضل حق مرحوم سے کہا کہ احرار نے کشمیر میں ذمہ دار حکومت کا مطالبہ کر کے تمام ریاستوں کو اپنا دشمن بنا لیا اور انگریزی حکومت کی جڑوں کو ہلا دیا اس لئے احرار کو جیل جانے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ احرار کے ستانے میں وہ لوگ بھی شریک تھے جو اپنے آپ کو آزادی پسند اور عوام کا خیر خواہ کہتے تھے۔ مگر خدا کا فضل احرار کے شامل حال تھا، وہ اپنی غربت اور افلاس کے باوجود ہر کام کرتے رہے اور آخر کار حکومت ہند کو جھکنا پڑا اور اس نے گلف کمیشن کا تقرر کیا کہ کشمیر میں کیسی حکومت ہو اور عوام کو کس قدر حقوق دیئے جائیں۔

ز دہلی - ، اپریل ۱۹۵۷ء

مکرم و محترم جناب نواب زادہ لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان
اسلام علیکم۔ آپ کے اس دوستانہ مشن کے ہندوستان آنے پر جتنی خوشی مجھے ہوئی ہے میں

اسے بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں پانا۔ آپ کے ہاتھوں میں کروڑوں انسانوں کی قسمتوں کا فیصلہ ہے۔ بحیثیت ایک مسلمان کے میرا یہ دل چاہتا ہے کہ پاکستان میں غیر مسلموں کے لئے ہر قیمت پر عملی طور پر ایسا امن و انصاف موجود ہو جائے جس کے بعد کوئی نہ کہہ سکے کہ اسلامی حکومت اور ظلم کی حکومت دو مترادف الفاظ ہیں۔ جب کوئی شخص تقریر و تحریر میں اسلامی حکومت اور ظلم کی حکومت کے مترادف معنی بیان کرتا ہے تو میرا دل دگر بخشی ہو جاتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں لکھنے والے اور کہنے والے کو کس طرح سمجھاؤں کہ اسلامی حکومت امن و انصاف اور رحمت کی حکومت ہے۔

آپ ہندوستان کے مسلمانوں کے مصائب سے بے نیاز ہو کر اسلامی نقطہ نظر اسلامی روایات کے مطابق پاکستان میں غیر مسلم اقلیت کو ایسے حقوق دے دیں جس پر ہندوستان کی غیر مذہبی حکومت اور یہاں کے غیر مسلم عوام رشک کریں۔

ہندوستان و پاکستان اگر مل کر اپنا ایک مسادیا نہ یونٹ بنالیں تو یہ دونوں ملک ایشیا کی رہنمائی کا فخر حاصل کر سکتے ہیں اور جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کو تیسری جنگ سے بچا سکتے ہیں اس سے بھی زیادہ یہ کہ عرب میں یہودی حکومت کے بڑھتے ہوئے اثرات فوراً رک جائیں گے اور دنیا میں مسلمان حکومتوں پر جو مصائب آنے والے ہیں وہ بھی ٹل جائیں گے۔ وہ کیا مصائب ہیں آپ خود جانتے ہیں ان کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔

ہندوستان کے ساتھ بہتر تعلقات کے بارے میں میری یہ قطعی رائے ہے کہ پاکستان کا پریس پنڈت جواہر لال نہرو کی عظمت کے ساتھ ساتھ سردار پٹیل کی بھی عظمت کرے کیونکہ شخصیتوں کی عظمت ہی سے قوموں کی زندگی بدل جاتی ہے۔ موجودہ ہونے والے فیصلے کے بارے میں میں ذیل کے نکات کی طرف ان کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ موجودہ معاہدے اور فیصلے کے بعد یہاں سے پاکستان پہنچ کر آپ مغربی پنجاب، سندھ، سرحد کے ان غیر مسلموں کے متعلق بھی جو ۱۹۴۷ء میں تباہ ہوئے تھے ایک ہمدردانہ بیان دیں گے جس سے مستقبل قریب میں ان غیر مسلموں کو بھی پاکستان آنے جانے کی امید

پیدا ہو جائے۔

- ۱۔ ہندوستان میں رہنے والے لاکھوں شہرناہنگی ایسے ہیں جو صدق دل سے پاکستان کو اپنا وطن بنانے پر راضی ہیں اور پرامن زندگی پاکستان کو اپنا وطن بنانے پر راضی ہیں۔ ان میں نہ شرارت کا جذبہ ہے اور نہ بغاوت کا۔
- ۲۔ پاکستان اور ہندوستان میں ملے جلے دوستانہ مشنوں کے خیر مقدم کی فضا پیدا کی جائے۔
- ۱۔ پاکستانی پریس اسلامی طرز اختیار کرے اور دنیا کے ہر شخص کے لئے امن چاہے۔
- ۱۔ آپس میں جنگ نہ کرنے کا اعلان بھی اس دوستانہ فضا میں اگر ہو جائے تو دونوں ملکوں کے لئے باعثِ رحمت ہے۔

- ۱۔ کشمیر کا مسئلہ اسی طرح دوستانہ کانفرنس بلا کر حل کر لیا جائے۔
- ۱۔ پاکستان اگر ہندوستان کی دہشتی حاصل کرے تو وہ دنیا کی تاریخ بدل سکتا ہے۔
- ۱۔ پاکستان میں اسلام کے نام پر اقلیت کے لئے ایسے شہری حقوق و اختیارات دینے کا اعلان کیا جائے جس سے دنیا کے دوسرے غیر اسلامی ممالک بھی رشک کریں۔
- ۱۔ ہندوستان و پاکستان میں آزادانہ تجارت کا معاہدہ فوری ہونا چاہئے۔
- ۱۔ پرمٹ سسٹم کی بجائے پاسپورٹ کا طریقہ رائج کیا جائے تاکہ پرمٹ کی اصطلاحی تاخیر کا بنا پر کوئی شخص نکاسی نہ بن سکے۔

- ۱۔ نکاسی جامدادوں کے بارے میں ایسا واضح اعلان کر دیا جائے جس سے مغربی پنجاب، سرحد، سندھ کے پناہ گزین اپنی جامدادوں کے بارے میں مطمئن ہو جائیں۔
- ۱۱۔ ہندوستان و پاکستان مل کر ایشیا کی تباہی رہنمائی کر سکتے ہیں جب دونوں حکومتیں اپنی اندرونی سرحدات کے خطرات سے نجات حاصل کر لیں۔

- ۱۳۔ پاکستان کے اخبارات اور پریس سے آپ اپیل کیجئے بلکہ اپیل کے بعد حکم نافذ کیجئے کہ وہ غیر مسلموں کو تحریروں، تقریر، نظم و نثر میں کفر اور کافر کا طعنہ دیتے ہیں پر مبنی کریں کیونکہ کفر اور

کا طعنہ اسلام کی تبلیغی شان کے بھی خلاف ہے اور پھر اس کے جواب میں دنیا سے وہ سب کچھ سننا پڑتا ہے جس کے سننے کو کوئی بھی مسلمان تیار نہیں ہے۔

مجھے امید ہے کہ آپ میری معروضات کی طرف ضرور توجہ فرمائیں گے۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ میرے درد مند دل کی آواز ہے جس کو آپ تک پہنچانا ضروری سمجھا، آخر میں میری دعا ہے کہ ہندوستان پاکستان کے دوستانہ اتحاد کا یہ آغاز ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے اور دونوں حکومتیں ایشیا میں اپنے صوابدید کے مطابق کھلیں اور پھولیں۔ والسلام

فخلص حبیب الرحمن لدھیانوی۔ حال مقیم کوچہ رحمن گلی شملہ دہلی۔

گھنٹہ گھر۔ چاندنی چوک۔ دہلی

مورخہ ۹ فروری ۱۹۴۲ء

از دفتر مجلس احرار اسلام ہند لاہور

نمبر ۱۸۵۹/۸ لدھیانہ

سرکریہ

مکرمی و محترمی جناب سکریٹری صاحب مجلس احرار اسلام

آپ کو معلوم ہو گا کہ مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی عرصہ سو سال سے منٹگمری جیل میں نظر بند ہیں۔ ان کی صحت کے متعلق متعدد دفعہ اطلاعات موصول نہیں ہوئیں کہ طبیعت خراب ہے۔ بدن کے ایک حصہ کے شل ہو جانے کی بھی اطلاع آئی۔ ماہ دسمبر میں مولانا سید محمد احمد صاحب کاظمی ممبر سنٹرل اسمبلی نے آپ سے ملاقات کی۔ ملاقات کے بعد آپ نے مولانا صاحب کی صحت کے متعلق ایک دردناک بیان پریس کو دیا۔ اب تازہ ترین اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا کی صحت بہت بگڑتی جا رہی ہے۔

حکومت ہند کے ایما سے صوبائی حکومتوں نے اپنے اپنے نظر بندوں کو گجرات اسپیشل جیل میں مقید کر دیا ہے۔ چنانچہ حکومت پنجاب نے بھی دیولی کیمپ اور دیگر جیلوں کے نظر بندوں کو گجرات اسپیشل جیل میں اکٹھا کر دیا ہے۔ ۳۰ جنوری کو مجلس احرار اسلام منٹگمری کی طرف سے ایک تار

وصول ہوا کہ مولانا صاحب منٹگری سے گجرات تبدیل کئے جا رہے ہیں۔ زیارت کے لئے بیسیوں ارکن رات کے ایک بجے تک لاہور اسٹیشن پر منتظر کرتے رہے۔ اور جب ٹرین آئی تو دوسرے رینڈوں کی زبانی معلوم ہوا کہ مولانا کا سامان اسٹیشن پر پہنچ چکا تھا۔ مولانا کو ہتھکڑی بھی لگ چکی تھی لیکن جب مولانا ڈیوڑھی سے چلنے لگے تو گورنمنٹ پنجاب نے تار کے ذریعہ آپ کا چالان روک لیا۔ وقت مولانا اکیلے ہی منٹگری جیل میں نظر بند ہیں۔ کسی قیدی کو آپ کی بیمار پرسی کی اجازت نہیں۔ مولانا صاحب کے ساتھ یہ اتنی بازی سلوک انتقامی جذبہ کے ماتحت کیا جا رہا ہے کیونکہ آپ مجلس اہل اسلام کے مخلص اور مقتدر رہنما ہیں۔

مجلس مرکزیہ نے مورخہ ۲۰ فروری بروز جمعہ تمام ہندوستان میں ”یوم حبیب الرحمن“ لانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس لئے آپ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اس دن پبلک جلسے منعقد کرے۔ رینڈیشن کریں جس میں حکومت ہند پنجاب سے مولانا کی رہائی کا مطالبہ کیا جائے۔ رنہ مولانا پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے اور ان کے کثیر اہل و عیال کے گزران کے لئے معقول دس کا انتظام کیا جائے۔

رینڈیشن کی نقول براہ راست حکومت ہند پنجاب اور دفتر مرکزیہ اہل اسلام لاہور میں بھیجیں۔ والسلام

عبد الغفور النوری سپرنٹنڈنٹ دفتر مجلس اہل اسلام ہند لاہور

رخہ ۳۰ اگست ۱۹۴۲ء

از دفتر مجلس اہل اسلام ہند۔ لاہور

سرکلمہ ۲۲ بنام ممبران و کارکنان نمبر ۵۲/۹۸۴

مجلس عالمہ اہل اسلام ہند نے ۱۷ اگست کے اجلاس میں ملک کی موجودہ حالت پر دیکھا اور ایک قرارداد پاس کی جو اخبار ”زمزم“ مورخہ ۲۳ اگست اور اخبار ”الفصل“ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۴۲ء میں من دہن شائع ہوئی ہے۔ مجلس عالمہ نے تاکید کی ہے کہ اہل اسلام کے تمام ارکان

کارکن اور رضا کار اس فیصلہ کی پابندی کریں۔ اور اس پر سختی سے عمل پیرا ہوں، خلاف درزی کرنے والوں کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کی جائے گی اس قرارداد میں مجلس عاملہ نے بحالات موجودہ سول نافرمانی کے خلاف فیصلہ کیا ہے اور مجلس مرکزیہ کے ۲۱ فردی کے فیصلہ کی تائید کی ہے۔ پس تمام ارکان احرار کا فرض ہے کہ وہ سول نافرمانی یا کسی اور جارحانہ اقدام سے قطعاً باز رہیں اور مجلس کے تعمیری پروگرام کو تندہی سے انجام دیں۔

۲۔ سرکلر ۱۸ جنرل کے ذریعے مجالس ماتحت کو دفاعی اور خدمت خلق کے پروگرام پر عامل ہونا کی تلقین کی گئی تھی۔ مجالس نے اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کیا۔ یہ ایک ٹھوس اور مستقل پروگرام نہایت غور و فکر کے بعد تیار کیا گیا تھا، کیونکہ آنے والے خطرات و حالات میں ایسی لائن پر گامزن ہوتے ہوئے مجالس احرار ملک و قوم کی خدمت انجام دے سکتی ہے۔

گزشتہ چند ماہ سے حالات پہلے سے بھی زیادہ ہولناک ہیں۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ مجالس اس پروگرام پر زیادہ سختی اور کوشش سے عمل کر کے عوام کی ہمدردی حاصل کریں اور اپنی کارکردگی کی اطلاع دفتر مرکزیہ اور دفتر اخبار الفضل سہارن پور کو دیں۔

۳۔ دستوراً عمل مرکزیہ کی دفعہ ۴ جزو (و) کے ماتحت عام ممبران کی بھرتی ۳۱ دسمبر تک مکمل ہو جا چاہئے۔ تمام کارکنان احرار ممبران کی بھرتی پر پوری توجہ دیں۔ کیونکہ کسی جماعت کی طاقت ممبران کا تعداد پر تصور کی جاتی ہے۔ ہر ممبر ذہنیں بلکہ ہر مسلمان کے پاس پہنچ کر جماعتی پروگرام بتایا جائے اور بر بنانے کی کوشش کی جائے۔ انتخابات کی تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔ فقط
عبدالغفور فدی۔ سپرنٹنڈنٹ دفتر مرکزیہ۔ احرار اسلام ہند لاہور

مورخہ یکم دسمبر ۱۹۴۲ء

از دفتر مجلس مرکزیہ احرار اسلام ہند لاہور

نمبر ۹۸۴/۱۱۴۶

سرکلر ۲۱ جنرل

۱۔ عبادت کے ذریعہ آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مدظلہ العالی

سابق صدر مجلس احرار اسلام ہند عرصہ پورے دو سال سے منگمری جیسے سخت گرم علاقے کی جیل میں نظر بند تھے۔ اب موسم سرما کے شروع میں حکومت پنجاب نے انہیں دھرم سالہ جیسے سرد ترین مقام پر تبدیل کر دیا ہے۔ یہ تبدیلی حکومت کی منتقلی نہ پالیسی کا مین ثبوت ہے کہ ایک فلج کے مریض کو گرمیوں میں ایسے علاقے میں رکھا جو پنجاب بھر میں گرم اور ریتلا ہے، جہاں بارشیں بہت کم ہوتی ہیں اور انتہائی درجہ کی گرمی ہوتی ہے اور سردیوں کے شروع میں دھرم سالہ جیل میں منتقل کر دیا جو برہنہ علاقہ کے علاوہ ایک سرد پہاڑی مقام ہے۔ مولانا کی صحت بہت خراب ہو چکی ہے۔ آپ کا وزن ۲۵ پونڈ کم ہو گیا ہے۔ آپ دائم المریض ہیں۔ متعدد امراض میں مدت سے مبتلا ہیں۔ مثلاً خونی و بادی بواسیر ذیابیطس (پیشاب کا زیادہ آنا) درد گردہ، اختلاج قلب اور فالج جیسے موذی امراض کی ہمیشہ شکایت رہی ہے۔ مزید یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ آپ کے تمام دانتوں میں بھی تکلیف ہو گئی ہے۔ صغیف العمر اور دائم المریض بزرگ کو ایسی چھوٹی اور تنگ جیل میں اکیلا نظر بند رکھنا جہاں کل تیس چالیس قیدی مقید ہوں اور علاج کے لئے ادویات تو کیا خود کھانے پینے کی استیبار یعنی سبزی وغیرہ بھی میسر نہیں آ سکتی۔ یہ حکومت پنجاب کی غیر منصفانہ اور منتقلی نہ پالیسی کی کھلی دلیل ہے۔

لہذا صدر مرکز یہ محترم شیخ حسام الدین صاحب نے جملہ ماتحت مجالس کو یہ حکم دیا ہے کہ موضع اردسمیر بروز جمعہ المبارک ہندوستان بھر میں ”یوم مولانا حبیب الرحمن منایا جائے“ اور عام جلسے منعقد کر کے حسب ذیل ریزولیشن پاس کیا جائے اور اس کی نقول براہ راست حکومت حکومت پنجاب اور سرمنوہر لال وزیر جیل خانہ جات پنجاب کے نام بذریعہ ڈاک بھیجی جائیں۔ اس کے علاوہ اخبارات اور دفتر مرکزیہ و اراکین مجلس احرار ”الفصل“ سہارن پور کو اپنی مفصل کارروائی سے آگاہ کیا جائے۔

ریزولیشن :- مسلمانان کا یہ عظیم الشان جلسہ حکومت پنجاب کے اس منتقلی نہ اور غیر منصفانہ رویہ پر صدائے احتجاج بلند کرتا ہے جو اس نے حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے ساتھ روا کر رکھا ہے۔

(الف) کہ متعدد دفعہ مجالس احرار اور عوام کی طرف سے حکومت سے مطالبہ کیا جا چکا ہے کہ حکومت نے جو مولانا صاحب کو غیر معین عرصہ کے لئے بلا وجہ نظر بند کر رکھا ہے، رہا کر دے یا کھلی عدالت میں مقدمہ چلا کر جرم ثابت کرے۔

(ب) کہ مولانا موصوف کی بیماری کے پیش نظر اکثر دفعہ حکومت کو توجہ دلائی گئی کہ وہ مولانا صاحب کی بیماریوں کا غلط خواہ علاج کر لے یا موقع دیا جائے، تاکہ وہ خود باہر سے علاج کرا لیں۔

(ج) کہ مولانا موصوف کثیر العیال ہیں اور ان کے اہل و عیال کا گزر ان آپ کے کمزور کندھوں پر تھا۔ حکومت نے آپ کو نظر بند کر کے آپ کے گھر والوں کے لئے کوئی الاؤنس نہیں دیا، جس کے لئے ہندوستان بھر سے فیملی الاؤنس کا مطالبہ کیا جا چکا ہے مگر افسوس کہ حکومت پنجاب نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جس کے لئے یہ اجلاس حکومت کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ فی الفور مندرجہ بالا مطالبات کی طرف توجہ دے، نیز یہ اجلاس حکومت پنجاب اور وزیر جیل خانہ جات پنجاب سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مولانا موصوف کو لاہور جیسے مرکزی مقام پر منتقل کر کے علاج کرائے کا موقع دے کیونکہ مولانا صاحب ہومیوپیتھک اور یونانی علاج کے عادی ہیں۔ اس علاج کے لئے آپ کو پوری سہولیات پہنچائی جائیں فقط عبدالغفور نوری سپرنٹنڈنٹ دفتر احرار اسلام ہند۔ لاہور

رئیس الاحرار
در حدیث دیگران



خوشتر آں باشند کہ ستر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگران
مرتب

مولانا عزیز الرحمن جامعہ لدھیانوی ٹیم دہلوی 5296 کوچہ رحمان
۲۵ جنوری ۱۹۶۱ء

بمسلسلہ جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین حصہ چہارم — باب سوم

خطوط

رنج و الم کی دردناک داستان

انقلاب خواہ گھرانے میں آئے یا بستی میں، شہر میں آئے یا ملک میں، چھوٹے پیمانہ پر ہو یا عالمگیر پیمانے پر بے مقصد انقلاب شمنی اور عداوت پر لڑی گئی جنگ میں عوام تعمیر حیات اور مسرت حیات سے مایوس کر دیئے جاتے ہیں۔

بے مقصد آیا ہوا انقلاب ایک ایک فرد کو نہ دبا کر دیتا ہے۔ زندگی کی ساری دلچسپیاں ختم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ سماج کا ڈھانچہ نہ صرف بگڑ جاتا ہے بلکہ ختم ہی ہو جاتا ہے اور اخلاق کی جگہ نہایت ہی خوفناک قسم کے جرائم کی پیداوار سے لوگوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ دنیا کی دو عظیم جنگوں میں محاسبین کا اندازہ یہ ہے کہ کم از کم ایک ارب آدمی اس میں ختم ہوئے اور ہونچ گئے ان کی زندگیاں ”محتاج“ ہو کر رہ گئیں۔ انقلاب اور جنگ کے اثرات بے گناہ لوگوں کو ظلم و جبر کی چکی کے دوايسے پاٹوں میں پس دیتی ہے جیسے گھیوں چکی کے دو پاٹوں میں پس جاتا ہے لیکن دوسری جنگ عظیم میں سائنس اور سائنس دانوں نے یہ خبر سنائی ہے کہ اب جنگ میں لوگ پستے نہیں آ سنی عمارتوں سمیت ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں ہیر و شیا اور ناگاساکی ایک بین دلیل میں اور ایک ایسی حقیقت ہیں جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا جن سائنس دانوں نے ان جگہوں کا قریب مطالعہ کیا ہے ان کا بیان ہے کہ ہیر و شیا اور ناگاساکی کی حدود کے اندر دس لاکھ انسانوں کی رگوں چلتی پھرتی، اٹھتی جاگتی کھاتی پیتی ہیں لیکن یہ سب مخلوق خلائی مخلوق ہیں سائنس دان انہیں سن سکتے ہیں لیکن دیکھ نہیں سکتے محسوس کرتے ہیں لیکن یہ لوگ ان کی گرفت سے باہر ہیں۔

رئیس الاحرار کے نام جو خطوط آپ آئندہ پڑھیں گے یہ ایک ایسے انقلاب کی صدائے بازگشت ہیں جو آئندگی کی طرح آیا اور گولے کی طرح نکل گیا۔ زخمی جسموں میں درد کی جو کسک اور انسانی قلوب میں جو سپہیم رستا ہوا خون ہوتا ہے، وہی آئندہ خطوط میں الفاظ کے قالب میں آپ کے سامنے ہے۔ نامعلوم کتنوں کے گھر لٹے۔ ہزاروں بریک مسرت انگیز سماج آج واحد میں اجر گیا۔ اس لئے ان خطوط پر تفصیلاً کچھ لکھنا اور تشریحات کی وادی میں قدم رکھنا ایک بے سوسہ کوشش ہے۔

بستی بستی نا کھیل نہیں ہے بستے بستے بستی ہے

عزیز الرحمن جامی لدھیانوی شرم دہلوی - ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۵ء

نمبر شمار	جن کے خطوط والد صاحب کے نام	خط نمبر	سنہ
1 A	مولانا یحییٰ مولوی امیر الرحمن کے خط		۱۹۴۸
B	غلام محمد لدھیانوی کا خط ایران سے		" "
C	حاجی جان محمد چنوٹ دالوں کا خط		۱۹۴۸
۱	مولانا محمد عبداللہ سیالکوٹی کا ایک خط اور ۱		۱۹۵۵
"	مولانا محمد سعید ضلع سورت۔ حاجی محمد منشی ایٹم افریقہ		" "
"	خواجہ محمد اکرم لدھیانوی۔ لدھیانہ		" "
۲	ڈاکٹر بدر الزماں لکھنؤ	۲	جنوری ۱۹۵۵
۳	مولانا مسعود علی ندوی اعظم گڑھ	۳	" " "
۴	سید محسن الدین ندوی اعظم گڑھ	۴	" " "
۵	شورش کا شمیری لاہور	۵	" " "
۶	راجہ رام ایر مارشل لا دلی	۶	" " "
۷	جے۔ این نیر دلی	۷	" " "
۸	بی۔ این آزاد دلی	۸	" " "
۹	دولت رام گپتا رومہ تک	۹	" " "
۱۰	مہندر سنگھ رائے دلی	۱۰	" " "
۱۱	محمد حنیف انصاری محی آباد ضلع اعظم گڑھ	۱۱	" " "
۱۲	سوم ناتھ بن کویت	۱۲	" " "
۱۳	سجدر اسین ضلع ہوشیار پور	۱۳	" " "
۱۴	امرناتھ ساہوکار خوش نویس	۱۴	" " "
۱۵	ڈاکٹر اتم پرکاش سرحدی دلی	۱۵	" " "

نمبر شمار	نام جن کے خطوط والد صاحب کے نام	خط نمبر	سنہ
۱۶	مرزا جمیل احمد بیگ حیدر آباد	۱۶	جنوری ۱۹۵۵ء
۱۷	گردیال سنگھ سندھو ضلع گنگا نگر	۱۷	" " "
۱۸	گردیال سنگھ سندھو ضلع گنگا نگر	۱۸	" " "
۱۹	دعید الزماں بجوارہ - آندھرا	۱۹	فروری ۱۹۵۵ء
۲۰	سردار محمد شفیع سالار احرار ضلع لاہور	۲۰	" " "
۲۱	بی۔ این آزاد۔ دلی	۲۱	" " "
۲۲	لطف اللہ خاں گورکھ پوری	۲۲	" " "
۲۳	دولت رام گپتا۔ دلی	۲۳	" " "
۲۴	سوامی دشمپٹ۔ راجستھان	۲۴	" " "
۲۵	ایف۔ بی۔ مرٹاؤس۔ بمبئی	۲۵	" " "
۲۶	والد صاحب کا خط گردیال سنگھ کے نام	۲۶	" " "
۲۷	ریاض الحسن شمسی بریلوی	۲۷	مارچ ۱۹۵۵ء
۲۸	شیخ اقبال علی صاحب گھیاری منڈی لکھنؤ	۲۸	" " "
۲۹	بشن جے پوری راجستھان	۲۹	" " "
۳۰	سید ابوالحسن علی ندوی۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ	۳۰	" " "
۳۱	برج لال، مہلا کالونی گاندھی نگر۔ دلی	۳۱	" " "
۳۲	خانی	۳۲	" " "
۳۳	مولانا اسد اللہ میرٹھی	۳۳	" " "
۳۴	آفتاب احمد مرحوم محلہ چاہ غوری امروہہ	۳۴	" " "
۳۵	خانی	۳۵	" " "
۳۶	خلیفہ مقبول احمد مرحوم روضہ سرہند	۳۶	" " "

نمبر شمار	نام جن کے خطوط والد صاحب کے نام	خط نمبر	سن
۳۷	قاضی زین العابدین میرٹھ	۳۷	مارچ ۱۹۵۵ء
۳۸	خالی	۳۸	" " "
۳۹	حافظ علی بہادر خاں ایڈیٹر لال بہی	۳۹	" " "
۴۰	مولانا محمد سلیمان باجھوٹوی صاحب تھان	۴۰	" " "
۴۱	دسیع احمد احرار خدام خلق لکھنؤ	۴۱	اپریل " "
۴۲	سعید اختر ایڈیٹر مدینہ بجنور	۴۲	" " "
۴۳	میسری حبیب الرحمن مقام ماجری انبالہ	۴۳	" " "
۴۴	کوثر میرٹھی پردانہ میرٹھ	۴۴	" " "
۴۵	سید معین الدین ایڈیٹر معارف اعظم گڑھ	۴۵	" " "
۴۶	سید محمد احسان حکیم بادشاہ میاں الہ آباد	۴۶	جون ۱۹۵۵ء
۴۷	قاری محمد طیب دیوبند	۴۷	جولائی ۱۹۵۵ء
۴۸	سید انیس الرحمن دریا پور پٹنہ	۴۸	" " "
۴۹	حضرت اقدس شاہ عبدالغفار رائے پوری کے نام	۴۹	" " "
۵۰	مولانا حبیب الرحمن رائے پوری	۵۰	" " "
۵۱	مولانا حبیب الرحمن رائے پوری	۵۱	" " "
۵۲	مولانا حبیب الرحمن رائے پوری	۵۲	" " "
۵۳	مولانا حبیب الرحمن رائے پوری	۵۳	" " "
۵۴	لطیف اللہ خاں زمیندار علاقہ میرچندن پور	۵۴	" " "
۵۵	منشی پیارے لال لدھیانہ	۵۵	" " "
۵۶	انور ملک افیسر ایرلائز کوئٹہ لاہوری	۵۶	" " "
۵۷	یدھ دیر ایڈیٹر ملاپ حیدر آباد	۵۷	" " "

نمبر شمار	نام جن کے خطوط والد صاحب کے نام	خط نمبر	سنہ
۵۸	چودھری عبدالرحمن فردٹ منڈی لائلپور	۵۸	جولائی ۱۹۵۵ء
۵۹	خان محمود علی خاں ایم۔ ایل۔ اے کیلاش پوری	۵۹	" " "
۵۹	کمرہ نمبر B بلاک دار الشفار لکھنؤ	"	" " "
۶۰	جسینت رائے شرمالہ دیوانوی لدھیانہ	۶۰	" " "
۶۱	حامدالحسینی منیجنگ ایڈیٹر عرفان بھوجپور آباد بہار	۶۱	" " "
۶۲	میاں عبدالعزیز لائلپوری۔ لائل پور	۶۲	" " "
۶۳	سید رشید احمد دین پور شریف سندھ	۶۳	" " "
۶۴	نواب احمد سعید صاحب نواب آٹ چھتاری	۶۴	جنوری ۱۹۵۶ء
۶۴	راحت نزل۔ علی گڑھ	"	" " "
۶۵	سید احتشام الحسن کاندھلہ ضلع مظفر نگر محلہ مولویان	۶۵	" " "
۶۶	سید مجتبیٰ احمد پکی سرسے مظفر پور۔ بہار	۶۶	" " "
۶۷	لال چند	۶۷	" " "
۶۸	سید فضل الرحمن منڈی سلاوالی سرگودھا	۶۸	فروری ۱۹۵۶ء
۶۹	لالہ بدری ناتھ فیروز پور چھاؤنی	۶۹	" " "
۷۰	خان محمد کنڈیان ضلع ڈیرہ غازی خاں	۷۰	" " "
۷۱	شمس النصار بیگم بیوہ آفتاب احمد امروہہ	۷۱	مارچ " "
۷۲	شمس النصار بیگم بیوہ آفتاب احمد امروہہ	۷۲	" " "
۷۳	ڈاکٹر ریاض الدین سرگودھا پاکستان	۷۳	" " "
۷۴	سید عبدالحمید بھادل پور پاکستان	۷۴	" " "
۷۵	محمد آصف ابن مولانا محمد طاہر مرحوم دیوبند	۷۵	" " "
۷۶	علی محمد جالندھری گوجرا ضلع لائل پور پاکستان	۷۶	" " "

نمبر شمار	نام جن کے خطوط والد صاحب کے نام	خط نمبر مارچ ۱۹۵۶ء
۷۷	احمد حسن مجاہد شاہ معین ضلع منٹگمری	۷۷
۷۷	محسن نظامی	۷۷ C
۷۸	بابو محمد ابراہیم میوہ منڈی امرت سر	۷۸
۷۹	مولانا غلام رسول مہرا ایڈیٹر انقلاب لاہور	۷۹
۸۰	ڈاکٹر فیاض الدین سرگودھا پاکستان	۸۰
۸۱	چمن لال آزاد ایڈیٹر پرتاپ دہلی	۸۱
۸۲	اکرام الحق مسرقت حاجی محمد علی گلزار رنگ دہلی	۸۲
۸۲	متصل گھڑی گارڈن - کراچی نمبر ۲	"
۸۳	دکیل منی لال کالیہ لدھیانہ	۸۳
۸۴	محمد جمیل الدین تاجر صدر - کراچی نمبر ۳	۸۴
۸۵	مولانا فضل الرحمن حسن پوری	۸۵ ستمبر ۱۹۵۵ء
۸۶	مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث	۸۶
۸۷	گلزار احمد لدھیانوی	۸۷ سنی نہیں ہے

۱۵ جولائی ۱۹۳۸ء

قبلہ والد بزرگوار دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ - ہمیشہ نہ بیدہ مرحومہ صدمات سے بالکل چور ہو گئی تھی۔ میں پانچ تاریخ کو پہنچا تھا اور عزیز چھ تاریخ کو لائل پور پہنچ گیا تھا۔ عزیز جب پہنچا تو اس کے ہوش و حواس قائم تھے۔ ہمیشہ جنت کو سدھار گئی۔ اس کی آخری باتیں ہمیشہ یاد رہیں گی۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خداوند تعالیٰ کی محبت کا غلبہ آخر میں اس قدر تھا کہ مجھ سے کہنے لگی عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور محبت خدا تعالیٰ مجھے اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ جلدی وصال ہو جائے۔ مجھے اور عزیزا لرحمن کو دیکھ کر بہت روتی رہی۔ ہم دونوں بھائیوں نے مل کر زیادہ سے زیادہ جتنی خدمت ہو سکی کرتے رہے۔ اپنی موت کا وقت اور دن پہلے بتا دیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ مرحومہ کے دل میں دنیا کی محبت کا ایک شائبہ تک نہیں تھا۔ اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا اس کو اور کوئی چیز یاد نہیں رہی تھی۔ باقی حالات ملاقات کے وقت عرض کروں گا۔ عزیزا لرحمن دونوں بچوں کو ہوائی جہاز سے ہمراہ لے کر دہلی پہنچ جائے گا۔ والسلام خلیل الرحمن

محترمی قبلہ والد صاحب

السلام علیکم۔ میں ۶ جولائی کی دوپہر کو لائل پور آیا۔ مرحومہ کی زندگی اور ہوش میں پہنچ گیا۔ آپا مرحومہ کی کوئی خدمت نہ کی۔ میرے سامنے انتقال ہوا اور میں نے ہی ان کی آخری خواہش کے مطابق قبر میں اتارا۔ آج لاہور جا رہا ہوں۔ سیٹیں ریزرو ہو جائیں گی تو خیال ہے کہ ۲۲/۲۳ جولائی تک عزیز بلال اور عزیزہ حاجرہ کو ساتھ لے کر حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔

والسلام۔ خادم عزیزا لرحمن جامی۔ لڑھیا لوی

۱۸ شوال ۱۳۶۷ھ، ۱۹۳۸ء

مخدومی و محترمی جناب بھائی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم۔ آپ کا نوازش نامہ ملا۔ بندہ کو اور مولوی انیس الرحمن کو لیگ والوں نے ۸ جولائی صبح دس ہوا۔ ہمیشہ بیدہ کا انتقال ۸ جولائی صبح دس ہوا۔

سبے دخل کر دیا ہے۔ قصور یہ ہے کہ ہم آپ کے رشتہ دار ہیں۔ وغیرہ۔ خداوند تعالیٰ ہمارے
 حال پر رحم فرمائے اور ہمارے گناہ معاف کر دے۔ آمین۔ ہر طرح سے خیریت ہے۔ سب سے
 سلام عرض کر دیجئے۔ فقط والسلام محمد یحییٰ۔
 ۸ رذی الحجہ ۱۳۶۸ھ، ۱۹۴۸ء

محمد می و محترمی جناب بھائی صاحب دام جہدکم
 السلام علیکم۔ آپ کا والا نامہ ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہت جلد صحت عطا فرما دے۔
 جنابہ بھوپنی صاحبہ اپنے نواسے سیف اللہ کے ساتھ ضلع گوجرانوالہ میں رہتی ہیں۔ کبھی بھی انھوں نے
 اپنی خیریت کا خطاب تک نہیں بھیجا۔ ہم سب یہاں بے کار ہیں۔ کسی کاروبار کے لئے کوشش کر رہے
 ہیں۔ مذہبی خدمت سے بالکل محروم ہو گئے ہیں جس کا بہت زیادہ افسوس ہے۔ دعا کریں کہ اللہ
 تعالیٰ کوئی سبیل پیدا کرے۔ چودھری محمد علی صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہماری زمین کے متعلق
 ضرور سفارش کریں گے۔ یوپی کے بہت سے لوگ کراچی چلے گئے ہیں۔ جنھوں نے اپنا کاروبار
 یہاں شروع کیا ہوا تھا ان میں سے اگر کوئی آدمی اپنی دوکان وغیرہ میں دے دے تو ہمارا کام
 چل سکتا ہے۔ ڈپو جو ہمارے پاس تھا وہ بند ہو گیا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنی چھوٹی لڑکی زاہرہ
 کا نکاح مولوی محمد رمضان صاحب کے چھوٹے لڑکے سے کر دیا تھا۔

محمد یحییٰ غفرلہ۔ لدھیانوی

ابادان سیران - ۱۲ فروری ۱۹۴۸ء

خدمت مشرف جناب حضرت مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ موجودہ خیریت مطلوبہ عافیت احوال آنکے کثرت کے بعد
 آپ سے بذریعہ خط ملاقات کر رہا ہوں۔ ماہ نومبر ۱۹۴۷ء میں آپ کی قدم بوسی کے بعد بندہ ایران
 کے سفر کو روانہ ہوا تھا اور میں نے دو دفعہ بذریعہ خط آپ کو یاد کیا۔ مگر نامعلوم میرے خط آپ کو ملے تھے

ایک نہیں میری واپسی ایران سے ۲ سال ۶ ماہ بعد ہوئی۔ ۳ ماہ گھر رہا جس میں جناب کی ملاقات
 چار دفعہ دولت کدہ پر حاضر ہوا مگر ملاقات سے محروم رہا۔ مولانا خلیل الرحمن صاحب سے
 ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ جناب گورنمنٹ کے گھر کے مہمان ہیں۔ مولانا محمد حسن صاحب (جو کہ میرے
 پرانے استاد مسلم ہائی اسکول دسویہ ضلع ہوشیار پور میں) اور مولوی عیسیٰ صاحب سے ملاقات
 نصیب ہوئی۔ پھر بندہ نے سفر ایران کی تیاری کی۔ دوسری بار واپس ایران سے دو سال چھ ماہ
 بعد گھر آیا۔ چار ماہ پھر گھر رہا۔ دوبارہ دولت کدہ پر حاضر ہوا جب بھی آپ اسی گھر کے مہمان تھے
 جب میں بمبئی جہاز کے انتظار میں مقیم تھا تو آپ کی رہائی شملہ سے ہونے کی خبر سنی۔ ۱۵ روز بعد
 ایران آنے والے جہاز پر سوار ہو کر اگست ۱۹۴۵ء میں آبادان پہنچ گیا۔ اب انشاء اللہ اگست ۱۹۴۶ء
 کے بعد واپسی رخصت وطن کے واسطے ہوگی۔ اگر میرے مولا کو منظور ہوا تو ملاقات نصیب ہوگی۔ جو
 خواہش ان ۸ سال تک ملاقات کی رہی ہے اور میں کوشش سے آپ کی خدمت میں پہنچتا
 رہا ہوں وہ خدا ہی جانتا ہے۔ باقی میں اپنی زبان سے کیا ادا کروں فقط آپ کی خدمت میں التماس
 کرتا ہوں کہ آپ بزرگ دعا فرمائیں کہ خداوند کریم مجھ گنہگار کو آپ کی ملاقات نصیب فرمادے تو میرے
 دل کی آواز قبول ہو دے۔ شاید آپ مجھے بھول گئے ہوں گے۔ میں چودھری محمد علی صاحب جو
 جالندھر شہر میں رہتے ہیں ان کا چھوٹا بھائی غلام محمد ہوں۔ ہم دسویہ کے پاس ایک گاؤں
 کے قریب زمیندار ہیں۔ میں بھولا نہیں ہوں جو جو احسانات میرے ادھر آپ بزرگوں نے کئے ہوئے
 ہیں میں وہی ہوں جس کو آپ نے دہلی محلہ بلیار ان میں سیٹھا احمد حسن کے مکان پر بلایا تھا، وہاں
 سے نواب حاجی مقصود علی خاں صاحب کیدلا شپور۔ سہارن پوری کے پاس بھیجا تھا۔ انھوں نے
 مجھے یوپی ہائیڈرو الیکٹرک میں ملازم کر دیا تھا۔ خیر یہ قصے لمبے ہیں۔ آپ مجھے پہچان گئے ہوں گے
 دو دفعہ رخصت کے دوران میں نواب صاحب کی ملاقات کر گیا ہوں۔ مگر محروم رہا ہوں۔ آپ
 کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ میرے نام وہ اخبار جاری کر دیا ہے گا جو کہ جماعت احرار کا
 حامی یا خود جماعت کا جاری کردہ ہو۔ ایک صاحب امرتسر سے اپنی جماعت کے یہاں رخصت سے

سے حال میں واپس آئے تھے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ”آزاد“ نام سے ایک اخبار جاری ہے، اور وہ
 احرار کا اخبار ہے اور سنا ہے کہ ایک اخبار نواب صاحب کے ہاں سے نواب محمود علی خاں صاحب بھی
 سہارن پور سے نکالتے ہیں۔ دوسرے زمزم لاہور۔ مدینہ بجنور بھی سنا ہے کہ احرار کے حامی ہیں
 جو اخبار اپنا ہوم کو دہی چاہئے جو آپ سمجھو ادیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک خط اخبار کے مینجریا ایڈیٹر
 کی طرف سے ہو کہ چندہ کیا ہے اور کس کے نام روانہ کریں، کیونکہ ہم الزمان ایران سے منی آرڈر ہندوستان
 کو نہیں کر دے سکتے۔ ایران گورنمنٹ کے قانون کے خلاف ہے۔ البتہ ہم جماعت کے حامی یا میں خود اپنے
 حساب بنک انڈیا سے یا رخصت پر آنے والے اصحاب کے پاس دے کر جو ہندوستان پہنچ کر منی آرڈر
 ان کے نام کر دے گا۔ چندہ کی کوئی فکر یا اندیشہ نہ ہونے پائے۔ اخبار جاری جلد سے جلد کر دیا
 جائے۔ ہم مسلمان ہندوستانی یہاں بہت ہیں۔ کوئی ۳۰۰ روپیہ سے کم تنخواہ دار نہیں۔ اپنی
 جماعت کے آدمی یہاں بہت ہیں۔ لنگی بھی بہت ہیں۔ پچھلے دنوں میں لیگ کا چندہ یہاں سے پندرہ ہزار
 روپیہ ہوا ہے۔ اور سب نااہل لوگوں نے کیا ہے۔ زیادہ تر وہ لوگ جو کہ ہندوستان کے سیاسی معاملات
 کو نہیں جانتے ہیں محض یہ سمجھتے ہوئے کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی جماعت ہے۔ یہاں ۲۴ آدمی خاکسار
 ہیں جنہوں نے اپنی جماعت کو ۲۴۰۰ روپیہ بھیجا ہے۔ ہمارے آدمی بہت ہیں۔ لہذا پروپیگنڈا کی
 ضرورت ہے اور صحیح حالات کی خبر تاکہ لوگ سمجھ جائیں۔ لہذا آپ اپنی جماعت کے حالات اور جلد
 سے جلد اخبار جاری کرنے سے مستفیذ فرمائیں۔ اخبار یہاں آسکتے ہیں۔ صرف لڑائی کے وقت
 میں سنسرو تے تھے اور ممانعت تھی صرف سیاسی اخبارات کو باقی آتے تھے، ہم کو اس بات کی
 خبر ملے کہ اپنی جماعت آج کل کیا کر رہی ہے اور اگر ہم لوگ متفق ہو کر کچھ رقم بھیجنا چاہیں تو کس کے
 نام بھیجیں لہذا اخبار ضرور جلدی جاری ہو جائے۔ تو حالات صحیح لوگوں پر انکشاف ہوتے رہیں۔
 اپنی جماعت کے آدمی بہت ہیں مگر خاموش۔ اخبار آنے سے ہم لوگ کچھ جاگ پڑیں گے۔ دوسرے
 ان لوگوں کو اسلامی جماعت کی واقفیت ہوگی جو کہ خدا واسطے کی دشمنی ہم سے کرتے ہیں۔ میں امید
 رکھتا ہوں کہ آپ مجھے ناامید نہ رکھیں گے۔ میرے خط کا بھی جواب دیں گے اند میری آرزو کو بھی

پیدا کریں گے آپ کی نہایت ہی جہرانی اور اسلامی خدمت ہوگی۔ دوسرا بندہ چونکہ ۶۲۵ ماہ تک خدمت پر آ رہا ہے۔ لہذا کارلایق سے یاد فرمادیں۔ دوسرے ایران اور عراق کے حالات تو دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتے ہیں۔ سب لوگ آ رہے ہیں۔ خرچ بھی کچھ نہیں ہے، آپ ایک دورہ ادھر کا کریں۔ اب تو اجازت عام ہے۔ نواب صاحب نے مجھے جب آیا ہوں تو فرمایا تھا کہ خط لکھنا میں آؤں گا، میں نے خط بھی لکھے، مگر نہ وہ یہاں تشریف لائے اور نہ ہی میرے خط کا جواب ملا، کبھی ملاقات ہو تو میرا سلام عرض کر دیجئے گا۔ باقی بندہ کی طرف سے مولانا محمد نعیم صاحب، مولانا محمد یحییٰ صاحب مولانا محمد حسن صاحب مولانا خلیل الرحمن صاحب، مولانا عزیز الرحمن صاحب دوسرے سب اہل قبلہ و پرسان حال کی خدمت میں دعا سلام قبولی ہو دے۔ خط ہوائی جہاز پر ایک روپے پچاس پیسے کا ٹکٹ لگایا جائے۔ دعا گو غلام محمد الیکٹریشن ای۔ بی ۵۲۴ کوادر نمبر ۱۸۷۸

اینٹکلو ایرینین آئیل کمپنی لمیٹڈ آبادان - ایران

صنعت ملتان - ۱۹۳۸ء

محترم حضرت مولانا صاحب

السلام علیکم۔ گرامی نامہ ملا۔ حضرت سائیں طور شاہ صاحب اسی جگہ تشریف رکھتے ہیں۔ برسر حکومت پارٹی قابیل کے زمانے سے غریبوں کی دشمن ہے۔ خود عیش و عشرت اور اصراف میں مصروف ہیں۔ مسلمان ہاجرین طرح طرح کے عذاب میں گرفتار ہیں۔ اہلکاروں کو اگر دوزخ کے فرشتوں سے تشبیہ دی جائے تو بے جا نہ ہوگا آتشین گرز لے کر ہاجرین کے پیچھے بے چین پھرتے ہیں۔ حاکم اور امرا طبقہ اول درجے کے زنا کار بے شرم ہیں یہاں اگر نہ کسی دانائی کی ہنرمندی نہ کاشتکار کی کاشتکاری غرض کہ جو صفات اللہ تعالیٰ نے دی تھیں سب کھو بیٹھے۔ بے ایمانی، دغا بازی، بے دینی کا دور دورہ ہے۔ زندوں کے پہننے کو کپڑا مردوں کو کفن نہیں ملتا۔ تجارت پڑکیوں کا اس قدر بوجھ ہے کہ تاجروں کی کمریاں توڑ دی ہیں۔ حکومت خود ادا سرمایہ دار بلیک کر کے غربا کو بھوکے اور ننگے مار دینے پر تلے ہوئے ہیں اور ۱۹۳۵ء سے پہلے کی غلطی

اور موجودہ آزادی کا مقابلہ کیا جائے تو عوام اس غلطی کو ترجیح دیتے ہیں / ۲۵۰ روپیہ سے زائد ادا کرنے والوں پر زرعی بھاری ٹیکس عائد کر دیا گیا ہے۔

سنا ہے آپ نے کچھ کپڑے کی تجارت کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے۔ باقی باتیں ایسی ہیں جو زبان پر لائی نہیں جاسکتیں۔ فرمایئے دہلی میں مسلمانوں کی کس قدر تعداد ہوگی اور اب ان کی حالت اچھی ہوگی۔

جان محمد بلاک ۷۷ خاص

مضان المبارک

محترم و مکرم حضرت مولانا زید مجاہدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا محبت نامہ اور اخلاص اور درد سے بھرا ہوا محبت نامہ ۲۶ جولائی کو ملا۔ جس شخص کے لئے آپ جیسا دل اور آپ کی آنکھیں دیں اسے کسی بات کا غم نہیں کرنا چاہئے۔ میرا یقین اور ایمان ہے کہ ایک درد مند دل کی دعا ہر قسم کے مصائب کو راحتوں سے بدل دیتی ہے۔ لڑکی اور بیوی مرحومہ کے انتقال کا صدمہ بے شک بڑا صدمہ ہے مگر مرنے والے سب نے ہے۔ کوئی دودن آگے کوئی دودن پیچھے۔ مگر ان صدقات کے مقابلے میں جو دعائیں مجھ کو ملی ہیں اور مرنے والوں کو وہ سب سے بڑی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اخلاص اور ایمان اور عمل صالح کے ساتھ زندہ رکھے اور سب کو تندرستی عنایت فرمائے۔ رزق میں کسی کا محتاج نہ کرے اور امن سے بیٹھنے کی جگہ نصیب ہو۔ آمین۔ اور موت ایمان اور اخلاص پر نصیب ہو۔

۱۔ ہم اندہ آپ جب چاہیں مل سکتے ہیں کوئی خطرہ نہیں۔ آپ جب چاہیں یہاں تشریف لے آئیں۔ اگر آپ کو عارضی پریشانی کی ضرورت ہو وہاں سے بندوبست کر لیں۔ ورنہ میں یہاں سے بندوبست کر سکتا ہوں۔ ایک ایسے آدمی کو جس کا مقصد دین اسلام کی خدمت ہو اور سیاسی الجھنوں سے علیحدہ رہا ہو اسے کہیں بھی کوئی خطرہ نہیں۔ آپ۔ رمضان شریف کے بعد ضرور آئیے۔ ضرور تشریف لائیے مجھے بہت خوشی ہوگی

۲۔ بعض لوگ غیر مسلموں کیلئے دعائیں کرتے ہیں اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ یہ راستہ صحیح نہیں۔ ہمیں رد و کران کی اصلاح حال کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے جنگ خندق کے ہر حال میں اپنے مخالفین اور قاتلوں کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی اور جب کچھ الفاظ بد دعا کے نکلے تو وحی الہی نے روک دیا۔

کَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ کہہ کر بد دعا کرنے کو بند کر دیا۔ میرا ناقص علم یہ کہتا ہے کہ پھر کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفین کے لئے بد دعا نہیں فرمائی۔
۳۔ حضرت رائے پوری قطب عالم دامت برکاتہم سے کسی نے سوال کیا کہ اسلام اور مسلمان اب کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ مکی زندگی اختیار کر لیں۔ یعنی مکے میں جس طرح مسلمانوں نے سچا تقویٰ، پرہیزگاری، دیانت، خدا پرستی کا اعلیٰ اعلان کر کے اپنے عزیزوں، رشتہ داروں، دوستوں ہم وطنوں سے صرف ماری نہیں کھائی بلکہ بعض ان میں سے قتل بھی ہوئے۔ مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر کسی مسلمان نے اپنے ان مخالفین کے لئے بد دعا نہیں کی۔ لڑنا تو درکنار انتقام کا جذبہ بھی پیدا نہیں ہوا۔ وہ سچائی پر رہے، سچائی کا راستہ ایسی حالت میں ترک نہیں کیا۔ اور جو سچائی سے انھیں ہٹانا چاہتے تھے ہر حال میں ان کے لئے دعا کی۔ اگر مجھے غلط یاد نہیں تو ایسا ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھی جو بہت مصیبت زدہ تھے حضور کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اہل مکہ کے لئے آپ بدعا فرمائیں تو آپ نے فرمایا خدا نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے بد دعا کرنے کے لئے نہیں بھیجا اور اس وقت فرمایا کہ اے التمیمیری قوم کو ہدایت دے۔ یہ نہیں جانتے کہ میں کیا کہتا ہوں۔ صرف اصلاح خیال کے لئے یہ سب کچھ لکھا گیا ہے۔

۴۔ بعض اخبارات میں یہ شور برپا ہے کہ پاکستان میں اسلامی نظام حکومت ہونا چاہئے۔ مجھے اس لفظ کے سننے سے سخت گھبراہٹ ہوتی ہے کہ غیر مسلم دنیا اسلامی قانون کا معنی وہی سمجھتی ہے جو ہمارا انفرادی اور اجتماعی زندگی کا طرز عمل ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ اسلام کا نام اور اس کا کلمہ بلند ہو جائے کہ پاکستان کے مسلمان عوام اور حکومت اور علماء یہ اعلان کریں کہ جو غیر مسلم پاکستان سے

نکالے گئے ہیں ان کو واپس یہاں بسایا جائے گا۔ اور ان کے مال، جان، آبرو کا جو نقصان ہوا ہے
 سب ادا کیا جائے گا۔ اور جو تکلیف ان کو مسلمانوں کی طرف سے پہنچی ہے اس کی معافی مانگی جائے گی۔
 یہ اعلان اسلام کے قانون میں کوئی بڑی بات نہیں تھی بلکہ اسلام کے قانون نے بدترین خلیفوں کے زمانے
 میں بھی غیر مسلموں کا تحفظ یعنی ان کی آبرو ان کی جان، ان کا مال ان کے مذہب کا اس سے کہیں
 زیادہ تحفظ کیا ہے۔ قانون اسلام اس بارے میں بالکل واضح اور صاف ہے کہ باہر کے غیر مسلم
 کچھ بھی کریں لیکن جو غیر مسلم اسلامی حکومت میں رہتے ہیں ان سے کسی قسم کا بدلہ یا انتقام نہیں لیا
 جائے گا۔ بلکہ اگر اسلامی حکومت کے اندر بھی کوئی غیر مسلم مسجد کی توہین کرے تو اس کے بدلے میں بھی
 ان کی عبادت گاہ کی توہین نہیں کی جاسکتی۔ آج یہودیوں سے عربوں کی جنگ ہے۔ مگر قاہرہ (مصر)
 میں جو یہودیوں کی بستیاں آباد ہیں ان میں سے کسی کی تکسیر چھوٹنے کی خبر بھی آپ نے پڑھی ہے ؟
 میرے محترم پاکستان میں غیر مسلموں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ کم ہو یا نہ زیادہ اس کا صحیح معادلہ ان کو فوراً
 ملنا چاہیے اور ان کو بے سانا چاہیے کیونکہ اسلام کی تبلیغ کے راستے میں کوئی رکاوٹ ہے تو یہی طرز عمل ہے
 جو پاکستان نے غیر مسلموں سے اختیار کیا۔ خدا مولانا غلام محمد صاحب گھوٹڑی کو جنت الفردوس میں سب
 سے بڑی جگہ عنایت فرمائے۔ انھوں نے بھادل پور میں جیسے ہی فساد ہوا فوراً فتویٰ شائع کیا کہ کسی
 غیر مسلم کا مال، جان، آبرو دھنا کر ہلاک کرنا حرام ہے۔ کاش پاکستان کے سارے علماء اس قسم کا اعلان
 انگریزی، اردو ہندی میں لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر شائع کرتے۔ وہی سے کسی نے پوچھا تھا کہ یہ
 جہاد ہے یا فساد۔ کیا یہ قوموں کے درمیان جنگ یعنی ہندو، مسلمان، سکھ کے درمیان جنگ ہے۔
 انھوں نے فرمایا، یہ جہاد نہیں ہے۔ فساد ہے۔ نہ یہ قوموں کی آپس کی جنگ ہے، کیونکہ جہاں ہر قوم کے
 کے آدمیوں نے ایک دوسرے پر ظلم کیا ہے وہاں ہر قوم کے آدمیوں کو بچایا۔ اسی طرح بچنے والے ان کا شکریہ
 ادا کرتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ پاکستان میں کہا جاتا ہے کہ ہندو تو برداشت کیا جاسکتا ہے، سکھ
 برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہ بات کہی جاتی ہے تو اس سے زیادہ غلط کوئی بات نہیں سمجھوں
 اور ہزاروں سکھوں کو یہ جانتا ہوں جنھوں نے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کو بچایا۔ ان کی عورتیں

بچا کر دیں۔ اگر بابو بچن سنگھ ایم۔ ایل۔ اے کو شہر تی پنجاب کا وزیر بنا دیا جائے تو آج مسلمان وہاں آباد ہو سکتے ہیں۔ بابو بچن سنگھ صاحب نے جان پھیل کر میری موجودگی میں مسلمانوں کو بچایا ہے یہ فساد نہ مذہبی تھا نہ قومی ران فسادات کے پیچھے سیاست کے گہرے اغراض تھے۔ یہ سب کچھ میں نے تفصیل سے اس لئے لکھا ہے کہ آپ جیسے علماء کو ٹھیک ٹھیک اسلام پیش کرنا چاہئے اور غیر مسلم دنیا کے لوگوں کو یہ ظاہر کرنا چاہئے کہ اسلام امن ہے فساد نہیں ہے۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ پاکستان بننے کے بعد پاکستان کے غیر مسلم اعلان کریں گے کہ جو ہمیں امن و راحت اس حکومت میں ہے کسی حکومت میں نہیں حاصل ہو سکتا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ اصل مقصد تو اسلام کی عزت اور اس کی حفاظت ہے۔ لیکن اگر ہندوستان کے چار کروڑ مسلمانوں کو بچانا چاہتے ہیں اور ان کو بابر و دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے بھی شدید ترین ضرورت ہے کہ پہلی فرصت میں پاکستان کے عوام اور حکومت ہاتھ جوڑ کر مغربی پاکستان کے غیر مسلموں کو یہاں سے لے جائے۔ لاکھوں غیر مسلم اس وقت جلنے کو تیار ہیں بشرطیکہ ان کو امن کے ساتھ رہنے کا یقین ہو جائے۔ باقی پھر۔ ڈاک سب کی سنسر ہوتی ہے۔ فکر نہ کریں، بلکہ سنسر کرنے والے گوئد اس قدر زیادہ لگا دیتے ہیں کہ خط لفظ کے ساتھ چپکا جاتے ہیں۔ فقط

(مولانا) حبیب الرحمن لدھیانوی۔ کوچہ رحمن۔ چاندنی چوک۔ دہلی

عالی جناب، مکارم اخلاق مولانا دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج شریف۔ اپنے حالات کیا عرض کئے جائیں، انسان کچھ سوچتا ہے مگر مولا کریم کچھ کرتے ہیں۔ ہر ارادہ اور ہر فعل اس کے ماتحت ہو کر سب ویسے ہی ظہور کرتے ہیں جو اس کا اپنا ارادہ اور حکم ہو۔ دینا مکمل بنوایا۔ فائل بنوانے کے لئے ہدایت ہوئی کہ وہ افضل صاحب بنوادیں گے۔ بارش اس درجہ کی آئی اور ساتھ ہی اس کے ایسے سیلاب کا آسمان سے نازل ہوا کہ الاماں۔ جس درجہ کا سیلاب آیا اس کی کیفیت کیا بیان کی جائے۔ ضلع سیالکوٹ کی تحصیل و زوال اور ارد گرد کا شدید جانوں اور مالوں اور مکانات کا نقصان ہوا۔ سیالکوٹ

خاص طور پر پینچ گیا۔ سیلاب اس درجہ کا آیا کہ سلسلہ ڈاک بند۔ گاڑیاں بوجہ لائن خراب و تباہ
 ہونے کے بند، لاریا بوجہ سڑکیں خراب ہونے کے بند ہو گئیں۔ لاہور میں جس قدر پانی آیا اس کا ذکر
 کیا ہو سکے۔ گاڑی سیدھی لاہور نہیں جاتی۔ اب لائن بننے میں کافی دیر لگے گی۔ وزیر آباد سے الگ
 ہو کر شیخوپورہ کے راستے گاڑی بڑا چکر کاٹ کر جاتی ہے۔ ملتان کا راستہ بند، گاڑی بند اور
 لاری بھی بند تھی۔ عارف والا اور لنگری پاک پٹن میں اب تک پانی بہہ رہا ہے اور ابھی کم نہیں ہوا
 راستوں پر بڑی مصیبت پڑتی ہے۔ وہاں سب نیست و نابود ہو گیا ہے۔ سیلاب کیا تھا حق تعالیٰ
 کی ناراضگی کا باعث، یہ حال تھا۔ لائل پور گیا۔ سیالکوٹ سے لاری پر وزیر آباد تک گیا۔ وہاں سے
 گاڑی پر لائل پور آیا۔ لائل پور میں پانی نہ تھا۔ صرف ایک یوم رہا۔ دل نہ لگا۔ مولوی انیس الرحمن سے
 صرف گھنٹہ یا دو گھنٹہ ملاقات کر سکا۔ قیام شہر میں تھا، جلد آنا تھا، عصر کے وقت ملے مغرب
 کے بعد وہاں سے شہر آ گیا۔ ضروری باتیں جو قابل دریافت سفر تھیں ہوئیں۔ ان دنوں میں ڈاک
 کا سلسلہ بھی بند ہر طرف تھا۔ اس وجہ سے مبلغ سنو روپیہ بھاؤل پور حسب الارشاد اس پتہ پر
 نہ بھیج سکا۔ یہ خیال تھا کہ ۱۰۰ کی بجائے ۲۰۰ ہوتے تو اچھا تھا۔ جس پر خط جناب کو لکھا کہ ۱۰۰
 سے میرا سفر میں کچھ نہ بنے گا۔ باقی ۱۰۰ کہاں بھیجا جائے۔ تاکہ ۲۰۰ روپیہ دہلی میں مل جانے
 پر کچھ بن جاوے گا۔ جس کا جواب عارف والا میں مانگا تھا۔ پھر راستے یکا یک سیلاب کی وجہ
 سے بند ہو گئے اور میرا بھی وہاں جانا بند ہو گیا۔ معلوم نہیں آپ نے بھی وہاں جواب دیا ہے یا کہ
 نہیں۔ لائل پور سے راول پنڈی چلا گیا۔ وہاں صرف دو روز رہا۔ دل نہ لگا۔ ہر طرف بیماری اور
 بخارات تھے۔ ادھر احقر کے بھی سردرد اور بدن میں بوجھ اور ٹانگوں میں درد محسوس ہوتا ہے۔
 طبیعت پریشان و مغموم رہتی ہے۔ دل پر خوشی نہیں آتی۔ امراض بڑھ رہے ہیں۔ یہ موسم پہلے ہی ایسا
 ہوتا ہے۔ مگر سیلاب نے اور بھی عوام کو پریشان و بیمار کر رکھا ہے۔ کوئی گھرا یا نہیں جہاں بیمار نہ ہو
 یہ بھی اثر دل پر پڑ رہا ہے۔ علالت میں جو حالت مریض کی ہوتی ہے بس اللہ ہی حافظ ہے۔ پروردہ
 کی علالت تو ایک قابل رحم حالت ہے۔ کاروبار کا حال ایسا ہی ہے۔ خیال تھا کہ ماہ اکتوبر میں سفر

ہندوستان کا کیا جائے اور نومبر کے آخر میں سفر ختم کر کے واپس بخیریت تمام حق تعالیٰ اپنی جگہ پر پہنچادیں۔ اب حالات ایسے پیش آگئے، نیز اب سردیاں سر پر زور سے آرہی ہیں۔ سفر ہر طرح بجائے راحت کے موجب کلفت و اذیت ثابت ہوگا۔ جان پر بوجھ و خطرہ اور مال و وقت ویسے ضائع۔ ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس وقت ارادہ سفر کا ملتوی کر دیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا اور صحت و زندگی نے ساتھ دیا تو انشاء اللہ فردری میں سفر اختیار کیا جاوے گا تاکہ فردری اور مارچ بحکم الہی ہندوستان کی سرزمین پر بسر کئے جاویں۔

مولوی انیس الرحمن صاحب نے کہا تھا کہ جس قدر روپیہ خرچ ہوگا جلنے پر وہاں سے مل جائے گا۔ مگر آپ نے یہ نہیں لکھا کہ آپ نے ۱۰ روپے کا لکھا ہے کہ وہاں بھاؤل پور بھیج دوں۔ اگر زیادہ ضرورت ہوگی یہاں ہم دے دیں گے پھر جس طرح کہیں گے اس پر عمل کرنا۔ اگر یہ خیال رفع کر دیتے تو تسلی ہو جاتی۔

مولانا محمد صادق صاحب خطیب مسجد ٹوپیاں والے لوہار منڈی لاہور والے شاہین الہی انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ اللہ مغفرت فرمائے۔ کیا اچھے سادہ عالم ملنا خلیق و خدا پرست حق گو عالم تھے۔ میرے لئے تو اور ہی مصیبت ہوگئی کہ آتے جاتے وہاں قیامت تک کلفت کیا جاتا تھا۔ دل ملا ہوا تھا۔ اب لاہور کس کے پاس ٹھہرا جائے گا۔ مولانا صاحب مرحوم سے مسجد میں رونق اور دینداری اور خوش اعتقاد لوگوں سے رونق تھی۔ گویا لاہور کا آنا جانا بند ہو گیا۔ اللہ ان پر رحم فرمائے اور ہمارے حال پر بھی رحم و کرم فرما کر ہم پر احسان عظیم فرمادے۔ کل لاہور سے محمد فضل صاحب کا خط آیا کہ حسب ہدایت حضرت مولانا لدھیانوی بھیج دیں۔ اگر باڈر پہ سہولت پہنچا سکتے ہیں کہ آجادیں۔ جواب لکھ دیا ہے کہ مولانا کی ذات گرامی کی عنایات کا شکریہ اور آپ کی ہمدردی جو اس کے توسل سے کی جا رہی ہے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جب جانا ہوگا آپ جیسے مہربان کو بکھوں گا۔ غالباً ماہ فردری میں سفر مندوستان کی انشاء اللہ تیاری کی جائے گی۔ والسلام

طالب دعا عبداللہ غفرلہ سیالکوٹ (علی مولانا عبداللہ سلسلہ حضرت علیہ السلام میں نظام عالم تکریم میں ابدل کا درجہ رکھتے ہیں)

سب کو اسلام علیکم عرض کر دیں۔

دیوبند جو رقم روانہ کی تھی وہ وہاں پہنچ چکی ہے۔ اطلاع بذریعہ دارالعلوم مل چکی ہے مگر اس میں تفصیل سے لکھا تھا کہ اس رقم میں سے حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لکھنؤی کو مبلغ ۵۰ روپے دئے جائیں۔ کیا آپ کو ۵۰ روپے ملے یا کہ نہیں تاکہ دریافت کر دیں، لکھا تو ہوا ہے۔ مگر ابھی تک جواب نہیں آیا۔ آپ ضرور منگوا دیں، مہتمم صاحب قاری محمد طیب صاحب سے دریافت فرمادیں۔ والسلام۔ کتبہ الاحقر عبد اللہ غفرلہ معرفت محمد فیروز سیٹھ مال ضلع سیالکوٹ۔ یکم نومبر

۵ نومبر سہ شنبہ

مکرم اخلاق حضرت مولانا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ نواز شش نامہ ملا۔ انشاء اللہ مورخہ ۲۱ نومبر کو لاہور پہنچ جائے گا۔ آج حسب الارشاد محمد افضل صاحب کو خط لکھ دیا ہے۔ ان کا بھی خط آیا تھا۔ ۲۱ نومبر کو انشاء اللہ پہنچ جائے گا۔ مگر اب دیکھئے وہاں وہ کب ویزا تیار کر کر داکھ با ڈر عبور کراتے ہیں۔ خدا کرے تکلیف نہ ہو، مجھ سے تو وہ پہلے ہی واقف نہیں ہیں۔ ملاقات سے ان کے راہ و رسم کا پتہ چلے گا، کہ کس طرح سے پیش آتے ہیں۔ اور پھر اگر گاڑی چل چکی ہے تو لاہور ہو کر فرنیٹر میل سے سیدھا دہلی پہنچوں گا۔ اگر امرت سر سے جالندھر لاری میں جاتا ہوا تو جالندھر سے جو کچھ ہوگا دیکھا جاوے گا۔ سب ارادے اس کے حکم اور منشا پر موقوف و جاری ہیں۔ بندہ کا کوئی ارادہ اور کام نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو منظور نہ ہو۔ اگر صحت و زندگی رہی تو انشاء اللہ حاضر ہوں گا۔ امید ہے مجھے کوئی تکلیف ظاہر و باطنی نہ ہوگی۔ روپیہ کے متعلق آپ نے تسلی تحریر ہی کر دی ہے جس سے اندیشہ رفع ہو گیا، مجھے آپ پر اعتماد اور آپ کو مجھ پر اعتماد ہونا چاہئے۔ میں نے دیوبند خط لکھ دیا ہے کہ مبلغ ۵۰ روپیہ دہلی مولانا صاحب کو کیوں نہیں بھیجے۔ جواب ابھی تک نہیں آیا۔ اب انشاء اللہ آنے پر جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ سب کو اور سب صاحبزادگان کو اسلام علیکم عرض کر دیا۔

دعا فرمائیں کہ سفر مبارک رہے۔ اگرچہ سردی کا زور مہور ہا ہے۔ خیر جو اللہ کو منظور۔ وہ ذات پاک ہمیشہ نوازش و کرم ہی فرماتے رہتے ہیں۔ اس لئے اس کی رحمت سے ایسی ہی امید رہے۔

والسلام عبد اللہ بن عمرؓ مسیحا لکھنؤ

سہارن پور۔ ۲۱ نومبر ۱۹۵۵ء

مکارم اخلاق، عنایت فرما بر حال نیازمند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج احقر سہارن پور صبح فرنیٹر میل میں سوار ہو کر رات آیا۔ تفصیل سنئے۔ مورخہ ۲۱ نومبر کو لاہور محمد افضل صاحب کے پاس پہنچا۔ ۲۳ کے بجے تک وہاں رہا۔ اس خیال سے کہ جو دیر پہلے ۳۱ اگست کا بن چکا ہے جو صرف سہارن پور کا تھا وہ محمد افضل صاحب اس میں دہلی اور ضلع سہارن پور کا لفظ بڑھوا دیں گے یا پھر سی ویرا آؤں گے بنوا دیں گے۔ انھوں نے کافی کوشش کی، مگر بوجہ ناواقفی کامیاب نہ ہو سکے۔ اس سے میرا حوصلہ بجائے بڑھنے کے کمزور ہو گیا۔ اور دل کی خوشی جو دیر حاصل کر کے سیدھا دہلی پہنچنے کی تھی وہ خوشی بے لطفی سے تبدیل ہو گئی۔ بلکہ ارادہ اپنا سفر کرنے کا قریب قریب ملتوی کر دیا تھا کہ واپس چلو پھر انشاء اللہ دیکھا جائے گا۔ اس وقت کامیابی سے محروم ہیں۔ محمد افضل صاحب نے خاطر و کوشش میں کمی نہیں رکھی۔ حالانکہ پہلے ان سے ملاقات نہ تھی۔ یہ صورت تعارف و ملاقات صرف اس وجہ سے پیش آئی۔ مگر سب نے یہی مشورہ دیا کہ اب واپس ہونا درست نہیں، ضرور سہارن پور پہنچ جاؤ اور وہاں سے دہلی اطلاع دو، مولانا اپنے اثر و رسوخ سے تمام کام و حالات تاسار و درست کرانے کی سعی و کوشش کریں گے اور ان کو بفضل خدا کوئی مشکل نہیں۔ اگر دیر کی اصلاح ہو جاتی تو آج آپ کے پاس ہوتا۔ دل کی حالت کیا بیان کروں۔ ایسی سردی میں سفر بھی کیا اور تکلیف بھی اٹھائی، مگر سخت بد مزگی ہوئی۔ ادھر روپیہ کی کمی، کیونکہ وہ بھی آپ ہی نے تکلیف حسب التحریر رقم کرنی تھی۔ ایسی صورت میں سہارن پور آیا ہوں اور اپنا سمجھ کر ہی لکھ رہا ہوں۔ دل نہیں لگتا۔ ناخوش سفر اختیار کیا۔ خوشی و راحت کے بجائے پریشانی اور ناخوشی تکلیف اٹھانی پڑی۔ ساری رات گاڑی میں

بے آرامی کی کاٹی جس کا عادی اب نہیں ہوں۔ اب نہ دہلی آسکوں، نہ گنگوہہ و دیوبند جاسکوں۔
 حیرانگی سی ہو رہی ہے کہ اب کیا کروں نہ ادھر کارہا نہ ادھر کا۔ خلاف عنابطہ قدم اٹھانا بھی معیوب
 نظر آتا ہے۔ اپنا حال آتے ہی بذریعہ ڈاک لکھ کر بھیجتا ہوں اور آپ سے خیر خواہانہ مشورہ اور عمل
 پوچھتا ہوں۔ اپنا حال ظاہر کر دیا ہے۔ خیال تھا کہ بعض اشیاء جو دہلی سے ہی خرید کر فی بھتس،
 خرید کر تالور ہر شے آپ کے مشورہ سے ہوتی۔ سردی کے لئے گرم کپڑے پسندیدہ کی بھی ضرورت تھی وغیرہ
 وغیرہ۔ اب ہر کام درمیان میں رہ گیا۔ جب آپ کی ملاقات جس میں سرور و راحت و مسرت تھی وہی
 نصیب نہ ہو سکی تو باقی ہمہ اشیاء اس کے مقابلے میں غیر ضروری کیا معنی و مسرت رکھتی ہیں۔ دعا
 فرمائیں میری صحت درست رہ جائے۔ کمزور و ضعیف انسان پر پریشانی و فکر عارضی کا بھی دور
 نہ آوے۔ اگر پرسوں تک جناب کا جواب نہ آیا تو واپس ہونا پڑے گا۔ ایسا سفر یاد رہے گا۔
 والسلام۔ احقر نیاز مند طالب ملاقات و زیارت عبداللہ غفرلہ سہارن پور ۲۴ نومبر صبح
 معرفت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب۔ مظاہر العلوم سہارن پور
 بخدمت مولوی خلیل الرحمن صاحب و عزیز الرحمن صاحب و دیگرہ صاحب زادوں کو والسلام
 علیکم عرض کر دیں۔

کمبل کے خریدنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ بعض کمبل طول میں کم ہوتے ہیں اور قیمت
 میں کم ہوتے ہیں کمبل وہ جس کی لمبائی اچھی طرح کھل آ جائیں اور نماز میں نہ کھلے۔ خیر یہ بعد کی
 باتیں ہیں ضروری نہیں، اس جگہ سے بھی انشاء اللہ دیکھوں گا مگر حبیب میں اس وقت پیسے کی
 کمی ہے۔ دیگر اشیاء بھی بغیر پیسے خریدنی مشکل ہیں۔ والسلام۔ ۲۴ نومبر پچشنبہ
 اگر یہی قلب کی حالت رہی تو کم قیام بھی بدمزہ ہو کر جلد واپس ہونا پڑے گا۔ خدا کرے
 ایسا دل رہ جائے کہ آپ کا جواب یہ دل دیکھ لے کہ کیا آتا ہے۔

مکارم اخلاق مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ہم جیسے، بلاناواقف حال پر تو سدا فیض و غفلت کا دورہ

جاری رہتا ہے۔ مگر باخبر سالک بسط کے مقام و درجات میں بھی رہ کر اہل فیض کو فراموش کر رہے ہیں۔ اللہ ہی حافظ ہے۔ پہلے خبر معلوم ہوئی تھی کہ غیر ممالک کا سفر آنجناب نے کیا ہے۔ مگر واپسی کی صحیح خبر حاصل کرنے سے محروم اب تک ہوں۔ ویسے تو کل علی اللہ عرضیہ لکھا جا رہا ہے۔ دنیا بھی تیار ہو گیا ہے۔ مگر دنیا بنوانے والے نے صرف سہارن پور ہی لکھوایا ہے۔ دہلی کا بھول گیا شاید اب دہلی کا بنوانے کے لئے از سر نو درخواست دینی پڑے تاکہ حسب الارشاد دینا حاصل کرتے ہی پہلے دہلی خدمت عالیہ میں پہنچا جاوے، بعد میں دوسری جگہ۔ مگر بغیر کافی روپیہ سفر کا ارادہ کرنا بے لطف معلوم ہوتا ہے۔ جناب نے فرمایا تھا کہ سنو! ایک جگہ دیا جاوے گا وہی یک صدر روپیہ مولوی انیس الرحمن کو دیا جائے۔ یہ بہت مشکل مسئلہ حل ہو گیا۔ کیا اچھا ہو دوسرے روپیہ آپ مہربانی کر کے دے دیں اور جس وقت فرمادیں وہی ۲۰۰ روپیہ مولوی انیس الرحمن کو دے دیا جائے۔ سفر سے پہلے یا بعد۔ تھوڑے دنوں تک لائل پور جانے کا ارادہ ہے۔ اگر فرمادیں تو اسی وقت ان کو دے دیا جائے، اور وہ بذریعہ خط آپ کو اسی وقت اطلاع دے دیں۔ تاکہ طرفین کو اطمینان ہو جائے۔ پھر جلد سفر کی تیاری کی جاوے۔ موسم بھی خوش گوار آ رہا ہے۔ لائل پور سے پھر سیدھا ملتان جانے کا ارادہ ہے تاکہ حضرت سید عطار اللہ شاہ صاحب سے ملاقات کر کے دل خوش کیا جائے۔ یہی فرمادیں کہ دہلی کے لئے از سر نو درخواست دے کر اجازت اسی دنیا پر لینی پڑے گی یا علیحدہ وہ بنا دیں گے یا جو سہارن پور کا بن چکا ہے یہی کافی ہے۔ اور اسی سے سیدھا دہلی پہنچا جاسکتا ہے انشاء اللہ تاریخ آمد پہلے لکھ دوں گا۔ اللہ کرے ہر کام اور حال اس مفہوم پریشان حال کو درست و موافق آجائیں، کیونکہ یہ وجود بے سود تکلیف ذرا بھی اٹھانے کا خوگر نہیں ہے۔ اللہ کی رحمت بھی شامل حال آج تک رہی ہے۔ ورنہ یہ اور اس قدر انعامات، یہ حقیر اور اس قدر الطاف اکرام۔ جو مہنی آرڈر دیوبند کراچی کے راستے روانہ کیا گیا اس کی کراچی سے تو اطلاع آچکی ہے مگر دیوبند بھی روپیہ پہنچا نہیں ہے۔ اگر دیوبند میں کراچی والے صاحب (قاری شریف احمد صاحب) نے باقاعدہ اطلاع دے دی ہے اور اسی روپیہ میں سے آپ کو خرچہ ملے گا۔ اسی طرح اور بھی روپیہ

امداد دارالعلوم کے لئے جو ہے وہ کراچی رکا ہوا ہے معلوم نہیں اس میں کیا راز ہے۔ آج کل سیالکوٹ
 میں قیام ہے، گاہے سٹیمیل۔ دونوں جگہ بھدا اللہ آرام کے سامان حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے
 جہتیا کئے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت کا شکر یہ ادا کیا جائے۔ ایک روسیہ علم و عمل
 سے کورا بد باطن، حرص و ہوا کا پتلا اس کا شکر یہ کسی حال میں ادا کرنے کے قابل ہو ہی نہیں
 سکتا۔ سخت عاجز و قاصر و نادام و خائب و خسران ہوں۔ پتہ نہیں اس کا لطف کس کی بدولت
 احقر و سیاہ پر ہو رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے گنگوہی قدس سرہ کی محبت کا اظہار ہو رہا ہے۔ اس
 قدر عرض ہے دہلی ریلوے اسٹیشن سے اتر کر تلاش کرنے میں دشواری ہوگی۔ پھر قیام کی صورت
 میں خالص گھی کا استعمال ضروری چیز ہے اور خالص اشیار کا ملنا خدا کرے نصیب ہو جائے۔
 تاکہ کوئی غذا نا موافق اگر غیر صورت طبیعت اختیار نہ کرے جو صحت خراب ہو جائے، پھر ڈاکٹروں
 اور طبیبوں کا دروازہ نہ دیکھنا پڑے اور سفر بجائے راحت و رحمت نہ بن جائے، ہر شے وقت پر
 ملے اور ہر غذا طبیعت کے موافق ہو۔ اور ہر نشست و برخاست اور گفتار و رفتار عادت کے
 موافق ہو وغیرہ اس کے موافق جناب مدبر اعظم یہ خیال فرمائیں۔ یہ ہمان نوازی کا حق ہوگا۔ اور
 اسی میں راحت ہوگی تاکہ جب حق تعالیٰ واپس لادیں پھر جو ان اخلاق و تواضع حسنہ کا نقشہ
 سامنے پھرتا نظر آوے تاکہ طرفین کی زندگی میں پھر بھی ملاقات کا لطف اٹھایا جاوے۔ انشاء اللہ
 ماہ اکتوبر میں سفر ہوگا بشرطیکہ میری تمام درخواستوں کو منظور کیا گیا اور تسلی بخش جواب ملا۔
 اگرچہ سابق بھی کچھ مل چکا ہے۔ مگر مزید اس پر کچھ روشنی ڈالیں تاکہ خوش بخوش اور باراحت
 سفر کا ارادہ کیا جائے اور یہ سفر خدا کرے موجب اجر و راحت کا حکم رکھے اور حضرت مولانا
 مدنی مدظلہم العالی کے قیام صحیح سے بھی مطلع فرما کر مشکور فرمادیں۔ جو گفتگو لائل پور میں مولوی
 انیس الرحمن صاحب سے ہوگی انشاء اللہ اس کی بھی اطلاع دوں گا۔ اگر فی الفور جناب کا
 جواب آگیا اور آپ نے لکھ دیا کہ انیس الرحمن صاحب کو ابھی ۲۰۰ روپیہ دے دو تو دے دیا
 جائے گا۔ انشاء اللہ ہر وقت تیار ہوں اور کون سی بات ہے جو لکھوں۔ مولوی خلیل الرحمن و

عزیز الرحمن صاحب و دیگر صاحبزادوں کو السلام علیکم عرض کر دیں۔ اگر میری تحریر میں غلط و گستاخ
لفظ ہو تو بڑے بھائی معاف فرمادیں۔ ادھر بے علمی جہالت و بد عملی کا حال ہے ادھر علم و عمل
جہاد بالنفس، تدبیر و سیاست، بیان موثر و تحقیق کا عالم اس قدر فراوانی پر نزل و انکشاف
کر رہا ہے۔ احقر عبداللہ غفرلہ سیالکوٹ۔

مگر جواب ستمبر ہال میں آئے اور جلدی
مٹدی ستمبر ہال۔ ضلع سیالکوٹ معرفت فتح محمد۔

(احقر خادم عبداللہ عفا اللہ عنہ خاک کفش گنگوہی قدس سرہ)

۲۸ دسمبر ۱۹۵۳ء۔ ڈابھیل ضلع سورت

محمد سعید ابن مولانا احمد بزرگ

محترم المقام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مزاج گرامی بخیر و بعد سلام مسنون! مرسلہ گرامی نامہ نے شرف صدور فرما کر بیکران
مسرت و بشادمانی بخشی! خدا پاک نے زندگی بخشی تو حاضری دیوبند کے وقت خدمت برکات
میں حاضر ہو کر شرف نیاز حاصل کروں گا۔ آپ کی علالت اور خرابی صحت سن کر بے حد قلق ہوا۔
خدا پاک سے دعا کا خواستگار ہوں۔ مختلف کاموں کی مشغولیت کی وجہ سے عریفہ کی ترسیل
میں قاصر رہا۔ آپ کی خیریت اور مزاج کا حال معلوم ہونے کا متمنی ہوں اور دعا کا خواستگار ہوں
پیرسان حال کو تحفہ سلام مسنون! فقط والسلام
احقر محمد سعید سملکی غفرلہ

۱۲ مئی ۱۹۵۴ء۔ نیلپرٹ

خدمت محترم المقام جناب مولانا جلیب الرحمن صاحب دام اقبالکم

بعد از ادا آداب و تسلیمات و تحفہ تعظیمات و اصرح ہو کہ آپ کا نیاز نامہ موصول ہوا۔
پڑھ کر از حد خوشی ہوئی۔ ہم نے مسرت کے ساتھ پڑھا کہ آپ نے دینی تبلیغ کا کام زمانے کی رد

کے مطابق شروع کیا ہے یعنی آپ کی مذہبی ہمدردی اور خیر پسندی کا یہ صلہ کہ قرآن مجید کو
 ہندی زبان میں پیش کرنے کا قصد کئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کار خیر میں عینی مدد
 عطا فرمائے اور آپ کی بے مثل ہمت کا نتیجہ جلد از جلد رونما ہو۔ دیگر اس خط میں ۳۳ روپیہ کا
 ڈرافٹ ملوث ہے یہ رقم صدقہ کی ہے۔ اسے آپ آیا محتاج لوگوں میں تقسیم کریں یا مستحق لوگوں
 کی مدد کے لئے صرف کریں۔ ہم آپ سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا زکوٰۃ کی رقم آپ نے جو
 تبلیغی کام ہاتھ میں لئے ہیں اس میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟ چونکہ ہمارے پاس اس طرح
 کی تھوڑی رقم باقی ہے۔ اور یہ ڈرافٹ موصول ہوتے ہی وصولیاتی کی اطلاع دے کر ہمیں
 ممنون فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔ ہم دعا کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم آپ کے
 ہمیشہ شامل حال رہے۔ آمین۔ ابس التماس ہے کہ آپ اپنے وقت خاص میں ہم سب کے
 لئے دعا سے سرفراز فرمائیں۔ شکریہ۔ فقط والسلام

منجانب حاجی محمد منٹی

۱۳ فروری ۱۹۵۴ء۔ سو بھاش بوٹ ہاؤس۔ لدھیانہ

قبلہ مولوی صاحب

السلام علیکم! میری صحت اب بہت خراب ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر گو جریل کا علاج ہے دعا فرمائیے
 کہ اللہ تعالیٰ شفا بخشے۔ ابھی خط موصول ہوا کہ آپ نے جو درخواست پنڈت جواہر لال ہردی
 کو ارسال کی تھی وہ انھوں نے پنجاب گورنمنٹ کے پاس ہندوئی کارروائی کے لئے بھیج دی ہے
 آئندہ آپ ان سے خط و کتابت کریں۔

اس جیٹی کا $\frac{6}{265/54E}$ ہے اور تاریخ $\frac{12}{54}$ ہے۔ براہ مہربانی آپ اب

ایک خط خود منیجر صاحب کو روانہ فرمائیں تاکہ میرا کام ہو جائے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو حضرت
 مولانا ابوالکلام سے خط لکھوا دیں۔ دنیا کہتی ہے کہ منیجر صاحب ان کو نہ نہیں کر سکتے مشکور ہوں گا۔

والسلام خراجہ محمد اکرم

عزیزان کو دعوت۔

دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ ۸ جنوری ۱۹۵۵ء

قبلہ محترم و معظّم العالی

وعلیکم السلام۔ نامہ ملا۔ پڑھ کر دل خوش ہوا کہ جناب کی زیارت قدرے اطمینان سے
انشاء اللہ ہوگی۔ گو وعدہ کے الفاظ بہت محتاط ہیں، بہر حال جناب تشریف لائیں اور ضرور
تشریف لائیں اور شروع فروری ۱۹۵۵ء میں لائیں۔ آخر سردری میں مکان کا حساب کتاب
کرنے کے لئے ہفتہ عشرہ مکان پر قیام کرتا ہوں۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ کانگریس سیشن کے بعد جناب اس کا اندازہ لگائیں کہ ہمارے
امیدوار کو معقول مدد کس طرح مل سکتی ہے۔ اس کے بعد میں آپ کے پاس درخواست مرتب کر کے
بھجواؤں۔ یہ خط میں نے نجی طور پر جناب کو بھیجا ہے۔ میں اس وقت بعض مجبور لوگوں کی وجہ سے دہلی
حاضر نہیں ہو سکتا۔ ورنہ میں خود حاضر ہو کر محترم پنڈت جی سے عرض کرتا۔ کافی غور کے بعد میں اپنے
لئے زائد اس کام کے لئے جناب کو موزوں سمجھا۔ بہر حال ابتدائی مراحل ابھی آپ حل فرمائیں۔
انشاء اللہ فروری میں زبانی گفتگو کے بعد کوئی عملی قدم اٹھایا جائے گا۔

خادم مسعود علی

دارالمصنفین شبلی اکیدمی اعظم گڑھ۔ ۱۵ جنوری ۱۹۵۵ء

قبلہ محترم و معظّم مدظلہ العالی

وعلیکم السلام در رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ ملا۔ خط کا پہلا حصہ پڑھ کر سخت تعجب ہوا کہ میں
کن بزرگ کا خط ہے۔ پتہ دیکھا تو جناب کا اسم گرامی اوپر درج تھا۔ حافظہ پر برابر زور دیتا رہا، کہ
کہ جناب مجھ سے کس وجہ کی معافی مانگ رہے ہیں۔ مجھ کو تو کوئی تلخ خط اور اس پر اپنی ادنیٰ ناگواری
یاد ہی نہیں آئی۔ استغفر اللہ آپ اور میری ناگواری۔ یہ دونوں چیزیں قریب قریب ناممکن ہیں۔ اگر
اس سے قدوائی صاحب مرحوم کے واقعے سے مراد ہے تو میں نے تو جناب کی رائے سے اتفاق کر کے
اس کو ترک کر دیا تھا، چنانچہ وہ تحریک سوائے جمعیت کے اور کسی اخبار میں شائع نہیں ہوتی۔ اور نہ

سی کے پاس پھر گئی وہیں پر اس کو ختم کر دیا۔ سردی یہاں آپ کی طرف سے تو بہر حال بہت ہی کم ہے۔
 ایک ہفتہ یہاں بھی زائد سرد رہا اور اب تو معمولی سردی ہے۔ اگر بارش نہیں ہوئی تو آخر جنوری تک
 یہاں کا موسم بہت خوش گوار ہو جائے گا۔ لیکن جناب تشریف نہ لائیں گے اس کا پورا پورا یقین ہے
 در شاہ صاحب وغیرہ بھی بہت ہی خوش ہوئے لیکن میں نے سب کو یقین دلایا کہ آخر جنوری تک
 انتظار کر کے لیکن تشریف نہیں لائیں گے۔ جناب کا والا نامہ شاہ صاحب کو دکھا دیا۔ سیرۃ کی
 قیمت حاضر ہو کر لے لوں گا۔ سیرۃ کی جلد ادل روانہ کر رہا ہوں۔ ہاں ایک ضروری گزارش
 لئے عرضہ لکھنے والا ہی تھا۔ آج کل تکلیف و پریشان حال لوگوں کی کیا کمی ہے۔ قدرتی مرحوم
 صاحب سے مجھ کو بڑا اطمینان رہتا تھا۔ دیر سویر سب کی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ اب میں سخت
 پریشان ہوں کہ کیا کروں کس سے کہوں۔ کل جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب بالقاءہ کے پاس گیا
 تھا۔ شاہ گنج کے قریب سو گھر پورا میں منی بہن کے یہاں وہ اکثر تشریف لایا کرتے ہیں تو ایک دن
 دھڑک گیا ممکن ہے کہ یہیں مل جائیں۔ مگر پریشانی کے سوا کچھ نہ ملا۔ مقصود یہ تھا کہ ان سے لوگوں
 کا امداد کے لئے درخواست کر دوں۔ ایک خط جناب کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں۔ بدر الزماں صاحب
 مولوی رستم مرحوم کے خاندان کی اب لکھنؤ میں یادگار باقی رہ گئے ہیں۔ کم و بیش دس دنوں سے
 میں ان کے لئے ہاتھ پیر مار رہا ہوں۔ وہ سخت پریشان ہیں۔ بالآخر یہ صورت اوروں نے مجھ کو دکھی ہے
 اس لئے میرے نزدیک جناب سے زائد تو کیا کم بھی مجھ کو کوئی نہیں مل سکتا۔ محترم پنڈت جی آپ کا
 بتنا لحاظ فرماتے ہیں، وہ بھی مجھ کو خوب معلوم ہے۔ اس لئے کوشش فرما کر آپ اس زمرہ میں
 کچھ ہو دلوا دیجئے اس سے اس وقت خود ہی مدد غریب کی ہو جائے گی۔ کچھ رقم اگر مل جائے تو
 ہی غنیمت ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تو بس مشورہ دے دیا ہے۔ جواب کا سختی سے انتظار
 لہروں گا۔ اور آخری صورت آپ کی تشریف آوری ہے۔ راڈاکر طبر الزماں کا خط آئندہ صفحات
 خادم مسعود علی

میں درخشاں ہے۔

ضلع بارہ بنگی - ۲۲ جون ۱۹۵۵ء

محترمی و معظمی زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہذا کرے جناب مہم متعلقین بخیر و عافیت ہوں۔ میں کئی سال کے بعد جمعہ بال بچوں کے اپنے وطن آیا ہوں اور ۱۵ جولائی تک قیام کا قصد ہے۔ میری اہلیہ غریب فالج کی مریض ہیں۔ ۳ سال ہو گئے اچانک کل جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب کا نانا نامہ ملا کہ ۷ آدمیوں کا ایک وفد برمانہ جج جناب کی صدارت میں جا رہا ہے۔ مجھ سے بھی اس میں شرکت کے لئے دریافت کیا ہے۔ کیا عرض کروں اس اطلاع کے بعد کئی الجھنوں میں مبتلا ہو گیا ہوں۔

میری اہلیہ سخت مذہبی ہیں۔ فالج کی زبردست بیماری کے بعد جب ہاتھ پیر میں اللہ تعالیٰ نے کچھ قوت عطا فرمائی تو اب ان کا مشغلہ صرف نماز، روزہ رہ گیا ہے اور صرف خواہش جج کی ہے۔ شاید ہی کوئی دن ناغہ جاتا ہو کہ مجھ سے تاکید کے ساتھ یہ نہ کہتی ہوں کہ بس مجھ کو وہاں پہنچا دو۔ چاہے راستہ ہی میں دم نکل جائے۔ میرے پاس ۶-۷ ہزار روپیہ کا جمع ہونا قریب قریب محال ہے اس سے میں سخت پریشان رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ موقع اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے لیکن وقت بہت کم ہے۔ اس لئے روپیہ کی فراہمی میں سخت دشواری ہے۔ اہلیہ اپنا زیور جس کی قیمت مشکل سے ۱۰۰۰ روپیہ تک ہوگی فروخت کر رہی ہیں۔ اب جناب سے درخواست ہے کہ اس ہم کو آپ حل فرمائیں تاکہ آپ کی معیت کی سعادت حاصل کر سکوں۔ یہ وفد کب تک روانہ ہوگا۔ نیز اہلیہ کو بھی میں ساتھ لے جاسکتا ہوں۔ کتنے روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ اگر کچھ روپیہ قرض مل جائے تو میں انشاء اللہ ایک سال میں ادا کر دوں گا۔ کل تک یہ خط آپ کو مل جائے گا۔ اگر جناب کی توجہ خاص سے ہم دونوں کو یہ سعادت نصیب ہوگئی تو تمام زندگی ہم دونوں آپ کے اس احسان کے شکر گزار رہیں گے۔ بہادر م سید انور علی صاحب کو بھی لکھا ہے کہ جناب سے مشورہ کریں۔ ڈاکٹر صاحب کو بھی لکھا ہے کہ میرا جواب آپ کے پاس بھیج دیں میں تو کسی طرح اس وقت نہیں جاسکتا ہوں۔ واپسی میں شاید اہلیہ کو زندہ نہ پاؤں۔ اس درجہ ان پر غلبہ سفر ہے جو اب کہ متنی ہوں۔ خادم مسعود علی مرحوم

۱۳ جنوری ۱۹۵۵ء

مخدومی مولانا - سلام مسنون

میٹھے بھٹائے آپ کی یاد آگئی۔ اور کچھ گم شدہ لمحے آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔ آپ
میں ہیں؟ کبھی کبھار یاد کر لیا کیجئے۔ والسلام

شورش کشمیری

۲۹ اپریل ۱۹۵۶ء

مخدومی مولانا - سلام مسنون

آپ کا خط ملا۔ میں اور میری اہلیہ آپ کی محبت کے بہت زیادہ ممنون ہیں۔ آپ سے ملے
وئے خاصا زمانہ ہو گیا ہے۔

اے خانہ بر اندازِ تہن کچھ تو ادھر بھی

میں بھائی اور خلیل بھائی کو سلام اخلاص فرمائیے۔ آپ کو پرچہ باقاعدہ مل رہا ہے اور آپ کا
وجود پتہ درست ہے۔ والسلام

شورش کشمیری

نان - لاہور

مخدومی مولانا، سلام مسنون

چٹان کا پہلا اور دوسرا پرچہ آپ کو ملا ہو گا۔ ہوسکے تو میری طرف توجہ فرمائیے۔ چاہتا ہوں
میں کو ایک کامیاب ہفت روزہ بنادوں۔ نہ جانے آپ نے کس بنا پر خط لکھنا ترک کر دیا۔
غالباً آپ معافی کی تلخی کے شکار ہوں گے۔ یقین کیجئے میرا دلی فرض ہے۔ ادواب تو میں نے
ی شہراہ اختیار کی ہے۔ ادبی شاہراہ !!

پرانا شورش تقسیم کے ساتھ ہی تقسیم ہو کر مر گیا تھا یہ آپ کو شورش کشمیری کا سایہ لکھ رہا ہے
مکان کے لئے خود ہی کوئی مناسب فضا پیدا کیجئے۔ ہاں دہلی سے کچھ مسنون لکھا کیجئے۔ مثلاً دہلی کیسی ہے؟
آپ کا شورش کشمیری

مخدومی مولانا سلام اخلاص

شکر یہ التفات۔ چٹان کو ادبی پرچہ ہی بنانا چاہتا ہوں۔ لیکن ادب بھی فوز زندگی کا ہی عین ہوتا ہے۔ اور زندگی کا دروازہ نقشہ سلامیات سے کیونکر الگ رکھا جاسکتا ہے؟ البتہ کوشش کر رہا ہوں کہ سلامیات کا اس سے کوئی تعلق نہ رہے اور ابھی تک اس پر قائم ہوں۔ آئندہ ادبی ادبیات کا رنگ دوں گا۔ آپ کے مشورہ کا مستحق ہوں۔ پہلا پرچہ آپ کو بھجوا دیا گیا تھا۔ نہ جانے آپ تک کیوں نہیں پہنچا۔ بہر حال کسی دوست سے لے کر بھجوا دوں گا۔ دفتر میں ختم ہو چکا ہے۔ پرچے کی اشاعت اڑھائی اور تین ہزار کے درمیان ہو گئی ہے۔ لیکن اشتہارات کا قصہ ایسا ہی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ لوگ آسانی سے ذہن کی تلخی برداشت نہیں کیا کرتے اور پھر سرمایہ دار۔

وہاں کتنا ٹلپس میں اشتہارات تقسیم کرنے کی ایک مشہور لمیٹڈ فرم ہے۔ غالباً لارنس ملینڈ اس کا نام ہے۔ آپ اس کو چٹان کے لئے ہموار کر لیں! خود ہی کوئی ایسا راستہ نکالیں تو چٹان اور بھی ترقی کر سکتا ہے؟ اور اس کی زندگی خطروں سے خالی ہو جاتی ہے؟ بہر حال اس پر سوچنا اور دیکھنا آپ کا کام ہے۔ اگر آپ اس طرف سے مضمونوں کے لئے اور وہ بھی سال میں ایک آدھ مضمون دو چار مقتدر دستوں کو کہہ دیں تو پرچہ کی محنویت میں ذرا دل کشی پیدا ہو سکتی ہے۔

مارچ کے دوسرے ہفتہ میں اقبال نمبر نکال رہا ہوں۔ سو صفحے میں پچاس نقویں، اور قیمت صرف ایک روپیہ اور ساڑھی۔

آپ خود علامہ اقبال سے اپنے تعلقات ہماری طرح رکھیں۔ کسی اور مضمون پر ضرور کچھ لکھئے بہت ممنون ہوں گا۔ حضرت فاروقی صاحب سے بھی کہئے۔ قاضی صاحب کی بابت آپ نے وعدہ فرمایا تھا لیکن۔۔۔ اور ہو سکے تو کچھ مولانا سے بھی لکھوا دیجئے۔ ایک آدھ کالم نہیں تو ایک آدھ

سطر۔ جواب کا منتظر رہوں گا۔ عزیز بھائی اور دوسرے لوگوں کو سلام

آپ کا شورش کاشمیری

دہلی۔ بارہ درہ۔ پھانک حبش خاں۔ ۱۷ جنوری ۱۹۵۵ء

جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب

آداب و تسلیم! گزارش ہے کہ جناب کا ایک بیان ملاپ مورخہ ۱۵/۱ میں میری نظر سے گزرا۔ پرانے کانگریسی دیش بھگتوں کی خاموشی کے متعلق آپ کے خیالات بالکل صحیح ہیں۔ ہم لوگوں نے تو پرانی کانگریس کے آدرشوں۔ نصب العین اور اس راہ کو سرب کچھ سمجھا اور اب بھی سمجھ رہے ہیں۔ مگر یہاں تو حالات ہی دگرگوں ہیں۔ کچھ کہنے کو جی نہیں چاہتا۔ مگر عالم مجبوری میں خاموشی ایک گناہ اور بدترین کمزوری ہے۔ اس مجبوری کو خیر باد کہہ کر کچھ کرنا ہی چاہیے۔ دھیمہ صاحب تشریف لائے ہیں دیکھیں ہم لوگ کچھ کر پائیں۔ بہر کیف بندہ آپ کے خیالات کی تائید کرتا ہے اور حاضر خدمت ہونے کو ہر وقت تیار ہے۔ بے جا نہ ہو گا اگر میں یہ کہہ دوں کہ ہم جن چیزوں اور برائیوں کو مٹانا چاہتے ہیں۔ ہماری یعنی کانگریسیوں اور کرسی نشینوں کے صاحبِ اقتدار کانگریسیوں کی غلط کاریوں کی وجہ سے ان ہی چیزوں کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ خیر زیادہ طے کرنے پر۔

آپ کا نیازمند۔ راجہ رام صاحب جی مارشل لا

۱۷ جنوری ۱۹۵۵ء

محترم حضرت مولانا صاحب

آداب و نیاز! اخبارات میں آپ کا بیان پڑھا جس سے مجھے اندازہ میرے ساتھیوں کو سنا ہوئی۔ آپ نے ایک انتہائی دلیرانہ قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ مگر آج کانگریس کی یہ حالت کیوں ہے۔ کیا آپ نے کبھی اس بات پر غور فرمایا ہے۔ وہی کانگریس جس کی آواز پر لوگ آگ پرستی ہوئی گویوں کے سامنے سینہ تان دیتے تھے۔ آج اس کا ذکر آنے پر نفرت سے منہ پھیر لیتے ہیں کیوں؟ ہم بھی آپ کی طرح کانگریس کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں اور اپنی بساط کے مطابق کچھ کام کیا بھی جس کی تفصیل کبھی ملاقات ہوئی تو زبانی عرض کر دوں گا۔

لیکن خود یہاں کے کانگریسی ہی کسی ایسے آدمی کو یا ایسی جماعت کو نزدیک نہیں آنے دیتے

جو کام کرنا چاہتے ہوں اور نہ ہی ایسے لوگوں کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہیں جو فرقہ پرستی اور
 رجعت پسندی کے خاتمہ کے لئے کام کرنا چاہتے ہوں۔ آج تو کانگریسی لیڈروں کے دل میں صرف
 خوشامدیوں، سابق غداروں اور آئی۔ ڈی کے رضا کاروں کی قدر ہے اور ایسے ہی لوگ آج
 کانگریس کے اندر چودھری بنے ہوئے ہیں، بہر حال ہمارے دل کی نیک خواہشات آپ کے ساتھ
 ہیں اور اس نیک کام کے لئے جو بھی قدم اٹھائیں ہم آپ کے ساتھ ہوں گے۔

آپ کا صادق ساتھی۔ جے این نیر جنرل سکریٹری

۸ جنوری ۱۹۵۵ء

مکرمی مولانا صاحب

آداب عرض ہے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ میں آپ کو کیوں لکھ رہا ہوں، اور
 وہ بھی جب کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے نادانفت ہیں۔ گزشتہ ہفتے ”ملاپ“ میں ایک بیان
 پڑھنے کو ملا۔ بیان کو پڑھ لینے کے بعد ایک خیال آیا کہ کیا واقعی اس ہندوستان میں ایسا بھی کوئی
 آدمی ہوگا کہ ملک کی پرانی سیاسی پارٹی کو زندہ دیکھے۔ میرا مطلب کانگریس سے ہے، کیونکہ حقیقت
 میں بہت سے لوگ اب بھی موجود ہیں جنہوں نے ذاتی مفاد کی خاطر اس عظیم پارٹی کے نام پر ایک
 بدنام داغ لگایا۔ آپ کے بیان سے میں اس قدر متاثر ہوا ہوں کہ میری دلی خواہش ہے اگر میں
 آپ کے اس نیک ارادے میں کچھ کام آسکوں تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔ ویسے بھی میری حقیقت
 آپ کے مقابلے میں کچھ نہیں۔ لیکن پھر بھی بیان کے مطابق میں اپنی خدمات آپ کے اس نیک کام
 کے لئے پیش کرتا ہوں۔ امید کہ آپ مع النحر ہوں گے۔ میں آپ کے جواب کا انتظار کروں گا۔

فقط آداب۔ احقر جی۔ این آزاد

۸ جنوری ۱۹۵۵ء شری مہلا دیوگ شالہ۔ دریا گنج

مکرمی مولانا حبیب الرحمن صاحب

تسلیم! کسی اخبار میں آپ کا اعلان پڑھا اور خوش ہوں۔ میں بھی ۳۵ سال تک

تک کانگریس درک کرتا رہا ہوں اور تین بار انگریز کی قید میں جانے کا بھی شرف حاصل کیا ہے۔
 روہتک میں رولٹ ایکٹ تحریک کا میں سرغنہ تھا اور کانگریس کمیٹی قائم کرنے والا پہلا شخص تھا
 اپنی جوانی کانگریس کے کام میں گزری اور خلق خدا کی خدمت کرنے میں ساری عمر لگا دی اور کبھی فرقہ
 دارانہ باتوں میں اپنا دامن ناپاک نہیں ہونے دیا۔ حالاں کہ میری بیوی روہتک میں بیمار ہے۔
 مگر چونکہ میں نے یہاں دہلی میں مستورات کی فلاح دیہود کا یہ مرکز عرصہ ایک عرصہ ایک سال
 سے جاری کیا ہوا ہے جس پر میرے دوست گیارہ سو روپیہ ماہوار خرچ کرتے ہیں اور تقریباً
 بیس ہزار روپیہ مشینری اور سامان پر خرچ کیا ہے اور پہلے ہی سال میں مرکزی ویلفیئر بورڈ سے
 دو ہزار روپیہ کی نقد امداد بھی حاصل ہو گئی ہے اور ۷۵ روپیہ ماہوار چرخہ کاتنے والی کی تنخواہ کر دی
 ہے جو بورڈ سے منظور ہو گئی ہے۔

میں آپ کی اس تحریک کا دل سے تائید کرنے والا ہوں کہ پرانے کانگریس درکندہ کی
 ایک خاص میٹنگ بلائی جائے۔ میرا ناچیز نام بھی اپنی فہرست میں درج کر دیں اور اس کے علاوہ
 کوئی اور خدمت آپ میرے سپرد کر دیں تو وہ بھی میں بجالانے کو تیار ہوں۔ دہلی کا پتہ اس کاغذ پر
 تحریر ہے اور روہتک کا پتہ یہ ہے:-

دولت رام گپتا۔ لکشمی نواس روہتک

اب تو مولانا صاحب کانگریس میں ۱۹۴۷ء کے موڈل والوں کا راج ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو میں
 آپ سے ملاقات کر دوں ذرا مکان کا نمبر تحریر فرمادیں تو سہولت ہوگی۔ تکلیف دینے کو معاف فرمائیں۔

دولت رام گپتا

مرحوم ڈاکٹر ستیہ پال، ڈاکٹر گوپی چند بھارگو، بابو ٹھاکر داس بھارگو۔ لالہ اجیت رام
 مجھ کو خوب جانتے ہیں اور کئی وزراء اور دیگر ممبران پارلیمنٹ بھی مجھ سے خوب واقف ہیں۔ پنڈت
 رام شرما سابق وزیر تو میرے پاس کام کرنے ۱۹۴۷ء میں آئے تھے جبکہ میں ضلع کانگریس
 کمیٹی روہتک کا جنرل سکریٹری تھا۔ لالہ لاجپت رائے بھی میرے اوپر خاص مہربان تھے۔

۲۱ جنوری ۱۹۵۵ء

مولانا حبیب الرحمن جی۔ جے ہند

ست سری اکال کے بعد عرض ہے کہ میں نے ۱۹۵۵ء کو پرتاپ اخبار میں
نوٹ پڑھا۔ میں از حد خوش ہوا کہ آپ کانگریس پارٹی کے درکردوں کی میٹنگ بلا رہے ہیں۔
میں بھی دوبارہ آپ کی پارٹی کا درکر بننا چاہتا ہوں۔ آپ ہمیں پتہ دیں کہ آپ کس دن میٹنگ
بلا رہے ہیں تاکہ میں حاضر ہو سکوں۔ آپ کی جہربانی ہوگی۔ میں بھی ملک کا سیوک بن سکوں۔
ست سری اکال۔ جے ہند

مہند سنگھ۔ چکیر۔ مشن چرچ روڈ۔ دہلی

محمد آباد۔ ۲۲ جنوری ۱۹۵۵ء

محترم المقام واجب الاحترام حضرت مولانا صاحب مآظہم العالی

حضرت والا کا خط جو کہ اخبارات میں ڈاکٹر میمپور نامہ کے نام ان کے وزیر اعلیٰ کے ذریعے
شائع ہوا ہے اس کو پڑھ کر ۱۹۴۷ء سے پیشتر جلد و جہد جنگ آزادی کا نقشہ آنکھوں کے
سامنے پھر گیا اور ایک جملہ نے زیادہ پریشان کیا (ساتھ بیوں کو بھول جاتے ہیں)
حضرت والا اور ساتھ بیوں کی قربانیاں تاریخ نہیں بھول سکتی۔ اللہ قبول کرے۔ آمین
خادم کے لئے دعا کریں۔ اللہ ایمان پر خاتمہ کرے۔ آمین۔ آداب

خادم محمد حنیف انصاری

۲۳ جنوری ۱۹۵۵ء بھسین اخوان۔ کویت

پیارے مولانا صاحب۔ جے ہند

آپ کا ارسال کردہ خط ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ میں آپ کے خط ملتے ہی عزیز کو
جہاز پر لینے گیا۔ لیکن وہ ۱۹/۲۰ دے جہاز پر تشریف نہیں لائے۔ میں نے بہت تلاش کی تو
معلوم ہوا کہ اس جہاز میں ہندوستان سے ڈیوینیشن نہیں آیا۔ سو آپ مجھے پتہ دے دیں کہ کب

آنے کا خیال ہے اور کیا وجہ ہوئی ہے۔

آپ کے خط آنے سے پہلے ہی آپ کو ایک ڈبہ کھجوریں، جو آپ کی خدمت میں پہلے روانہ کی تھیں ارسال کر چکا تھا اور آپ کی خدمت میں چٹھی ڈالنے والا ہی تھا کہ آپ کا لفاظیہ خادم کو ملا آپ کی خدمت میں آپ کے پرانے دوست شیخ احسام الدین صاحب کی فوٹو ارسال کر رہا ہوں وہ چند ماہ ہوئے حج کے موقع پر اس جگہ تشریف لائے تھے تو ان سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔

دیگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو پتہ دیوں۔ بندہ آپ کا خادم ہے اور محمد اقبال ولد میاں نبی بخش آف سیالکوٹ صاحب کا بھی چند دن ہوئے خط آیا تھا۔ مسٹر اقبال چند دنوں تک واپس دہلی تشریف لارہے ہیں۔ مہربانی کر کے اس کا ضرور خیال رکھیں۔ وہ ایک نادان نوجوان ہے۔ آپ جیسے بزرگ کا سایہ بہت ضروری ہے۔ مجھے اس کی بہت پریشانی ہے۔

آپ کا خادم سومنا تھہ بہاسین

سب مہربانوں کو بہت بہت میری طرف سے سلام عرض کریں اور بچوں کو پیار۔ ڈاکٹر صاحب کی موت نے بہت صدمہ دیا ہے۔ ان کی اتفاقیہ موت نے قوم اور ملک کو بہت صدمہ دیا ہے۔ اس وقت خاص کر پنجاب میں ان کی بہت ضرورت تھی۔ خداوند کریم ان کی روح کو شادی دے اور قوم ان کی خدمت کو کبھی بھول نہیں سکتی۔

۲۵ جنوری ۱۹۵۵ء۔ پہاڑ گنج دہلی

قابل عزت و احترام، فخر ملک و قوم مولانا صاحب۔ جے ہند

عرض ہے کہ پچھلے دنوں میں نے آپ کا ایک بیان روزانہ اخبارات میں پڑھا کہ آپ عرصہ ۷ سال کی علالت کے بعد دیش اور عوام کی خدمت کرنے کے لئے پھر میدان میں آ رہے ہیں۔ ساتھ ہی آپ کی یہ دلی خواہش ہے کہ آپ ملک کی واحد نمائندہ جماعت کانگریس جس میں بیشتر کمزوریاں پیدا ہو چکی ہیں کے سنجیدہ درکردار کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر کے کانگریس کو پھر عوام میں مقبول کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کے اس بیان کو دہلی کے ہر طبقہ میں سراہا جا رہا ہے۔

متحدہ پنجاب کا کون ایسا بشر ہے جو آپ کی خلوص دلی، نیک نیتی، پبلک سپرٹ، حب الوطنی، قربانی اور بنی نوع انسان کی خدمت کے جذبے کو نہ جانتا ہو ضرورت اس امر کی تھی کہ کانگریس جیسی عظیم جماعت کی باگ ڈور آپ جیسے قربانی محسوس اور متعلہ بیان مقررہوں کے ہاتھ میں ہوتی مگر کانگریس کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد اس میں کافی عنصر ایسا گھس آیا ہے جو تقسیم ملک سے پہلے انگریز پرست تھا۔ جن لوگوں نے غلامی کی زنجیروں کو مزید مضبوط کرنے کے لئے انگریز کا ساتھ دیا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے سنجیدہ اور بے غرض طبقہ خاموش ہو کر ایک طرف ہو گیا۔

میں آپ سے اشارہ کرتا ہوں کہ آپ اپنے بیان کو جلد ہی عملی جامہ پہنائے جائیں گے۔ میری یہ دیرینہ خواہش ہے کہ آپ جیسے عظیم نیتا کی رہنمائی میں عوام کی خدمت کر دیں۔ اگر آپ مجھے اس قابل سمجھیں تو اپنے سپاہیوں میں ناچیز کو بھی شامل کر لیں۔ میں متحدہ پنجاب کے شہر چنیوٹ (جھنگ) میں کانگریس کا ایک سیوک رہا ہوں اور ناچیز نے آزادی کی ہر تحریک میں کانگریس کے دوش بدوش بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جھنگ شہر کی فضا آج بھی آپ کی تقریروں سے گونج رہی ہے۔ باقی سب سلا

بیرا پتہ یہ ہے: ۳۴۶۷ - دریمہ پان - پہاڑ گنج - دہلی

تابع دار امر ناتھ ساحر خوشنویس روزانہ دیر بھارت "پٹودی ہاؤس - دہلی

۲۷ جنوری ۱۹۵۵ء

جناب محترم مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی

جناب عالی چند روز ہوئے کہ آپ کا بیان اخبارات میں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ چاہتا تھا کہ آپ کی خدمت میں کچھ اپنے خیالات تحریر کروں۔ مگر اجنبیت سد راہ تھی۔ مگر وہ خیالات زیادہ دیر تک قائم نہ رہے۔ آخر خیالات نے اجنبی پن کے خلاف غلبہ پایا اور چند سطور لکھنے پر مجبور ہوں۔ محترم اگرچہ صرف میں ہی نہیں بلکہ میرے جیسے ہزاروں کارکنان جن کا آزادی حاصل کرنے میں خاصہ حصہ ہے۔ آج گوشہ تنہائی اختیار کر چکے ہیں مگر ان سے اس جماعت کی توہین برداشت نہیں کی جاسکتی۔ جب میں نے آپ کا بیان پڑھا تو مجھے ایک امید کی جھلک نظر آئی کہ شاید ہم ایک بار پھر ان مخلص

اور بے غرض کارکنان کو میدان میں لا کر عملی جیون کا مظاہرہ کر کے ابن الوقت اور مطلب پرست لوگوں کو پس پشت ڈال کر ملک کی اس بہت بڑی جماعت کانگریس کو بدنامی اور تنزلی کی دلدل سے بچا سکیں اگرچہ یہ کام بہت حد تک مشکل ضرور ہے۔ مگر آپ جیسے حضرات جن کی زندگی قوم کے سنگ بنیاد کو مضبوط کرنے میں گزر گئی ہے اس مشکل پر آسانی سے عبور حاصل کر سکتے ہیں۔ خاص کر اس لئے بھی کہ آپ کی ذات تعارف کی محتاج نہیں اور آپ کی زیر نگرانی جو اقدام عمل میں لائے جائیں گے انھیں آسانی سے درگزر نہیں کیا جاسکتا۔ میرے خیال میں آپ کو ہر طرف سے اپنے بیان کی تائید میں اس قسم کے سینکڑوں خطوط موصول ہوئے ہوں گے جن کی موجودگی میں امید ہے کہ آپ بہت جلد کسی میٹنگ کے بلانے کا بندوبست کریں گے۔ اگر مجھے بھی یاد فرمایا گیا تو ضرور حاضر ہو کر اپنے آپ کو قومی سیوا کے لئے پیش کر دوں گا اور اپنے دوسرے سرحدی کانگریس کارکنان کو بھی مطلع کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا کرے کہ آپ اس نیک کام اور ارادے کو مضبوطی سے انجام دے سکیں۔ اگر مصروفیت نے اجازت دی تو ذاتی طور پر حاضر ہو کر شرف ملاقات حاصل کر دوں گا۔ میرا تعارف اگرچہ اتنا ضروری نہیں مگر کچھ بھی کچھ حد تک تو میرا لیٹر فارم آپ کو میری جانکاری میں مدد دے گا اور زیادہ اس وقت جب ہم آپس میں ملیں گے۔

آپ کا اجنبی سپوت آتم پرکاش سرحدی۔ دہلی

۲۶ جنوری ۱۹۵۵ء۔ حیدر آباد دکن

کرم و محترم جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب

آپ کے پاس فون ہے۔ براہ کرم مولانا آزاد اور مولانا حفظ الرحمن صاحب سے ربط پیدا کریں۔ مولانا آزاد سے درخواست مقالہ کی گئی ہے اور مولانا سیوہاروی سے تشریف لانے کی۔ ابھی ان حضرات کے جواب نہیں آئے ہیں۔ ابھی ابھی مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کا جواب آیا ہے کہ بوجہ بیماری کے نہیں آسکتا۔ میں چند پوسٹر بھی روانہ کر دوں گا جو دہلی کی مسجدوں میں لگوا دیئے جائیں۔ جوں جوں انتظامات آگے بڑھتے جائیں گے آپ کو باخبر کرتا رہوں گا۔ میری طرف سے

ادباً میرا محمد حسین صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجئے کہ اگر وہ بھی آپ کے ساتھ تشریف لے آئیں
 اور مرحوم حیدر آباد کو دیکھ سکیں۔ اور اس غلام کو موقع دیں کہ وہ اپنا اندر عقیدت ان کی خدمت
 میں پیش کر سکے۔ کیونکہ پورا ان ہی کا لگایا ہوا ہے۔ امید ہے کہ اس خط کا جواب امید افزا
 مرحمت فرمایا جائے گا۔ فقط نیاز مندر ننگ اسلاٹ مرزا جمیل احمد بیگ
 ۱۶ رمضان المبارک

مکرم و محترم جناب مولانا صاحب زید مجدکم

ہدیہ شریفی۔ امید ہے مزاج والامع النجریوں گے۔ شاید آپ نے خیال فرمایا ہو گا کہ
 میاں جمیل کہیں لحاف اڑھ کر سو تو تھیں گئے ہیں۔ تو عرض کروں گا کہ ایسا تو نہیں ہوا تھا۔ البتہ
 فقیروں کا بھیس بدل کر گھر گھر پھر رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ مسلمانوں نے میری آواز پر لبیک کہا۔
 اور کل رات بعد نماز عشاء کا نفرنس کے انتظامات کو آخری صورت دے دی اور اللہ کے بھر دے
 پر فیصلہ کیا گیا ہے کہ جون کے دوسرے ہفتہ میں سہ روزہ کا نفرنس منعقد کی جائے۔

ادھر علماء کرام سے برابر خط و کتابت جاری تھی۔ مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا محمد طیب
 صاحب دیوبندی اور مولانا ابوالوفار شاہجہان پوری نے رعنایندی ظاہر کر دی ہے۔ مولانا آزاد
 مولانا حفظ الرحمن سیوہادی اور مولانا مدنی کے جواب کا انتظار ہے۔ مقالات کے لئے مولانا
 مناظر احسن گیلانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ مولانا ظفر علی خاں، سر نظامت جنگ اور
 مولانا اسلم جیرا چوری سے درخواست کی گئی ہے۔ مقامی مقررین میں حکیم مقصود جنگ۔ نواب
 لیاقت جنگ صدر نماز کمیٹی۔ پروفیسر غلام دستگیر، پروفیسر فاضل وغیرہ شامل ہیں۔
 مقامی جمعیت بھی تعاون کر رہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ کانفرنس حیدر آباد کی تاریخ میں آپ اپنی نظر
 ہوگی۔ یہاں کے مسلم پرس پر مقدمے چل رہے ہیں۔ میں نے بحیثیت مسلمان ان کے جملہ مقدمات
 کی پیروی اپنے ذمے لی ہے۔ کیونکہ ان کا کون ہے۔ اس لئے مسلم پرس تعاون کر رہا ہے۔ رد
 ایک تراشے پیش خدمت ہیں۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کوئی ڈھونگ رچانا نہیں ہے۔ بلکہ ٹھوس خدمت پیش نظر ہے۔ تاکہ مسلمانوں کی مذہبی گرتی ہوئی حالت کو آخری سہارا دیا جاسکے۔ لہذا ہر مقرر کو آزادی ہوگی کہ کسی عنوان کو منتخب کرے لیکن اجازت صدر پیش نظر ہے تاکہ مسلمانوں کا دل و دماغ سکون حاصل کر سکے۔ البتہ سیاسی تقریر کی اجازت ہوگی

یہ میری حقیر خدمات میں لیکن مسلمان چندے کے معاملے میں پیچھے ہٹ رہا ہے اور وہ اس قابل ہے بھی نہیں۔ پھر بھی اللہ مالک ہے۔ اسی پر نظر ہے۔

میری آپ سے پر زور اپیل ہے کہ اگر سفر میں آپ ایک اور صاحب کو اپنے ساتھ رکھیں اور بد حال مسلمانوں کی خاطر انٹر کلاس میں سفر کر لیں۔ اگر کچھ چندہ ہو گیا تو سیکنڈ کلاس کا بھی انتظام کر دیا جائے گا۔ آپ میرے مہمان ہوں گے۔ ایڈیٹر ملاپ آپ کو سلام کہہ رہے تھے۔ پرسوں تک اخبارات کو پہلا بیان دے دیا جائے گا۔

فقط نیاز مند۔ ننگ اسلاف مرزا جمیل احمد بیگ۔

۲۱ جنوری ۱۹۵۵ء۔ گنگانگر

مولانا صاحب قبلہ۔ بے بھارت

آپ کا بیان اخبار روزانہ ملاپ مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۵۵ء میں پڑھا۔ آپ کی اس کوشش کے لئے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ مگر یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ آپ کی کوشش کے باوجود پرانے کانگریسیوں کے لئے کانگریس میں کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ اگر وہ کانگریس میں رہیں تو موقع پرستوں کا کام نہیں چلتا۔ اس لئے ان کے فارم بھی نامنظور کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر وہ کانگریس کے ممبر کیسے رہ سکتے ہیں۔ وہ اس کی اپیل کریں تو پارٹی جس کے پاس طاقت ہے وہ کیسے چاہے کہ اچھے اور نیک آدمی دوبارہ آجائیں۔ اس لئے میں سمجھ نہیں سکا کہ آپ اس کام کو کیسے کر سکیں گے۔

تابع دار گوردیال سنگھ سندھو ایم، ایل، ۱۱

محترم مولانا صاحب - بھارت

جواب کے لئے شکریہ۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میری چٹھی میں کون سی خاص بات تھی۔ اگر میں مقامی کانگریسیوں کے حالات لکھوں اور یہ بھی لکھوں کہ اس میں سرکار کا کہاں تک ہاتھ ہے تو شاید آپ حیران رہ جاویں۔ مجھے بالکل کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میرا پتر پریس میں دینے یا کانگریس ہائی کمانڈ کے پاس بھیجنے سے اگر کانگریس ہائی کمانڈ صرف گنگا نگر ضلع میں سرکار اور کانگریس کی اور سے ہر جائزہ کا خون جو کیا جا رہا ہے کی جانچ کر دے۔ تو میں امید کروں گا، کہ کانگریس کچھ کرنا چاہتی ہے۔ آج سرکار فرقہ پرست لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ منسٹر ٹیڑھے فخر سے اپنے نام کے ساتھ آ رہے لکھتے ہیں۔ یہ لمبی کہانی ہے۔ میں اگر ایک منسٹر چو دھری کنجھارام جی کی فرقہ پرستی کا حال لکھوں تو آپ کو حیران کر دے۔ یہ میری چٹھی پرائیویٹ ہوگی۔ میرے پاس ایک گاؤں جلو کا ہے۔ جلو کا ایک مسلمانوں کی گوت ہے۔ ان میں سے سوائے چند آدمیوں کے باقی سب آج تک ریاست میں رہ رہے ہیں۔ وہ سب امیر آدمی تھے۔ کچھ لوگوں کے پاس لاکھوں روپے نقد تھا اور مال مویشی پال کر گزارہ کرتے تھے۔ میں ان کو محول سے بنے کہا کرتا تھا۔ وہ اتنے شریفانہ تھے کہ شاید بنے بھی اتنی برداشت کی طاقت نہ رکھتے ہوں، جتنے وہ میں چھوٹی عمر کا ہوں۔ مگر میری بڑی عزت کرتے تھے۔ اور ہر آدمی کا میرے پراندہ دشوار اس تھا۔ گڑ بڑ کے دنوں میں میں بیکانیر جیل میں قید کاٹ رہا تھا۔

اس علاقے میں مسلمان اور سکھ برابر کے تھے۔ ان کا سکھوں سے جھگڑا ہوا۔ میری عورت ان کی مدد کرتی تھی۔ اس لئے سکھ اس کے بھی خلاف ہو گئے۔ وہ بے چاری اکیلی اپنے دن گھر پر پور کرتی رہی۔ آخر ان مسلمانوں کو مجبور ہو کر بارانی علاقہ کی طرف جہاں کہ ان کے مویشی تھے جانا پڑا۔ ان کی آراغنی جو تقریباً ۱۵۰ عرصہ میرے تھے۔ راجہ نے اپنے رشتے داروں کو دے دی اور زمین پر قبضہ کر لیا۔ ۱۹۴۷ء میں بیکانیر میں ایک سرکار بنی اس کی نوگوٹی ایشن کونسل میں میں بھی ممبر تھا

میں نے سرکار کو بھی، ری ہی ملیشن منسٹر، چودھری کنہیا رام جی آریہ کو ان کے گاؤں کی بجالی کے لئے کہا، مگر وہ فرقہ پرست نہ مانا۔ وہ بے چارے در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ میں نے اب بارہ گاؤں کی بجالی کی کوشش شروع کی، تو اب چودھری صاحب نے ۱۰ فروری ۱۹۵۵ء کو اس گاؤں کا چیف منسٹر صاحب کے ساتھ دورہ رکھ دیا ہے۔ اور ان کو صرف حوصلہ دیا جائے گا اور کوئی بھی کارروائی آباد کاروں کے خلاف نہ ہونے دی جائے گی۔ ان مسلمانوں کا ... ۵۳ روپیہ نقد چودھری صاحب کے دوست آپا ریہ گوری شنکر جو کہ راجستھان کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے آج کل جمیڑ میں) کے پاس جمع ہے۔ اگر وہ واپس آجائیں تو وہ بھی واپس دینا ہو گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس معاملہ میں ان غریب لوگوں کی کچھ امداد کریں گے۔

آپ کا شبھ چنتک - گوردیال سنگھ سندھو

فروری ۱۹۵۵ء - بجوڑہ

مخدومی و مکرمی حضرت مولانا المحترم دامت الطافکم و عنایاتکم

بہا تسلیمات و تحیات مسنونہ عرض خدمت اقدس آنکہ ایک عریفہ برادر م مولانا عزیز الرحمن صاحب کے نام ارسال کر چکا ہوں جس میں یہاں پہنچنے اور کام شروع کرنے کے متعلق تذکرہ تھا۔ برادر مولوی سجد الرحمن صاحب برابر دورہ کر رہے ہیں۔ میں صدیقی صاحب اور بجوڑہ کے ایک ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ برابر سفر کر رہا ہوں۔ مختلف مقامات پر روزانہ جلسے ہوتے ہیں۔ اور جلسے انتہائی کامیاب ہو رہے ہیں۔ کل بجوڑہ میں ۱۱ فروری کو میٹنگن تھا۔ دوپہر تک تقریباً دوڑے پڑ چکے تھے۔ کانگریس کے حق میں غیر معمولی اکثریت رہی ہے۔ دوسرے مقامات کی حالت بھی امید افزا ہے۔ یہاں کانگریس کا مقابلہ کمیونسٹوں سے ہے۔ جن سنگھی خال خال ہیں اور نہایت کس میرسی کی حالت میں ہیں۔ ابھی تک میں چار مقامات پر گیا ہوں۔ گنٹور۔ دلور۔ ججور۔ دیال پنڈی۔ کل شام دوسرے کنڈیڈیٹ کے علاقے میں کام کرنے کے لئے ۵ بجے کی گاڑی سے سوار ہو کر رات تین بجے نیلور ضلع میں (سٹی میں) پہنچے۔ آج یہاں رات کو پبلک جلسہ ہو گا۔ کل یہاں کے بعض قصبات

اور گاؤں میں جانا ہے۔ پرسوں دوسرے ضلع میں ہوتے ہوئے کر نول جو آندھرا صوبہ کی راجدھانی ہے پہنچ جائیں گے۔ وہاں مولوی سعید الرحمن صاحب اور کوثر صاحب بھی پہنچ جائیں گے۔ وہاں سے پھر بجوارہ واپس آکر کسی دوسرے پروگرام پر جانا ہوگا۔

حیدرآباد سے بھی بہت سے ورکر آئے ہوئے ہیں اور کام کر رہے ہیں۔ یہاں کے الیکشن میں کام کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ یہاں تبلیغ کی شدید ضرورت ہے مسلمان اور غیر مسلم میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ صرف نام کا فرق ہے۔ بعض دیہات میں مسلمانوں کے گھر کافی ہیں مگر کلمہ تک جاننے والا کوئی مسلمان نہیں۔ نہ کوئی مسجد ہے۔ نہ کوئی نماز جانتا ہے۔ مفصل حالات انشاء اللہ زبانی عرض کروں گا۔ امیج کہ مزاج مبارک بعافیت ہوگا۔ مولانا خلیل الرحمن کا اب کیسا مزاج ہے۔ ان کی خدمت میں سلام مسنون۔ مولانا عزیز الرحمن صاحب دو دیگر پرسان حال کو سلام علیک دعاؤں کا محتاج۔ خادم وحید الزماں۔ پی۔ سی۔ سی۔ کانگریس آفس صوبہ آندھرا۔ بجوارہ
۵ فروری ۱۹۵۷ء۔ بجوارہ

برادر محترم مولانا عزیز الرحمن صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ ہم لوگ آپ سے رخصت ہو کر ۵ فروری کی صبح کو بجوارہ بخیریت پہنچ گئے۔ راستہ میں کسی قسم کی دقت نہیں ہوئی۔ اتنا طویل سفر طبری آسانی اور لطف کے ساتھ گزر گیا۔ بشر حاجی اور کوثر سے بھی خوب لطف رہا۔ یہاں ہم پرسوں ۱۰ بجے کانگریس دفتر میں پہنچ گئے۔ معلوم ہوا کہ ہمارا پروگرام صدیقی صاحب بنائیں گے۔ پھر صدیقی صاحب نے یہاں کے الیکشن انچارج صاحب سے معلوم کیا اور ہمارے آفس کی انھیں اطلاع دی۔ انھوں نے بتایا کہ یہ پروگرام اکبر خاں صاحب جو حیدرآباد کیمپ میں ہیں بنائیں گے۔ چنانچہ اکبر خاں صاحب ہی کے مشورہ سے مجھے صدیقی صاحب کے ہمراہ ”کنٹور“ بھیج دیا گیا جو بجوارہ سے چالیس میل ہے۔ کافی بڑا شہر ہے۔ مسلم دوڑ بھی کافی ہیں۔ وہاں شب میں جلسہ ہوا۔ ایک گھنٹہ میں نے بھی تقریر کی۔ جلسہ کامیاب رہا۔ اور وہاں کی

فضا بھی اپنے موافق رہے گی انشاء اللہ۔ گنڈور سے کل ۱۲ بجے کے قریب واپسی ہوئی۔ چند گھنٹے
یہاں قیام رہا۔ پھر میں اور صدیقی صاحب اور ڈاکٹر صاحب دیور کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہاں بھی
رات جلسہ ہوا اور بہت کامیاب رہا۔ رات کو ۱۰ بجے وہاں سے واپسی ہوئی۔ آج بھی سوسیل کا
سفر کرتا ہے۔ مولوی سعید الرحمن صاحب اور کوثر صاحب پرسوں اکبر علی صاحب کے ہمراہ
"دے جو" گئے تھے۔ وہاں سے کل دوپہر واپس ہوئے۔ ان سے ملاقات کم ہو سکی۔ چونکہ وہ پھر
ایک گھنٹہ کے بعد گنڈور چلے گئے۔ آج ابھی تک ان لوگوں کی واپسی نہیں ہوئی۔ یہاں کی پوزیشن
یہ ہے کہ ہر جگہ کمیونسٹوں سے مقابلہ ہے۔ مسلمان کمیونسٹ غریبوں کو تو بھوک کے ڈر اونے بھوت
سے ڈراتے ہی تھے۔ مگر اب انھوں نے دوسرا مذہبی حربہ بھی استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔
مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ مسلمان مذہب اور کمیونسٹ ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں۔
کانگریس میں شامل ہونا ایمان فروشی ہے۔ غرض کہ اسی قسم کی الٹی سیدھی باتوں سے سیدھے
درجہ لے مسلمانوں کو بہکا یا جا رہا ہے۔ مگر الحمد للہ یہ سب کچھ بہت ختم ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمانوں
کی اکثریت کانگریس کے ساتھ ہے۔ مولانا کا بیان فہم صاحب کے یہاں تیلگو میں پڑھ کر بھی سنایا گیا۔ اور
میں کو چھپایا بھی جا رہا ہے۔ امید ہے کہ حضرت مولانا المحترم قبلہ سفر سے تشریف لا چکے
ہوں گے۔ ان کی خدمت میں دست بستہ سلام مسنون۔ مولانا خلیل صاحب اب صحت مند
ہو رہے ہوں گے۔ خداداد کریم ان کو جلد صحت عطا فرمائے۔ ان کی اور دیگر پرسان حال کی
خدمت میں سلام مسنون۔ یہاں خوب گرمی ہے۔ رات کو بھی اندر لیٹتے وقت پکھے کی ضرورت
رہ جاتی ہے۔ باقی حالات پھر انشاء اللہ تحریر کروں گا۔ اگر وہاں سے کمیونسٹوں کے خلاف
چھاٹھوس مراد اور اس سلسلہ میں دیگر مفید معلومات ارسال فرمادیں تو زیادہ بہتر ہے۔
رنہ کوئی مصالفتہ نہیں۔ ایکشن ۲۷ تک مختلف تاریخوں میں ہیں۔ فقط والسلام

وحید الزماں بجواڑہ

کانگریس آفس آندھرا

۲۵ فروری ۱۹۵۵ء - بجوڑہ

سیدی مولائی حضرت مولانا المعظم دامت الطافکم

بعد تسلیمات و تجربات مسنونہ عرض خدمت اقدس آنکہ ایک عریضہ نیلور ڈسٹرکٹ سے ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ امید کہ ملاحظہ عالی سے گزرا ہو گا۔ بیادرم مولوی سعید الرحمن صاحب سے ۲۴ فروری تک برابر علیحدگی رہی۔ میں صدیقی صاحب اور ڈاکٹر ایم۔ اے خان کے ساتھ چار مقامات پر تقریروں کے بعد ضلع نیلور چلا گیا۔ اسی جگہ کانگریس صوبہ کے صدر گوپال ریڈی صاحب بھی رہتے ہیں۔ یہاں ۱۲ روز تک قیام رہا۔ اور روزانہ تین چار جلسے مختلف علاقوں اور دیہات میں ہوتے رہے۔ الحمد للہ ہر جلسہ کامیاب رہا۔ اور ہر جگہ کمیونسٹوں کی کمرٹوٹ گئی۔ اگر باہر کے لوگ یعنی دلی اور حیدرآباد سے نہ آتے تو شاید یہاں اس الیکشن میں بھی کانگریس کو یہ پوزیشن حاصل نہ ہوتی۔ خود یہاں کے اخبارات چنچ اٹھے کہ آندھرا میں نیا انقلاب آگیا۔ اب صرف ۴ تاریخ کا الیکشن باقی ہے۔ بقیہ تاریخوں کے الیکشن میں تقریباً ہر جگہ زبردست جیت کانگریس کی رہی ہے۔ نیلور میں قیام کے دوران ہندوؤں اور مسلمانوں نے بڑی خاطر مدارات کی اور مسلمانوں نے توقع سے زیادہ ہر جلسہ میں حصہ لیا۔ بلکہ تقریباً ہر ایک جلسہ میں مسلمانوں ہی نے جلسہ کا انتظام کیا اور ہم لوگوں کے لئے بھی انتظام کیا۔ اسی طرح ہندوؤں نے بھی بڑی خاطر مدارات کی۔ پرسوں ۲۳ فروری کی شب کو میں اور صدیقی صاحب بجوڑہ نیلور کا دورہ کر کے واپس آگئے۔ رات مولوی سعید الرحمن صاحب بھی دو روز کے بعد واپس آگئے۔ ان سے ملاقات ہو گئی اب وہ بھی بجوڑہ ہی میں مقیم ہیں۔ البتہ کوثر صاحب، حکیم صاحب کی پارٹی ایک جگہ ہے۔ شاید وہ لوگ ۲۴ کے بعد واپس آئیں گے۔ اب ہمیں کسی جگہ کا دورہ نہیں کرنا ہے۔ اس لئے آج ارادہ ہے کہ ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ ورنہ کل انشاء اللہ ضرور سوار ہو جائیں گے۔ راستہ میں حیدرآباد قریب ہی ہے۔ اس لئے ایک روز کے لئے وہاں جا کر انشاء اللہ دہلی آئیں گے۔

مفصل حالات زبانی عرض کر دیں گا۔ ابھی جمعہ کی نماز پڑھ کر آیا ہوں۔ اب کانگریس

کے دفتر میں جانیے اس لئے اسی معروضہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ پرسان حال کی خدمت میں سلام مسنون۔
مولوی سعید الرحمن صاحب سلام عرض کرتے ہیں۔ فقط

آپ کا خادم وحید الزماں بجواڑہ۔ آندھرا
۵ فروری ۱۹۵۵ء۔ عثمان والا ضلع لاہور۔

بگرامی خدمت مکرمی محمد می جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب
السلام علیکم۔ مدت سے ارادہ کر رہا تھا کہ عرضیہ بھیج کر آپ کی اور برادر مخدوم خلیل الرحمن صاحب
ولیدر عزیز الرحمن صاحب کی خیریت دریافت کروں۔ تساہل، مصروفیت اور کچھ سستی کی وجہ سے
تاخیر ہوتے ہوئے کئی سال گزر گئے۔ آپ و برادر مخدوم خلیل الرحمن و مولانا عزیز الرحمن مجھے بہت یاد آتے
رہے۔ آپ کو تو ہر روز یاد کرنا ہی پڑتا ہے۔ برادر مخدوم خلیل الرحمن کے ساتھ کچھ ایسی محبت ہے کہ وہ
فراموش کئے ہی نہیں جاسکتے۔ دراصل ہمارے تعلقات اور سالہا سال (گزشتہ) زندگی کی راہوں
سے وابستگی سے کچھ اس قسم کا کنبہ بن گئے تھے کہ ایک دوسرے سے بہت دور رہتے ہوئے اور کوئی
خط کتابت نہ ہونے کے باوجود بھی نہ میں آپ کو بھلا سکتا ہوں اور نہ آپ میں بھول سکتے ہیں۔ مجھے
ہریت مزاج اور اپنی صحت کی مفصل کیفیت سے ضرور عجلہ از جلد مطلع فرمائیں۔ برادر مخدوم خلیل الرحمن و
وزیر الرحمن کی خیر و عافیت اور ان کے ایڈریس سے مطلع فرمایا جائے۔

جناب جنرل شاہنواز صاحب اور محترم میرا احمد حسین صاحب کے ایڈریس بھی مجھے ارسال
فرمائیں۔ نیز میرا احمد حسین صاحب محترم کب لاہور یا کراچی تشریف لائیں گے۔ ان سے دریافت فرما کر
مجھے مطلع فرمائیں۔ ان کا لاہور یا کراچی میں قیام کہاں ہو گا۔

آپ کا خادم محمد شفیع سردار۔ عثمان والا۔ ضلع لاہور۔ پاکستان
۵ فروری ۱۹۵۵ء۔ نئی دہلی

جناب مولانا صاحب

تسلیمات عرض ہے۔ امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔ میں تہ دل سے آپ کا مشکور ہوں کہ
مولانا وحید الزماں صاحب رئیس حرار کے عربی اردو لکھنے سکریٹری تھے انگریزی لکھنے کے سکریٹری
ایک نوجوان قمر محمد تھے جو اب کارپوریشن میں ۴۰۵ اردو ترجمہ کے سکریٹری ہیں۔ "مرتب"

آپ نے مجھے اس قدر عزیز جان کر میری چٹھی کا جواب دے دیا۔ مجھے از حد افسوس ہے کہ وقت پر آپ کو جواب نہ دے سکا کیونکہ میں کسی ضروری کام کی وجہ سے باہر گیا تھا۔ لوٹے پر آپ کو لکھ رہا ہوں میرے خیال میں یہ بہتر ہو گا کہ اگر میں آپ سے ملوں اور وہیں آپ کو ایسے اشخاص کا نام دیتے بتا دوں جو کہ کچھ کرنے والے ہوں۔ یوں تو کئی ایسے لوگ ہیں۔ مگر ہمت نہیں ہوتی کہ ان کا نام آپ کو لکھوں کیونکہ اس ملک میں ذاتی مفاد کی خاطر سب آگے ہونے کے لئے تیار ہیں۔ مگر ملک اور قوم کی بھلائی کے لئے بہت کم لوگ نظر آتے ہیں۔ بمہربانی یہ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائیں کہ آپ سے ملاقات کب ہو سکتی ہے اور کس وقت تاکہ آپ سے بات چیت کر سکوں۔ باقی خیریت۔ حراد ب فقط

احقر بی۔ امین۔ آزاد نیوز ایڈیٹر اخبار پتناپ

۳۱ فروری۔ گورکھ پور

محترمی مولانا صاحب۔ سلام مسنون

آج یہاں پر کانگریس کی طرف سے منعقدہ جلسہ میں حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کی تقریریں ہوئیں۔ مولانا عبدالعزیز صاحب کی وہ نظم بہت ہی دردناک ہے جسے انھوں نے حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مدظلہ اور کانگریس سے ان کے تعلق پر لکھا ہے۔ بعد ازیں مولانا موصوف کی تقریر ہوئی۔ شرکار جلسہ نے تالیوں سے ان حضرات کو خوش آمدید کہا۔ مولانا عبدالعزیز صاحب کی تقریر بھی بہت کامیاب رہی۔ میں مولانا فضل الرحمن صاحب حسن پوری کی تقریر اس وقت نقل کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کانگریس ہی وہ واحد جماعت ہے جس نے ملک کو آزاد کر لیا۔ ہمیں غلامی کی زنجیر سے سبک دوش کیا۔ آپ نے گورکھ پور کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ گورکھ پور ہے جہاں ایک مرتبہ فرنگی کے زمانے میں مولانا محمد علی اور گاندھی جی آئے۔ لال دگی کے میدان میں لاکھوں کی تعداد میں ہندو مسلمان جمع ہوئے۔ کلکڑ نے کرنیو آؤد کا حکم دے دیا تھا۔ مگر شیدایان کانگریس ہر طرف سے جوق در جوق شریک جلسہ ہوئے۔ گورنمنٹ نے صرف ۳ منٹ تقریر کا وقت متعین کیا۔ گاندھی جی کی ان تین منٹ کی تقریر کس قدر سبق آموز ہے

آپ نے مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگوں میں کوئی صاحب تاش کھیلنا جانتے ہیں۔
 ایک نوجوان مجمع سے اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس فن کا ماہر ہوں۔ آپ نے اس سے سوال کیا کہ
 دہلا کو کون مارتا ہے اس نے کہا غلام، پھر پوچھا غلام کو کون مارتا ہے، اس نے کہا بی بی۔ پھر کہا
 بی بی کو کون مارتا ہے۔ اس نے کہا بادشاہ۔ پھر گاندھی جی نے فرمایا کہ اچھا بتلاؤ کہ بادشاہ کو کون
 مارتا ہے۔ اس نے کہا اکتا۔ تو گاندھی جی نے کہا کہ تم بھی ایک ہو جاؤ، اس فرنگی بادشاہ کو مار دو گے۔
 اور پھر کہا اکتا کو کون مارتا ہے اس شخص نے کہا کوئی نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ اسی طرح جب ہندو مسلم
 جب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں گے تو انھیں کوئی بھی طاقت زیر نہیں کر سکتی ہے۔ گاندھی جی کی
 اس تقریر نے یہاں کے ہندو مسلمان کو ایک دوسرے سے قریب کیا۔ اس کے بعد ہی غور و فکر کے بعد
 اس جماعت کا نام کانگریس رکھا جس نے ایک ایسی جماعت ہندوؤں اور مسلمانوں کی بنائی جس نے
 آزادی کی خاطر سب کچھ بچھاؤ کر دیا۔ اور فرنگی حکومت کو ان کی بہادری نے ہندوستان سے جانے پر
 مجبور کر دیا۔ اگر ہندوؤں میں گاندھی جی۔ موتی لال۔ جواہر لال۔ سبھاش چندر بوس۔ راجندر پرشاد
 نے ایک طرف قربانی دی ہے تو دوسری طرف مولانا محمد علی، مولانا آزاد، مولانا مانی، مولانا حبیب الرحمن
 صاحب لارہیا نوی جیسی ہستیوں نے بھی جان کی بازی لگا کر ہمیں اس جکڑ بندی سے جدا کیا اور آج ہم
 آزادی کی سانس لے رہے ہیں۔ مولانا فضل الرحمن صاحب نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ جس
 جماعت نے ہمیں آزادی دلائی، جس نے ہمیں مصیبت سے بچایا تمھاری غیرت گوارا کرتی ہے کہ اپنا
 قیمتی دھڑ اس کے خلاف استعمال کرو۔ مجمع نے کہا نہیں صاحب ہم کانگریس ہی کو دھڑ دیں گے۔
 آپ نے فرمایا کانگریس کو مضبوط بنادو، وہ بڑی ہڈیاں جو ایک عرصہ سے ظلمت کے سبب سیت
 سے الگ تھیں جب ان میں جان آرہی ہے تو ہم نوجوانوں کو کیا ہوا ہے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن
 صاحب کا ہاتھ نہ بٹائیں۔ آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ترقیاں دو قسم کی ہوا کرتی ہیں۔
 ایک بین الاقوامی اور ایک مقامی۔ کانگریس نے جہاں ملک کو آزاد کر کے بین الاقوامی ترقیوں کی
 فہرست بنائی ہے وہاں مقامی ترقی بھی کسی درجہ کم نہیں ہے۔ آپ نے گورکھ پور کا ذکر کرتے ہوئے

فرمایا کہ پبلک کی سہولتوں کا خیال کر کے حکومت دیواریا سے کینا ہوتے ہوئے نو تنواں تک ریلوے لائن نکال رہی ہے۔ کیا یہ پبلک کا فائدہ نہیں ہے۔ فریڈرنگٹن سے نو تنواں پہنچنے کے لئے حکومت پختہ ٹرک بنوا رہی ہے۔ کیا یہ کام نہیں ہے۔ روڈوں دریل سے پھوٹے ہوئے سوتے کی درنگی پر حکومت نے ۲۸ لاکھ روپیہ خرچ کیا ہے۔ کیا یہ جنتا کی خدمت نہیں۔ آپ نے مخالف جماعتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جواہر لال نہرو کے اعلان کے بعد اندر سوشلزم وغیرہ کے لئے سہولتوں کے اقرار کے بغیر کوئی ان کے لئے گنجائش ہی نہیں رہتی پھر ان کو روڈ دینے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ مولانا کی تقریر جاری تھی۔ مجمع پر ایک سکوت طاری تھا۔ ایک گھنٹہ تقریر کر کے آپ نے جلسہ کو ختم کر دیا۔ لیکن لوگوں کی خواہش یہی ہے کہ یہ حضرات یہاں کا ایک دورہ اور کریں۔ امید ہے کہ ان کی ذات سے کافی فائدہ ہوگا۔ میں مولانا کی تقریر کو پورے طور پر ضبط نہیں کر سکا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس کو اخبار میں شائع کر اگر شکریہ کا موقع دیں گے۔ فقط والسلام

لطف اللہ خاں زمیندار۔ علاقہ بیردا۔ گورکھ پور (بی پی)

۵ فروری ۱۹۵۵ء۔ شری جہانپنھی ادیوگ شالہ۔ ۳۰۔ دریا گنج دہلی

مکرمی مولانا حبیب الرحمن صاحب زاد عنایتکم

تسلیم۔ مندرجہ ذیل اصحاب پرانے تجربہ کار کئی کئی بار کے جیل یا تری ہیں اور اس وقت ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یہ لوگ اپنی بیٹی خود سنائیں گے۔ کس قدر ان کو ذلیل و خوار ۱۹۴۷ء و ۱۹۴۸ء کے ماڈل دالوں سے ہونا پڑ رہا ہے۔ یہ سب اصحاب روہتک ضلع کے درکرز اور باشندے ہیں اور اب بھی وہیں کام کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ لالہ من سکھ رائے جین محلہ منڈا لیاں قصبہ روہتک۔ دہلی کا پتہ : مکان نمبر ۲۲ انصاری روڈ۔ دریا گنج۔ دہلی

۲۔ شری مراری لال سیننی سابق داس پرینڈنٹ میونسپل کمیٹی روہتک۔ سیننی پورہ روہتک

۳۔ شری سوامی آتما نند سینیا سی سچالک ہریجن آشرم نزد گوکرنی روہتک سابق میونسپل کمشنر روہتک۔

۴۔ شری تلسی رام محلہ بابره روہتک۔

۵۔ شری رام سنگھ کانگریس ڈیپلیٹ موضع مٹرا تحصیل جھجر ضلع روہتک۔

۶۔ شری مگلی رام سابق پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی ضلع روہتک۔ مال دید جھجر ضلع روہتک۔

۷۔ شری بدی پرشاد کالا۔ ڈیپلیٹ کانگریس ساکن قصبہ مہم تحصیل گوبانہ ضلع روہتک۔

۸۔ شری جگدل کانگریسی ساکن ضلع کاسنی تحصیل و ضلع روہتک۔

۹۔ شری لالچ رام ساکن ماروت۔ تحصیل و ضلع روہتک۔

۱۰۔ شری دیدپال کانگریسی ضلع سوہدانہ تحصیل و ضلع روہتک۔

۱۱۔ شری ہیرالال ٹھیکیدار محلہ سلارہ روہتک۔

۱۲۔ میں خود — اور بہت سے نام دیئے جاسکتے ہیں مگر یہ اصحاب تو ضرور کنونشن

میں شامل ہونے والے ہیں اور سرگرم حصہ لینے والے ہیں۔ کچھ اصحاب اور بھی بروقت شامل ہو سکتے ہیں۔

دولت رام گپتا

۲۶ فروری ۱۹۵۵ء۔ چتوڑ گڑھ۔ راجستھان۔ وشنٹ سوامی وشنٹ آشرم

محترم مولانا

الذات نامہ ملا۔ شکریہ۔ نہرو جی کے پاس میرا پتہ بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔؟

آپ نے جو پروگرام بنایا ہے۔ ٹھیک ہے۔ مگر اب ہمارا اور آپ کا کون سا تعلق ہے؟ جو ان بدعنوانوں

کو دور کرنے میں مددگار ہو۔ اب تو ہمیں خدا پر بھروسہ کرنا ہے اور کسی کو نے میں بیٹھ کر دنیا کے

لوگوں کے لیے نیک دعائیں کرنا ہے۔ باپ کی آگیا کے انوسار اپنی آتما کی آواز پر جو مناسب ہو کام

کرنا ہے۔ جب سے میں آیا ہوں بیکار نہیں بیٹھا۔ سیکڑوں کا دل میں پیدل گھوم کر اپنے مذہب

کے مطابق انوساس کے دھرم کے مطابق ان سے چوری پیشہ اور شراب وغیرہ چھوڑنے کا عہد لیا ہے

اب آپ خود خیال فرمائیے۔ نہ تو آپ کو کسی گدی کی ضرورت ہے نہ مجھے۔ کام ہی تو کرنا ہے۔ مرتے

دم تک یہ جسم اور روح کا رخیہ میں صرف ہو جائیں تو اچھا ہے۔ آج کا مغرور کانگریسی خود تو گمراہ

ہے ہی بعض دفعہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ بیچارے نہرو کو بھی بعض دفعہ غلط اطلاعات پہنچا کر سچے مارگ سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے ایک دفعہ قید ہو کر یا سختی جھیل کر مجھے دیش کے لئے اور صوبہ کے لئے دائمی پتہ مل گیا ہے۔ افسوس ہے کہ باپو کی طرح کا اڈا دل نہیں واقع ہوا۔ اور اپنی غلطیوں کو محسوس کرنے والا نہیں رہا۔ باپو سے جب کوئی غلطی ہو جاتی تھی وہ اسے محسوس کرتا تھا۔ اور کھلم کھلا اپنی غلطی کا اقبال کر کے اخباروں کو بیان دے دیتا تھا۔ آج اس کے پلے کا کوئی بھی دیکھتی نہیں رہا۔ اب تو ہم کو یہی واجب ہے کہ مرتے دم تک اپنے پیش کے لئے ہی نہیں بلکہ سنسار بھر کے لوگوں کے لئے نیک دعائیں کریں۔ آپ نے اور ہم نے جو لڑائی لڑی وہ کامیاب رہی۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ جو شخص آم لگائے وہی اس کے آم کھائے۔ ہو سکتا ہے وہ کھالے لیکن اس کا نیک مقصد تو یہی ہونا چاہئے، اس کے ہزرگوں نے آم لگائے۔ دنیا ان پھلوں کے مزے لے کر ان کو یاد کرے یا نہ کرے لیکن خدا کے حضور میں وہ درخت لگانے والے نیک ہی تصور ہوں گے۔ آج تو پر دپگنڈہ یگ ہے۔ پر دپگنڈہ کرنے والا ٹھیک اور درست خیال کیا جاتا ہے۔ خاموش سیوک کا پر دپگنڈہ کون کرے۔ نہ اسے پر دپگنڈہ کی ضرورت ہے۔ شاید میری رائے سے متفق ہوں یا نہ ہوں۔ ہمارا کیرکڑ دن گزرتا جاتا ہے۔

کیا آپ مہربانی فرما کر لکھیں گے کہ یونائیٹڈ پریس آف انڈیا یا ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کو بیان سمجھنے کے لئے کچھ نقد دینا پڑتا ہے یا کہ وہ ایسے ہی چھاپ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کے نمائندہ کے بنا کوئی نہیں چھاپتا۔ میں ایک بیان یونائیٹڈ پریس آف انڈیا کو بھیجنا چاہتا ہوں کیا آپ میری کوئی مدد کر سکتے ہیں ؟

مولانا سچ کہتا ہوں آج دیش۔ بکرتی۔ اپنی تعریف اپنا لیش پھیلانے کی بھادنا بہت بڑھ گئی ہے۔ لیکن سچی سیوا کی بھادنا بالکل جاتی رہی ہے۔ پیرے لایق جو خدمت ہو لکھتے۔ جملہ اہل دیش کے لئے نیک دعائیں۔ کوئی غلطی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ خادمہ دشت

کوچہ رحمان چاندنی چوک - دہلی - ۲۷ فروری ۱۹۵۵ء

محترم جناب سردار گوردیال سنگھ صاحب سندھو

جے ہند۔! امید ہے کہ آپ بالکل خیریت سے ہوں گے۔ میں اپنے مخلص دوست لالہ بدی ناتھ کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ یہ بھی آپ کی طرح سچے اور مخلص انسان ہیں زمین کے سلسلے میں آپ ان کی ضرورت اور اد فرمائیں۔ لالہ جی نے آج تک حکومت سے کوئی چیز حاصل نہیں کی ہے۔ زیادہ آداب۔ (مولانا) حبیب الرحمن لدھیانوی۔

چتور گڑھ - ۳ مارچ ۱۹۵۵ء

محترم مولانا - جے ہند

۱۔ نوازش نامہ ملا۔ شکریہ۔ جس طرح رامہو کیتوا ہر چند مالہ سورج کو گرہن لگا لیتے ہیں اسی پرکار نیک کانگریسیوں کے گرد اگر دغود غرض، مطلب پرست، زر پرست لوگوں نے رامہو کیتوا کا روپ دھارن کر کے ان کو گرہن لگا دیا ہے۔ خارا انھیں اس رامہو کیتو روپی جتنے سے بچائے۔

۲۔ ایٹم بم۔ ہائیڈروجن بم وغیرہ تیار ہو چکے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ وغیرہ ممالک اس کی آزمائش ایشیائی دیشوں پر ہی کریں گے یا ایشیائی سمندروں پر۔ ایشیا تباہ ہوگا۔ مگر بچے وہ بھی نہیں رہیں گے۔ غرضیکہ ہم قیامت صغرا کے دہانے پر کھڑے ہیں۔ ہم کو قیامت نظر بھی آ رہی ہے لیکن اعمال بد میں دنوں دن اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ باوجود اس قیامت کے آثار نظر آتے دیکھ کر بھی ہر آدمی نے دھن کے لالچ میں اخلاق، چال چلن غرضیکہ اپنا سب کچھ تباہ کر دیا ہے۔ سادھو سنت اور نیک درویش منہ لگ رہے ہیں۔ شاید پھر کوئی مہاتما پیدا ہو جائے جو اس دنیا کو تباہی سے بچائے۔ مولانا زلزہ کوٹہ۔ ایام تباہی آبادی میں لوٹ مار، غارت گری۔ عورتوں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ۔ شائع عام مپان کی پوتر تلے سے کھیل جو کھیل اگیا۔ یہ تو آپ کے اور میرے سامنے ہوا۔ لیکن ہم اور آپ سولے خاموشی کے اوکھا کر سکتے تھے۔ یورپ کے سائنس دانوں کے دماغوں نے ان اور شافٹی کی راہیں تلاش کرنی چھوڑ دی ہیں۔ تباہی کے راستے پر گامزن ہیں۔ ہمارے بھائی ہیں ممکن

ہو سکتا ہے وہ اس کو ہی امن سمجھنے میں راستی پر ہوں۔ پر ہمارے خیال میں یہ راستہ گمراہوں کا ہے
 درویشوں اور نیک بندوں کا نہیں۔ آؤ لی کر دعا کریں کہ خدا انہیں عقل سلیم عطا کرے اہل و عیال
 کے لئے نیک خواہشات۔
 سیوک دشت سوامی

چتر گڑھ - ۹ مارچ ۱۹۵۵ء

بڑھے جرنیل قابل عزت مولانا حبیب الرحمن صاحب

جے ہند آج کے اخبار میں یہ خبر پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی کہ آپ کو پنڈت جواہر لال جی
 کی سفارش پر کانگریس کمیٹی کا ممبر چنا گیا ہے۔ کاش آپ اس عمر میں بنی نوع انسان کی کوئی بہترین
 خدمت سرانجام دے سکیں۔ آپ نے جتنی تکالیف اٹھائی ہیں میں ان کو سب سے بہتر جانتا ہوں
 مگر کیا آپ ان بدعنوانیوں کو مٹانے میں کامیاب ہو گئے۔ کیا آپ ان بدعنوانی کا قلع قمع کرنے کے
 لئے جدوجہد کریں گے جو ہماری بہترین جماعت کانگریس میں آچکی ہیں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کامیاب ہوں۔ کانگریس کے اندر جا کر آپ ملک کے لئے مفید
 ثابت ہوں گے۔ بشرطیکہ آپ نے کسی بھی جماعت کی یا فرد کی رو رعایت کا خیال نہ کیا۔ خدا سے دعا ہے
 آپ کامیاب ہوں۔ میں کل ۸ مارچ کو ہی ایک چٹھی برائے رشید بادکار خود حوالہ ڈاک کر چکا ہوں
 اہل و عیال کے لئے دعائے خیر۔ آپ کا پرانا ساتھی دشت سوامی چتر گڑھ
 چتر گڑھ - ۱۶ مارچ ۱۹۵۵ء

محترم بھائی صاحب!

نوازش نامہ ملا۔ شکریہ! میرے کام کے لئے آپ کی نیک دعا بھی موصول ہوئی مزید
 شکریہ۔ یہ زندگی عطیہ خدا ہے اسی کی راہ میں صرف ہونی چاہیے۔ بندگان خدا کی خدمت ہی
 ہم لوگوں نے شعار بنایا تھا۔ افسوس کہ ہمارے ساتھی الگ الگ ہو گئے۔ آج خان بادشاہ سرحدی
 گاندھی کو یاد کر کے ان کی تکالیف اور دکھوں کا احساس کر کے جی بھرتا ہے۔ انسان نے سب سے
 زیادہ گناہ خون خرابہ کر کے، عورتوں کی بے حرمتی کر کے، ظالمانہ حرکات کر کے اس وقت کیا ہے

جب کہ تبادلہ آبادی ہو رہا تھا، ان انسانوں کو انسان کہنا ہی انسانیت کو بدنام کرنا ہے۔ شیطان بھی تو ان حرکات کو دیکھ کر کانپ اٹھا ہوگا۔ بھائی صاحب! کیا کہوں آج ہی چار نذر کے بعد غریبوں کا حال دیکھ کر آ رہا ہوں۔ جن کے تن پر کپڑے نہیں۔ سونے کے لئے بستر نہیں۔ زمین ہی ان کی چار پائی ہے۔ ظالم بنے جو کہ اپنے منہ پر پٹی باندھ کر انہونی اسودھرا کہتے ہیں۔ اور قرض دینے والے سا ہو کاروں نے ان کے تنوں کو بنجر بنا دیا ہے۔ کاشش نہر دجی ان کے گھروں میں ایک رات گزاریں۔ میں تو دن رات ان کے گھروں میں گھومتا ہوں۔ ان کی نکالیف نکلتا ہوں۔ بنے ان کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ غریب حساب سے بے بہرہ ہیں۔ آپ نہر دجی سے کہیں، دھیر صاحب سے کہیں کہ خاموشی سے آکر ان کے گھروں میں ایک رات رہیں۔ آپ کو کیا کہوں، پھونسا رہا گاؤں میں ٹھہرا۔ جو یہاں سے چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ ان کے ہاں ایک گلاس تھا جس کی قیمت مشکل چھ آنے ہوگی۔ ظالم بنے نے دو روپے قیمت لی تھی۔ ان کے یہاں ایک پیتل کا برتن دیکھا جس کی قیمت تین روپے ہوگی۔ مگر بنے نے دس روپے وصول کئے ہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کوئی ان کا بھاد بتلانے والا نہیں میں سمجھتا ہوں ہمارے معزز نیتا نہر دجی کے سامنے بڑے بڑے کام ہیں مگر ان کے دوسرے پریش آف دینے (سابق) کی طرح کرائے جاتے ہیں۔ بہت شان و شوکت کی جاتی ہے۔ لاکھوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں جو کسی طرح مناسب نہیں ہیں۔ حکومت میں بنیا عنصر زیادہ گھس آیا ہے جو کہ گاندھی مارگ کو بگاڑ کر اپنا مارگ چلا رہا ہے اس میں شک نہیں کہ ملک ترقی کر رہا ہے۔ مگر ایسی ترقی کس کام کی جس میں غریب پر ظلم ہو رہا ہے۔

نوٹ: کیا آپ ملاپ کے وہ پرچے بھیج سکتے ہیں جس میں اس نے میری فوٹو اور میرا پروف گرام پر کاشت کیا ہے۔ کیا اور اخباروں نے بھی خبر پر کاشت کی ہے یا کہ نہیں۔ محترم بھائی صاحب! میں تو ان غریبوں کی حالت کو دیکھ کر روتا ہوں کہ کس طرح ان کی حالت کو سدھارا جائے۔ جب تک ظالم سا ہو کاروں کے پنچوں سے انھیں نجات نہ دلائی جائے۔ تب تک کلیان نہیں ہو سکتا۔

آپ کا پرانا ساتھی۔ دیشٹ سوامی

قبلہ دکعبہ جناب حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی عرصہ کے بعد جناب والا کی خدمت میں یہ عریضہ ارسال کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ غالباً جناب کے علم میں ہوگا کہ تقریباً ایک سال سے میرا تبادلہ کھنڈ سے گورکھ پور کا ہو گیا ہے۔ یہاں پہاڑ و ہوا خراب ہونے کی وجہ سے اور میرے سلسلہ ملازمت میں دورے پر رہنے کی وجہ سے بچوں کو بریلی میں ہی پہنچا دیا ہے۔ میرے پاس آپ کا جو پتہ تھا برستی سے گم ہو گیا تھا۔ آج اتفاقاً ہاتھ آگیا۔ امید ہے آپ مجھ کو اس عرصے میں جو خط و کتابت نہ کر سکا معاف فرمائیں گے۔

میں آج کل کافی پریشان ہوں۔ ایک تو گھر سے دوسری۔ دوسرے گھر میں کی علالت۔ اسی عرصے میں دو لڑکوں کا انتقال بھی ہو گیا۔ ایک لڑکے کے انتقال کی خبر یوم کے بعد موصول ہوئی، گھر میں بھی علالت کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ کوئی بظاہر صورت ایسی نظر نہیں آتی کہ میرا تبادلہ بریلی کا ہو جائے بہر حال دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ میری ان پریشانیوں کو دور فرمائے۔ آمین

اخبارات کے ذریعہ معلوم ہوا کہ جناب والا نے سیاست میں دوبارہ حصہ لینے کا فیصلہ فرمایا ہے میں آپ کا بچہ ہوں اور ساتھ ہی وفادار سپاہی۔ میرے لائق جو خدمت ہو ہر وقت تیار ہوں۔ کیا آپ کا ارادہ دوبارہ مجلس احرار کو زندہ کرنے کا ہے یا نہیں۔ اگر اس سلسلہ میں موجودہ احرار لیڈروں کی روش سے مجبور ہو کر کچھ حضرات اس امر کی کوشش کریں کہ وہ جماعت کو چلائیں تو حضور ان کی سرپرستی فرمائیں گے یا نہیں۔ براہ کرم جواب سے مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔ جواب آنے پر آئندہ اپنا پروگرام تحریر کروں گا۔ فی الحال میرا پتہ یہ ہے۔

ریاض الحسن بریلوی۔ کلرک موبائل شاپ

۳۔ معرفت اسٹیشن ماسٹر صاحب این ریلوے۔ بنارس کینٹ

آپ کا خادم۔ ریاض الحسن شمس بریلوی

بھوپال ہاؤس گھیاڑی منڈی لکھنؤ۔ ۳ مارچ ۱۹۵۵ء

محترم و معظّم جناب مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عرصے سے کوئی عریضہ نہ پہنچ سکا۔ کارڈز مسلسل آنجناب پہنچا
پاسپورٹ گھر پہنچے۔ ۲۸ فروری کو سب کو پاکستان روانہ کر دیا۔ الحمد للہ بحیریت پہنچ گئے۔ جو غریب
پاکستان جانا چاہتا ہے وہ انکم ٹیکس دفتر کے طواف کرتا ہے۔ بندگان خدا کسی کا سفر ریل سے، انکم
ٹیکس سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہے۔ لاگروڈ ہلی سے احکام جاری کرا دیں تو ملک زحمت سے بچ جائے۔ وصی
صاحب ہنوز اسپتال میں ہیں۔ حالت قابل اطمینان ہے۔ اس عرصہ میں نفع کافی معلوم ہوتا ہے۔

پیشاب جلد جلد اس راستے سے ہونے لگا۔ دفعتاً پیشاب کا مقام متورم ہو گیا۔ دوسرے دن سلائی
پاس کی گئی جس سے بہت تکلیف ہو گئی۔ غریب بے حد پریشان ہیں۔ بار بار دہی دکھڑا دہراتے ہیں کہ
کانگریس کی خدمت عمر بھر کی۔ میری دجونی، فاقہ کشی کا کوئی خبر لینے والا نہیں۔ جس کے کام سے دہلی گیا
تھا انھوں نے خبر تک نہیں لی۔ اس لئے میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ بھائی صبر رکھو تم کو وقتاً فوقتاً دے
رہا ہوں اسپر اکٹفا کرو۔ اپنے رب کو یاد کرو۔ آپ نے سوائے ذرار کے دربار میں حاضری کے کسی
غریب کی ماتم پرسی کی جن سے آپ کو شکایت پیدا ہو گئی ہے۔

دینا نام ہے وجاہت پرستی کا۔ آپ انسان ہیں جن کے ہاتھ میں طاقت ہوگی لوگ ان کی طرف
ہی رجحان ہوں گے۔ بہر حال خصوصی اوقات میں وصی بے چارے کے لئے دعا فرمائیے۔ ادھر مقامی الیکشن
میں کانگریس کی طرف کام کیا۔ اندازہ یہ ہوا کہ مسلمان عام طور سے کانگریس سے بہت بد دل ہے
چنانچہ اکثریت سے ووٹ کانگریس کے خلاف دیئے۔ یہاں ذرار میں محض گیتا جی ایسی شخصیت ہے
کہ وہ مسلمان کی سن لیتے ہیں۔ ان کے نام پر اور اپنے اثرات سے جو ووٹ حاصل کر سکا حاصل کئے۔ ارادہ
ہے کہ کسی دن گیتا جی کو اپنے گھر پر بلا کر مشورہ دوں کہ مسلمان کو اپنانے کی فکر کیجئے۔ ورنہ مستقبل بہت
تاریک ہے۔ خواہ میرے ذریعے سے، خواہ کسی اور ذریعے سے مقامی حکام تک مسلمانوں کا درد دکھ پہنچا
کا انتظام کریں مسلمان کس پرسی کی منزل سے ہٹے تو کام بنے۔ مجھے امید ہے کہ گیتا جی ضرور کچھ

کریں گے۔ ان کو مجھ پر اعتبار ہے اور مجھے ان پر اعتماد ہے۔ اس سلسلہ میں جناب بھی مجھے مشورہ دیں
 کہ کیا طریقہ کار ہو۔ میرے نزدیک ہر ضلع میں کوئی نہ کوئی شخصیت مسلمان کی گورنمنٹ ایسی بنادے
 کہ جس کے ذریعے سے مسلمانوں کا روزمرہ کام کچھ نہ کچھ نکل سکے تاکہ موقع پر وہ شخص مسلمانوں کو کانگریس
 کی طرف بلا سکے۔ جن سنگھ کا زیادہ دوش حاصل کرنا نہایت تشویشناک ہے۔ والسلام
 آپ کا خادم شیخ اقبال علی (دکیل لکھنؤ)

بھوپال ہاؤس۔ لکھنؤ۔ ۲۲ جولائی ۱۹۵۵ء

معظم و محترم جناب مولانا صاحب

سلام مسنون۔ گرامی نامہ مورخہ ۱۷ جولائی کو موصول ہوا۔ اللہ پاک اپنے حبیب کے صدقے
 میں آپ کو صحت کلی عطا فرمائیں۔ آمین۔ مجھے یہی امید تھی جیسا جناب نے تحریر فرمایا کہ میرے کام کے
 لئے ہر وقت تیار ہیں۔

اصل کام تو کسی غیر ملک میں بحیثیت نمائندہ ہندوستان پہنچانا ہے جس کے لئے جناب سلسلہ
 جنبانی فرما چکے ہیں۔ اس وقت ایک موقع یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لوک سبھا کی نامزدگی منجانب
 گورنمنٹ کے لئے کوشش فرمائیں۔ گیتا جی دسمپورنا نندہ جی ویزنپت جی سے کہنا ضروری معلوم ہوتا
 ہے۔ وہی صاحب کو خاص طریقے سے بھیج رہا ہوں کہ زبانی بھی عرض کریں۔

جہاں تک میری خدمات کا تعلق ہے میں کبھی مسلم لیگ کا ممبر نہیں رہا۔ ہر الیکشن میں دل جان
 سے کانگریس کے لئے کوشش کی اور اب بھی کر رہا ہوں، آئندہ بھی کروں گا۔

آل انڈیا مسلم کشمیر کانفرنس جو بھارت میں الحاق کے سلسلہ میں پہلی کانفرنس تھی اس کو
 کامیاب بنانے میں تقریباً کل روپیہ اپنی جیب خاص سے صرف کیا اور اس کو کامیاب بنایا۔ یہ
 کانفرنس انڈیا پر دیش گورنمنٹ و بھارت سرکار کے ایما سے ہوئی۔ میں نے دل و جان سے اس میں
 دل چسپی لی اور وقت صرف کیا۔ والسلام

دعائے خیر کا طالب۔ آپ کا خادم۔ شیخ اقبال علی (دکیل لکھنؤ)

بھوپال ہاؤس گھسیاری منڈی لکھنؤ۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء

محترم و محترم جناب مولانا صاحب (المحاج)

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خط مورخہ ۲۲ ستمبر آج ملا سفر حجاز کی داپسی پر مبارکباد
خیر و برکات سے مالا مال دعاؤں کا طالب ہوں۔ حسب ارشاد جناب کے لئے دعا کرتا ہوں۔ صحت کا
اب کیا حال ہے کیا لکھنؤ تشریف لانے کا قصد ہے۔ اگر ہے تو کب تک!

میرے ایک عزیز دوست جو بائیس سال سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں عرصہ ۴ ماہ سے یہاں
میرے ساتھ مہتمم متعلقین مقیم ہیں۔ بسلسلہ علاج تشریف لائے تھے۔ وہاں باغات شاہی کے
انچارج میں۔ جلالتہ الملک بالخصوص ان پر مہربان ہیں۔ ایک ہزار ان کی تنخواہ تھی۔ پوری تنخواہ
پیشن ہو گئی۔ ان کے بڑے لڑکے کو ان کی جگہ ایک ہزار تنخواہ کے ساتھ مقرر کر دیا۔ بڑی خبریوں کے
انسان ہیں۔ زمانہ سچ میں جانے والے تھے مگر نہیں جاسکے۔ میں نے آپ کا ذکر ان سے کر رکھا تھا
اگر گئے ہوتے تو شاید آپ کی ضرورت خدمت کرتے۔ ان کو آپ سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہو گیا تھا
اور ہے۔ ابھی پندرہ، بیس دن یہاں رہیں گے۔ اگر دہلی ان کا جانا ہوا تو آپ سے ضرور ملیں گے۔
آپ ان سے مل کر اردوہ آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔

یہاں اپنے دوران قیام سنبھال کر کے مجھے ڈاڑھی رکھوا دی۔ اب زور دے رہے کہ میرے
ساتھ عرب چلو۔ جلالتہ الملک عرب سنبھالے کہ آخر اکتوبر میں دہلی آرہے ہیں۔ ممکن ہے آپ کو اس
سلسلے میں معلومات ہو۔ کیا ان کا پروگرام لکھنؤ میں آنے کا بنا ہے۔ اگر اس سلسلہ میں جناب کوئی اطلاع
فراہم کر سکیں تو بڑی عنایت ہوگی

اب تو موسم اچھا ہو رہا ہے۔ دودن کا موقع لکھنؤ تشریف آوری کا نکالئے۔ مگر واضح رہے کہ لکھنؤ
میں جب بھی آپ تشریف لائیں، قیام غریب خانہ پر ہوگا۔ دسی صاحب بے پارے اب چلنے پھرنے کے
قابل ہو گئے ہیں مگر ابھی ایک آپریشن ان کا اور ہوگا۔ یہاں بفضلِ تعالیٰ سب خیریت ہے۔ والسلام
آپ کا خادم۔ شیخ اقبال علی (ایڈوکیٹ)

بھوپال ہاؤس گھسیاری منٹری۔ لکھنؤ۔ ۸ دسمبر ۱۹۵۵ء

معظم و محترم جناب مولانا صاحب زاد لطفہ

سلام سنون۔ کارڈ ملا۔ دہلی صاحب اور مولوی صاحب کو پڑھ کر سنایا۔ دہلی سے روانگی کے وقت یہ معلوم ہوا تھا کہ جناب رائے پور حضرت اقدس کی خدمت میں تشریف لے جانے والے ہیں اس لئے خط نہ بھیجا۔ یہاں پہنچنے پر دہلی صاحب نے اہالیان شہر کو جمع کر کے عرب۔ ہندو دوستی کی ایک ایسوسی ایشن قائم کی جس میں باتفاق آرا مجھے جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا۔

اس کے دو ہی چارٹرڈ بعد بصارت الحاج محمد یوسف صاحب نقشبندی ایک پہلک جلسہ اعلیٰ حضرت جلالتہ الملک شاہ سعود اول کے شاہانہ خیر مقدم کرنے اور مبارک باد پیش کرنے کے لئے کیا گیا اس میں دو ریزولیوشن پاس ہوئے اور عرب ہندو دوستی کے سلسلے میں جو ایسوسی ایشن قائم ہوئی اس کی اطلاع بذریعہ تار جلالتہ الملک شاہ سعود اول دلی بخارہ حجاز کو بذریعہ عرب لیگیشن نئی دہلی کی گئی اور دوسری اطلاع اپنے ہر دلعزیز رہنما پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند کو بھی دی گئی اور جلسہ کی کارروائی بھی بذریعہ ڈاک بھیج دی گئی۔ اس کی ایک کاپی جناب کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں ملاحظہ فرمائیے دوسری چیز یہ کہ امروداگر حکم ہو تو بذریعہ پارسل فوراً روانہ کر دوں یا بدست محمد یوسف صاحب صاحب نقشبندی بھیجوں۔ محمد یوسف صاحب ۱۵ دسمبر کے بعد دہلی حاضر خدمت ہوں گے۔ فوژان صاحب کے قیام دہلی کی بابت اگر جناب کو اطلاع ہو تو تحریر فرمائیے گا۔

مولانا عزیز الرحمن و مولوی حبیب الرحمن صاحب کی خدمت میں سلام سنون۔ خدا کرے مولانا خلیل الرحمن کا

مزاج بخیر ہو۔ ان سے نہ ملنے کا افسوس رہا۔ فقط والسلام

آپ کا خادم۔ شیخ اقبال علی (ایڈریٹ)

بشن جے پوری۔ ڈسٹرکٹ کلاتھ امپورٹر۔ سروجنی نائیڈو مارگ لکھنؤ۔ مارچ ۱۹۵۵ء

کرم فرمائے من جناب حبیب الرحمن صاحب جی

تسلیم میری صرف آپ سے اس قدر ہی واقفیت ہے کہ میں چودھری برکت اللہ برادر چودھ

رحمت اللہ صاحب کے ساتھ آپ سے ملا تھا۔ اور میں بھی بھاول پور کا ہوں۔ میرے ایک دوست بھائی حاجی محمد حسین صاحب ہیں بھاول پور اور دوسرے حافظ منظور حسین صاحب بھاول پور سے باہمراہی پیر صاحب گوہرہ شریف بصیر شریف زیارت کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ جو ۵ مارچ ۱۹۵۵ء کو دہلی واپس بعد زیارت پہنچ رہے ہیں۔ گو انھوں نے دہلی کا ایڈریس نہیں لکھا۔ لیکن آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ صاحبان کہاں ٹھہریں گے۔ حاجی صاحب مجھے لکھنؤ آکر ملنا چاہتے ہیں۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ وہ مجھے اور میرے بچوں کو یہاں آکر مل جائیں اور حافظ صاحب بھی ساتھ تشریف لادیں۔ اگر ان کے ساتھ پیر صاحب بھی تشریف لادیں تو زہے قسمت۔

ان کو دہلی سے لکھنؤ آنے کی اجازت چاہئے۔ آپ اپنے رسوخ اور اقبال سے فوراً اجازت دلا سکتے ہیں۔ میں خود حاضر ہوتا۔ لیکن ۶ مارچ کو میرے ایک اور دوست بھاول پور سے سیدھے لکھنؤ مجھ سے ملنے آرہے ہیں۔ اس لئے میں لکھنؤ نہیں چھوڑ سکتا۔ ۸ سال کے جدا ہوئے بھائیوں کا ملا دینا ثواب عظیم ہے جو آپ اٹھا سکتے ہیں۔ میں مجبور ہوں، جو دوست میرا اس دن آ رہا ہے میں اس کے لئے بھی یہاں سے غیر حاضر نہیں رہ سکتا۔ کیا آپ میرے لئے اس قدر تکلیف گزارا فرما کر مجھے تمام عمر کے لئے زیبا احسان کریں گے؟ گو میرا معمولی واقفیت کی بنا پر کوئی حق نہیں ہے۔ تاہم ایک نیک انسان سے التجا کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ اس لئے یہ جرات کی گئی ہے۔

میں نے اجیر شریف بھی آج ایک دوست کو تار دیا ہے کہ وہ وہاں سے ہی لکھنؤ کے لئے اجازت لے دیں۔ لیکن کیا خبر کہ وہ دوست وہاں سے غیر حاضر نہ ہو۔

نیاز مند۔ بشن جے پوری

گوئین روڈ لکھنؤ۔ ۳ مارچ ۱۹۵۵ء

مخدومی و محترمی زید مجاہد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہو گا۔ آپ سے دہلی میں اس عجلت اور ردا روی میں ملاقات ہوئی، جس کو ملاقات کہنا صحیح نہیں۔ میں اگلے ہی روز سفر پر روانہ ہو گیا

اور چار روز سفر میں لگ گئے۔ اب ایک جگہ بھینٹا نصیب ہوا تو آپ کی خدمت میں یہ عرض پیش کر رہا ہوں
 مجھے دہلی میں اور بھی دوسرے مقامات پر یہ معلوم کہ کے سخت حیرت اور کلفت ہوئی کہ ابھی تک
 آپ کو میری حقیر ذات کے متعلق وہی غلط فہمیاں ہیں جن کی تردید بار بار کر چکا ہوں اور اپنی دانست میں سمجھتا
 ہوں کہ آپ کو اطمینان حاصل ہو چکا ہے۔ میں آپ کی ذات کو اس سے کہیں بالاتر سمجھتا ہوں کہ بغیر
 کسی واضح ثبوت کے آپ کسی شخص کے متعلق کوئی رائے قائم کریں گے اور پھر اس کی تردید اور اظہار
 برائت کے باوجود اس پر اصرار فرمایں گے اور اس کا مختلف مجالس میں اظہار و اعلان بھی فرماتے
 رہیں گے۔ البتہ میں نے آپ کو جو مقام عطا فرمایا ہے اس سے یہ بات بہت قریب ہے کہ آپ اپنے چھوٹے
 اور نیا زہندوں کی ذات کو مستقل موضوع سخن بنالیں۔ میرا گزشتہ سفر مشرق وسطیٰ کوئی راز سر بستہ
 نہیں اس میں جو کچھ مجھے کہنے کا موقع ملا وہ سب میری مفصل ڈائری میں چھپ گیا ہے۔ اس کے اثرات
 کے متعلق سیفر ہند متعینہ حجاز سے پوچھا جاسکتا ہے۔ اتنا بلا مبالغہ عرض کروں گا کہ عرصہ دراز سے
 کسی ہندوستانی کے سفر سے اتنا بہتر اثر نہیں پڑا اور مسلمانان ہند کا اتنا بلند اور دقیق تصور قائم
 نہیں ہمارا اور ان کے اداروں اور ان کی زندگی کے مختلف مظاہر و مراکز کا اتنا مؤثر تعارف
 نہیں ہوا جتنا اس حقیر کے سفر سے ہوا۔ اور یہ سب کسی مصلحت یا منفعت کے ماتحت نہیں ہوا بلکہ
 اپنے ضمیر اور عقیدہ کے مطابق ہوا جس پر کسی انعام یا خوشنودی کا طالب نہیں۔

رہا اخوان کا معاملہ، تو میرا تعلق ان سے محض اتنا ہی ہے جتنا ایک صاحب احساس اور صاحب
 ضمیر کا ہو سکتا ہے۔ ان سے میرا کوئی عملی ربط یا ضابطہ کا تعلق نہیں۔ ان کے تازہ حالات سے بھی
 بے خبر ہوں۔ میں چونکہ ممالک عرب کے حالات سے واقف ہوں اور مجھے ان کا گہرا اور تفصیلی مطالعہ
 کرنے اور ان کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس لئے اخوان کی تحریک کو جس کا آغاز شیخ
 حسن البنا مرحوم نے کیا تھا ان ممالک کے لئے اسلام نشاۃ ثانیہ کا پیغام سمجھتا تھا۔ اس کے علاوہ
 وہ کوئی..... طاقت ور ہمہ گیر تحریک نہیں۔ جو شخص وہاں کی ملحدانہ تحریکات اور مخالف
 دین رجحانات سے واقف ہے اس کی اخوان کے ساتھ ہمدردی بالکل طبعی اور قدرتی ہے۔

مجھے جب ایسی اطلاعات ملیں تو میرے قلب کو سخت تکلیف پہنچی۔ اس اظہار تکلیف میں میری زبان سے جو کچھ نکلا اس کی معافی چاہتا ہوں تاکہ اس کا مواخذہ قیامت میں بھی باقی نہ رہے۔ آپ کی ہدایت سے امید یہی ہے کہ آپ درگزر فرمائیں گے۔ دوسری درخواست یہ ہے کہ مجھے ایک گوشہ نشین طالب علم سمجھ کر جو نہ کسی نفع میں ہے نہ ضرر میں۔ اپنا مسلک تو یہ ہے

ما قصہ سکندر و دارا بخواندہ ایم

از ما بجز حکایت مہر و وفا پیر

اس عرضہ کا جواب حسب ذیل پتہ پر عنایت ہو

ابوالحسن علی رے ۳ گوین روڈ۔ لکھنؤ۔ نیازمند۔ ابوالحسن علی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۳۔ گوین روڈ۔ لکھنؤ۔ تحریر آفس۔ ۲۱ جنوری ۱۹۵۶ء

مخدومی و محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ عنایت نامہ نے سرفراز کیا۔ الحمد للہ کہ مضمون آپ کو پسند آیا۔ یہ میرے لئے اطمینان کا باعث ہے۔ مرسلمہ مضامین پہنچے۔ دوسرے مضمون جسے انتخاب نے بعض روحانی واقعات اور اہل روحانیت کا حوالہ دیا ہے۔ میرے ناقص خیال میں اس کی عام اشاعت کچھ مفید نہ ہوگی بلکہ اس سے غلط فہمیوں کا اندیشہ ہے۔ غالباً وہ اشاعت عام کے لئے ہے بھی نہیں، آپ نے مخصوص اجاب کو بھیجا ہوگا۔

لکھنؤ کے احتجاجی جلسہ کی کارروائی آپ نے قومی آواز میں پڑھی ہوگی مولانا منظور صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں تقریباً وہی بات کہی جو آپ نے اپنے مضمون میں لکھی ہے۔ ضروری نہیں ہم لوگ اس سلسلہ میں مزید وضاحت اور تشریح کریں۔

الفرقان کے لئے دفتر میں کہہ دیا تھا۔ پھر انشاء اللہ کہہ دوں گا۔ اس بارے کہ فراج گرامی

بخیریت ہو گا یا بھی معلوم ہوا کہ الفرقان ارسال خدمت کیا جا چکا ہے۔ والسلام

خاکسار۔ ابوالحسن علی۔ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۲

لے مولانا علی میاں اس بات سے ناواقف تھے کہ پنڈت جی کو ان کے دعووں کی وجہ سے بڑی قسوتیں تھیں۔ اس قسوت کو دور کرنے پر لگے ہوئے تھے۔ جب علی میاں کا یہ خط آیا تو رئیس الاحمد نے یہ خط لے جا کر خود پنڈت جی کو سنایا

مخدومی و محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مزاج گرامی۔ عنایت نامہ نے سرفراز کیا۔ الحمد للہ کہ مضمون آپ کو پسند آیا۔ یہ میرے لئے اطمینان کا باعث ہے۔ مرسلمہ مضامین پہنچے۔ دوسرے مضمون جسے انتخاب نے بعض روحانی واقعات اور اہل روحانیت کا حوالہ دیا ہے۔ میرے ناقص خیال میں اس کی عام اشاعت کچھ مفید نہ ہوگی بلکہ اس سے غلط فہمیوں کا اندیشہ ہے۔ غالباً وہ اشاعت عام کے لئے ہے بھی نہیں، آپ نے مخصوص اجاب کو بھیجا ہوگا۔
لکھنؤ کے احتجاجی جلسہ کی کارروائی آپ نے قومی آواز میں پڑھی ہوگی مولانا منظور صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں تقریباً وہی بات کہی جو آپ نے اپنے مضمون میں لکھی ہے۔ ضروری نہیں ہم لوگ اس سلسلہ میں مزید وضاحت اور تشریح کریں۔
الفرقان کے لئے دفتر میں کہہ دیا تھا۔ پھر انشاء اللہ کہہ دوں گا۔ اس بارے کہ فراج گرامی
بخیریت ہو گا یا بھی معلوم ہوا کہ الفرقان ارسال خدمت کیا جا چکا ہے۔ والسلام
خاکسار۔ ابوالحسن علی۔ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۲۲
لے مولانا علی میاں اس بات سے ناواقف تھے کہ پنڈت جی کو ان کے دعووں کی وجہ سے بڑی قسوتیں تھیں۔ اس قسوت کو دور کرنے پر لگے ہوئے تھے۔ جب علی میاں کا یہ خط آیا تو رئیس الاحمد نے یہ خط لے جا کر خود پنڈت جی کو سنایا

از مہلا کالونی۔ کوارٹر نمبر ۱۳۔ گاندھی نگر دہلی۔ ۳ مارچ ۱۹۵۵ء

بخدمت جناب مولانا صاحب جے ہند

عرض خدمت ہے کہ چند دن ہوئے اخبار میں آپ کی طرف سے کچھ لکھے ہوئے چند حرفت پڑھے۔ پڑھتے ہی دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ بیان کروں میں اپنے آپ کا کچھ تعارف آپ سے کرا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ ایک آپ کا معمولی اور بے سمجھ بوجھ سا لکھتی ہوں۔ میں کمالیہ ضلع لائل پور پنجاب کا رہنے والا ہوں اور بچپن سے ہی دیش سیدو کا سبق پڑھاتا تھا۔ جب کہ بہت سے امتحان دینے پڑے اور ان میں کامیاب رہا۔ میرا خیال ہے کہ دس سال کی عمر سے لے کر آج جب کہ میری عمر ۳۵-۳۶ سال کی ہے کانگریس کی سیموا ہی نہیں، بلکہ ملک کے ہر ایک فرض کو سر انجام دیتا رہتا ہوں۔ یہ تو ایک بڑی لمبی چوڑی کہانی ہے۔ جو نہ میں لکھ ہی سکتا ہوں اور نہ ہی آپ پڑھ سکتے ہیں۔ آپ کے جب نیاز حاصل ہوں گے تو شاید زبانی عرض کروں گا۔ جب میں نے آپ کی طرف سے اخبار میں یہ پڑھا کہ آپ کانگریس میں دوبارہ تشریف لارہے ہیں۔ کانگریس کو اور بچا کرنے کے لئے۔ کیونکہ آپ نے یہ دیکھا کہ اب کانگریس گر رہی ہے اسے گرنے نہیں دینا چاہئے۔ کیوں؟ اس لئے کہ آپ کو کانگریس سے اتنا پیار ہے جس کو کہ سمجھنا بہت مشکل سا ہو جاتا ہے۔ مجھے بہت خوشی بھی ہوئی اور کچھ دل میں پریشانی سی ہوئی۔ اس لئے ہوئی کہ آپ جیسے مددگار انسان پھر ایک گرتے ہوئے کو تھامنے کے لئے آگے آ رہے ہیں۔ اس لئے میں آپ کا سواگت کرتا ہوں۔ اور مبارک باد پیش کرتا ہوں آپ کی خدمت میں۔ آپ بڑے حیران ہوں گے کہ پریشانی کا مطلب کیا میں ان چند حرفوں میں بیان کروں گا۔ زیادہ لمبائی میں نہیں لے جاتا (کہانی) آپ آ رہے ہیں کانگریس کو بچانے یا گری ہوئی کو اٹھانے۔ معاف کرنا جب ایک چیز کا وجود ہی نہیں رہتا تو اس کے اٹھانے یا بچانے سے کیا مطلب۔ کانگریس کو عوام کی حمایت تھی، کانگریس کے کار یہ کرتا کانگریس کے محرک در کرتے جو کہ آج کانگریس سے بالکل جدا کر دیئے گئے ہیں جن کی پوچھ تاچھ تمام ہندوستان کے اندر ختم کر دی گئی ہے۔ آج کانگریس کے اندر گند اعصر بھر دیا

دیا ہے۔ وہ درگزر جنہوں نے کہ دیش سیدو میں اپنی تمام عمر صرف کی اور بہت ساری قربانیاں کیں۔
 بس کی کہ تاب آج تک وہ نہ لاسکے۔ کسی نے پوچھا ان غریب درگزر کو آج ان کی حالت زار
 زدیکھے کہ کیا ہے۔ وہ مر رہے ہیں یا کہ جی رہے ہیں۔ انہی جی رہے ہیں تو کس کے سہارے جی رہے
 ہیں۔ مولانا صاحب معاف کرنا، آپ کے دل کے اندر یہ تو دچار پرگٹ ہوا کہ گرتی کانگریس کو
 تمام لیں۔ مگر یہ دچار پرگٹ نہ ہو سکا کہ کانگریس کے غریب درگزر جنہوں نے دیش سیدو کے لئے
 ن من دھن سب اپن کر دیا ہے۔ ان کی حالت کو سہارے کرنے کے لئے کچھ بیڑا اٹھایا جائے۔ ان
 وریب درگزر کی آواز کو اس دیش کی گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچایا جائے۔ جن درگزر کی بدولت
 گورنمنٹ بنائی گئی ہے۔ بہت سے دلوں میں دل میں ہیں مگر لکھے نہیں جاسکتے۔ قربانی کرنا یا سیدو کرنا
 اس دنیا میں غریب کا کام ہے۔ نہ کہ امیر کا۔ اب تو کانگریس صرف ایک امیروں کی جماعت ہے اگر
 پ نے امیروں کو کچھ مدد یا ترقی دینی ہے تو کوئی بات نہیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ کیا آپ یہ دلق
 سے کہہ سکتے ہیں کہ آج کی کانگریس میں کوئی غریب درگزر ذمہ دار ہے جو کہ غریبوں کی پکار کو سن
 پا کہ ان کی دیکھ بھال کر سکے۔ اب تو کانگریس سرمایہ داروں کی جماعت بن کر رہ گئی ہے جو لوگ
 ریش راج کے اندر ہمارے برخلاف تھے یا یوں کہو کہ ہمارے ادیر ظلم کیا کرتے تھے، آج وہ کانگریس
 لے مالک ہیں۔ جب تک آپ کانگریس سے اس گندے عنصر کو یا ان بے دغا لوگوں کو نکال نہیں دیتے
 تب تک آپ کانگریس کی حالت نہیں بدل سکتے۔ کانگریس کے دن بدن گرنے یا مرنے کا کارن کیا
 ہے۔ صرف یہی کہ غریب درگزر کو مدد نہ دیا گیا ہے۔ کانگریس کی طرف سے کوئی سٹڈی نہیں کسی
 بھی غریب درگزر کی۔ اگر غریب درگزر کو انگریز کو ہندوستان سے باہر نکالنے میں مدد دے سکتے تھے
 تو کیا آج کانگریس کو گرتا دیکھ سکتے ہیں۔؟ نہیں۔ مگر کیا کریں۔ ان کے لئے تو کوئی بھی روٹی کا
 کام سہل نہیں کر سکا کہ غریب درگزر کو چین سے روٹی نصیب ہو اور اپنے بال بچوں کو پال پوس
 سکیں۔ مگر کہاں غریب درگزر کی قسمت میں چین یا آرام۔ مولانا صاحب اگر آپ کے دل کے اندر
 ایسے پاک دچار اچکے ہیں تو تمام ہندوستان کے کانگریس کے غریب درگزر کی ایک کانفرنس بلائیں

اور ان کی بگڑی کو بنائیں تب جا کر کانگریس چل سکے گی۔ پھر ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کانگریس نہ گرے گی اور نہ ہی کوئی طاقت کانگریس کو نیچا دکھا سکے گی۔ جب تک گندا عنصر کانگریس کے اندر موجود ہے، تب تک کانگریس کا خدا حافظ۔ اگر بندہ سے کوئی گستاخی لکھنے میں ہوگئی ہو تو معاف کر دیں اور بندہ کو سمجھا دیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؟

ہا ہندو مسلم ہیں ایک دونوں
یہ دونوں ایشیائی ہیں
ہم زبان ہم قسمت ہم وطن، کیون نہ کہہ دوں کہ بھائی بھائی ہیں
آپ کا ایک ساتھی برج لال۔ مہار کا لونی۔ گاندھی نگر۔ دہلی
ڈاکٹر موتی لال بوسہ روڈ۔ لکھنؤ۔ ۵ جنوری ۱۹۵۵ء

کہنا پڑتا کہ درد کہاں ہے کہاں نہیں
محترمی مکر می حضرت مولانا۔ سلام مسنون

ایک عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ چنداں عجلت طلب تو تھا نہیں، اس لئے تاخیر جواب کی کوئی شکایت نہیں ہو سکتی۔

پریشانیوں اور مصائب کو ایسا نرم غہ کر رکھا ہے کہ اپنے پرلے۔ سب کے لئے میری داستان زندگی اجیرن ہوگئی ہے۔ لیکن غرضمند باؤلا اپنی کہے بغیر مانتا نہیں۔ سمجھ بلکہ نظر خراشی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

اللہ میاں کے انداز کرم بھی نزلے ہوا کرتے ہیں۔ نعمت اولاد سے مالا مال کر دیا اس کرم فرمائی سے ہمہ تن گرا ہوا ہوں۔ خدا ان بچوں کو صاحب نصیب کرے! رزاق دہی ہیں۔ لیکن وسیلہ کے لئے مجھ جیسے نادار و غلس کا انتخاب کیا ہے۔ یہ رمز کون سمجھے ؟ وہی بیڑا پار لگائیں تو جانے! آپ کے سب بھتیجے، بھیتجیاں ملا کر ماشاء اللہ ۹ عدد ہیں : ۴ لڑکیاں، ۵ لڑکے۔ ترتیب عمر کے اعتبار سے تقریباً سب لڑکیاں بڑی ہیں۔ ذمہ داری بہت زیادہ ہوگئی۔ سب کے سب پرورش و تعلیم طلب۔ یہ ایک خاکہ ہے میری ذمہ داریوں کا، جسے آپ پر ظاہر کرنے میں ع۔ یہ آزاد نظم کے دو شعر ہیں جو خلوص سے لکھے گئے ہیں۔

مجھے بالکل نہیں لیکن معلوم نہیں، اسے "پنڈت جی" پر ظاہر کرنے میں آپ کو تامل ہو گا یا نہیں کیونکہ وہ تو منہ چھٹتے ہی یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اتنے بچے پیدا کیوں کئے؟ میرے پاس اس کا کیا جواب؟ وہ اللہ میاں کے قائل نہیں۔ گزشتہ عرصے میں کچھ سوچنے کی ذمہ داری میں نے آپ کے سر بھی چھوڑ دی ہے۔ یہ تو ایک طرح کی زبردستی ہوئی کہ راہ پتہ بتانے والا آگے چلے! لیکن وہی غرضمند بالادالی مثل! ایک "کچھ" میری سمجھ میں آیا ہے، وہ عرض ہے۔ پنڈت جی نے ایک پولیٹیکل سفر نڈکھول رکھا ہے، جس کے مختار کل خود وہی ہیں جس کو جو چاہیں دے ڈالیں۔ میرے پاس چھ ہفتے کی سٹراکٹمنٹ ہے ہی۔ جس کی انھیں بتلانے کی چنداں ضرورت نہیں اس لئے کہ خود انہی کے ساتھ میں جیل میں تھا، اس فنڈ سے امداد کی ضرورت اس وجہ سے اور بھی ہے کہ زمینداری کو ختم ہوئے ہم برس ہوئے اور اتنا ہی زمانہ وکالت کے خاتمہ کا بھی سمجھ لیجئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی بند۔ جو کچھ دو چار پیسے ادھر ادھر ٹپے تھے وہ سب نڈر شکم ہو گئے۔ اور ۵-۶ ہزار کا قرض مزید برآں! اب قرض بھی نہیں ملتا اور ملے بھی تو کس ضمانت پر؟ ذاتی ساکھ ختم ہو چکی ہے۔ پنڈت جی کے لئے ۱۰-۵ ہزار روپیہ دے دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ اور یہ کام اگر کوئی کرا سکتا ہے تو آپ! میری جو سمجھ میں آیا عرض کر دیا، اس کے نشیب و فراز کو آپ سمجھیں! باقی خدا کا شکر ہے۔ اچھے چچا سے تقریباً روز ملاقات ہوتی ہے آپ کو سلام کہا ہے۔ فقط والسلام۔

عریضہ نگار۔ امیدوار کرم۔ بدر الزماں۔ ایڈیٹ۔ لکھنؤ

محمد اسد اللہ خاں۔ ایڈیٹر پیغام خیر نگر۔ ۸ مارچ ۱۹۵۵ء

محترم المقام رئیس الاحرار حضرت مولانا مظلہ العالی

السلام علیکم۔ اخبار الجمعیۃ اور پیام وطن ۸ مارچ سے معلوم ہوا کہ جناب دالاکوآل انڈیا کانگریس کمیٹی کا ممبر نامزد کر دیا گیا ہے۔ بے حد مسرت ہوئی۔ یہ خادم جناب دالا کی خدمت میں ہدیہ مبارک باد پیش کرتا ہے۔ دیگر یہ کہ اس خادم نے میڈنگ کے واسطے ۸ مارچ انوار کا دن مقرر کیا تھا۔ اور ۵۴ آدمیوں کی ایک فہرست تیار کر کے اطلاع دی جا رہی تھی کہ قاضی صاحب سے معلوم ہوا کہ یہ خط مرحوم مولانا مسعود علی ندوی کے نام اعظم محمدؒ لکھا گیا تھا۔ مولانا مرحوم نے پنڈت جی کو دکھانے کے لئے

جناب دالاکوآل صاحب مرحوم کے پاس بھیج دیا۔ عزیز الرحمن

کہ مولانا نہیں آئیں گے اور یہ اطلاع پہلی ہے۔ اب ۱۳ مارچ کو تشریف لائیں گے۔ گزارش ہے کہ ۱۳ مارچ سے ۲۰ مارچ تک شہر و ضلع کانگریس کمیٹیوں کے انتخابات ہو رہے ہیں۔ اس عرصہ میں میٹنگ کا کامیاب ہونا ناممکن ہے۔ ۲۰ مارچ سے نوچندی شروع ہو رہی ہے۔

میں نے بعض کانگریس دوستوں سے مل کر پروگرام یہ بنایا تھا کہ اس میں حکیم سید مشتاق احمد صاحب سے یہی مشورہ کیا تھا کہ ۱۶ مارچ کو یہ میٹنگ بلائی جائے جس میں تمام شہر کے خواص ہوں اور دوسری میٹنگ ٹاؤن ہالی میں بلائی جائے جس میں شہر و ضلع کے ۲۵۰ حضرات کو مدعو کیا جائے۔ اور اس میں ضلع کے ایم۔ ایل، این، ایم پی اور کانگریس کے صدر و سکریٹری کو بھی بلایا جائے اور ایک کارڈ چھپوا کر آپ کی تشریف آوری کی اطلاع دی جائے۔ لہذا پہلی میٹنگ ہی ملتوی ہو گئی۔ اب قاضی صاحب نے فرمایا ہے کہ میں اپنے یہاں کسی روز میٹنگ بلاؤں۔ ان کا انتظار ہے۔ وہ پرسوں گلاؤ بھی تشریف لے گئے تھے۔ ابھی ملاقات نہیں ہوئی۔ اب کل یا پرسوں ملاقات ہوگی۔ تب کوئی پروگرام معلوم ہو گا۔ عوامی آواز بورڈ کی سکریٹری شپ سے میں نے استعفیٰ دے دیا ہے جو آج کے اجتماع میں بھی شائع ہو گیا ہے۔ کانگریس کا فارم بھردیا ہے۔ امید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے۔ بھائی عزیز الرحمن صاحب کی سلام مسنونہ۔ فقط۔ والسلام۔ اسد اللہ خاں۔ میرٹھ

اخبار پیغام۔ خیرنگر۔ میرٹھ۔ ۲۳ مارچ ۱۹۵۵ء

حضرت مولانا کے محترم۔ زید مجدکم

کشمیر کے متعلق حسب ارشاد بیان روانہ کر رہا ہوں۔ آپ کو پورا حقائق ہے کہ اس بیان کو جس طرح مناسب خیال فرمائیں۔ ترتیب دلا کر اخبارات کو روانہ فرمادیں اور اس کی نقولات پر میرے دستخط بھی کرادیجئے گا۔ کل میلہ کے ذمہ داروں سے ملاقات ہو سکی۔ پیرمین صاحب ہر دو بار بھی گئے ہوئے تھے۔ آج شام کو ۸ بجے ان سے میلہ ہی میں ملاقات ہوگی۔ اس وقت ان سے مل کر پروگرام بنا کر آپ کو اطلاع دوں گا اور خطوط وغیرہ جاری کرنے کا انتظام کروں گا۔ کل ۱۰ بجے میں دہرہ اکیسپہر سے نظام الدین سے واپس میرٹھ آگیا تھا اور سارے دن اسی کام میں لوگوں سے ملتا رہا۔ رات

رجب میلہ میں بھی گیا۔ وہاں کانگریس کے صدر سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے بھی آج رات ہی ملنے کو کہا۔ ان کی
 موجودگی میں پروگرام بنایا جائے گا۔ قاضی صاحب سے بھی آج ملاقات ہوئی۔ وہ جمعہ کو مسیت النبی پر آپ کی
 قریب جامع مسجد میں کرنے سے متعلق فرما رہے تھے۔ اب پیر میں صاحب سے مل کر ہی پروگرام بن سکتا ہے
 اب تک ۳۰ مارچ اور ۲۳ اپریل خالی معلوم ہوئی ہیں۔ پمور نامند جی اور کیلاش جی یہاں ۳۱ مارچ
 کو آ رہے ہیں اہدیکم اپریل کو واپس ہو جانے کا پروگرام ہے۔ امید کہ آپ بغایت ہوں گے۔ بھائی مولوی
 عزیز الرحمن کو سلام مسنون۔ فقط والسلام

آپ کا خادم محمد اسد اللہ خاں۔ ایڈیٹر پیغام میرٹھ

اخبار پیغام خیر نگر میرٹھ۔ ۲۳ مارچ ۱۹۵۵ء

کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ رہنمایان ہند و پاکستان خواہ کچھ کریں۔ ہم اس الجھن میں زیادہ
 پڑنا نہیں چاہتے۔ نہ ہم نے تقسیم ہند کو ہی پسند کیا اور نہ تقسیم کشمیر ہی کو پسند کرتے ہیں۔ ہمارے
 نزدیک کشمیر کے اصل وارث کشمیری ہی ہیں اور بخشی غلام محمد وزیر اعظم کشمیر کی سرپرستی میں ہندوستان
 کے ساتھ اپنی وابستگی کا بار بار اعلان کر چکے ہیں۔

ایسے حالات میں کشمیر میں استصواب رائے کی قطعاً ضرورت نہیں اور نہ کسی صورت سے وہاں
 استصواب رائے ہونا چاہئے۔

تقسیم ہند کے وقت ہندی مسلمانوں کو سخت ترین آزمائش سے گزرنا پڑا۔ اب کشمیری عوام
 استصواب رائے کی آزمائش سے گزرنے کو تیار نہیں ہیں۔

پنڈت نہرو کو چاہئے کہ اس مسئلہ کو ختم کر کے کشمیریوں کو اپنے وطن کی تعمیر و ترقی کرنے کا
 موقع دیں۔ محمد اسد اللہ خاں ایڈیٹر پیغام خیر نگر میرٹھ

محله چاہ غوری - مروہہ ضلع مراد آباد - ۸ مارچ ۱۹۵۵ء

حضرت مولانا المحترم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ ایسے وقت اخبار الجمعیۃ میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے لئے نامزد اٹھارہ

مشاہیر میں آپ کا اسم گرامی دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ یہ درحقیقت نہ صرف آپ کی کامیابی ہے بلکہ اسی مکتب خیال لوگوں کی کامیابی ہے کہ جو آپ کی قیادت و رہنمائی پر اعتبار رکھتے ہیں۔

کل سید تقی ہادی صاحب ایم، ایل، اے نے لکھنؤ سے آکر بتلایا کہ وہ میری درخواست کے سلسلے منظر حسین صاحب سے ملے۔ درخواست باوجود تلاش نہیں ملی اور منظر حسین صاحب متفکر ہیں۔ لیکن میں نے تقی ہادی صاحب کو اس درخواست کی مکمل نقل کرا کر پھر دے دی تھی۔ وہ ان کو لکھنؤ میں لے دے دی وہ بہت خوش ہوئے آپ کا تذکرہ کیا کہ مولانا نے بھی مجھے لکھا ہے۔ اب چار پانچ روز بعد تقی ہادی صاحب جائیں گے تو پھر ملیں گے آپ مناسب سمجھیں تو منظر صاحب کو مزید یاد دہانی کرا دیں۔ مجھے اس ہفتہ کھانسی کی تکلیف بڑھ گئی تھی۔ لہذا میو پیٹھک علاج چھوڑ کر پھر ڈاکٹری دوا شروع کر دی ہے۔ اسی سے کچھ تخفیف ہے۔ خلیل بھائی سے بعد مزاج پر سی سلام کہئے۔ اور سب بھائیوں کی خدمت میں سلام سندن۔ کفیش بردار۔ (حکیم) آفتاب احمد۔ امروہہ

دائرة المصنفین۔ قاضی منزل میرٹھ

مخدومی و محترمی حضرت مولانا دامت برکاتہم

وعلیکم السلام درجۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج عالی بخیر تار عالی نے شرف عدد درجہ شہ۔ حسب ارشاد گل رات میں نے بعض دستوں کو اپنے مکان پر مدعو کیا۔ میرٹھ میں کانگریس کے کام کو آگے بڑھانے اور دوسرے سلسلہ میں جناب والا کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے کے مسئلہ پر غور و خوض کیا گیا۔ طے پایا کہ:

(۱) جلسہ ٹاؤن ہال میں ہو۔ اگر یہ ممکن ہو سکے تو حکیم الیاس کی کوٹھی میں ہو، کیونکہ وہ شہر میں ایک درمیانی جگہ ہے۔

(۲) جلسہ بعد نماز مغرب ہو۔ یا اگر آپ کے لئے ممکن ہو تو بعد نماز عشا۔

(۳) جلسہ میں بعض غیر مسلم کانگریسیوں کو بھی مدعو کیا ہے

(۴) جلسہ ۷ مارچ سے ۹ مارچ تک کسی تاریخ کو ہے۔ میں تاریخ سے یہاں نوچندی شروع ہے

تاریخ کا تعین آپ کی رائے پر چھوڑ دیا گیا۔ براہ کرم بوابی ڈاک اپنی رائے مبارک سے مطلع فرمائیں کہ کس تاریخ کے لئے اعلان گشتہ کر دیا جائے۔ یہ بھی مطلع فرمادیں کہ جناب والا کس گاڑی سے تشریف لائے ہیں جس تاریخ کو جلسہ کرنا ہو اس سے دو روز قبل اطلاع ملنی چاہئے۔ کار معلوم کے سلسلہ میں حضرت مولانا سے اگر کچھ گفتگو فرمائی گئی ہو تو اس کے نتیجہ سے بھی آگاہ فرما دیا جائے۔ موقع نہ ملا ہو تو اب توجہ فرمائی جائے۔ ممنون کرم ہوں گا۔

۱۳ تاریخ کو سیدین صاحب بھی آجائیں گے۔

حضرت الاستاد مولانا اعزاز علی نور اللہ مرقدہ کا دصال دیوبند اور مسلکین دیوبند کے لئے حادثہ جانکاہ ہے۔ افسوس ہے کہ ہم لوگوں کو تدفین کے بعد رات کے دس بجے اطلاع ملی۔ در نہ شرکت کرتے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے، ان کا خلوص، محبت اور شفقت رہ رہ کر یاد آتی ہے اور خون کے آنسو رلاتی ہے۔ افسوس، صد افسوس۔ اب توجہ بزرگ اٹھتا ہے اپنی جگہ خالی ہی چھوڑتا ہے۔ امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہوگا۔

برادر مکرم مولوی خلیل الرحمن صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟ انھیں اور مولوی نذیر حسن اور مولوی سعید الرحمن کو سلام عرض کر دیں۔ کل شام دیوبند کا ارادہ کر رہا ہوں۔

والسلام۔ ذین العابدین۔ ۱۱ مارچ ۱۳۵۵ھ

مکتبہ علمیہ۔ قاضی داڑھ میرٹھ۔ ۲۰ مارچ ۱۳۵۵ھ

مخلصی و کرمی جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج عالی بخیر۔ کئی مرتبہ دہلی آنے کا ارادہ کیا۔ مگر اول تو راستہ کی مشکلات اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت مولانا رائے پور کا عزم رکھتے ہیں۔ اسی لئے خادم کا ارادہ پورا نہ ہو سکا۔

معلوم نہیں کہ حضرت صاحب رائے پور تشریف لے گئے یا نہیں؟ اور اگر تشریف لے گئے تو واپسی کب تک ہوگی

الحرم کا زیر ترتیب پہلا پرچہ رحمتہ للعالمین نمبر ہے۔ اس کے لئے ڈاکٹر شکر داس کا کوئی تازہ لکھا ہوا غیر مطبوعہ مضمون چاہتا ہوں۔ مجھے ان کا پتہ معلوم نہیں۔ ازراہ کرم یہ خط ان تک پہنچا دیجئے اور سفارش بھی کر دیجئے۔ انشاء اللہ، جمعہ کے بعد کسی دن ملاقات ہوگی۔ حضرت مولانا صاحب اگر تشریف فرما ہوں تو سلام نیاز عرض کر دیں۔

(قاضی زین العابدین صاحب)

الحرم ماہنامہ۔۔ ۱۳ مئی ۱۹۵۶ء

محذومی و محترمی حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج عالی بخیر۔ جب سے دہلی سے آیا ہوں جناب! کے گرامی نامے سے محروم ہوں۔ بظاہر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ ایک خط بھی بھیج چکا ہوں۔ خلافت عادت اس کے جناب سے کبھی سرخوردہ نہ ہو سکا۔ خدا کرے نصیب دشمنان جناب کی طبیعت ناساز نہ ہوں اور نہ ناساں ہوں!

لدھیانہ میں کام کی رفتار کے متعلق بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ اس ماہ کے آخر میں اس کے متعلق نوٹ تو ملاحظہ فرمایا ہی لیا ہوگا۔

ایک صاحب نے جناب کے مضمون متعلق حضرت زیدؑ کچھ شبہات کا اظہار کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اور ممکن ہو تو معہ اپنے جواب باصواب سے مطلع فرمادیں۔ ورنہ پھر میں کچھ سوچوں گا۔ ابھی تک تو اسے ٹھیک طور پر پڑھنے کا بھی موقع نہ پاسکا۔

برادر م مولانا وحید الزماں اگر ہوں تو سلام مسنون قبول فرمائیں۔

اس ہفتہ میں الجمعۃ کے اشتہارات کی بے احتیاطی سے متعلق الاعتصام کا نوٹ اور اپنا تبصرہ شائع کر رہا ہوں۔ آخر کب تک خاموش رہا جائے۔

برادر م عزیز الرحمن سلام مسنون قبول فرمائیں۔ پتہ انگریزی میں لکھوا دیا کریں اور دفتر کا

پتہ ہو۔ والسلام۔ (قاضی زین العابدین)۔ (قاضی میرٹھ)

دائرة المصنفين - قاضی منزل میرٹھ

حضرت محترم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج عالی بخیر - حضرت والا سے رخصت ہو کر بخیر مکان پہنچا - فارم کئے اندراجات حسب تفصیل ذیل ہونے چاہئیں -

آج انشاء اللہ قتالے فوٹو کھینچوالوں کا اور ٹیکوں کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے گا -

برادران عزیز کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دیجئے - والسلام

نام والد صاحب

مقام پیدائش

پیشہ

تاریخ پیدائش

لبائی

رنگ آنکھ کا

رنگ بالوں کا

علامت شناخت

پتہ

چھ عدد فوٹو منسلکہ عریضہ ہذا ہیں - یہ امر دریافت طلب ہے کہ انکم ٹیکس کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت تو ہوگی - میرا پتہ انگریزی میں لکھو انا ضروری ہے - امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہوں گے -

(قاضی) زین العابدین

ماہنامہ الحرم - قاضی منزل - میرٹھ

مخدومی و محترمی حضرت مولانا دامت برکاتہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - مزاج عالی بخیر - دونوں گرامی نامے موصول ہوئے

نیز وقف کرنال کی طرف سے کاظمی صاحب کا دعوت نامہ برائے لدھیانہ ملا۔

یہ آپ کی رائے صحیح ہے کہ بارش کا چھینٹا پڑ جانے کے بعد ایک دن کے لئے لدھیانہ چلنا مناسب ہوگا۔ سرہن بھی اگر قریب ہو تو لگے ہاتھوں فائدہ پڑھ لی جائے۔

آج کے خط میں لدھیانہ کے بارے میں جس ضروری مسودہ کے لئے جناب نے طلب فرمایا ہے اس کی تفصیل نہ معلوم ہو سکی۔ بہتر تھا کہ آپ لکھ بھیجتے۔

صورت واقعہ یہ ہے کہ کل ۲۲ جون کی شام کو ایک گاڈل چلا گیا تھا جہاں عید گاہ کی بنیاد رکھنی تھی۔ آج واپس آیا ہوں اور ٹھکن سے چور ہوں۔ پھر کل صبح والدہ صاحبہ کے پاکستان سے واپس تشریف لانے کی اطلاع ہے۔ اس لئے کل بھی حاضری ممکن نہیں پرسوں صبح ممکن ہے اگر آپ نے کوئی دوسری اطلاع نہ دی تو یہ سمجھوں گا کہ ضرورت علیٰ حالہ باقی ہے اور پرسوں صبح بروز دوشنبہ حاضر ہو جاؤں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ پرد گرام صبح نہ بیٹھتا ہو تو مجھے مار دے دیں۔ پتہ یہ لکھیں :- قاضی زین العابدین - قاضی منزل - میرٹھ

کوثر صاحب مرحوم کے تعزیتی جلسہ میں آپ کی طرف سے شریک ہو کر آپ کا پیغام سنا دیا تھا کل اقتدار صاحب (ہندوستانی دوا خانہ) کا خط آیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ہم نے آپ کو اشتہار صرف ایک ماہ کے لئے دیا تھا۔ دوسرے ماہ آپ نے کیوں شائع کیا۔ ۹ میں تو سمجھتا تھا کہ ان کا معاملہ مستقل ہے۔ بہر حال اگر یہ امداد نہ مل سکی تو پرچہ کو جاری رکھنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ اگر آپ ان سے کچھ کہہ سکیں تو اچھا ہو۔ ورنہ خیر! برہان میں سعید صاحب کا ادارتی نوٹ ملاحظہ سے گزرا ہوگا۔ امید کہ مزاج عالی بخیر ہوگا۔

والسلام۔ زین العابدین

ماہنامہ الحرم۔ قاضی منزل - میرٹھ۔ ۱۳ اگست ۱۹۵۶ء

محترمی حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم۔ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج عالی بخیر۔ آپ کا رخصت ہو کر میرٹھ بعافیت پہنچا۔

کل ہذا حرام خلیق - اردو بازار دہلی - دفتر ہلال بمبئی ۹۰ ۳۰ مارچ ۱۹۵۵ء
محترم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے آپ بخیر ہوں گے اور آپ کی نئی سرگرمیاں وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی ہوں گی۔
افسوس ہے کہ میں آپ سے دور ہوں، ورنہ شاید کچھ بوجھ ہٹا کر سکتا۔ معلوم نہیں کہ جمعیت کے بزرگوں نے
آپ کے جدید اقدامات کو کس روشنی میں کس نظر سے دیکھا۔

خواجہ غلام صاحب کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ آپ میری کتاب "اسلام اور پیغمبر اسلام" دیکھنا
چاہتے ہیں۔ اول الذکر کتاب بھیج رہا ہوں۔ دوسری ابھی چھپی نہیں ہے۔ کچھ پروف منگوائے تھے وہ
بھی اب ضائع ہو چکے ہیں۔ بہر کیف دفتر کے گودام میں سے کاغذات کے نیچے دبے ہوئے کچھ میلے کچیلے پروف
مل گئے ہیں وہی بھیج رہا ہوں۔ درمیان میں ایک جز غائب بھی ہے۔ ایک دوست کے پاس سب محفوظ
ہیں۔ ان سے لے کر طبع کراؤں گا۔ والسلام

خیر طلب علی بہادر خاں بمبئی

از مدرسہ ٹھیکرہ مرکز العلوم کھڑش - ضلع الور - ۳۱ مارچ ۱۹۵۵ء

بارنگالے - محترم جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب - سلام مسنون۔

مزاج گرمی - تفصیلات تمام روانہ کر چکا ہوں۔ مل گئی ہوں گی۔ آج اخبارات بحقیقہ مورخہ یکم فروری، ۱۸ فروری

۱۸ فروری ۱۹۵۵ء کے ۳ عدد کٹنگ روانہ کر رہا ہوں۔ ان تینوں کٹنگوں میں یہ صفحہ مولوی ابراہیم

کے ہیں جو انھوں نے کمزور میں ایک ہی صفحہ میں دفتر جمعیت علماء اور دارود پور سے خود لکھوا کر اخبار کو روانہ

کئے۔ ان میں مساجد اور گوردواروں کا خاص طور سے ذکر ہے۔ مولوی ابراہیم کے خود بیان کے مطابق

ان مضامین کی نقل سی۔ آئی۔ ڈی الور نے بھی لے لی ہے۔ بار بار گوردواروں کے تذکرہ کو اخبار میں

لانا بھی اشتعال اور فساد کا سبب ہوا ہے۔ ان تینوں صفحوں کو آپ غور سے دیکھیں۔ مولوی ابراہیم نے

ایک مسجد کا جو خود تحصیل اور کھانا کی دیوار سے ملی ہوئی تھی اور جو رات میں شہید کر دی گئی تھی۔ سوال آہلی میں

اٹھایا جس کے بارے میں کافی دنوں شور و شغب ہوا یہ بات اب سے ۷، ۸ ماہ پہلے کی ہے۔ میرا منشا یہ ہے

کہ ان معاملات میں مولوی ابوالہیم کاروبار یہ ہمیشہ اشتغال دلانے کا رہا اور وہ اپنے معاملہ میں خود مختار ہیں
سوائے اہل جمعیت کے کسی اور سے وہ بات نہیں کرتے۔ یہ حالات میں آپ کو اصل معاملہ پر روشنی ڈالنے
کے لئے بھیج رہا ہوں۔ حضرت مولانا مدظلہ کو سلام مسنون اور مضمون واحد

فقط والسلام درحمتہ اللہ - سلیمان باجھوٹوی - ۱۳ مارچ ۱۹۵۵ء

درسہ مرکز العلوم ٹھیکری کھتری ضلع الور - ۲۹ اگست ۱۹۵۶ء

محترم دکریم ذوالجود الکرم حضرت مولانا دام مجیدم -

سلام مسنون نامید کہ اب مزاج گرامی پہلے سے بھی رد و عافیت ہوگا حق تعالیٰ ہمارے سرور پر آپ
کا سایہ تادیر قائم رکھیں اور آپ کو صحت عاجلہ و کاملہ عطا فرمادیں نیز آپ کے درجات دونوں جہاں
میں بلند سے بلند فرمادیں۔ آپ کی میرے ساتھ شفقت و محبت کا میرے دل پر جو اثر ہے میں اس کے
بیان کرنے سے قاصر ہوں اور اس کا میں نہہ دل سے ہزار مرتبہ شکر گزار ہوں۔ میں اپنے لئے آپ سے
زیادہ کسی کو اس دنیا میں شفیق نہیں پاتا۔ خدا کرے آپ جیسے نیک دل نیک نیت بزرگ کی محبت ہی میری
نجات کا ذریعہ بن جائے۔ میں ہر وقت آپ کی دعا کا محتاج ہوں۔ آپ کو خط تحریر کرنے سے اکثر شرماتا
ہوں اور اسی لئے کم لکھتا ہوں۔ میں نے اپنے دلی خیالات اس عریضہ کے ذریعے آپ کے سامنے ظاہر
کئے ہیں۔ اگر قبول اقتدر ہے عز و شرف

اپنی یفریت سے اطلاع فرمادیں اور دعوات صالحہ میں یاد فرمادیں۔ والسلام درحمتہ اللہ الکریم

سلیمان باجھوٹوی

دفتر صوبہ مجلس احرار خدام خلق لکھنؤ۔ اپریل ۱۹۵۵ء

حضرت مولانا صاحب السلام علیکم درحمتہ اللہ وبرکاتہ

میں مجبور ہو کر آپ کو لکھ رہا ہوں کہ کانفرنس آل انڈیا جو ۲۳، ۲۴، ۲۵ اپریل ۱۹۵۴ء کو ہو رہی

ہے اس وقت تک جتنا کام ہوا ہے یا ہو رہا ہے اکیلا میں نے کیا ہے۔ دوست میدان سے الگ ہیں مجھ
کو پھنسا کر تماشا بنیے بیٹھے ہیں۔ محمود علی خاں نے بالکل کسی قسم کی مدد نہیں کی ہے اور نہ کسی دوسرے

ساتھی نے، مجھ کو جس مصیبت کا اس وقت سامنا ہے خدا بہتر جانتا ہے دعا کیجئے کہ عزت باقی رہ جائے۔
 مجھے کہتے ڈر لگتا ہے کہ میں یہ کہوں کہ کانفرنس بغیر آپ کے تشنہ رہ جائے گی۔ اب یہ کانفرنس
 آل انڈیا ہے اور زیرِ اہتمام مجلس احرار ایک ہزار دعوت نامے جاری کئے ہیں۔ اگر آپ صرف آکر
 بیٹھ جائیں تو ہماری کامیابی یقینی ہے۔ آپ جیسا مناسب سمجھیں، میں اس وقت بہت پریشان ہوں
 اور جس کو کہئے دعوت نامے بھیج دیئے جائیں۔ اور سب خیریت ہے۔ فقط والسلام

وصی احمد خاں مرحوم لکھنؤ

دفتر صوبہ مجلس احرار خدام خلق لکھنؤ۔ ۵ دسمبر ۱۹۵۶ء

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں نے جناب کی خدمت میں دو خط روانہ کئے اور بموجب
 حکم آپ نے چھ عدد خطبہ صدارت بھی روانہ کئے تھے غالباً مل گئے ہوں گے۔ لیکن مجھ کو کوئی
 اطلاع نہیں ملی۔ خدا کا شکر ہے کہ کانفرنس کے بعد اب لوگوں کو محسوس ہوا کہ کانفرنس اپنے مقصد
 میں کامیاب رہی۔ مخالفین بھی اعتراف کرتے ہیں۔ اگر خطبہ صدارت وغیرہ کی ضرورت ہو تو میرے
 پاس انگریزی، ہندی اردو وغیرہ موجود ہیں۔ روانہ کر سکتا ہوں۔

ابھی تک کانفرنس کا حساب باقی ہے جس کا میرے اوپر تقاضہ ہو رہا ہے اور کوئی بھی میری
 مدد کرنے کو تیار نہیں ہوا میرا ارادہ ہے کہ میں آپ کی خدمت میں ایک روز حاضر ہو کر کچھ مشورہ کر دوں
 لیکن مالی مشکلات ہیں جس سے مجبور ہو رہا ہوں۔

محمود علی خاں صاحب مکان تشریف لے گئے۔ حکومت کے افراد آج کل غنی تال گئے ہو ہیں۔

آپ کا مزاج کیسا ہے۔ خیریت سے اطلاع دیجئے۔ انشاء اللہ تھلے جلد ملوں گا۔ سب کو سلام، بچے

سلام عرض کرتے ہیں۔ فقط والسلام وصی احمد مرحوم اصطلح چار بارغ لکھنؤ

دفتر صوبہ مجلس احرار خدام خلق۔ لکھنؤ

حضرت مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کا دلانا نامہ ملا۔ حالات معلوم ہوئے۔ جہاں تک کانفرنس کا تعلق تھا۔ خداوند کریم کا لاکھ شکر ہے کہ نہایت درجہ کامیاب رہی، ہر صورت سے۔ جب کہ دنیا کی ہر جماعت اور ہر فرد مخالفت کرتا تھا اور یاروں نے مجھ کو اکیلا میدان میں چھوڑ دیا تھا۔ اس کانفرنس سے جتنا مجھ کو سبق ملا ہے تا شاہد رہے گی کہ مجھ پر کیا گزری۔ اور میرا حال کیا ہو گیا۔ میں نے صرف بخشی صاحب اور یوپی گورنمنٹ کی عزت کو سامنے رکھ کر جان پر کھیل گیا اور کانفرنس کو اکیلے تنہا کامیاب کر دیا، اللہ پاک کی تائید و شریک حال تھی۔ دشمنوں کے دانت کھٹے ہو گئے اور میری سیاست کا لوہا مان بھا۔ اب اس کانفرنس سے کس کو پہنچے گا۔ نواب زادہ صاحب یا خواجہ غلام محمد صاحب کو، اس سے زیادہ مجھ کو کوئی علم ہے لیکن بتلا دینا ضروری ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں اتنی بڑی بیوقوفی کبھی نہیں کی تھی۔ شروع۔ آخر تک ذلت ہو رہی ہے، جو عزت کچھ بچی تھی وہ اس کانفرنس نے لے لی ہے اور ابھی اس سے نجات نہیں ہے۔ اس سے زیادہ کیا کہوں، میں ہرگز ہرگز آپ کو یہ نہ بتلاتا۔ لیکن جناب نے میرے بارے میں خط میں لکھا ہے کہ مستقل کشمیر جارہے ہو۔ یہ جملہ میرے لئے انتہائی ذلت آمیز ہے۔ میں نے یہ کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر کوئی کشمیر جاسکتا ہے تو محمود علی خاں صاحب یا بخشی صاحب کے خاص نمائندے حضرت خواجہ غلام محمد صاحب۔ باقی مجھ جیسے حقیر انسان اور ذلت خصلت کو کون پوچھے گا۔ یہی غلطی تو میری ہے کہ بلا مطلب اور مقصد اتنے بڑے کام کو میں نے یہ دوستوں کی خاطر اٹھا لیا۔ اور دوستوں نے جو دھوکے دیئے وہ یہاں کی پبلک اور گورنمنٹ تک آشکارا ہو گئے۔ نہ مجھ کو اور جماعت کو کسی کو بھی کوئی فائدہ پہنچا۔ میں نے جماعت کو ایک بار پھر ہندو کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اب کون ہے جو اس کا نام لے، کانفرنس ختم ہو گئی۔ سب باتیں ختم ہو گئیں ہمارے نواب صاحب کا خدا بھلا کرے۔ خیر کبھی انشاء اللہ زبانی بات ہوگی پھر سب باتیں بتلا دے یہ قصہ اب ختم ہوا۔ جناب حافظ علی بہادر صاحب بھی یہاں آکر انھیں لوگوں کے چکر میں تھے اب یہاں سے دہلی ساتھ گئے تھے۔ آگے کیا ہوا مجھے علم نہیں ہے۔

اب جناب کی طبیعت کیسی ہے۔ بچے آپ کو سلام عرض کرتے ہیں سب کو سلام عرض کر دیتے

کافر نس کا قرضہ اب بھگتے کو لکھنؤ بیٹھا ہوں جب خدا نجات دے گا اس ذات سے تو کسی طرف
رہناؤں گا۔ فقط والسلام۔ وصی احمد۔ اصطلیل چارباغ۔ لکھنؤ۔

مد مجید حسن۔ مالک اخبار مدینہ۔ بجنور یو پی۔ ۲۰ اپریل ۱۹۵۵ء

محرمی مولانا خلیل الرحمن صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط دیکھ کر بڑی اذیت ہوئی۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب کی ذات سے مدینہ کو
تفاوت نہیں۔ مدینہ ذاتیات سے بلند ہو کر سوچتا ہے

البتہ یہ الزام سراسر ناروا ہے کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کانگریس کے کام کو مضبوط بنانے
راے عوام میں مقبول بنانے کے حق میں نہیں" اور پھر مزید الزام یہ کہ اسی لئے آپ نے وہ بیانات
مائع نہیں فرمائے جن کا تعلق سیاست یا کانگریس سے تھا۔"

مجھے توقع ہے کہ آئندہ وسعت قلب و نظر کا ثبوت دیا جائے گا۔

مولانا محترم سے میرا مودبانہ سلام کہئے اور فرمائیے کہ یہ عاجز مولانا کے خیالات سے واقف
رہنے کی آرزو رکھتا ہے۔ مولانا کا پیغام کیا ہے۔ اور دوسرے اکابر ملت اسلامیہ کے پیغام سے وہ
ساحد تک مطابقت یا عدم مطابقت رکھتا ہے۔ میں ۱۰ سال کی رخصت پر تھا۔ آج میں نے دفتر
سبھی یہ کام شروع کیا ہے۔ میرے لئے اپنی ذمہ داریوں اور مصروفیتوں کے پیش نظر سفر کرنا
شور ہے اس لئے اگر مولائے محترم اپنے نامہ مبارک کے ذریعے اپنے خیالات عالیہ سے مجھے بہرہ
منہ دینے کا شرف عنایت کریں تو بہ موصوف کی بزرگانه شفقت کے عین مطابق ہوگا۔ آخر میں ایک بار پھر
لانا کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہوں۔

نیازمند۔ سعید احمد

حام ساجری ڈاک خانہ سیاحہ تحصیل کھرڑ ضلع انبالہ

فخر قوم محترم مولانا صاحب

سلام۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ طویل بیماری سے صحت یابی کے بعد سیاسیات
میں شمولیت ہو ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں۔ خدا آپ کو قوم کی رہنمائی کے لئے سلامت رکھے۔ آپ

کے مختلف امور پر اخبارات میں شائع ہو رہے مضامین میں مشعل راہ کا کام دیتے ہیں۔ عرض یہ ہے کہ مورخہ ۵ ارمی ۱۹۵۵ء بروز اتوار ہمارے گاؤں ماجری متصل مانک پور شریف تحصیل کھرڑ ضلع انبالہ میں ایک ترقیاتی کانفرنس ہو رہی ہے جس میں آنریبل شری بھیم سین سچر کھنہ منتری پنجاب شمولیت کر رہے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ جناب بھی اس موقع پر تشریف لائیں۔ مہربانی ہوگی۔ لیکن اگر صحت سے مجبور ہوں تب جناب ہماری اس کانفرنس کے لئے شبھہ کا منادوں کا پیغام بھیج دیں تاکہ آپ کا پیغام حاضرین کانفرنس کے کانوں تک پہنچ سکے یہ آپ کی بڑی عنایت ہوگی۔

ہمارے گاؤں کے فرقہ وارانہ اتحاد کے نظارے تو آپ موقع میلہ مانک پور شریف دیکھ ہی چکے ہیں اور آپ ہمارے علاقے کے عوام کے خیالات کے متعلق ایک درست عکس لے چکے ہیں۔ اب ہمارے گاؤں کی گرام پنچایت بھی بہترین ہاتھوں میں ہے۔ اور ایک ٹیم کی طرح کام کر کے تعلیم، صحت صفائی، لائبریری وغیرہ کاؤں کے ہر ترقیاتی پروگرام میں ایک نمایاں پارٹ ادا کر رہی ہے۔

اس گاؤں کے پرانے کانگریس درگروں کی بحیثیت مجموعی قربانیاں اور قید و بند کی مسیتوں کا بھی آپ کو علم ہے۔ امید ہے آپ کا پیغام ہمارے لئے باعث فخر ہوگا۔ اگر کسی وجہ سے آپ اس موقع پر تشریف نہ لاسکے تو ماہ جولائی میں موقع میلہ مانک پور شریف ضرور تشریف لائیں۔ آپ کو پنڈت ہریش چندر پٹواری کی طرف سے سلام۔ کار لائقہ سے یاد فرمائیں۔

آپ کا عزیز۔ مستری حبیب اللہ ۲۸ اپریل ۱۹۵۵ء

نیم ماہی پورہ "میرٹھ"۔ ارمی ۱۹۵۵ء

مکرمی و محذومی! سلام و رحمت

خدا کرے کہ آپ ملک و قوم کی بقا و ترقی کے لئے مدتوں زندہ و فرخندہ رہیں!

بزرگ محترم! میں آندھرا کے سفر سے واپس آنے کے بعد موسمی بیماری اور دوسری اہم مصروفیات

کی بنا پر آپ کو الیکشن کی تفصیلات سے مطلع نہ کر سکا جس کا افسوس ہے۔ مگر میرے دوسرے ہم سفر کی زبانی تمام تفصیلات یقیناً آپ کے علم میں آچکی ہوں گی، پھر بھی میں اس عرصہ میں اجمالی طور پر چنا

اہم باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ جن پر ایشیا اور قریانی کی سو سالہ تاریخ رکھنے والی جماعت انڈین نیشنل کانگریس کے اثر و اقتدار کی بقا کے لئے غور کرنا انتہائی ضروری ہے اور یہی باتیں ہمیں آندھرا کے الیکشن میں زیادہ کارفرما نظر آئیں۔

(۱) عام طور سے کانگریس مینوں کے متعلق یہ شکایت سنی گئی کہ انھوں نے عوام سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے اور انتہائیہ کہ وہ انتخاب کے موقع پر بھی غریب بستیوں میں آنا پسند نہیں کریں گے۔

(۲) وقتی طور پر جو لوگ کانگریس میں داخل ہو گئے ہیں اور جو کانگریس کی حقیقی روح، اس کے

مزاج اور اس کے پاکیزہ اصولوں کو سمجھنے سے گریز کرتے ہیں۔ ان کی دانستہ یا نادانستہ بے راہ روی

نے کانگریس کو نہ صرف عوام میں غلط طور پر پیش کیا ہے بلکہ اس سے سابقہ و قار کو بھی شدید و مدہم پہنچا ہے۔

(۳) نیک و مخلص اور شعور مند درکرز کی کمی۔

(۴) الیکشن میں ایسے لوگوں کو کانگریس کا ٹکٹ دینا جن کا کردار فرقہ داری گندگی سے ملوث اور اخلاقی

طور پر نہایت گمراہ ہے

(۵) قومی لٹریچر کی کمی کے باعث عوام اور خصوصاً مسلمانوں میں کانگریس کی تاریخ اور اس کے

حالیہ پروگرام سے لاعلمی

(۶) مسلم زنانہ درکرز کی بے حد کمی وغیرہ وغیرہ

(۷) کانگریسی حلقوں میں مسلم قومی درکرز کے ساتھ بے اعتنائی۔

نیم ماہی "پرداز" میرٹھ - ۲ مئی ۱۹۵۵ء نمبر سلسلہ ۲

قبلہ و کعبہ! آپ کی دور میں نگاہیں اس حقیقت کو اچھی طرح جانتی ہیں کہ مندرجہ بالا کمزوریاں

کسی جماعت کے مستقبل کے لئے کس درجہ خطرناک ہو سکتی ہیں۔ میرے خیال میں اگر ان کمزوریوں کا فوری

توجہ کے ساتھ علاج نہ کیا گیا تو نئے ہندوستان کی حیات تازہ کے مطالعے میں ایک غرض ناشناسی ہو گئی ہو

نتیجہ میں ملک و قوم کی باگ ڈور قوم پرستوں کے ہاتھوں سے نکل کر انارکسٹوں کے ہاتھ میں چلی جائے گی اور

یہ تاریخ کا ایک بہت بھیانک حادثہ ہو گا۔

میرے نزدیک اس وقت ملک و قوم کی خاطر کانگریس کے دُعا کو بچانے کے لئے نہایت سرگرمی اور پورے اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کام آپ کی چُر خلوص رہنمائی ہی میں زیادہ کامیابی کے ساتھ انجام پاسکتا ہے۔

قبلہ محترم! میں نے ۱۹۳۸ء میں آپ کی رہنمائی قبول کی اور ۱۹۴۱ء تک آزادی کے ہر محاذ پر ایک سپاہی اور ایک شاعر کی حیثیت سے آپ کی رہنمائی میں برابر اپنی اہمیت کے مطابق ملک و قوم کی خدمات انجام دیتا رہا اور آج بھی جہاں آپ کی رہنمائی پر فخر کرتا ہوں وہاں کانگریس کی تاریخ کو اپنی اور اپنے بزرگوں کی تاریخ تصور کرتا ہوں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ درمیان میں یعنی آزادی کے بعد سے کچھ عرصہ تک میں بھی تلخی حالات کی بنا پر خاموش رہا۔ مگر اب جب کہ آپ بھی سات سال کی خاموشی کے بعد بوڑھے قوی اور جوان ارادوں کے ساتھ ملک و قوم کی دوبارہ خدمت کرنے کے لئے میدانِ عمل میں آگئے ہیں تو میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ میں اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ آپ کے سامنے اپنی رضا کا تمام خدمات پیش کر کے ملک و قوم کی بہبودی کے لئے زیادہ سے زیادہ کام کروں۔

محترم المقام! یوں تو آپ کو پورے پورے اختیار ہیں کہ آپ کانگریس کے اصولوں کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں ملک کے جس گوشہ میں چاہیں آپ مجھ سے کام لیں لیکن میرے نزدیک ذہنی کی چند تہادینہ کانگریس کو عوام میں موثر اور مقبول بنانے کے لئے زیادہ ضروری ہیں۔

معزز رہنما! یہ بات آپ سے چھپی ہوئی نہیں کہ ملک کی ہر تحریک کو زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانے میں شاعروں اور ادیبوں کا بہت بڑا حصہ رہا ہے اور آج بھی ملک کے ہر سیاسی نظریہ کی پشت پر ایک لٹریچر ادارہ درک کر رہا ہے جو اپنے ہم خیال شاعروں اور ادیبوں کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کے افکار کے ذریعے ملک میں اپنے رجحانات کی نشر و اشاعت کرتا ہے اس کی وجہ کچھ ہو مگر یہ ملک کی بدقسمتی ہے کہ آج کا شاعر اور ادیب کانگریس کا ہم نوا نہیں اور اگر کچھ لوگ ہم نوا ہیں بھی تو وہ بھی نہ ہونے کے برابر اور پریشان حال۔ جب کہ آج کے عوام کے دل و دماغ میں شاعروں اور ادیبوں کے لئے بہت بڑی گنجائش ہے۔

اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ آزمائش کے طور پر صرف میرٹھ کشنری میں شاعروں اور ادیبوں سے تبادلہ خیال کر کے انہیں اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ کانگریس کے اعلیٰ اصولوں اور اس کے موجودہ و آئندہ تعمیری پروگراموں اور اس کی ایشاد و قربانی کی تاریخ پر اپنے اعلیٰ خیالات کا اظہار کریں اور خصوصی طور پر بھوک، بے روزگاری، فرقہ پرستی وغیرہ جیسے مسائل پر اس ڈھنگ سے طبع آزمائی کریں کہ جی سے یہ واضح طور پر معلوم ہو کہ یہ مسائل بھی صرف کانگریس ہی کے ذریعے حل کئے جاسکتے ہیں کسی اور جماعت کے ذریعے نہیں۔ اس تجویز کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ اس قسم کے مضامین نظم و نثر کو اخبار و رسائل اور کتابچوں کی شکل میں طبع کر کے عوام میں اس سلیقہ سے پیش کیا جائے کہ وہ ایک حقیقت محسوس ہو رہے ہوں۔ اس سلسلہ میں چند شاعروں اور ادیبوں کے نام ذیل میں تحریر کرتا ہوں جن کا حلقہ قومیت کافی وسیع ہے اور جو عملی طور پر بھی یقین ہے کہ کافی خدمات انجام دے سکتے ہیں اور انہیں اکثر شاعروں اور دیگر مجالس ادب میں شرکت کے مواقع میسر آتے ہیں جہاں وہ اپنے خیالات سے لوگوں کو کافی متاثر کر سکتے ہیں۔

جناب اسحاق ادیب داسنگری (بنارس) جناب برج بہاری تھپ (میرٹھ) جناب نیرتاپا (پہلا درہ) جناب ظہور احمد ظہور (سہارن پور) جناب انجم جمالی میرٹھ۔ جناب عزیز وارثی، جناب رضوان الحق، جناب ڈاکٹر بشیر حسن (لہا پور) جناب خضر برنی (ملند شہر) جناب سلیم کھٹولوی، لالہ چیلارام صاحب شوق سرحدی، جناب میاں صدیقی (مودی نگر) جناب تاباں نقوی (امروہہ) جناب ڈاکٹر منظر بیری (مراد آباد) جناب حمیدہ سلطانہ افروز (میرٹھ) جناب کنور محمود علی خاں بی اے ایل، ایل، بی۔ جناب رام چاننا ایڈوکیٹ۔ جناب نصیر علی شاہ ایڈوکیٹ۔ پروفیسر مقصود حسن، جناب لچند جاس (میرٹھ) لالہ رادھے شیام آزاد میرٹھ۔ بسمل بٹالوی، حیران کاشمیری اور حضرت خجھر میرٹھی وغیرہ وغیرہ۔ اگر ان سے باقاعدہ تبادلہ خیالات کیا جائے تو قوی امید ہے کہ یہ حضرات کانگریس کی حمایت میں اپنے قیمتی افکار سے زیادہ سے زیادہ عوام کو متاثر کر سکتے ہیں۔

دوسری تجویز یہ ہے اور میں اسے بہت ہی اہم سمجھتا ہوں کہ میرٹھ میں کشمیر کے نام پر ایک مشاعرہ

منعقد کیا جائے جس کے دائی نیشنلسٹ مسلمان ہوں۔ اس مشاعرہ میں خصوصی طور پر ان شعراء کو دعوت شرکت دی جائے جو کشمیر کے مسائل کو ہندوستانی نقطہ نگاہ سے سوچتے ہوں اور شاعروں کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ کشمیر کی ہندوستان داستگی پر اس انداز سے اظہار خیال کریں جس سے یہ تاثرات پیدا ہوں کہ کشمیر کی ہندوستان سے وابستگی سیاسی اعتبار سے باعث خیر ہے اس تجویز سے نہ صرف یہ کہ ملک کے فرقہ پرست عناصر کے دل میں (جو مسلمانوں کو کشمیر کے معاملہ میں مشتبہ نگاہ سے دیکھتے ہیں) ایک گنجائش پیدا ہو جائے گی بلکہ کانگریسی درکرز کو بھی میدان میں آکر کام کرنے کا موقع ملے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مشاعرہ کا افتتاح آپ فرمائیں اور صدارت کشمیر کا کوئی مقتدر لیڈر۔ اس تجویز کا دوسرا جز یہ ہے کہ اس مشاعرہ کی جملہ کارروائی کو ایک کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔

تیسری تجویز یہ ہے کہ تسلیم یافتہ اور سرگرم مسلم خواتین درکرز کو اس بات کے لئے تربیت دی جائے کہ وہ مسلم خواتین میں کانگریس کے لئے پر خلوص جذبہ پیدا کریں۔

امید کرتا ہوں کہ آپ کانگریس کے کارکن زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانے کے لئے ان تجاویز پر غور و خوض فرما کر اپنے مفید مشورہ سے مستفید فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے۔ آخر میں میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ میں ہمیشہ آپ کی رہنمائی پر فخر کرتا ہوں اور آج بھی اپنے تمام ساتھیوں اور اراکین اخبارات کے ساتھ جویری ادارت یا میرے زیر اثر شائع ہوتے ہیں آپ کی ہدایات پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔

بہری جانب سے بھائی خلیل الرحمن اور بھائی عزیز الرحمن جامی کے ساتھ دوسرے اہل خانہ کی خدمت میں سلام۔ امید کہ آپ دعاؤں میں مجھے فراوانی نہ فرمائیں گے۔ والسلام

آپ کا دبیرینہ بندہ خلوص۔ کوثر قریشی۔ ایڈیٹر نیم ماہی "پرداز" میرٹھ

امید کہ آپ میرے لئے کوئی راہ عمل تجویز کر کے اس عرصہ کا جواب جلد از جلد دینے کی زحمت

گوارا فرمائیں گے۔ !

نیم ماہی پرداز میرٹھ

بزرگ محترم۔ سلام عقیدت۔ مزاج اقدس۔ میں کل میرٹھ پہنچ گیا۔ آج آپ کو

یہ عرضیہ ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ صبح کی نماز پڑھ کر ہم دونوں میاں بیوی نے نہایت خلوص کے ساتھ آپ کی بقا و سلامتی کی دعائیں مانگیں۔ خدا کرے آپ کا سایہ ہمارے سروں پر مدت دراز تک قائم رہے۔ آمین۔
دفتر پیام وطن کوٹلیفون فرمادیجئے کہ وہ مطلوبہ اخبار کی کاپیاں اور تازہ پریچہ ارسال فرما کر مہتمم قرائیں۔ میں آپ کی ہدایت کے مطابق قبلہ قاضی صاحب سے ملا تھا مگر چونکہ وہ حضرت مولانا جلیل صاحب مدنی کی تشریف آوری کے باعث کسی دعوت میں شرکت کرنے جا رہے تھے۔ اس لئے تفصیلی گفتگو نہ ہو سکی۔ بھائی مولانا سعید الرحمن صاحب سے فرمادیجئے کہ وہ اپنا مضمون یا اس کی پہلی قسط جلد از جلد ارسال فرمادیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی خاص خبر ہو تو وہ بھی ساتھ ہی بھیج دیں۔ اباجی پرواز کے لئے کچھ اشتہاروں کا انتظام ضرور فرمادیں۔ بھائی وحید الزماں صاحب کی خدمت میں سلام

والسلام۔ دعا کا طالب۔ کوثر قریشی (مردم) میرٹھ

دارالمنصفین اعظم گڑھ

مکرم و محترم السلام علیکم

گرامی نامہ ملا، آپ کا خیال بہت اچھا ہے۔ موجودہ حالات میں اس قسم کے مضامین کی ضرورت ہے آپ نے جو مضمون بھیجا ہے وہ ابھی تک نہیں ملا۔ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے متعلق آنحضرت صلیم کا کوئی فرمان تو میری نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن شیخین نے معاہدوں کے ذریعے غیر مسلموں کو جو حقوق دیئے ہیں ان سے ان کے حقوق کا تعین ہوتا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ان کے مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت نہ کی جائے گی وہ اپنے مذہبی رسوم ادا کر سکیں گے اور ان کی عبادت گاہوں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ان حقوق کی پوری تصریح کی ہے اور ان معاہدوں کو بھی نقل کیا ہے تاریخ کی تقریباً سب کتابوں میں یہ معاہدے موجود ہیں۔ مولانا شبلی نے اپنے مضمون حقوق اور عبادت گاہوں میں ان حقوق پر مفصل بحث کی ہے۔ میرے خیال میں پہلے آپ اس مضمون کو دیکھ کر آپ جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں وہ اس میں موجود ہے۔ اگر اسی سے آپ کا کام چل جائے تو سہی، ورنہ جو ارشاد فرمائیے گا اس کی تعمیل کی جائے گی۔ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف پر ضرور نظر ڈالی تھی اور اگر کہیں ڈاکٹر حمید اللہ کی مرتب کردہ "الوثائق"

سیاسیہ فی الفیوض البتوی واثاثہ راشدہ " مل جائے تو اور زیادہ بہتر ہوگا۔ مگر سب سے پہلے حقوق
انسانی پر نظر ڈال لیجئے۔ یہ مضمون مولانا شبلی کے مضامین تاریخ جلد اول میں ہے دلی میں بہت مل جائے گا
اور سب خیریت ہے۔ والسلام معین الدین احمد۔ ۹ مئی ۱۹۵۵ء

حجاج بن یوسف کا واقعہ میری نظر سے کسی تاریخ میں نہیں گزرا۔

ڈیرہ شاہ رفیع خاں الہ آباد۔ حکیم سید محمد احسن حکیم بادشاہ

عزیز محترم۔ د علیکم السلام۔ خط آپ کا آیا۔ آپ اتنے بیمار رہے اور اپنی

خیریت سے مجھ کو اطلاع نہ دی۔ خیر خدا کا شکر ہے آپ اچھے ہو گئے۔ میں دہلی آنے کو تیار ہوں جب آپ

کا خط آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ آؤں گا۔ آج کل احمد مصطفیٰ امبئی میں ہیں۔ اپنے صاحب زادے کو

سلام و دعا کہتے ہیں۔ فقط۔ والسلام سید محمد احسن غفرلہ۔ ۹ جون ۱۹۵۵ء

عزیز محترم مولانا حبیب الرحمن صاحب

سلام مسنون۔ مزاج شریف۔ عرصہ سے خیریت معلوم نہیں ہوئی۔ امید کہ سب مع الخیر ہوں گے

میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ ۱۴ رمضان کو والد صاحب کا عرس کر کے دہلی آؤں گا اور پاکستان جادو کا

۱۴ اپریل کو اس معاملہ میں جس کی میں نے اپنی طرف سے اپیل کی ہے اور مکان کے معاملہ میں خریدار

نے درخواست کی تھی کہ یا تو قبضہ دلایا جائے یا میرا وپیہ واپس کیا جائے۔ سچ اگر دال صاحب الہ آباد

آئیں گے۔ تاریخ مقدمے کی ہے اگر کوئی زور پہنچ سکے تو پہنچا دیجئے۔ یہاں دیکھئے کیا فیصلہ کرتے ہیں

آج کل پنڈت جی یہاں آئے ہوئے ہیں مگر مجھ سے ملاقات نہیں ہوئی ان سے ملنا بہت مشکل ہے۔ میں

بالکل اچھا ہوں۔ سب لڑکوں کو سلام مسنون اور مزاج پر سی۔ فقط۔ والسلام

سید محمد احسن (حکیم بادشاہ) ۵ اپریل ۱۹۵۶ء

نئی زندگی۔ ۶۷۔ بانی کا بارغ۔ پٹنہ

مولانا محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرچہ جناب سے مجھے نیاز حاصل کرنے کا اب تک اتفاق نہ ہوا۔ لیکن غائبانہ تعارف ضرور ہے

۱۵ پنڈت موتی لال نہرو نے اپنے انتقال کے وقت حکیم صاحب سے یہ الفاظ فرمائے۔ میری نبات کی ذمہ داری

آزادی کے بعد ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تبادلہ خیالات کروں، اور آپ کی فکر سے استفادہ کروں لیکن افسوس اس کا موقع نہ ملا۔

اب پیام مشرق میں کئی بار آپ کا ذکر پڑھا۔ تو معلوم ہوا کہ کچھ کر رہے ہیں اور یہ خیال پیدا ہوا کہ آپ سے رابطہ پیدا کیا جائے تاکہ مسلمانان ہند کے لئے کوئی راہ عمل سوچی جائے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی پرانی تکنیک یعنی مسلمانوں کے حقیقی اور خیالی مطالبوں کو لے کر ہندوؤں سے لڑنا اور اس لڑائی اور زندگی کے ذریعے اپنی مسلم قوم میں مقبول ہونا، اسے ترک کر دینا چاہئے، کیونکہ اس سے تلخی اتنی ہی پیدا ہوتی ہے جتنی مسلم لیگ کی جنگ سے پیدا ہوتی تھی۔ اور اتحاد قومی کو نقصان پہنچتا ہے اور پھر مسلمانوں کو بھی کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچتا۔

مسلمانوں کے مطالبات منوانے کے لئے سب سے ضروری چیز وہ فضا پیدا کرنا ہے جس میں برادران وطن ہمارے مطالبات پر ہمدردی سے غور کرنے کے موڑ میں ہوں۔ اور یہ فضا اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب وطنی فریٹ پر ہندوؤں کی اور ہماری کل ہم آہنگی ہو۔ ملک کے لئے ہم ان کے ساتھ دوش بدوش چلنے کو تیار ہوں۔ ورنہ اگر قومی جدوجہد سے ہم رفتہ رفتہ الگ ہو گئے اور ہمارے ہاتھ میں صرف مطالبات کا کارہ گیا اور ہندوؤں کی تنگ نظری کی ڈھلی ہم بجاتے رہے تو دن بدن ہندوؤں میں ہمارے دوستوں کی تعداد کم ہوتی جائے گی اور ایک زمانہ وہ آنے والا ہے جب کہ ہمارا ایک دوست بھی نہ رہے گا۔

اپنی پرانی خدمات اور قربانیوں کے سرمائے کو جو بنکد میں ہمارا جمع ہے اسے ہم بری طرح خرچ کر رہے ہیں اور نیا سرمایہ کوئی جمع نہیں کر رہے ہیں تو آخر یہ پراتنا سرمایہ کب تک کام دے گا۔

لہذا میرے خیال میں تمام مسلم سیاسی کارکنوں کو اپنی تکنیک بدلنی چاہئے یا پھر وطن سرفروشوں کی ایک نئی جماعت بنانی چاہئے۔ جو تحریر و تقریر کے ذریعے بار بار قوم کے سامنے یہ صحیح پروگرام پیش کرے۔ میں آپ سے کیا عرض کروں۔ میں کس طرح تڑپ رہا ہوں۔ اپنا پرانا سیاسی رسالہ نئی زندگی جاری کرنے کے لئے۔ میرے حیدرآباد کے طویل قیام نے نئی زندگی کو ختم کر دیا اور میرے پاس جو کچھ سرمایہ تھا وہ الیکشن لڑنے میں ختم ہو گیا (کیونکہ میں حیدرآباد اسمبلی کے لئے کانگریس ٹکٹ پر کھڑا ہوا تھا۔ لیکن

ایک کیونٹ کے مقابلہ میں ناکام ہوا) اس کے بعد مسلسل تین سال سے بے کار ہوں اور اس مسلسل بیکاری نے میری کمزوری دی ہے۔ اگر تھوڑے سے سرمائے کا بھی انتظام ہو سکے تو میں خدا کا نام لے کر نئی زندگی جاری کر دوں۔ بہر حال آپ فرمائیے، آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ میں عنقریب دہلی آنے کے لئے سوچ رہا ہوں اگر دہلی حاضر ہوا تو ضرور خدمت میں حاضر ہو کر نیاز حاصل کر دوں گا۔

امید ہے کہ جناب کے مزاج بخیر ہوں گے اور ہر طرح معالیموں گے۔ والسلام
مخلص امیس الرحمن۔ مرحوم۔ ریڈیٹر مالک "ملک و ملت"

کوچہ رحمن۔ چاندنی چوک۔ دہلی۔ از گنگا رام ہسپتال

خدمت حضرت سیدی دامت برکاتہم

السلام علیکم۔ گنگا رام ہسپتال میں چار پانی پر سے یہ عریضہ لکھوا رہا ہوں۔ آج آپریشن کو چھٹا دن ہے، صفت کافی ہے۔ دعا کا محتاج ہوں۔ تین دن تک شاید گھر چلا جاؤں، چلنے پھرنے کی ابھی طاقت نہیں ہے۔ انسان بے کس اور عاجز ہے۔ زیادہ کھانے کی ہمت نہیں۔ مولانا عبدالمنان صاحب کو اگر فرصت ہو اور کام نہ ہو تو کچھ روز کے لئے اگر تشریف لے آئیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب عزیز عبدالجلیل اور تمام اہل خانقاہ کی خدمت میں سلام مسنون اور دعا کی درخواست۔ والسلام

حبیب الرحمن۔ ۲۵ جولائی ۱۹۵۶ء بقلم محمد احمد لدھیانوی

رائے پور۔ ۱۰ فروری

مخدوم المکرم حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ اس سے پہلے بھی لکھوا چکا ہوں کہ جناب والا تشریف لے آویں۔ مگر تا حال کوئی جواب نہیں آیا۔ سردی کا فکر تھا، اب تو موسم بہت تبدیل ہو گیا۔ ہم نے بھی سردی کے کپڑے اتار کر گرمی کے پہن لئے ہیں اور ۵ فروری بھی اب تو ہو گئی ہے۔ اب معلوم آپ کیوں انتظار کر رہے ہیں۔ باقی الحمد للہ حق کی طبیعت اچھی ہے۔ البتہ صفت ہے۔ مولوی عبدالمنان صاحب اللہ کے بندے ہیں کہ وہ

بھی لکھ دیتے ہیں کہ اتوار کو آرہا، بدھ کو آرہا، ہفتہ کو آرہا ہوں وہ اب آکیوں نہیں جلتے۔ بہت علاج ہو چکا۔ تشریف لے آئیں۔ ان کا بھی بہت انتظار کیا۔ باقی مولوی حبیب الرحمن صاحب لاکھنؤ کی کا خط کل ملا۔ ان کی مرضی۔ دنہ احقر کے خیال میں مدرسہ سے اتنی مدت غیر حاضر رہنا کسی طرح مناسب نہیں۔ مولوی عبدالمنان صاحب تو مہربانی کر کے چلے ہی آئیں۔ مولوی محمد احمد صاحب ہر سہ حضرات کی خدمت میں نہیں میں سلام عرض کرتے ہیں۔ بخدمت عبدالمنان از احقر عبدالوحید بعد سلام مسنون عرض ہے کہ کل ایک صاحب قصاب پورہ کے ہاتھ عریضہ مفصل روانہ کر چکا ہوں جس میں تقریباً یہی مضمون تھا۔ ۲۵ فروری کو یہاں سے روانگی کا قصد ہے۔ آتے ہوئے ۲ کرتوں کا کپڑا، گز جو روپے سوار روپے سے زیادہ نہ ہو اور اسی بھاؤ کی تقریباً دو چادریں، لٹھا سفید یا کوما اگڑا، گرہ عرض پونے تین گز معمولی درجہ کامل جادے تو لیتے آئیں۔ احقر آپ کی راقہ مکتا ہے کبھی پریشان ہوتا ہوں، کبھی دعا کرتا ہوں۔ جو چادریں ارسال کی ہیں اس پر خالص ریشم لکھا ہوا ہے۔ کیا وہ واقعی کپڑے کا ریشم ہے یا سن کا بنایا ہوا۔

والسلام۔ احقر عبدالقادر۔ رائے پور۔ ۱۵ فروری ۱۹۷۵ء

مولانا سے فرمادیں کہ آپ کے خط کا حضرت والا نے کچھ اثر نہیں لیا بلکہ یہی فرمایا تھا کہ ان کا انتظار رہتا ہے۔ خط بہت جلدی میں لکھ رہا ہوں التذکرے پڑھا جادے۔ عبدالمنان خادم حضرت والا از رائے پور ضلع سہارن پور (یوپی)

مخدومی محترمی حضرت مولانا بنجم العالی ذوالقرحبیب الرحمن رائے پوری سلام مسنون۔ درخواست دعا اور مبارک باد یوم آزادی کے ساتھ گزارش ہے کہ جناب کے متعدد گرامی نامے یکے بعد دیگرے شرف صدور لائے۔ احقر دور دراز کے لئے سہارن پور گیا تھا۔ اسی لئے جواب میں تاخیر اور کوتاہی ہوئی۔ ۵ اگست کو مکھے گئے سب سے بعد والے گرامی نامہ کے سلسلے میں گزارش ہے کہ جلسہ کی کارروائی پریس کو بھجوانے پر بہت بہت شکریہ۔ ۵ اگست ۱۹۷۵ء کو یوم آزادی کے دن احقر نے رائے پور کے سرکاری مدرسہ اور گاؤں والے دونوں مکاتب اور باشندگان رائے پور کو منادیا اور بعض خصوصی دعوت ناموں کے ذریعے مدرسہ باغ رائے پور میں مسجد کے سامنے میدان میں جمع کیا، اور

سرکاری مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر صاحب کی صدارت میں دوپہر بعد ۲ بجے سے ۶ بجے تک یوم آزادی کے سلسلے میں یہاں کے اعتبار سے بڑا شاندار جلسہ کیا جس میں علاوہ تینوں چاروں مدارس کے طلباء و اساتذہ کے رائے پور کے ہندو مسلمان سب شریک تھے۔ تقریروں میں بھی اساتذہ، طلباء اور عام سبک میں سے سب کو جو تقریر کرنا پسند کرتے تھے بولنے کا موقع دیا اور پانچ بجے ہندوستان کے قومی جھنڈے کی بڑی شاندار اور جاذب طریقہ پر پرچم کشائی کی گئی۔

اپنا تیار کردہ قومی ترانہ اور جھنڈے کا ترانہ دلکش طور پر دلولہ انگیز طریقہ پر پڑھا گیا۔ بعد میں ایک سیر حاصل تقریر کی اور ہندوستان کی خارجی پالیسی پر روشنی ڈالنے کے مواقع پر نہر سوینہ کے معاملہ پر دل کھول کر باتیں کیں اور سب لوگوں نے جمال عبدالناصر کی کامیابی کے لئے دل سے دعا کی۔ اور ناصر کی پالیسی کو الشیاء اور ہندوستان کی آزادی کا ضامن قرار دیا۔ مسلمانوں نے بھی یوم آزادی پر اس بیان میں اتنی دل چسپی پیدا کی کہ معلوم ہوتا تھا ہندوستان کی آزادی کا دن منانے اور جھنڈے کو بلند کرنے میں مسلمان برادران وطن سے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں پھر حضرت اقدس مدظلہ العالی کی مجلس میں بھی جلسہ کی کارروائی شام کی مجلس میں بیان کر کے حضرت اقدس مدظلہ العالی کی فرحت کا سامان کیا اور داد تحسین و تائید حاصل کر کے اپنے دل کی تسکین کا سامان کیا مگر یہ یوم آزادی کی کارروائی پریس میں اس لئے نہیں بھیجی گئی کہ ایسا بلکہ اس سے بہت زیادہ ملک کے گوشے گوشے میں کیا گیا ہو گا اسے کون شائع کرے گا۔ آج حضرت اقدس کی مجلس میں جناب والا کا موصول ہوا مذکورہ بالا گرامی نامہ پہلے سنا لے گرامی نامے کی طرح حرف بحرف پڑھ کر پیش کیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میری طرف سے لکھ دینا کہ ہم بھی ساتھ ہیں، شاید زیادہ اپنے نام کے مکتوب کے جواب میں لکھو آئیں۔ حضرت مولانا محمد حسن صاحب، حضرت مولانا یحییٰ صاحب، جناب غلام مصطفیٰ صاحب اور مولانا عبداللہ دجا اور صاحبزادگان و اجباب کی خدمت میں سلام مسنون و درخواست دعا عرض ہے۔

احقر کا ایک بھتیجہ رائے پور آیا ہوا ہے۔ اس کے اصرار پر مجھے ۲۰ کو سہارن پور، ۲۱ کو پٹیالہ جانا ضروری ہو گیا ہے۔ گزارش ہے کہ اپنی خیریت اور پٹیالہ کے متعلق اگر کوئی بات ارسال فرما سکیں

تو احقر کو معرفت سرمدار جے سنگھ پیشتر ڈیوہری افسر ۲۸ ڈی ہند را کو ٹھی متصل پھول سینما پٹیا لہ (پیسپ) کے پتہ پر ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔ ۲۲ یا ۲۳ کو داپسی کا پختہ خیال ہے۔ رائے پور ولبسی پر دہلی کے لئے بھی ارادہ رکھتا ہوں۔ وقت کی تنگی ہے ورنہ پٹیا لہ جلنے سے پہلے حاضر ہوتا تو بہتر ہوتا۔ داپسی پر ایک دو مکاتب کا محاسبہ بھی احقر کے ذمے ہے۔

جناب کی صحت کی بحالی کی اطلاعیں بہت ہی راحت افزوں پہنچتی رہیں۔ مگر یہ بخار کی بات سن کر تشویش ہوئی۔ اگر پٹیا لہ خیریت کی اطلاع نہ دی جاسکے تو سہارن پور شیخ کی معرفت یا پھر رائے پور ہی ضرور ارسال فرمائیں۔ خدا تعالیٰ جناب کو جلد پوری صحت اور تندرستی عنایت فرمائے کہ جلد جناب کی رائے پور تشریف آوری دیکھنی نصیب ہو۔ آمین ثم آمین

حبیب الرحمن سلام مسنون و درخواست دعا عرض کرتا ہے۔ گھر میں سب خیریت ہے اور سب جناب کے ہاں آپ سب حضرات کی خدمت میں اور گھروں میں سلام مسنون و درخواست دعا عرض کرتے ہیں۔ ۱۷ اگست ۱۹۷۷ء

احقر حبیب الرحمن رائے پوری۔ از رائے پور ضلع سہارن پور (یو پی)

محترمی حضرت مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی

از احقر حبیب الرحمن رائے پوری سلام مسنون و درخواست دعا کے ساتھ جواباً گزارش ہے کہ حبیب الرحمن جناب کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوگا۔ اس کے حاضر ہونے کا یہ فائدہ ضرور ہونا چاہئے کہ احقر کو کام کے متعلق کچھ تفصیلات اور جناب کو احقر کی عظیم الفرستی اور مجبوریوں کا علم ہو جائے تاکہ کام کی نوعیت کا اندازہ اور وقت کی گنجائش کا پیمانہ بیک وقت سامنے رہ سکیں اس طرح تعمیل ارشاد میں آسانی ہو جائیگی اور انشاء اللہ کام کی صورت نکل آئے گی۔ حضرت کی خدمت میں جناب کا سلام و پیام نیز ملفوف عریضہ لفظ بلفظ پڑھ کر سنایا گیا۔ حضرت اقدس مدظلہ نے دعا فرمائی اور یہ لکھنے کو بھی فرمایا کہ یہاں تو ہم سب کرنل جمال ناصر کے لئے دعا گو ہیں اور یہاں کوئی کچھ نہیں کہتا۔ آپ بیماری میں خواہ مخواہ معروضوں پر توجہ کر کے اپنے آپ کو پریشان نہ کریں۔ چنانچہ دعا فرمائی اور مدرسہ میں بھی آج سے مستقلاً دعا کا سلسلہ

احقر نے جاری کر دیا ہے اور آج جمعہ میں اس کے متعلق کچھ کہنے کا ارادہ بھی ہے۔

بیس سالہ پرانی جماعت حزب الافار رائے پور کے نمبر جمع ہو کر انشاء اللہ آج جمعہ حبلہ حاضر احباب کے خدا سے کرنی جمال ناصر کی کامیابی کے لئے دعا کریں گے اور ان کے اقدام حق کی تائید اور برطانیہ اور فرانس وغیرہ کے مذہب رومیہ کی مذمت کریں گے۔ اور احقر کچھ بیان کرے گا نیز اس علاقہ میں ان امور کی تکمیل کا ارادہ بھی کر رہا ہے۔

محب الرحمن اگر ابھی تک ہو تو اسے یہ علم ہو جانا چاہئے کہ ماسٹر جی نے لکھنؤ سے خط میں نام بھیجنے اور ٹھا کر صاحب کے اس کو پسند کرنے اور جین صاحب سے بھی اس میں بات چیت کرنے کے متعلق لکھا ہے۔ اگر محب الرحمن سے ممکن ہو تو وہ جین صاحب سے اس مدت میں ضرور مل لے۔ لکھنؤ سے کہ کامیابی کی امید ہے۔ حضرت مولانا عبدالمنان اور جناب مولانا عبداللہ صاحب آگے ہوں تو جناب مولانا محمد احمد صاحب اور ان کے دوسرے سب بھائیوں نیز ڈاکٹر صاحب اور جملہ احباب کی خدمت میں سلام مسنونہ درخواست دعا عرض ہے۔ محب الرحمن کو چاہئے کہ مجھے اپنی معروضات دے کر کوالف اور واپسی کے پروگرام سے جلد از جلد اطلاع دے۔ انشاء اللہ میں ۱۳ اگست ۱۹۵۷ء کو فوری واپسی کا خیال لے کر گور اندرسنگھ کے ساتھ سہارن پور آؤں گا تو محب الرحمن سے ملنا ہو گا اور جناب کے جملہ کوالف خیر سے اطلاع ہو جائے گی اور گنجائش نکل سکی تو ایک دن کے لئے حاضری کی کوشش کروں گا۔ حضرت اقدس کی شفقت ہے کہ یہاں سے احقر کا جدا ہونا پسند نہیں فرماتے ورنہ حاضر خدمت ہوتا یہ جناب کا حسن ظن ہے اور خدا اس حسن ظن کی برکت سے نوازے۔ آمین۔ بھائی الطاف صاحب خیریت سے ہیں، مجھے ان سے بات کا موقع نہ ہو سکا۔ معذرت قبول فرمائیں۔ والسلام

احقر حبیب الرحمن رائے پوری حال تقیم ٹپالہ۔ پنجاب

مخدومی و محترمی جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی۔

اذا احقر حبیب الرحمن رائے پوری۔ سلام مسنونہ و درخواست دعا اور مبارک باد ادائیگی حج بیت اللہ نیز مدینہ منورہ کی حاضری جو ہونے کو ہے اور دیگر امور خیر جو سفر میں پیش نظر ہیں ان سب کے لئے بھی پیشگی

مبارک باد عرض کرنے کے ساتھ ساتھ جناب کی خدمت میں ادب و اخلاص کے ساتھ جواباً گزارش ہے کہ گرامی نامہ نے کل ۳۱ ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ مطابق ۳۱ اگست ۱۹۵۵ء کو شام کے وقت شرفِ صدرِ بخشا۔ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ خلاصہ مسرت نامہ فوراً ہی حضرت اقدس مدظلہ العالی مائے پوری سے عرض کر دیا گیا اور حسب ارشاد قدموں پر ہاتھ کر جناب کا اور صاحبزادگان کا سلام مسنون عرض کر دیا گیا نیز جملہ رفیقانِ سفر کا سلام بھی عرض کر دیا گیا۔ حضرت اقدس رلے پوری مدظلہ العالی نے بڑی خوشی سے بات سنی اور خط سنانے کو فرما دیا۔ مگر ڈاکٹری ہدایات کے ماتحت زیادہ باتیں نہ کرنے کی مصلحت سے دوسرے وقت سنانے کو عرض کر دیا گیا جو قبول فرمایا۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے نام والا خط اور اس میں حضرت اقدس مدظلہ کے نام کا خط کل پرسوں پہنچ کر پڑھے جا چکے تھے۔ اس تفصیل کو سامنے رکھ کر جناب کا گرامی نامہ پڑھا اور آج تو پیامِ وطن دہلی میں مولانا وحید الزماں کا مسلسلہ مطبوعہ خط بھی نظر سے گزر چکا ہے جو مزید تفصیل کو حاوی ہے۔ اسی طرح جناب کے مسلسلہ ارشادات وہاں کے حالات کا تصور کرنے میں مل جل کر اچھا خاصا دلچسپ مرقع بن گئے ہیں جو ایک حد تک تسکینِ خاطر کا سبب ہے۔ تاہم دل زیادہ اور مفصل کوائف کا طالب ہے۔ خدا وہ دن کرے کہ جلد جناب کی زبان فیضِ ترجمان سے دیارِ حبیب اور تجلی گاہِ محبوب کے روح پرور حالات بالمشافہ دلوں کا سرور اور دماغوں کا نور بن کر رہنمائی کا سبب بنیں۔ آمین ثم آمین

مجھے بہت کچھ لکھنا ہے۔ اس لئے پہلے جواب کی کوشش میں رکھتا ہوں۔ یہ معلوم کر کے میرا عریضہ باریاب ہوا اتنی خوشی ہوئی جیسے گویا ایک حد تک میں ہی باریاب ہو گیا ہوں۔ مولانا عبد الجلیل صاحب کا شکریہ کہ انھوں نے میرا مفصل عریضہ پیش کر دیا یا خلاصہ سنا دیا۔ میں نے ایک خط مطوف کی معرفت اور ایک ہندوستانی کونسل جلدہ کی معرفت جناب کو بھیجا ہے وہ دونوں مولانا عبد الجلیل صاحب سے مفصل خط کا خلاصہ اور اس کے حوالے ہی تھے۔ کاش وہ دونوں بھی باریاب ہو لے ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ سفر میں جناب کی صحت رہی۔ اب نزلہ زکام کی شکایت بھی

جاتی رہی ہوگی تاہم اس کے لئے دعا ہے کہ دور ہو اور جناب تمام سفر میں پوری طرح تندرست اور تمام
مقامات سفر میں کامیاب ہوں اور خیر و عافیت سے واپس آکر اپنی صحبت اور زیارت سے ہم لوگوں کو
مسرور فرمائیں۔ جناب کی اس انتہائی شفقت کا یہ حد شکور ہوں کہ جناب نے فرمایا ہے "کاش" آپ میرے
ہم سفر ہوتے تو یہ سفر ایک خوش کن اور فرحت پہنچانے والا سفر بن جاتا۔" خدا سے امید ہے کہ وہ بھی اس
نعمت سے بھی نوازیں گے۔ کاش وہ نوازش باری تعالیٰ ہم دونوں کو اکٹھے سر فراز فرمائے اور اس اور
اس سفر کو زیادہ سے زیادہ اپنی رضا مندی کے حصول کا موجب بنائے۔ اس وقت تو یہی عرض کیا جاسکتا
ہے کہ آپ کی اس شفقت کے مستفیضان میں سے احقر کو اپنے سفر میں دعاؤں سے یاد فرمانا ہے۔ بس
امید ہے کہ یہ دولت ضرور میسر آئے گی اور یہ کیا کم ہے۔ آج سے بہت عرصہ پہلے جب آزادی ہند کے
دلوں بھی زرد دل پر تھے احقر نے یہ شعر ثواب کی نیت پڑھے تھے۔ اس وقت چودہ اٹھارہ کی جنگ
کے سبب ایک وقت ایسا آیا تھا کہ حاجیوں کے لئے راستے خطرات کی بنا پر بند کر دیئے گئے تھے۔

غریب ہو امیری مگر ہو دے مدینے میں	مزا ہے زندگانی کا اگر ہو دے مدینے میں
ہے رستہ بند لیکن ہو مجھے توفیق اُترنے کی	تو جا باد صبا جلدی خبر ہو دے مدینے میں
مقدّر میں اگر خدمت مرے ہندوستان کی ہے	بہت اچھا مگر اکثر گذر ہو دے مدینے میں
اٹھارہ سال کے اک نوجواں کی یہ تمنا ہے	شہادت راہ مولائیں قبر ہو دے مدینے میں

کاش آج بھی کوئی احقر کی طرف سے وہاں یہ شعر پڑھ دے۔ اس وقت عمر اٹھارہ سال کی
تھی اور ظاہری اسلام سے ابھی محروم تھا۔ مگر اب رسم کہو یا حقیقت خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس
دور پر چھپتیس^{۲۶} ستینیس^{۲۷} سال مزید اسلام کا نام لیتے ہوئے گزر گئے ہیں۔ مگر ابھی تک یہ شعا
شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے راستے کی شہادت نصیب کرے اور
دیار حبیب میں جگہ عنایت فرمائے۔

حضرت اقدس مدظلہ العالی نے کئی بار تاکید سے فرمایا ہے کہ میرا سلام مولوی صاحب کو
اور مولانا کے صاحبزادگان اور ساتھیوں کو ضرور لکھنا۔ آج کل حضرت اقدس مدظلہ کے ہاں کئی دن

سے حج کا حاجیوں کا اور وہاں کے حالات کا ہی تذکرہ خود حضرت کی طرف سے جاری رہتا ہے چنانچہ ہر اخبار میں اس بات کو تلاش کرایا جاتا ہے۔ چنانچہ ابھی میں نے پیام وطن میں مولانا وحید الزماں کا آپ کے سفر کے متعلق مضمون پیش کیا۔ اور حضرت اقدس مدظلہ نے خاصی مسرت سے سنا اور اس پر تبصرہ ہو رہا ہے۔

محبت الرحمن، مولوی عبدالمنان، بھائی الطاف، مولانا عبدالعزیز صاحب گتھلوی الغرض سب خدام کی طرف سے سلام مسنون و درخواست دعا قبول فرمائیں۔ شاہ مسعود صاحب آویں گے تو سلام عرض کروں گا۔ آج ڈاک خانہ میں چھٹی ہے اس لئے انشاء اللہ کل ۳۱ رذی الحجہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۳ اگست ۱۹۵۵ء کو یہ عریضہ مکمل کر کے ارسال خدمت کروں گا۔

۳۱ رذی الحجہ کو مولانا عزیز الرحمن صاحب تشریف لائے۔ اس لئے تمام دن ان کی باتوں میں گزارا اور حضرت اقدس مدظلہ العالی نے بھی ان کی باتوں میں اتنی دل چسپی لی کہ ایسی اس شمار میں اور کسی کی باتوں میں نہ لی تھی۔ ان مواقع پر بھی میں تقریباً موجود رہا۔ اس لئے کل ۳۱ کو عریضہ مکمل نہ کر سکا۔ آج ۵ کو سپردا ک کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اس کے بعد کو مکمل بھیجا ہوا خط شاید نہ مل سکے۔

۱۲ رذی الحجہ کی اہم باتوں میں یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے حضرت اقدس راضی پوری مدظلہ العالی کی صحت یابی کی خوشی میں مٹھائی چار کے وقت صبح تقسیم کی۔ آج ڈاکر معالج کیا تھا، اور اس نے اظہار اطمینان کر کے صرف احتیاطی پروگرام بنایا اور ایک ہفتہ سہارن پور ہی بٹھرنے کو ضروری سمجھا۔ نیز تمام اہم پابندیاں جو ملاقاتوں اور حرکت کرنے پر لگا رکھی تھیں کافی کچھ ڈھیلی کر دیں۔ چونکہ ملاقاتیوں کو مصافحوں اور ہجوم اور ہر وقت کے میل ملاقات سے روکنے کا ناخوش گوار کام کوئی اپنے ذمہ لینے کو تیار نہ ہوا، اس لئے بحیثیت امور تیمارداری کا ناظم ہونے کے یہ ڈیوٹی میں کسی کو نہ دے سکا، اپنے ذمے رکھی، اس میں لوگوں کو بہتری ناگواریاں بھی پیش آتی رہیں جو برداشت کرنی پڑیں۔ مگر الحمد للہ کہ یہ فرض پورا ہو گیا۔ آج احقر نے بھی حضرت اقدس کے دروازے پر ایک نظم لکھ کر لگا دی،

جس میں حضرت اقدس کی شفا کے ذکر کے ساتھ اجاب سے میں نے معافی طلب کی۔ ان اجاب سے جن کو میری اتنے دن کی مسلسل روک ناگوار گزری نظم یہ ہے۔

سن چوتھ مہتر کی بہتر عید آئی	اور نوید حیاتِ فولائی
غنیچے پھولے نہیں سماتے ہیں	ہے بہارِ اگست و جولائی
اس لئے کھلکھلا اٹھیں کلیاں	چونکہ حضرت نے ہے شفا پائی
گل نورستہ کا شباب یہ	یا نرِ سایہ توانائی
دیں معافی حبیب کو اجاب	روک ٹوک اس کی گرنہیں بھائی

دنیا کے اسلام اور ایشیا کی ترقی کے متعلق جو آپ کا خیال بن گیا ہے۔ بلاوجہ نہیں بنا۔ اس کی یہود ظاہر ہیں مگر ایسے مقدس مقام پر اس خیال کا ابھرنا بہت ہی مبارک بات اور خال نیک ہے میرا اس کے ساتھ یہ بھی خیال پختہ ہو جاتا ہے کہ اس ترقی میں سب سے بڑا اور حصہ ہندوستان کا ہوگا اور انشاء اللہ ہندوستان عام ترقی کا پیش رو ہونے میں نمایاں ہوگا تو اس کا اسلام کو اپنا لینا بھی میرے نزدیک یقینی امر ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور پیش گوئی کے سامان بنتے نظر آ رہے ہیں۔

اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ظاہری اسباب کے طور پر ایسی کوشش کریں کہ ہمارا ملک ہر امر میں بہترین امور کو اپنائے اور اپنا طرہ امتیاز بنائے خصوصاً اسلام کی ہمہ گیر توحید کے ابتدائے آفرینش سے کے گرنے کی ایک توحیدی قصورات کی حاوی ہے، جس میں شرک کا شائبہ نہیں اور جس کا سماں آپ نے عرب میں دیکھا ہے وہ ہند کی سرزمین پر کس طرح پر دان چڑھے کہ اس کے بغیر دنیا کی تمام نعمتیں اور صوری ہیں۔ معاف کرنا میں آپ کو ایسی بات لکھنے کی جرأت کر گیا جو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں مگر دل اٹد آیا اس لئے لکھ دی ورنہ آپ جب تشریف لائیں گے تو آپ سے ہی یہ تمام باتیں سمجھنے کی بات ہے۔ ہاں اتنا باہار دل میں آتا ہے اور جناب کا خط پڑھ کر تو یہ بات اور بھی وجدانی سی ہوتی جاتی ہے کہ ہندوستان جس طرح دنیا کے پائیکس میں عظمت حاصل کر رہا ہے یہ آخرت سے وابستہ امور میں بھی خدا کی دین (عطیہ) کا مواد بن کر رہے گا۔ اس میں اب کسی کی سستی یا تنقیدی حکمت علی اللہ

سو تدبیر کو دخل نہیں رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالم قضا و قدر میں یہ طے ہو چکا ہے۔ بشرطیکہ میری یہ جذباتی باتیں نہ ہوں مجیب الرحمن، مولوی عبدالمنان بھائی، عطار الرحمن اور حضرت کے جملہ خدام اور عزیز الرحمن کا سلام مسنون عرض ہے۔ شیخ الحدیث اور شاہ صاحب کا بھی سلام مسنون قبول فرمائیں۔ احقر کی طرف سے جناب کے صاحبزادگان اور جملہ ساتھیوں کی خدمت میں بھی سلام مسنون و درخواست دعا اور مبارکباد حج بیت اللہ کے ساتھ مضمون واعد عرض ہے۔

احقر حبیب الرحمن رائے پوری از مظاہر العلوم سہارن پور (یو پی) انڈیا
۱۵ ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ = ۵ اگست ۱۹۵۵ء

مکرمی۔ سلام مسنون

یہاں الیکشن کے سلسلہ میں مولانا فضل الرحمن صاحب حسن پوری اور مولانا عبدالعزیز صاحب جنک پور تشریف لائے۔ پہلے جلسہ میں حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کی تمہیدی تقریر اور نظم پیش ہوئی تھی۔ اس وقت نظم ارسال خدمت ہے اور حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کی وہ تقریر جو انھوں نے ایک گھنٹہ تک کثیر مجمع میں جاری رکھی لوگوں نے ان حضرات کا پرتپاک استقبال کیا اور حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کے دوبارہ کانگریس میں شامل ہونے پر ہمارا علاقہ بہت خوش ہے امید کہ آپ اخبار میں ان چیزوں کی اشاعت فرما کر ایک اخبار اس پتہ سے روانہ کریں گے جو پہلے کارڈ میں بتلایا گیا ہے۔ فقط والسلام۔
۱۳ ستمبر ۱۹۵۵ء (فائنل جلسہ کانگریس الیکشن)

بہار الدین بلڈنگ، دریا پور ٹپنہ۔ ۱۰ جولائی ۱۹۵۵ء

مولانا محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرچہ جناب سے مجھے نیاز حاصل کرنے کا اب تک اتفاق نہ ہوا لیکن غایبانہ تعارف ضرور ہے آزادی کے بعد ہمیشہ خواہش رہی کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تبادلہ خیالات کروں اور آپ کی فکر سے استفادہ کروں۔ لیکن افسوس اس کا موقع نہ ملا۔

(مرتب) لیکن آج کی دنیا اس سائنس کو نہیں جانتی (مرتب)

اب پیام مشرق میں کئی بار آپ کا ذکر پڑھا تو معلوم ہوا کہ آپ کچھ کر رہے ہیں اور یہ خیال پیدا ہوا کہ آپ سے رابطہ پیدا کیا جائے کہ مسلمانان ہند کے لئے کوئی راہ عمل سوچی جائے۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی پرانی تکنیک، یعنی مسلمانوں کے حقیقی اور خیالی مطالبوں کو لے کر ہندوؤں سے لڑنا اور اس لڑائی اور جنگ زرگری کے ذریعے اپنی مسلم قوم میں مقبول ہونا اسے ترک کر دینا چاہئے کیونکہ اس سے تلخی اتنی ہی پیدا ہوتی ہے جتنی مسلم لیگ کی جنگ سے پیدا ہوتی تھی اور اتحاد قومی کو نقصان پہنچتا ہے اور پھر مسلمانوں کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ مسلمانوں کے مطالبات منوانے کے لئے سب سے ضروری چیز وہ فضا پیدا کرنا ہے جس میں برادران وطن ہمارے مطالبات پر بھروسہ سے غور کرنے کے موڈ میں ہوں، اور یہ فضا اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب وطن فرسٹ پریسندوں کی اور ہماری مکمل ہم آہنگی ہو۔ ملک کے لئے ہم ان کے ساتھ دوش بدوش چلنے کو تیار ہوں۔

ورنہ اگر قومی جدوجہد سے ہم رفتہ رفتہ الگ ہو گئے اور ہمارے ہاتھ میں صرف مطالبات کا کاسہ رہ گیا اور ہندوؤں کی تنگ دلی اور تنگ نظری کی ڈفی ہم بجاتے رہے تو دن بدن ہندوؤں میں ہمارے دوستوں کی تعداد کم ہوتی جائے گی اور ایک زمانہ وہ آنے والا ہے جب کہ ہمارا ایک دوست بھی نہ رہے گا اپنی پرانی خدمات اور قربانیوں کے سہارے کو جو بینک میں ہمارا جمع ہے اسے ہم بری طرح خرچ کر رہے ہیں اور نیا سرمایہ کوئی جمع نہیں کر رہے ہیں۔ تو آخر یہ پرانا سرمایہ کب تک کام دے گا۔

لہذا میرے خیال میں تمام مسلم سیاسی کارکنوں کو اپنی تکنیک بدلنی چاہئے یا پھر سرفردشان وطن کی ایک نئی جماعت بنانی چاہئے جو تحریر و تقریر کے ذریعہ بادبار قوم کے سامنے یہ صحیح نظریہ پیش کرے۔

میں آپ سے کیا عرض کر دوں۔ میں کس طرح تڑپ رہا ہوں۔ اپنا پرانا سیاسی رسالہ نئی زندگی جاری کرتے کے لئے۔ میرے جیدر آباد کے طویل قیام نے نئی زندگی کو ختم کر دیا۔ اور میرے پاس جو کچھ سرمایہ تھا وہ الیکشن لڑنے میں ختم ہو گیا۔ (کیونکہ میں جیدر آباد اسمبلی کے لئے کانگریس کے ٹکٹ پر کھڑا ہوا تھا۔ لیکن ایک کمیونٹ کے مقابلہ میں ناکام ہوا) اس کے بعد مسلسل تین سال سے بے کام ہوں اور اس مسلسل بے کاری نے میری کمزوری ہے۔ اگر تھوڑے سے سرمایہ کا بھی انتظام ہو سکے تو میں خدا کا نام لے کر نئی زندگی جاری کر دوں

بہر حال آپ فرمائیے آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ میں عنقریب دلی آنے کے لئے سوچ رہا ہوں
اگر دلی حاضر ہوا تو ضرور خدمت میں حاضر ہو کر نیاز حاصل کروں گا۔

امید ہے جناب کے مزاج بخیر ہوں گے اور ہر طرح معالجیہ ہوں گے۔

والسلام۔ مخلص۔ ابیس الرحمن (مرحوم)

قبلہ بزرگوارم مولانا صاحب زاد عنایتکم

مولانا صاحب۔ آپ کا خط مبعہ درخواست جو کہ اسٹنٹ کسٹوڈین محکمہ میں داخل کرنی

تھی مبعہ روپے۔ / ۱۵ روپے وصول ہوئے۔ جس دن یہ تمام وصول ہوئے اس کے دوسرے دن میں

نے دس روپے کا ٹکٹ درخواست پر لگا کر داخل محکمہ متعلقہ کر دی گئی۔ اب اس میں تاریخ پیشی

۲۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء ہے۔ بندہ اس درخواست کی پیردی اپنی عین مطابق خوب کوشش سے کرے گا

نیز عرض ہے کہ کاغذات جو کہ آپ نے پہلے دستی میرے پاس روانہ کئے تھے اور جو کہ بندہ جب دہلی آیا

ہمراہ لایا تھا اور جو کہ آپ نے رکھ لئے ہیں وہ دوبارہ پھر اس درخواست میں مطلوب ہوں گے، ابھی

وہ کاغذات آپ واپس میرے پاس نہ بھیجیں جب ضرورت ہوگی اس وقت آپ کہہ دیں میں ان سے

عرض کروں گا۔ آپ کا خادم منشی پیارے لعل

آج ایک خط ضیاء الدین محمود بد حکیم بہار الدین محمود صاحب ملا۔ جو کہ مورخہ، ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء

کا تحریر کیا ہوا ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ اس خط کا جواب اس کو سر ہند شریف کے پتہ پر تحریر کروں

اور یہ بھی درج ہے کہ ۱۱/۱۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو جواب تحریر کروں مگر جب خط ہی مجھے، ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء

کو ملا ہے۔ تو جواب اس سے پہلے کیسے دے سکتا ہوں۔ کیونکہ ڈاک خانہ کی ہر بھی، ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء

کی لگی ہے۔ اصل خط آپ کی خدمت میں ارسال ہے مگر پھر بھی بندہ نے ایک خط سر ہند شریف کے پتے

پر ضیاء الدین محمود صاحب کو تحریر کر دیا ہے۔

مسٹر ضیاء الدین محمود صاحب

برصوں کے بعد آپ کا نوازش نامہ وصول ہوا۔ بندہ جس لائق ہے خدمت کرنے کو تیار ہے مگر

جب تک یہ پتہ نہ لگے کہ مکان کی اجازت تعمیر کس سال حاصل کی گئی نقشہ کی نقل ملنی دشوار ہے۔ اس لئے بندہ نے مجبوراً عرض کیا ہے۔ آپ یہ تحریر فرمادیں کہ تعمیر مکان کی اجازت کس سال میں حاصل کی۔ اگر تاریخ اجازت تعمیر معلوم ہو تو بہت ہی اچھا ہے۔ آپ کا خادم وہی پرانا پیالے لال دیل کاشی لدھیانہ

کولمبو ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء

قبلہ جناب آبا جان -

تسلیمات۔ آپ کا فوارش نامہ ملا۔ پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ عرصہ دراز کے بعد آپ کے دستخط دیکھے اور میں بیان نہیں کر سکتا کہ کس قدر باعثِ خوشی ہوا۔ اور پھر یہ جان کر کہ آپ مجھ سے ناراض نہیں تو اندر بھی خوشی ہوئی۔ مجھے معلوم ہے کہ میں دھان ملازمت کراچی آپ کی خدمت میں جو خط و کتابت نہ کر سکا وہ میری نالائقی تھی۔ مگر یہ سچ ہے کراچی ایک منحوس شہر ہے اور اس کی مٹی اندر پانی میں ہی بے ایمانی کی تاثیر ہے۔ آپ یقین کیجئے میں عرصہ ساڑھے چھ ماہ تک اپنی والدہ کو خط نہ لکھ سکا جس کے ساتھ میں نے کبھی کوتاہی نہیں کی مگر اس دفعہ تو حد ہو گئی۔ بہر کیف اب کبھی کوتاہی نہ ہوگی۔

میں مورخہ ۳ نومبر کو دو ماہ کی عارضی تبدیلی مکمل کر کے واپس بمبئی پہنچ جاؤں گا۔ آپ جواب بمبئی لکھ دیجئے۔ تین چار روز بعد شاید دہلی آؤں۔ ورنہ بمبئی سے ہی کراچی واپس چلا جاؤں گا۔ مجھے مولانا خلیل الرحمن صاحب کی طویل علالت کا پڑھ کر بے حد دکھ ہوا۔ یہاں پر کمزوری کی سخت پابندیاں ہیں۔ ورنہ میرا دل چاہتا تھا کہ فوری ان کی مدد کرتا جو کچھ ناچیز سے ہو سکتا ہے۔ مگر اب بمبئی پہنچتے ہی پہلا یا دوسرا کام یہی کروں گا۔ میرے ساتھ خلیل بھائی کے برادرانہ تعلقات کے علاوہ دوستانہ بے تکلفی بے حد ہے اور خاص کر جب کہ میں بے تکلفی کے ساتھ ان کے ہاں پہنچ جایا کرتا تھا۔

اگر میں فوری کراچی پہنچ گیا اور دہلی نہ آ سکا تو مجھے آپ ان کی بیوی کا پتہ ضرور تحریر فرمائیے، وہی بھاول پور والا پتہ ہے تو خیر مجھے معلوم ہے۔ میں آپ کو بھی کچھ کراچی سے بھیجنا چاہتا ہوں۔ اس خط کا تذکرہ آپ مولانا خلیل الرحمن سے نہ فرمائیے تو بہتر ہے۔ بہر کیف میں ان کا بھائی ہوں اور آپ کا بیٹا ہوں۔ مجھے عزت آبرو کا رذکار آپ کی دعاؤں اور حضرت اقدس کی مہربانی سے ملا۔ انشاء اللہ

اس کا احسان مند ساری عمر میں گاہی گاہی ادراکھی۔

میری بیوی میرٹھ میں ہے اور بچہ بھی۔ ہم دونوں ہی آپ کی قدم پرسی کے لئے آدیں گے۔ آپ مجھے
بمبئی خط لکھ سکتے ہیں، مگر اس کو لمبو کے پتے پر نہ تحریر فرمائیے۔ خط نہیں مل سکے گا۔ سب بھائیوں کی
خدمت میں بہت بہت سلام۔ آپ کا تابعدار۔ انور ملک
۲ نومبر ۱۹۵۵ء۔ حیدرآباد

محترم مولانا صاحب !

کئی بار آپ کو طبیعت چاہی کہ خط لکھوں۔ لیکن اردو رسم الخط نہ لکھ سکے کی وجہ سے میں ہمیشہ
اپنی اس خواہش کو پورا کرنے میں چونکہ دوسرے کا محتاج رہتا ہوں اس لئے کتراتا رہا اور مجھے آپ کو کوئی
دکھاوے کے لئے خط لکھنا نہیں ہوتا ہے۔ آپ کے لئے میرے دل میں جو عقیدت اور محبت ہے اس کا
اظہار ان خطوط سے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ آپ میرے خط نہ لکھنے کی وجہ سے مجھ سے
کبھی بھی ناراض نہ ہوں گے۔ آج خط اس لئے لکھ رہا ہوں کہ میں ایک مسئلہ میں آپ کی رہبری چاہتا
ہوں اور مدد بھی۔ حیدرآباد میں پچھلے کچھ ہفتوں سے ایک مسئلہ درپیش ہے۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ
حیدرآباد کا نظام میر عثمان علی خاں کتنے مسلمان ہے۔ شاید اس سے زیادہ مسلمان تو میں ہی ہوں۔ لیکن
پھر بھی وہ اپنی ہر غیر اسلامی حرکت کو اپنے روپے کے زور سے مفتیوں اور قاضیوں کے ذریعے اسلامی
نقطہ نگاہ سے جائز قرار دے دیتا ہے۔ یوں تو نظام کی بہت سی غیر اسلامی حرکات ہیں۔ لیکن پچھلے دنوں
انھوں نے جامعہ نظامیہ کے قاضیوں کو ایک مسئلہ پیش کیا کہ کیا ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے
سود لینا جائز ہے یا نہیں تو اس پر جامعہ نظامیہ کے تین قاضیوں نے متفقہ طور پر فتویٰ دیا ہے کہ
چونکہ ہندوستان دارالحرب ہے اس لئے ہندوستان میں رہنے والے مسلمان مسلمانوں سے یا غیر مسلموں
سے سود لے سکتے ہیں۔ جہاں تک آپ کے ذریعے حاصل کئے ہوئے میرے علم کا تعلق ہے میں تو یہی جانتا
ہوں دارالحرب اس جگہ کو بولتے ہیں جہاں مسلموں اور غیر مسلموں میں جنگ ہو رہی ہو اور جہاں مسلمانوں
کو نہ نماز پڑھنے کی اجازت ہو نہ مسجد بنانے کی اجازت ہو، نہ روزے رکھ سکتے ہوں اور نہ زکوٰۃ دے سکتے ہوں

اور نہ ہی دوسرے مذہبی فرائض سرانجام دے سکتے ہوں۔ نظام سود لے یا نہ لے۔ وہ مسلمان رہے یا نہیں رہے، وہ حلال و حرام میں تمیز کرے یا نہ کرے یہ سب اس کا ذاتی فعل ہے۔ اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں اور نہ ہی ہم کوئی دخل ہی دینا چاہتے ہیں اس کے لئے تو اسے خود ہی جواب دہی کرنی ہوگی لیکن اپنے گناہوں کو چھپانے کے لئے اس نے یہ جو فتویٰ دلا دیا ہے کہ جس سے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر ہندوستان کے سیکولرزم پر ایک بھاری چوٹ پہنچائی ہے اس سے یقیناً کوئی بھی محب وطن خاموش نہیں رہ سکتا۔ اس لئے اس سے پیشتر کہ میں یہاں ملاپ کے کالجوں میں اس مسئلہ کو چھیڑوں میں آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں کہ کیا ہندوستان دارالحرب ہے اور اگر ہے تو دارالحرب کا مطلب کیا ہے اور اگر آپ مجھ سے متفق ہیں کہ ہندوستان دارالحرب نہیں تو میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ بماء کرم اس مسئلہ پر اپنا مضمون تو بھیجیں ہی اور ساتھ ہی ہندوستان کے کچھ قاضیوں، مفتیوں یا علماء سے بھی مجھے اس مسئلہ میں مضمون بھجوانے کی ہر بانی کریں۔ یہ ایک نہایت اہم مسئلہ ہے۔ حیدرآباد کے مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ بھارت کے مسلمانوں کے لئے اس کی بہت اہمیت ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ہی کیوں بلکہ پورے ہندوستان کے لئے بھی یہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر دارالحرب کا مطلب وہی ہے جو میں نے اوپر لکھا ہے اور ہندوستان واقعی دارالحرب ہے تو ہم سب کو سوچنا ہوگا کہ ہندوستان کا یہ دعویٰ کہ وہ سیکولر ہے وہ کہاں تک ٹھیک ہے اور اگر ہندوستان دارالحرب نہیں ہے تو پھر یقیناً ہندوستان کے محض ادرایمان دار علماء، قاضیوں اور مفتیوں کا فرض ہے کہ وہ جامنہ نظامیہ کے ان تین قاضیوں کے اس فتویٰ کی تردید کریں۔

مجھے یقین ہے کہ آپ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کر کے اور اس کی اہمیت سمجھتے ہوئے آپ مجھ سے تعاون کریں گے اور اپنی دوسرے علماء، قاضیوں اور مفتیوں کی آراء بھیج کر ہر بانی فرمائیں گے۔ فقط۔ آپ کا عقیدت مند

یدھ دیو ایڈیٹر روزنامہ ملاپ حیدرآباد دکن

۹ نومبر ۱۹۵۷ء۔ از طرف چودھری عبدالرحمن

میرے بھائی حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مدظلہ العالی

۴۶۰

یدھ دیو رئیس الاحرار کے ساتھ تین سال دھرم سالہ جیل میں نظر بند رہا۔ یدھ دیو صاحب ہمارے خوش حال چند مولوی ہر سو اسی آئند کے صاحبزادے ہیں۔ یدھ دیو کا یقین ہے کہ آریہ سماج بھی اسلام کا ایک فرقہ ہے لیکن اپنی اپنی

السلام علیکم۔ پہلے تو آپ کے متعلق پتہ چلا کہ آپ اور آپ کے دو صاحبزادے حج کو تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی اور مسرت ہوئی۔ دعا تو پہلے ہی نا چیز ہمیشہ آپ کے لئے کرتا ہی ہے۔ پھر یہ دعا کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ ساتھ خیریت کے آپ حضرات کو مکہ معظمہ میں پہنچائے اور اپنے فضل و کرم سے تمام خیریت سے واپس لائے۔ باقی واپسی کا پتہ چلا بڑی خوشی اور مسرت ہوئی۔ اب اس کے بعد عرض ہے کہ آپ کی خیریت کی اطلاع بہت دنوں سے نہیں ملی۔ ہر بانی فرما کے آپ اپنی اند بچوں کی خیریت کی اطلاع دیں بڑی ہر بانی ہوگی۔ باقی ایک پرانی بات آپ کو یاد دلاتا ہوں۔ میں خود اور آپ کے محمد عبداللہ کو ساتھ لے کر اور آپ بھی وہاں پر موجود تھے حضرت رائے پوری مدظلہ العالی کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے بسم اللہ کرانے سے پہلے یہ فرمایا کہ حضرت عالی کی خدمت میں عرض کرنا کہ اس کو کچھ چبا کر کھلانا تو ہم نے عرض کیا۔ تو حضرت مدظلہ العالی نے شفقت فرمائی، چبا کر کھلائی۔ بڑی خوشی اور مسرت ہوئی۔ باقی عرض یہ ہے اور آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ پہلے میرا نام غلام محمد والدین نے رکھا ہوا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اللہ کے نیک بندوں سے ملنے کا جذبہ پیدا کر دیا۔ مولانا حبیب الرحمن کی سے محبت زیادہ ہو گئی اور اکثر ان کی خدمت میں جاتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ انھوں نے چون گرد کی مسجد میں فرمایا کہ تمہارے نام میں عربی کے اطوار سے مشرقیت کی بو نہیں۔ تو میں نے سن کر ان کی خدمت میں عرض کی کہ پھر اس کو بدل دینا چاہئے۔ اس کے بعد جب نام تجویز کرنے لگے تو میرے منہ سے نکلا کہ عبدالرحمن رکھ دو اس کے بعد پھر مولانا کی صاحب نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو دو نام زیادہ پسند ہیں۔ عبدالرحمن، محمد عبداللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا سن کر کہ اللہ تعالیٰ کو دو نام پسند ہیں تو ابھی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا تو اس کا نام محمد عبداللہ رکھیں گے۔ جب باری تعالیٰ نے بچہ عنایت فرمایا تو میں نے محمد عبداللہ نام رکھا۔ اب بر خور دار کا نام ڈال کر کام شروع کیا ہے۔

چودھری عبدالرحمن

لکھنؤ۔ ۱۸ نومبر ۱۹۵۵ء

مخدوم مکرم بندہ۔ دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ صادر ہو کر کاشف حالات ہوا۔ میں جناب کی توجہ و مہربانی پر انتہائی ممنون ہوں۔ مجھے یہی امید ہے کہ آپ پوری پوری سعی میرے معاملہ میں فرما رہے ہوں گے اور بفضل خدا اس کے نتیجے میں جلد کامیابی حاصل ہوگی انشاء اللہ۔ پنڈت پنت جی کو بھی توجہ دلائیے۔ جناب والد صاحب بھی دہلی تشریف لے گئے ہیں اور شرف نیاز حاصل کر چکے ہیں۔ میں یہاں حاضر ہونے سے قبل رائے پور حضرت اقدس مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ بفضل خدا صحت بہتر ہے۔ بھائی بھی وہاں ملے تھے۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیریت ہوں گے۔ کوئی بات معلوم ہو تو مطلع فرمائیے گا۔

آپ کا خادم محمود علی خاں ایم۔ ایل۔ اے

پتہ: محمود علی خاں ایم۔ ایل۔ اے۔ کمرہ ۱۱۱۔ بی بلاک۔ دارالشفار۔ لکھنؤ۔

لکھنؤ۔ دارالشفار۔ بی بلاک۔ ۵ مارچ ۱۹۵۶ء

مخدوم مکرم بندہ زاد الطائف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ صادر ہو کر کاشف حالات ہوا۔ جناب نے تحریر فرمایا تھا کہ میں پنڈت جی سے ذکر کروں گا۔ امید ہے کہ ملاقات ضرور ہوگی ہوگی۔ اگر نہ ہو سکی ہو تو درخواست ہے کہ اس طرف توجہ فرمائیے۔ مجھے امید ہے کہ پنڈت جی ضرور اس طرف توجہ فرمائیں گے اور یہاں اشارہ فرمادیں گے۔ پہلے بھی دوسرے لوگوں کے بارے میں پنڈت جی فرما چکے ہیں، اور ان کے کام ہو گئے ہیں۔

دوسری درخواست یہ ہے کہ شری لال بہادر شاستری جی سے بھی اپنے سامنے فون پر کہلا دے ان کا فرمانا بھی موثر ہوگا۔ اس لئے ان سے بھی مل لیجئے۔

یہ کام آپ کو ہی کرنا ہے اور آپ کی توجہات خصوصی سے کامیابی انشاء اللہ یقینی ہو جائے گی اس لئے درخواست ہے کہ اولین موقع پر ملاقات دونوں صاحبان سے فرما لیجئے۔ ممنون ہوں گا۔ مجھے جناب کی نوازشات کریمانہ سے پوری امید ہے کہ میری عرضداشت ضرور شرف قبولیت حاصل کرے گی

برادران محترم کو سلام مسنون۔ آپ کا محمود۔ کرہ۔ بی بلاک دارالشفاء۔ لکھنؤ۔

شری سمپورنا نند جی باہر گئے ہوئے تھے۔ اب کل یا پرسوں کو ان سے مل کر آفتاب مرحوم کی بیوہ کے بارے میں آپ کا بیان ان کو پہنچا دوں گا۔ علاوہ ازیں وصی صاحب سے یہ معلوم ہوا تھا کہ انھوں نے حافظ صاحب سے مل کر روپیہ ان کی بیوہ کو ادا کرنے کا حکم دلا دیا ہے۔ محمود

لکھنؤ۔ دارالشفاء۔ بی بلاک۔ کرہ۔

مخدوم مکرم بندہ۔ دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ باعث تصدیق یہ ہے کہ میرے معاملے میں ابھی تک کچھ نہیں ہوا

اس لئے پریشانی ہے۔ جناب کے الطاف بندگانہ کے پیش نظر جناب کہی اس مسئلہ پر توجہ دلاتا ہوں۔ یہ سمجھتا ہوں کہ جناب میری پریشانی کو دور کر کے کامیابی کی صورت نکال سکتے ہیں۔ دست بستہ التجا ہے کہ اس مسئلہ پر خاص توجہ مبذول فرمائیے۔ گنتی پنڈت جی کے ذریعہ ہی نکل سکتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ پنڈت جی ان معاملات میں مداخلت نہ فرماتے ہوں۔

پنڈت جی کا فون پر پیغام یا سفارشی خط انتہائی ضروری ہے کہ مصلحتاً یہ تقرر ضروری ہے پھر کوئی وقت نہ ہوگی اور مجھ پر احسان عظیم ہوگا۔ گزارش ہے کہ جس طرح بھی ہو تکلیف گوارا فرما کر پنڈت جی سے مل لیجئے۔ جب آپ نے میرا کام کرانے کا تہیہ فرمایا ہے تو پھر اسے ضرور کرا دیجئے۔ درمیان میں میری کشتی کو نہ چھوڑیے بلکہ ساحل ملا دیں پہنچا دیجئے۔ آجناب جیسے نا خدا سے یہی امید ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ کیونکہ جانتا ہوں کہ جناب کو میرا پورا خیال ہے اور مجھے جناب ضرور کامیابی کی راہ دکھائیں گے۔ پھر یہ عرض ہے کہ پنڈت جی کی مدد حاصل کرنا بہر حال ضروری ہے۔ میں خود حاضر ہوتا۔ لیکن اس زمانے میں یہاں کی موجودگی بہت ضروری ہے۔ سمجھتا ہوں کہ میرا عرضہ ہی جناب کو اس طرف پورے طور پر متوجہ کرنے میں کامیاب ہوگا اور جناب میری اس درخواست کو شرف منظوری بخشیں گے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیریت ہوں گے۔ برادران عزیز کو سلام مسنون

آپ کا محمود

۲۴ فروری ۱۹۵۶ء

۴۶۳

لے خان محمود علی خاں آخر کار رئیس الاحرار کی دعاؤں اور سلسلہ جنابی سے وزیر اوقاف بھی گئے ہیں اور اب

برادران محترم کو سلام مسنون۔ آپ کا محمود۔ کرہ۔ بی بلاک دارالشفاء۔ لکھنؤ۔ شری سمپورنا نند جی باہر گئے ہوئے تھے۔ اب کل یا پرسوں کو ان سے مل کر آفتاب مرحوم کی بیوہ کے بارے میں آپ کا بیان ان کو پہنچا دوں گا۔ علاوہ ازیں وصی صاحب سے یہ معلوم ہوا تھا کہ انھوں نے حافظ صاحب سے مل کر روپیہ ان کی بیوہ کو ادا کرنے کا حکم دلا دیا ہے۔ محمود لکھنؤ۔ دارالشفاء۔ بی بلاک۔ کرہ۔ مخدوم مکرم بندہ۔ دام ظلکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ باعث تصدیق یہ ہے کہ میرے معاملے میں ابھی تک کچھ نہیں ہوا اس لئے پریشانی ہے۔ جناب کے الطاف بندگانہ کے پیش نظر جناب کہی اس مسئلہ پر توجہ دلاتا ہوں۔ یہ سمجھتا ہوں کہ جناب میری پریشانی کو دور کر کے کامیابی کی صورت نکال سکتے ہیں۔ دست بستہ التجا ہے کہ اس مسئلہ پر خاص توجہ مبذول فرمائیے۔ گنتی پنڈت جی کے ذریعہ ہی نکل سکتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ پنڈت جی ان معاملات میں مداخلت نہ فرماتے ہوں۔ پنڈت جی کا فون پر پیغام یا سفارشی خط انتہائی ضروری ہے کہ مصلحتاً یہ تقرر ضروری ہے پھر کوئی وقت نہ ہوگی اور مجھ پر احسان عظیم ہوگا۔ گزارش ہے کہ جس طرح بھی ہو تکلیف گوارا فرما کر پنڈت جی سے مل لیجئے۔ جب آپ نے میرا کام کرانے کا تہیہ فرمایا ہے تو پھر اسے ضرور کرا دیجئے۔ درمیان میں میری کشتی کو نہ چھوڑیے بلکہ ساحل ملا دیں پہنچا دیجئے۔ آجناب جیسے نا خدا سے یہی امید ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ کیونکہ جانتا ہوں کہ جناب کو میرا پورا خیال ہے اور مجھے جناب ضرور کامیابی کی راہ دکھائیں گے۔ پھر یہ عرض ہے کہ پنڈت جی کی مدد حاصل کرنا بہر حال ضروری ہے۔ میں خود حاضر ہوتا۔ لیکن اس زمانے میں یہاں کی موجودگی بہت ضروری ہے۔ سمجھتا ہوں کہ میرا عرضہ ہی جناب کو اس طرف پورے طور پر متوجہ کرنے میں کامیاب ہوگا اور جناب میری اس درخواست کو شرف منظوری بخشیں گے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیریت ہوں گے۔ برادران عزیز کو سلام مسنون آپ کا محمود ۲۴ فروری ۱۹۵۶ء ۴۶۳ لے خان محمود علی خاں آخر کار رئیس الاحرار کی دعاؤں اور سلسلہ جنابی سے وزیر اوقاف بھی گئے ہیں اور اب

مقتل فائدہ بریگیڈ لدھیانہ - ۲۸ نومبر ۱۹۵۵ء

محترم مولانا صاحب

آداب عرض۔ آپ کا پوسٹ کارڈ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۵۵ء ملا۔ آپ کو یہ معلوم کر کے افسوس ہوگا کہ ۲۳ نومبر ۱۹۵۵ء کو آپ سے چھٹی لے کر شام کو جب ریلوے اسٹیشن کو آ رہا تھا تو راستہ میں میری رکشا الٹ گئی اور میرے بہت ضربات آئیں۔ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی ٹوٹ گئی اور کندھے کی پتیلی ہڈی میں شگاف آگیا۔ ۲۴ نومبر ۱۹۵۵ء کو میں دہلی میں ہی تھا۔ مگر ڈاکٹروں کے پنجے میں اور ایکس رے کی میز پر۔ بہر حال میں یہاں آگیا۔ (ادب میں اچھی حالت میں ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ حقوڑے میں ہی چھٹکارا ہو گیا۔ اور بائیں طرف ہی ضربات آئی تھیں۔ معلوم نہیں کس فعل کی سزا ملی ہے آپ کی چیزیں غنقریب ہی ایک دو دن کے اندر آپ کے پاس پہنچ جا دیں گی اور میں بھی جلد دہلی آؤں گا۔ آپ نے اخباروں میں پڑھ لیا ہوگا کہ شری پر بودھ چندر نے پارلیمنٹری سیکریٹری شپ سے استعفیٰ دے دیا ہے اور کبیر صاحب سے بھی ٹھن گئی معلوم ہوتی ہے۔ آپ کی معلومات تو ہم سے بدرجہا بہتر ہیں۔ میں کیا تحریر کروں۔ باقی سب خیریت ہے۔ تا بعد

میچ۔ لدھیانہ

۲۵ نومبر ۱۹۵۵ء

حضرت مولانا المحترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ کرے کہ مزاج عالی بعافیت ہو۔ ماہ اکتوبر ۱۹۵۵ء سے بنام ماہنامہ عرفان منظر عام پر لایا گیا ہے جو اب تک نہایت ہی روز افزوں ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے چوتھے شمارہ کو پہنچا ہے اور اب اگلا پرچہ ماہ جنوری ۱۹۵۶ء میں نہایت ہی رنگین دیدہ زیب اور دلکش ٹائٹل، دکتابت و طباعت کے ساتھ کثیر تعداد میں منظر عام پر آ رہا ہے جو اپنی خوبیوں کا واحد ماہنامہ ہوگا۔ مجھے آپ کی ذات مخلصانہ سے امید راسخ ہے کہ اس کے لئے قلمی اعانت فرما کر اس کی مستقبل زندگی کامیاب بنا دیں گے۔ کیونکہ آپ ہی حضرات کے سایہ میں رہ کر آگے بڑھنا ہے۔ اس لئے دعاؤں تو جہاں خاصہ قلمی اعانت کی شدید ترین حاجت ہے۔ دور حاضر میں مذہبی اخبار و رسائل کی جو حالتیں ہیں وہ اظہر

من الشمس ہے۔ دند حاضر کے شرار، ادبار کی لاپرواہی کی شکایت کیا عرض کروں۔ آپ پر وہ تمام مرکز شیں منکشف ہی ہیں۔ آئے دن مختلف عنوانات کے ساتھ اخبار و رسائل منظر عام پر آتے رہتے ہیں لیکن چند ہی شماروں کے بعد مدفون ہو جاتے ہیں۔ جس کی واحد وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کا خیر مقدم بہر نوع نہیں کیا گیا۔ یعنی عوام نے مال سے اور ادبار نے قلم سے، بایں وجہ کچھ مشکلات ہر دم رہا کرتے ہیں۔ اس لئے حضرت سے گزارش ہے کہ اس ماہنامہ کی کامیابی کے لئے دعا و توجہ فرمائیں اور قلمی اعانت سے نوا کر مشکور و مسرور۔ کم از کم ماہ جنوری کے لئے کچھ بھی سہی، چند سطور ہی کیوں نہیں، قوم ملت کی نگہبانی، دفع مشکلات سہی ضرور ارسال فرمائیں۔ یقیناً آپ کے اوقات عزیز صرف ہوں گے۔ لیکن بغیر گزارش کئے کیسے ہم لوگ ان خدمات کو انجام دے سکتے ہیں۔ مجھے آپ کی ذات کریمانہ سے یقین کامل ہے کہ پوری پوری اعانت فرما کر آگے بڑھنے میں سہولت بخشیں گے۔ یہ پرچار و زبان کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ اصلاح قوم کے لئے ہے۔ مدرسہ اشرفیہ کے اراکین یگانیت ہیں۔ سلام شوق عرض کرتے ہیں۔

توجہات کے لئے نمونہ پر چار سال ہے۔ والسلام

(بہار)

آپ کا مخلص خادم و در افتادہ۔ حامد الحسینی منجینگ ایڈیٹر عرفان بھوجپور جدید۔ شاہ آباد

۳۰ نومبر ۱۹۵۵ء۔ صوفی عبدالحق لدھیانوی معرفت الحاج محمد عالم عطرجی

مکرمی المحترم الحاج مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہم سب بخیریت ہیں امید ہے جناب بخیریت پہنچ گئے ہوں گے

دگر یہاں پر امسال ۱۳۷۴ھ کے حجاج کو نکال جا رہا ہے۔ جناب تو اچھی طرح جانتے ہی ہیں کہ والد

صاحب مع اہل و عیال ۱۹۲۲ء میں ہجرت کی نیت سے حجاز تشریف لائے تھے اور تقریباً ۱۱ سال

ٹھہرنا بھی ہوا تھا۔ مگر ایک تو یہاں پر ہمیشہ کا انتقال اور کچھ اسی وقت جنگ کی مصیبتیں۔ اور ہمارا

بچپن، طبیعت کا اداس ہونا۔ ان سب چیزوں نے والد صاحب کو مجبور کر دیا تھا کہ واپس جائیں۔

حقیقت میں بندہ ہی نے زیادہ داپسی کا اصرار کیا تھا مگر ان کی وہ تمنا اور آرزو وہاں جا کر

بھی اسی طرح رہی۔ لہذا بندہ بہت فکر مند رہتا تھا کہ جو میری وجہ سے ان کو داپسی کی تکلیف ہوئی ہے

اسے کسی نہ کسی طرح پورا کر دوں۔ امسال والدین اور چھوٹے برادران کو ساتھ لے گیا، تاکہ ان کی پرانی آرزو، تمنا پوری ہو جائے اور اسی ارادہ سے تشریف لائے۔ مگر اب یہاں اقامہ نہیں مل رہا۔ اس کے لئے والدین روتے رہتے ہیں۔ جناب تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ خاندانی اثرات سمجھئے یا کچھ اور کہ طبعاً انگریزوں سے نفرت بلکہ ان کے دوستوں سے بھی نفرت ہے۔ اس لئے پاکستان تو بالکل جانا میں نہیں چاہتا۔ الحمد للہ یہاں کا ماحول اچھا ہے۔ بچوں کی تربیت اچھی ہو رہی ہے اور کئی ایک گناہوں سے یہاں بچاؤ ہے۔ اس لئے آپ سے التجا ہے کہ اس سلسلہ میں ہمارے لئے بہت بہت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی غیبی امداد سے یہاں ٹھہرنے کا انتظام فرمادیں اور یہاں سے نکالاجانا رک جائے۔ الحمد للہ خرچ وغیرہ کے لئے کوئی تکلیف نہیں۔

دیگر ویسے شاہ سعود نے کچھ لوگوں کو اپنے خاص اختیارات سے طابیع تک دیے ہیں۔ لہذا جناب سے گزارش ہے، چونکہ شاہ سعود آج کل ہندوستان آئے ہوئے ہیں۔ جناب کی یا جناب کے کسی رفقاء کی ملاقات تو ضرور ہوگی۔ لہذا ان سے مل کر ہمارے لئے یہاں کی (میشنری) طابیع لے دیا کم از کم ٹھہرنے کا اقامہ ہی مل جائے۔ اور انشاء اللہ اس کی جزا اللہ تعالیٰ ہی آپ کو دیں گے۔ ایک درخواست پر ہمارا نام لکھ کر ان سے خصوصی اجازت لے لیں۔ ویسے وہ (فوق العادۃ) امر کر دیتے ہیں اس سے کام بن جاتا ہے وہ کر اگر آپ ہمیں یہاں بھیج دیں۔ ہم یہاں طابیع لے لیں یا کم از کم ٹھہرنے کی اجازت ہو جائے تو اس سے ہی کچھ عرصہ ٹھہر جائیں گے۔ بھولے گا نہیں۔ بے شک اس میں آپ کو کافی محنت ہوگی۔ مگر خدا کے لئے اسے ضرور کر دے دیں۔ یہ ایک اپنے قریب کا بلکہ محسن کا کام ہو گا۔

مندرجہ ذیل نام درخواست میں لکھ لیں۔

(۱) عبدالحق ولد مولوی عبداللہ عمر ۵۶ سال - (۲) عبدالعزیز ولد مولوی عبدالحق عمر ۳۲ سال

(۳) عبدالرحمن ولد مولوی عبدالحق عمر ۲۵ سال - (۴) شاد احمد ولد مولوی عبدالعزیز عمر ۹ سال

(۵) عبدالحفیظ ولد مولوی عبدالرحمن عمر ۲۶ سال

جواب کا منتظر المراقم عبدالعزیز لدھیانوی لائلپور حامل مطیع مکہ مکرمہ
 دیگر والد صاحب اور بھائی صاحب، والدہ صاحبہ گھر میں سب کو سلام بکھوار ہے ہیں۔
 بر خوردار کو سلام، بچوں کو پیار۔

لائل پور سے خیریت کا خط آتا رہتا ہے مولوی عبداللہ صاحب منٹوگری سے ملازمت چھوڑ
 آئے ہیں۔ ان کی والدہ بیگم صاحبہ کی طبیعت پہلے سے قدرے اچھی ہے۔ سب کو سلام۔

دین پور شریف۔ ۲۸ دسمبر ۱۳۵۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت شریف مولانا المحترم مولوی حبیب الرحمن صاحب زاد عنایتکم

سلام سندن۔ خیریت طرفین مدام مطلوب۔ بتقریب حاج جب مولوی عبدالمنان صاحب دین پور
 جہاز مقدس میں جناب والا سے ملاقاتی ہوئے تھے تو جناب والا نے ازراہ ذرہ نوازی ہم کو یاد فرمایا تھا
 اس یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ (درآمد دار ہوں کہ ہمیشہ دعوت صالحہ میں یاد فرمایا کریں گے
 نیز چونکہ فی الحال جسمانی ملاقات کی بظاہر کوئی صورت نہیں ہے اس لئے استدعا ہے کہ گاہے گاہے ترسیل
 نوازش نامہ سے نصف ملاقات کا شرف بخشے رہیں گے۔ چونکہ مولانا مدنی مدظلہ العالی جناب والا
 سے ملتے رہتے ہوں گے اس لئے جب ملاقات کا موقع میسر آوے تو ہماری طرف سے استدعا فرمادیں گے
 کہ فلاح دارین کے لئے اپنے خاص اوقات میں یاد فرمایا کریں۔ اور یوم الحشر کے لئے بھی ہماری آرزو کیا
 ان کے ساتھ بابتہ ہیں ہمیں فراموش نہ فرمادیں گے اور بدین طور پر مولانا صاحب رائے پوری
 کی خدمت میں دعا کے لئے عرض فرمادیں گے۔ نیز دعا فرمادیں گے کہ مولانا کریم شرف ملاقات سے سرفراز
 فرمادیں۔ آمین۔ فقط والسلام مع الاکرام۔ (جواب خط سے مشرف فرمایا جاوے)

ننگ اکابر خورشید احمد۔ دین پور شریف۔ خلف اصغر حضرت رحمۃ اللہ علیہ

۲۹ ستمبر ۱۳۵۶ھ۔ دارالعلوم دیوبند

حضرت مخدوم و محترم زید مجدکم

بعد سلام مسنون نیازمنداں عرض ہے۔ گرامی نامہ نے مشرف فرمایا۔ میں نے دلائل نامہ اللہ صاحبہ مدظلہا کو بھی سنایا، بہت ہی خوشی ہوئی اور دعاؤں کی تجدید کرتے ہوئے بار بار آپ کا ذکر فرماتی رہیں۔ یہ جناب کے تعلق کی بات ہے کہ آپ نے اس خدمت کو اپنا فریضہ تصور فرمایا۔ فجزاکم اللہ خیر الجزا لدھیانہ کی مسجد کھل جانے سے انتہائی خوشی ہوئی اور ایسا معلوم ہوا کہ جیسے سارے اجڑے ہوئے دیرانے بس گئے ہیں۔ یہ آپ کی ہمت اور عزیز مولوی سعید الرحمن صاحب کی جرأت و استقلال کا ثمرہ ہے۔ حقیقتاً ایک صدقہ جاریہ ہے جو آپ حضرات کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ یہ محض کافی نہیں ہے بلکہ بنا مسجد ہے اور من بنی مسجد اللہ۔ بنی اللہ، قبلہ بنیانی الجنة کا مصداق ہے جو اللہ نے آپ کے لئے مقدر کر رکھا تھا اور اس ماحول میں مسجد بنانا ایک مستقل جہاد ہے۔ فیذلل فلیفہ حوا

اس مسجد میں جمعۃ الوداع کی نماز ادا کرنا حقیقتاً مقامی مسلمانوں کی ڈھارس اور نام کرنے والوں کی دلداری کے لحاظ سے ایک معقول تجویز ہے۔ بندہ اس کے لئے حاضر ہے۔ مگر آپ کی خدمت میں پروگرام متعین فرما کر ارسال فرما دیا جاوے انشاء اللہ اس کے مطابق حاضر ہوگا۔

سفر تو آمد و رفت کا شبہ ہی کی گاڑیوں میں مناسب رہے گا۔ جمعہ کی شب مقدس میں قرآن شریف ختم کروں گا۔ بعد ختم غالباً فرنیٹیر مناسب ہوگا۔ درہا سے ہی اس میں سیٹ رکھ لی جائے۔ احقر سہاراں پور سے مل جاوے گا یا جو پروگرام جناب تجویز فرمادیں وہاں سے واپسی بھی فرنیٹیر یا کلکتہ میل سے ہی ہو سکتی ہے جس سے دیوبند آخر شب میں لپے ۳ بجے یا پانچ بجے پہنچ سکتے ہیں اور طلب مل سکتی ہے۔ مجھے تو وہاں ادا کرنے میں بھی کوئی عذر نہ تھا۔ مگر یوم عید میں دارالعلوم کے کچھ معاملات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے میری موجودگی یہاں ضروری ہوتی ہے۔ بہر حال پروگرام کی مجھے اطلاع فرما دی جائے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ صاحبزادوں کی خدمت میں سلام مسنون۔ والسلام

محمد طیب (صاحب مستم دارالعلوم دیوبند)

۲۹ دسمبر ۱۹۵۶ء

حضرت المخدوم المحترم زید محمد کم

۴۸
عزیز مولانا محمد احمد صاحب اور برادر مولانا خلیل الرحمن صاحب

سلام مسنون نیاز مقدون۔ مولوی وحید الزماں صاحب کے قلم سے گرامی نامہ صادر ہوا۔ ہر موقع پر فضل تقدم آپ ہی حاصل فرما لیتے ہیں۔ میں ۸ شعبان کو سفر طویل سے واپس ہوا۔ حضرت والدہ صاحبہ قبلہ نے معاملہ کی تفصیلات سنائیں۔ ارسال عریضہ کا قصد کر کے مدرسہ چلا کہ گرامی نامہ مل گیا۔ اس سلسلہ میں ان محترم نے جو سعی عملی فرمائیں، مجھے تو ممنون ہونا ہی چاہئے تھا۔ والدہ صاحبہ قبلہ بہت زیادہ متاثر اور ممنون ہیں اور آپ کو بار بار دعائیں دیتی ہیں۔ نتیجہ حق تعالیٰ کے ہاتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت کے ساتھ قائم رکھے۔

الجمعیۃ میں جو رداد شائع ہوئی ہیں وہ میں نے پڑھ لی ہیں۔ مجموعی رداد سے وہ جزو کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لکھنے والے نے پوری نہیں لکھیں۔ تاہم محمل اشارہ کا اشارہ الیہ ذہن میں نہیں آیا۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ وہاں مولوی یحییٰ صاحب اور دوسرے عزیزوں سے ملاقات ہوئی۔ مفتی صاحب تو اکثر حصہ سفر میں ساتھ ہی رہے۔ سب حضرات بعافیت ہیں۔ مولوی وحید الزماں صاحب سے بہت بہت سلام مسنون۔ صاحبزادوں اور پرسان حال حضرات کی خدمات میں سلام نیاز والسلام محمد طیب (صاحب مہتمم دارالعلوم)۔ درو بند

۱۳ ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ

حضرت المحترم زید محمد کم

سلام مسنون نیاز مقدون۔ الحمد للہ بعافیت رہ کر خیریت سے مطلع خواہ ہوں۔ امید ہے کہ صحت اچھی ہوگی۔ والدہ صاحبہ، قبلہ کو سلام مسنون فرماتی ہیں کہ اب معاملہ کس حد پر ہے اسے ذرا ابھارتے رہیں جو آگے بڑھتا رہے۔ زبانی جو کچھ فرمایا تھا وہ میں نے ان سے ذکر کر دیا تھا۔ امید ہے کہ اسے آگے بڑھانے کے لئے امداد فرمادیں گے۔ میں نے انٹرنیشنل پاسپورٹ کی درخواست سہارن پور بھجوائی ہے۔ وہاں کی رپورٹ کے ساتھ ریز میں پہنچے گی۔ یہ چاہتا ہوں کہ رپورٹ ابھی بھی ہو جائے اور جلد بھی ہو جائے۔ پہلے بھی جناب نے ہی اس مسئلے کو آگے بڑھایا تھا۔ اب بھی درخواست ہے۔ اوپر سے اشارہ ہو جائے گا تو رپورٹ جلد اور اچھی پہنچ جائے گی اور پھر وہاں مرکز میں بھی جناب

ہی اسے جلد کرا دیں گے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ دعا کا خواہاں ہوں۔ والسلام
(قاری) محمد طیب (مہتمم دارالعلوم دیوبند)

۳۰ ستمبر ۱۳۵۶ھ

حضرت المحترم زید مجدکم

سلام مسنون نیاز مقرون۔ گرامی نامہ نے مشرف فرمایا۔ حسب ارشاد میں انشاء اللہ تعالیٰ
جمعہ کی شب میں دیوبند سے گیارہ بجے کی مسیجر سے سہارن پور روانہ ہوں گا اور وہاں سے فرنٹیر میل
لے لوں گا۔ جناب اس میں دو سیٹیں رینڈ وکرا دیں۔ میرے ساتھ لڑکوں میں سے ایک ہوگا۔ فرنٹیر میل
سہارن پور ڈیڑھ بجے پہنچتا ہے۔ لیٹ ہوا تو تقریباً ۸ بجے اس سے یہی خیال ہوتا ہے کہ پہلے
سہارن پور سے مظفر نگر کے لئے سوار ہوں۔ وہاں ۱۲ بجے پہنچتا ہے تو رات کا حصہ زیادہ مل جائے گا
آرام کے لئے۔ اس کے لئے البتہ ضرورت اس کی ہوگی کہ میں تزدیج سے فارغ ہو کر بذریعہ کار مظفر نگر
پہنچوں اور وہاں سے میل لوں۔ کیونکہ اس وقت ریل کوئی نہیں مل سکتی۔ اگر یہ رائے مفید ہو تو ریزرو
مظفر نگر سے کرا دیا جائے اور بندہ کو مطلع فرمادیا جائے۔ اس صورت میں رات کا کچھ حصہ آرام کے لئے
پہنچ سکے۔ سہارن پور سے دو ڈھائی بجے تک بھاگ دوڑ میں ہی گزرے گی۔ اس میں صرف چند روپے
زائد صرف ہوتے ہیں۔ آرام مل جاتا ہے۔ جو صورت پسند ہو اس کے مطابق ریزرویشن کرا کر اطلاع فرما
دی جائے۔ میں حسب ارشاد مولوی سعید الرحمن صاحب کو خط یا تار سے اطلاع دے دوں گا۔

والسلام (قاری) محمد طیب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ

۳۰ ستمبر ۱۳۵۶ھ

حضرت المخدوم المحترم زید مجدکم

سلام مسنون نیاز مقرون۔ والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ یوم جمعۃ الوداع کے اجتماع کے
بارے میں خلیجان مجھے بھی تھا وہ ہو بھی سکے گا یا نہیں۔ اول تو رمضان، گرمی شدید اور اگلے دن عید
کا احتمال بلکہ ظن غالب۔ لوگ عید کے انتظام میں حسب حیثیت مصروف۔ اس لئے مولوی سعید الرحمن

صاحب کی یہ رائے مناسب ہی ہوئی۔ تاہم میں تو غم کئے بیٹھا تھا۔ والیجر حماد نے آج ہی مولوی سعید الرحمن
 سلمہ کو مفصل خط لکھا جس میں اولاً اس عمل صالح کی نوعیت ان پر ظاہر ہوتی ہے۔ خداوند تعالیٰ ان
 کی ہمت و جرات اور استقلال میں برکت عطا فرمائے۔ یہاں بحمد اللہ ہمہ وجوہ خیریت ہے۔ آپ کے لئے
 دل سے دعا۔ جناب اماں بی صاحبہ کو تو آپ نے اپنا مستقل دعا گو بنا لیا ہے۔ وہ فرما رہی تھیں کہ بھائی
 تعلق نواز اول سے اور اول کے خاندان سے قدیم سے تھا۔ میں خود لدھیانہ میں اماں صاحبہ مقیم رہیں
 جب کہ پھوپھی مرحومہ کی آنکھ موگھائی میں بنوائی گئی تھی اور اس وقت ان کے گھرانے کی محبت بے اندازہ
 دیکھی تھی۔ درمیان میں یہ کیفیت حوادث روزگار سے کچھ ماندی پڑ گئی تھی۔ اب مولانا حبیب الرحمن نے
 اس تعلق کو عملاً تازہ کر دیا ہے۔ اس لئے میرا قلبی رابطہ پہلے سے زیادہ ہو گیا ہے۔ بہر حال سب دعا گز ہیں
 یہاں سب خیریت ہے۔ اغلباً ہر شوال یوم پنجشنبہ کو دہلی میں دولت خانہ پر عاضری دلوں کا انشاء اللہ
 صاحب زادوں کی خدمت میں سلام مسنون۔ والسلام

(قاری) محمد طیب (مہتمم دارالعلوم دیوبند)

۲۰ ستمبر ۱۳۵۵ھ

مکرمی سلام مسنون

یہاں ہم لوگ ایسی جگہ پر آ گئے ہیں کہ جہاں پر ڈاک خانہ وغیرہ کا پتہ نہیں ہے۔ پر ڈگرام تو
 ہر روز کا ہی ہوتا ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ آپ تک پہنچنا مشکل ہے۔ صرف اسی ایک خط کو پہنچانے کے
 لئے ۱۲ میل سائیکل سے آدمی بھیجا پڑا ہے۔ ہاں کبھی کبھی کا پر ڈگرام بھیج دیا کریں گے۔ آپ مطمئن رہیں اور
 کسی قسم کا فکر نہ کریں۔ دیگر دہلی آنے پر جو پر ڈگرام یہاں پر ہوتا ہے وہ ہمارے ذہنوں میں ہو گا ہی اسے
 آپ کی خدمت میں آسائیں گے۔ آپ دعا خیر کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں پر کامیابی نصیب فرمائیں۔
 آمین۔ باقی خیریت ہے۔ جواب سے مطلع فرمائیں۔

آپ کے خیر اندیش۔ فضل الرحمن حسن پوری۔ عبدالعزیز جنک پوری
 ہمارا پتہ۔ مولانا فضل الرحمن صاحب حسن پوری۔ دفتر کانگریس۔ ٹھہری پور۔ گورکھ پور

گویا اس بد نصیب کا خون مسلمانوں پر حلال ہو گیا۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو مسلمانوں کی بستیوں میں امن مل سکتا ہے۔ لیکن اس بد بخت کے لئے کہیں پناہ نہیں۔ گھر سے بے گھر ان کو ہونا پڑا۔ مردود و ملعون خلاق وہ بنے۔ خالکی عبادت گاہوں کے دروازے ان پر بند کئے گئے۔ کفر کے فتوؤں کا بے خطا ہتھیار ان کے لئے حرکت میں آیا۔ حکومت وقت کو ان کے خلاف بھڑکایا گیا۔ کفار نے نہیں خود مسلمانوں نے ان کے خلاف سازشیں کیں۔ بغاوت کا الزام لگا کر کسی کی جان پھانسی کے تختے پر لی گئی اور کسی کو ریت العمر کے لئے کالے پانی بھجوا کر مسلمانوں نے جشن کئے۔ حتیٰ کہ جن مظلوموں نے جوار بیت اللہ و بیت الرسول کو مَن دَحْلَہ کات امانا سمجھ کر کفر زار ہند سے ہجرت کی۔ ان کو وہاں بھی پناہ نہ ملی۔ کبوتروں کے غول مسجد حرام میں بے غم اڑتے ہیں اور جانوران صحرائی کو اس دارالامن نے شکاریوں کی صید انگلیوں سے محفوظ کر دیا ہے۔ مگر افسوس کہ عشاق کتاب و سنت کے لئے وہاں بھی امن نہ تھا۔ وہی خود ساختہ مذہبی الزام ان پر لٹکایا گیا۔ عین جوارِ حرم میں کسی مہاجر الی اللہ کے تازیانے لگانے لگے، کسی کو قید کیا گیا، کسی کا تمام مال و متاع مسلمانوں کے لئے مباح کر دیا گیا۔ جن لوگوں نے کفر و ظلم کی آبادیوں سے نکل کر اللہ کے گھر میں پناہ لی تھی۔ ان کو وہاں سے بھی نکالا گیا:

ردین خانہ چشم تو مردماں ہستند

کہ در میانِ حرم می زنند قافلہ را

اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ قرآن کے چاکر اور رسول و سنت رسول کے شیفتہ ہیں۔ (اندان کا نصب العین ہندوستان کی کامل آزادی ہے۔ ابوالکلام آزادؒ ۱۹۲۸ء)

۱۷ علمار سوء و دجا جلد آخر الزماں سے مولانا کی مراد ۱۸۵۷ء میں انگریز کے حق میں فتویٰ دینے والے علمار سے ہے جس میں سرسید بھی آتے ہیں۔ مئی ۱۸۵۷ء سے لے کر مئی ۱۹۱۶ء تک مجاہدین وطن کے قافلہ میں مولانا شاہ عبدالقادر سے لے کر شیخ الہند تک اور شیخ الہند سے لے کر رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن تک سب ہی مجاہدین آزادی ہند کا مولانا آزاد نے اپنے منفرد ادبی اور جہادی رنگ میں "تذکرہ" کے صفحہ ۲۷۲ اور ۲۷۳ پر ایمان و ایمان کو زندہ کرنے والی زندگی کا تذکرہ کیا ہے۔ (ابوالکلام آزاد۔ تذکرہ) مولانا فضل الحق خیر آبادی کالے پانی کے جریرہ ۱۹۷۷ء حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور ان کے میں انتقال ہوا۔ ساتھی جو مالک میں نظر بند ہیں۔

تسلیم جاں ہے زندگی

جلوسِ آدم سے پہلے کائنات عالم کی ترتیب و تنظیم میں کیفیت و کمیت دونوں قسم کے احساسات کائنات کے ہر حصے میں پائے جاتے تھے ”انسان کا وجود اور وہ بھی اشرف المخلوقات کے اعزاز کے ساتھ“ اس دنیا میں بھی گیا۔ جس نے دنیا میں آکر کائنات عالم کی رنگیوں میں دلکش و دل پسند اور مسرت و الم سے بھرپور زندگی کا اضافہ کیا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آدم اول سے لے کر اب تک زندگی کے مفہوم و مقاصد کو کھو بیٹھے۔ کوئی پیدا ہوتا ہے خوشی و مسرت کے احساسات جاگ اٹھتے ہیں اور کوئی مرنے کا ہے تو غم و الم کی دردناک داستانیں مسلسل دلی ٹیس اور کسک بن جاتی ہیں۔ انسان نے سب کچھ سمجھا ہے لیکن مہر سے لحد تک کے حالات پر انسان کو ابھی تک عبور حاصل نہیں ہوا۔ قرآن مجید میں ایک بات کہہ کر معاملہ صاف کر دیا گیا ہے ”ہم اللہ ہی کی طرف سے آئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ رہے ہیں“ دنیا کے دانش مندوں نے زندگی کا سراغ لگانے کے لئے لامحدود خامہ فرسائی کی ہے۔

اتر کر جہانِ مکافات میں
رہی زندگی موت کی گھات میں
گل اس شاخ سے ٹوٹے بھی رہے
اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے
سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات
بھرتا ہے مٹ مٹ کے نقشِ حیات

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے آپ جو خطوط ”تقریت“ کے پڑھیں گے تو قاری کو اپنے احساس پر قابو رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ زندگی ناختم ہونے والا ایک سلسلہ ہے جہاں ہم سلسلہ بھارت کو ختم دیکھتے ہیں وہیں موت کا حکم لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ بھارت کے بندہ ہوتے ہی نور بصیرت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ حقیقت میں زندگی ایک مسلسل عمل کا نام ہے اور یہ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے اس لئے جو روحانی آدمی نور بصیرت لے کر اس دنیا سے گئے ہیں انہیں براہِ روانہ سمجھو، وہ زندہ جاوید ہیں

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

عزیز الرحمن جامی لدھیانوی نمبر ۲۱ نومبر ۱۹۷۵ء

۱۷ اقبال نے ان کو ظلِ سبحانی سے تعبیر کیا ہے ۴۷ ۴۸ ۴۹ اسی مقام سے آکر بنا ہے ظلِ سبحانی

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی

خطوط کے آئینہ میں

تغزیتی خطوط



دیدہ بیدار دورانہ شیش زری

مرتبہ عزیز الرحمن جامعہ لدھیانوی ثم دھلوی مرزا

بمسلسلہ جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین — باب چہارم

نمبر شمار خط	نام صاحب خط کا	تاریخ خطوط
۱	حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب ریلے پوری	۳ ستمبر ۱۹۵۶ء
۲	سابق صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد	" " "
۳	وزیر صحت حکومت ہند امرت کور	" " "
۴	امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری	" " "
۵	مقیم الدین فاروقی سکریٹری کمیونسٹ پارٹی	" " "
۶	کمیونسٹ پارٹی کی دہلی صوبائی کمیٹی کی قرارداد	" " "
۷	ساج انصاری لدھیانوی دفتر مجلس احرار اسلام ہند (پاکستان)	" " "
۸	ہر بھگوان مودگل	" " "
۹	سمیع الدین جے، ٹی، سی کالج ہاپور (میرٹھ)	" " "
۱۰	سرداری لال کپور۔ جگراؤں روڈ (لدھیانہ)	" " "
۱۱	محمود صاحب کراچی	" " "
۱۲	محمد علی جالندھری مجلس تحفظ ختم نبوت۔ ملتان۔ (پاکستان)	" " "
۱۳	محمد اسد اللہ ناظم مظاہر علوم سہارن پور	" " "
۱۴	محمود علی خاں سہارن پور	" " "
۱۵	محمد منظور نعمانی۔ لکھنؤ	" " "
۱۶	خلیل الرحمن۔ ۲۷۷۔ برٹو روڈ۔ کراچی	" " "
۱۷	مولانا محمد انوری۔ لائل پور	" " "
۱۸	ابو الحسن علی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ یوپی	" " "
۱۹	والدہ ازہر شاہ کاشمیری اہلیہ حضرت علامہ سید انور شاہ کاشمیری	" " "
۲۰	انظر شاہ کاشمیری۔ دیوبند	" " "
۲۱	مجید لاہوری۔ کراچی	" " "

نمبر شمار خط	نام صاحب خط کا	تاریخ خطوط
۲۲-	سید ازہر شاہ قیصر۔ دیوبند	۳ ستمبر ۱۹۵۶ء
۲۳-	عبدالقیوم نکووری	" " "
۲۴-	مولوی محمد یوسف لدھیانوی۔ راولپنڈی	" " "
۲۵-	غلام علی ایچ مال روڈ۔ لاہور	" " "
۲۶-	محمد اسحاق۔ نایاب بٹری فیکٹری۔ لال باغ۔ مراد آباد ✓	" " "
۲۷-	عبدالقیوم نکووری	" " "
۲۸-	امیر قریشی سہارن پور	" " "
۲۹-	سید محمد الیاس۔ کھنولی۔ خیرنگر۔ میرٹھ	" " "
۳۰-	مقصود علی۔ کیلاش پور ضلع سہارن پور	" " "
۳۱-	محمد یاسین کوچ انڈسٹریز۔ امر دہہ اینڈ راج پور مراد آباد	" " "
۳۲-	او۔ کے شرما لدھیانہ	" " "
۳۳-	قاری اصغر علی مدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبند ضلع سہارن پور	" " "
۳۴-	سید حسن رضوی لاہوری۔ دیوبند	" " "
۳۵-	عبدالرحمن لدھیانوی۔ فروٹ کمیشن اینڈ میوہ منڈی۔ لائل پور	" " "
۳۶-	محمد عظیم ملیسی	" " "
۳۷-	مشتاق احمد عرف پوستی۔ لائل پور	" " "
۳۸-	وصی احمد۔ اصطلیل چار باغ۔ لکھنؤ	" " "
۳۹-	عبدالعلی رحبڑ پرکاشنرز۔ کھاتولی۔ یو۔ پی	" " "
۴۰-	غلام محمد لدستری نور محمد اٹمن مشین ہورزی میک۔ لدھیانہ لائل پور	" " "
۴۱-	نیاز اشرف علی ۹۲۸ اے عجمی پور۔ الہ آباد یو۔ پی	" " "
۴۲-	بی۔ ڈی منوجہ سیکر۔ راجستھان	" " "

نمبر شمار خط	نام صاحب خط کا	تاریخ خطوط
۴۳ -	چمن لال آزاد - نائب ایڈیٹر - روزنامہ پرتاپ - نئی دہلی	۳ ستمبر ۱۹۵۶ء
۴۴ -	محمد حفیظ الدین انجمن ترقی اردو ہند - علی گڑھ	۴ ستمبر ۱۹۵۶ء
۴۵ -	محمد احمد لدھیانوی - گوجرانوالہ	" " "
۴۶ -	غضنفر حسین صدیقی - لاہور مشہور مسلم لیگی	" " "
۴۷ -	فتح محمد انوری (ایڈوکیٹ) - ۵ ٹیمپل روڈ لاہور مشہور مسلم لیگی	" " "
۴۸ -	ڈاکٹر فیاض الدین مومین پٹیہک لدھیانہ بلاک نمبر ۲۳ الف گڑھ	" " "
۴۹ -	عبدالحمید لدھیانوی - مالک سوٹ ہاؤس حسن ابدال ضلع کیمبل پور	" " "
۵۰ -	محمد حسین صدر مدرس مدرسہ رفیق العلماء محلہ قاضیان رحیم یار خان	" " "
۵۱ -	خواجہ محمد یوسف ۹ برڈوڈ روڈ لاہور	" " "
۵۲ -	مختار علی - راولپنڈی	" " "
۵۳ -	عمران محلہ کرمی ٹولا - جنرل اسٹور - چوک اعظم گڑھ	" " "
۵۴ -	دوست محمد جٹ انوالہ - ضلع سرگودھا	" " "
۵۵ -	فخر الحسن مدرس دارالعلوم دیوبند	" " "
۵۶ -	زہرہ شیخ طارق آباد - گلی نمبر ۷	" " "
۵۷ -	حکیم غلام نبی - غوثیہ دواخانہ منٹگمری - پاکستان	" " "
۵۸ -	عبدالسلام - ناظم دارالعلوم گوجرانوالہ	" " "
۵۹ -	عبدالرحمن لدھیانوی - عثمانیہ کالج - شیخوپورہ	" " "
۶۰ -	دود علی - کیلاش پور - ضلع سہارن پور	" " "
۶۱ -	سین خان - ۱۳ انارکلی - لاہور	" " "
۶۲ -	شریف بٹ لدھیانوی معرفت برکت علی اینڈ برادرز ٹیلر اینڈ ڈاکٹر ٹرس	" " "
۶۳ -	حافظ اکرام اللہ سہارن پور	" " "

نمبر خط	نام صاحب خط کا	تاریخ خطوط
۶۴ -	حافظ مولانا محمد یاسین مسجد باغ والی پاکستان مغربی گوجرانوالا	۴ ستمبر ۱۹۵۶ء
۶۵ -	نور الدین بہاری مرحوم سابق صدر کانگریس کمیٹی صوبہ دہلی	" " "
۶۶ -	مسلمانان دودھیشور روڈ (از قلم شوکت حسین) احمد آباد	" " "
۶۷ -	حافظ نذیر احمد چوک نیم دالال دھیانہ بازار چوڑا گران حال آباد گوجرانوالا	" " "
۶۸ -	محی الدین احمد دارالعلوم دیوبند	" " "
۶۹ -	احمد - دیوبند احرار الزماں - احرار - دیوبند (بنگالی)	" " "
۷۰ -	سید احمد اکبر آبادی - ڈیڑھ سہان اردو بازار جامع مسجد سہلی	" " "
۷۱ -	سید مجتبیٰ عظمت باڑہ مظفر پور - بہار	" " "
۷۲ -	محمد نور احمد - جمعیتہ علماء ہند - دہلی	۵ ستمبر ۱۹۵۶ء
۷۳ -	ڈاکٹر سراج الحق قریشی (ایم۔ اے، پی۔ ای، آئی ٹی) بالائے قلعہ علی گڑھ	" " "
۷۴ -	سیارضی الدین احمد ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی جمال محمد کالج ترچناہلی مدراس	" " "
۷۵ -	بشیر احمد قاسمی فیض آباد	" " "
۷۶ -	خواجہ محمد اطہر دنیا ز محمد خاں - ایم اعظم ایڈمنسٹریٹو سلاہور	" " "
۷۷ -	محمد ابراہیم فروٹ مرچنٹس اینڈ کمیشن ایجنٹس بیوہ منڈی امرت سر	" " "
۷۸ -	محمد رمضان آگرہ نالا - لاہور	" " "
۷۹ -	لکشمی دت کالیہ اس ای۔ اد کنور (سونی پت)	" " "
۸۰ -	محمد احمد محلہ کوری ٹولہ - اعظم گڑھ	" " "
۸۱ -	ایم۔ ایم شفیق (H.F.M.) گلوان گیٹ فاسر بولگیڈ امرت سر	" " "
۸۲ -	خورشید علی فاضل دارالعلوم دیوبند موضع شیدہ تحصیل نوشہرہ پشاور	" " "
۸۳ -	سید محمد علی شاہ لدھیانوی - چچا حکیم محمد الحسن صاحب - لاہور	" " "
۸۴ -	اسعدی - بہارن پور	" " "

نمبر شمار خط	نام صاحب خط کا	تاریخ خطوط
۸۵ -	سید احمد اکبر آبادی - ایڈیٹر سربان پریس شعبدہ دینیات علی گڑھ	۵ ستمبر ۱۹۵۶ء
۸۶ -	خواجہ محمد طاہر مسرت لدھیانوی - حال بیٹن روڈ - جہاگیر گلی - لاہور (مشہور مسلم لیگی)	" " "
۸۷ -	محمد غلام رسول ہر ایڈیٹر انقلاب - لاہور خورشید کا شیری - لاہور	" " "
۸۸ -	محمد اکرم صدیقی سپاہ ضلع اعظم گڑھ	" " "
۸۹ -	فتح محمد سلطان پوری - مبارک پور - ملتان	۶ ستمبر ۱۹۵۶ء
۹۰ -	رتن لال نسیم - فیروز آباد - آگرہ	" " "
۹۱ -	محمد یامین طیب سہارن پور	" " "
۹۲ -	سید ظہور الحسن لدھیانوی - لاہور	" " "
۹۳ -	مبارک علی آزاد - لدھیانہ	" " "
۹۴ -	عبد المالك وکیل - دانا پور کینٹ	" " "
۹۵ -	منصور محمود ڈرامنگ ماسٹر - لاہور	" " "
۹۶ -	جلیل صاحب - لاہور سید محمد مظہر جلیل لاہور مال روڈ	" " "
۹۷ -	محمد احمد حانی لدھیانوی - سسر عربیہ جٹا رشیدیہ غلہ منڈی منٹگری	۷ ستمبر ۱۹۵۶ء
۹۸ -	شیخ محمد علی - مینگو ہاؤس طبع آباد - ضلع لکھنؤ	" " "
۹۹ -	حافظ سیف اللہ - نوشہرہ درکاں	" " "
۱۰۰ -	مسعود حسن ایوبی خلیف مرحوم مولانا احمد حسن ایوبی - ضلع مظفرنگر	" " "
۱۰۱ -	مولوی نور محمد بنیان والے - اندرون لوہاری گیٹ	" " "
۱۰۲ -	حاجی احمد حسین لاہور اچھڑ	۸ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۰۳ -	عبد الغنی روحی کرشن نگر لاہور	" " "
۱۰۴ -	بلیر سنگھ کادیان - پر بھادتی - تملہ	۹ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۰۵ -	اندپتاپ ایم اے - خلف لالہ امر ناتھ نیر	" " "

نمبر شمار خط	نام صاحب خط کا	تاریخ خط
۱۰۷-	عبد الحمید سمرست ہاؤس کراچی	۱۰ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۰۸-	شہری جمعیتہ علماء میرٹھ	" "
۱۰۹-	انور جالندھری - معرفت ڈائریکٹر ٹورسٹ سینٹر	۱۱ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۱۰-	عبد الحمید - ضیوا	" "
۱۱۱-	کے۔ ایم۔ اسماعیل۔ انجمن درس القرآن۔ سہلی ضلع دھاروار	۱۳ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۱۲-	سکرٹری ادارہ شرقیہ۔ حیدر آباد۔ دکن	۱۴ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۱۳-	محمد افضل علی۔ لاہور	۱۵ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۱۴-	اصغر محمد حکیم سید معراج الحسن۔ محلہ شامیہ۔ مکہ مکرمہ	۲۶ اکتوبر ۱۹۵۶ء
۱۱۵-	سید مسعود شاہ۔ بہت ضلع سہارن پور	۲ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۱۶-	لطیف لدھیانوی۔ لائل پور	" " "
۱۱۷-	ثروت رضوی امر دہہ	" " "
۱۱۸-	عبداللہ احد۔ دیوبند	" " "
۱۱۹-	مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث۔ سہارن پور	۴ ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۲۰-	حفیظ الرحمن رحمانی۔ دوا خانہ دھام پور	" " "
۱۲۱-	اشفاق احمد۔ مدرسہ دارالعلوم۔ دیوبند	" " "
۱۲۲-	مولانا محمد مبارک۔ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند	" " "
۱۲۳-	قاضی محمد احمد۔ رحیم یار خاں محلہ قاضیان	" " "
۱۲۴-	حضرت قدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری	" " "
۱۲۵-	عبد المنان معرفت عبدالغنی صاحب گوجرانوالا	" " "
۱۲۶-	محمد طاہر حسین۔ کھاتولی	" " "
۱۲۷-	قرالدین لدھیانوی	" " "

نمبر شمار خط	نام صاحب خط کا	تاریخ خط
۱۲۷	عبدالغنی معرفت حاجی فضل الدین محمد اسماعیل - لائل پور	۳ ستمبر ۱۹۵۶
۱۲۸	ایم عبدالحمید - لائل پور	" " "
۱۲۹	محمد حسن لدھیانوی معرفت محمد امین - گجرات - پاکستان	" " "
۱۳۰	تاج محمد لدھیانوی - ملتان	" " "
۱۳۱	عبدالحمفیظ سرگودھا	" " "
۱۳۲	محمد صدیق انور - ستلج نیوز - اوکاڑہ	" " "
۱۳۳	غلام محمد دیوبندی - گوجرانوالا	" " "
۱۳۴		" " "
۱۳۵	منظور الہی - دارالشفاء - مکنو	" " "
۱۳۶	ہریش چندر کوشل - ماہری - انبالہ	" " "
۱۳۷	عبدالغنی - گوجرانوالا	" " "
۱۳۸	عابد میاں	" " "
۱۳۹	سر دول سنگھ ایڈوکیٹ - ہوشیار پور	" " "
۱۴۰	حاجی محمد اکرم - گوجرانوالا	" " "
۱۴۱	ظفر عالم - گوجرانوالا	" " "
۱۴۲	عزیز الرحمن ناظم اعلیٰ مجلس تحفظ ختم نبوت - ڈیرہ اسماعیل خان	" " "
۱۴۳	حکیم عبدالرشید - بریلوی	" " "
۱۴۴	جمیل - گوجرانوالا	" " "
۱۴۵	جمیل - گوجرانوالا	" " "
۱۴۶	محمد صابر - کراچی	" " "
۱۴۷	محمد اسماعیل - مراد آباد	" " "

۳۱ ستمبر ۱۹۵۶ء

" " "

" " "

" " "

" " "

" " "

" " "

" " "

" " "

" " "

" " "

" " "

" " "

" " "

" " "

" " "

" " "

" " "

" " "

۱۴۸ - اتم چند - مظفرنگر

۱۴۹ - ادم پرکاش - رام سی سنی - لدھیانہ

۱۵۰ - افتخار زیدی - مراد آباد

۱۵۱ - خلیل اللہ - گوجرانوالا

۱۵۲ - غلام یاسین - گوجرانوالا

۱۵۳ - فخر - گوجرانوالا

۱۵۴ - محمد فضل الرحمن - سہارن پور

۱۵۵ - عبد الحمید - لاہور

۱۵۶ - شمس النساء - مراد آباد

۱۵۷ - غلام محمد - لائل پور

۱۵۸ - مرزا یوسف بیگ - علی گڑھ

۱۵۹ - حاجی یعقوب علماں - سہارن پور

۱۶۰ - عبد اللہ رائے پوری - ملتان

۱۶۱ - محمد اعجاز حسین - امرتسر

۱۶۲ - کامریڈ غلام محمد دیوانہ - لدھیانہ

۱۶۳ - نصیب خان - سہارن پور

۱۶۴ - نور محمد خلیلی - لدھیانہ

۱۶۵ - بشیر احمد کرت پور - بجنور

۱۶۶ - شیخ اقبال علی ایڈوکیٹ - لکھنؤ



یاسر عرفات العربی الحجازی ثم الہندی

۱۳ نومبر ۱۹۷۳ء - امریکہ - دن کے ۱۰ بجے

نیویارک میں یونائیٹڈ نیشنز کے وسیع ہال میں ایک سو چوالیس سلطنتوں کے نمائندے پورے جوش و خروش کے ساتھ یاسر عرفات کا خوشی و مسرت، شادمانی اور مبارک باد کے ساتھ استقبال کر رہے تھے۔ یاسر عرفات جب اپنے حجازی وقار کے ساتھ ہال میں داخل ہوئے تو ہر طرف سے مبارک باد کے نغمے گونج اٹھے۔ آج اسرائیلیوں کو شکست اور حجازیوں کو فتح نصیب ہوئی۔

دہلی - ۱۳ نومبر شب کے دس بج کر ۲۰ منٹ پر علین اسی وقت لیڈی ہارڈنگ ہاسٹل میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے خاندان میں ہاجرہ بانو کے بطن سے محمد سلیمان کے ہاں ۱۳۹۳ھ میں کتم عدم سے یاسر عرفات عالم وجود میں آچکا تھا۔

ڈاکٹر اقبال نے مقام سرمدی سے ہندوستان میں بدر کمال کی روشنی اور امریکہ میں آفتاب عالم کی سنہری کرنوں پر دونوں یاسر عرفات کے لئے یہ نعمۃ الہی چھیڑ دیا۔ اقبال کی دعا یونائیٹڈ نیشنز کے ہال میں بھی گونج رہی تھی اور لیڈی ہارڈنگ کے کمروں میں بھی دلکش و دل چپ دل پسند سرمدی سردوں میں دعائے الہی کی آواز دلوں کو گہرا رہی تھی۔

”یاسر عرفات العربی الحجازی کے لئے دعا“

یونائیٹڈ نیشنز کے ہال اور لیڈی ہارڈنگ کی چار دیواری میں

یہ غازی یہ تیرے پیر اسرار بندے	جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دردِ نیم ان کی ٹھوکر سے صحراد دریا	سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دردِ عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو	عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

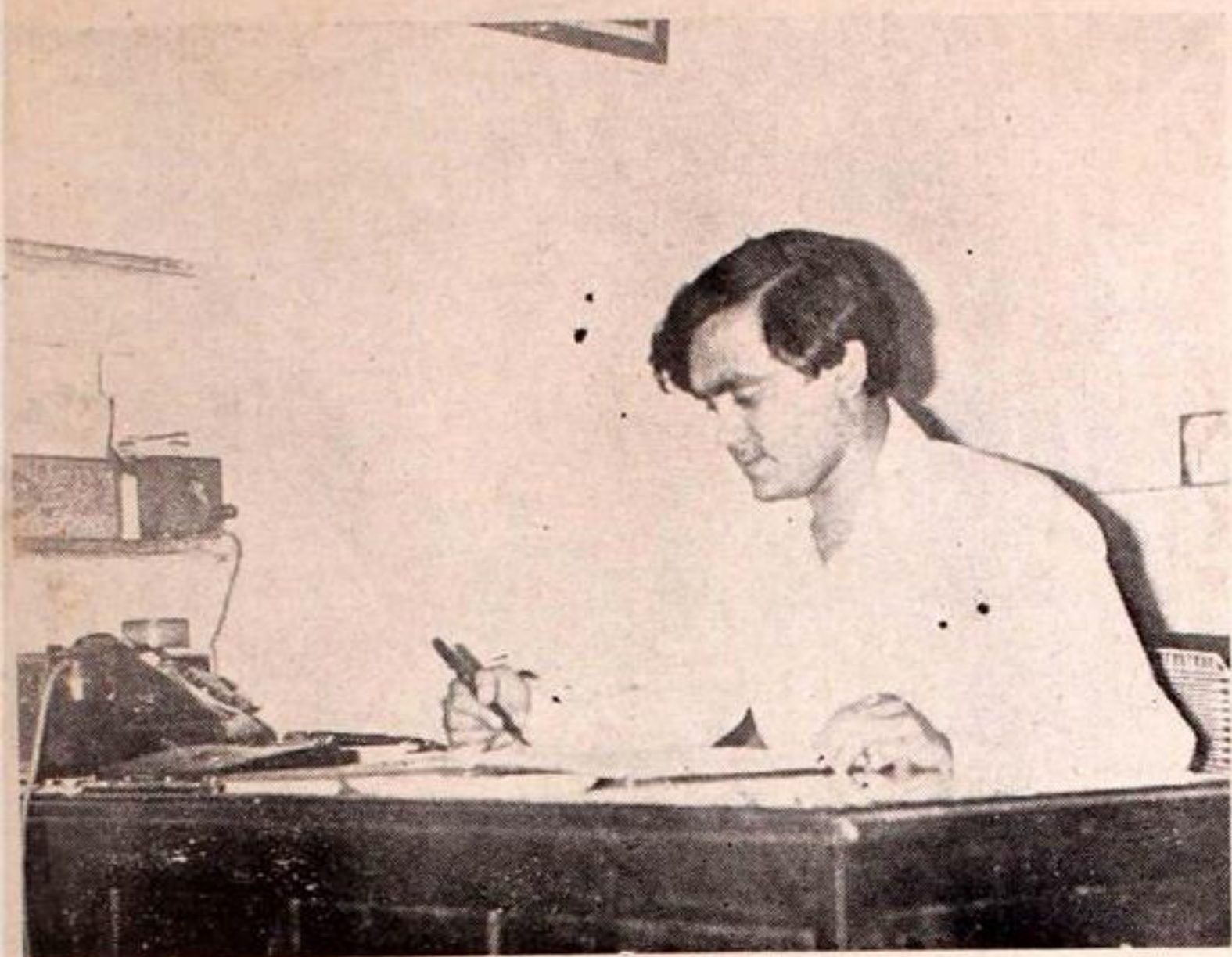
یا سر عرفات العربی والحجازی



کیا تو نے صحرائشینوں کو ملتا

نظر میں، خبر میں، اذانِ سحر میں

دونوں یا سر عرفات کے لئے ایک تنظیم فلسطین کا سربراہ ہے دوسرا صرف
ایک سال دو مہینے کا ہے۔ ایک ہندوستان میں ہے اور ایک قاہرہ میں



بلال احمد دفتر کے کاموں میں مصروف

پیغامِ حیات

جگر سے وہی تیر پھر پار کر تمنا کو سینے میں بیدار کر
 ترے آسمانوں کے تارونکی خیر زمینوں کے شب زندہ دارونکی خیر
 جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے مرا علم میری نظر بخش دے
 مری ناؤ گر داب سے پار کر
 یہ ثابت ہے تو اس کو سیار کر

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی
 خیاباں میں ہیں منتظر لالہ کب سے
 قبا چاہئے اس کو خونِ عرب سے

اتو نے صحرائِ نشینوں کو بیکت خبر میں نظر میں اذانِ سحر میں
 لب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو وہ سوز اس نے پایا انہیں کے جگر میں
 نادِ درِ دل سمجھتے ہیں اُس کو ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں
 لہ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے وہ بجلی کہ تھی نعرہ لا یذعہ میں
 عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے

نگاہِ سلماں کو تلوار کرے (اقبال)

ہیں اقبال کی اس دعا اور نعمہ سردی کے ساتھ تنظیمِ فلسطین کے سربراہ
 عرفات اور جناب محمد سلیمان صاحبزادہ اور اپنے نواسے یا سر عرفات کی خدمت میں
 نعمۂ حجازی کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ آج کی تاریخ میں میرے نواسے
 سر عرفات کی عمر ایک سال ایک مہینہ ہے۔

”یہ انساب ہے۔ دونوں یا سر عرفات کے نام“

عزیز الرحمن جامی لدھیانوی ثم دہلی کوچہ رحمان ۵۲۹۶

فون نمبر ۲۶۲۲۴ - ۱۳ دسمبر ۱۹۵۵ء چاندنی چوک دہلی ۱۱۰۰۰



مولانا عزیز الرحمن جامی لدھیانوی

تعلیم و ترقی کا ایک فرد

(از: ایڈیٹر تعلیم و ترقی جامعہ فردوسی ۱۹۵۲ء)

میں لدھیانہ (پنجاب) کے ایک ایسے خاندان میں (۱۹۱۵ء میں) پیدا ہوا جسے حکومت پنجاب کی فہرست میں "۱۸۵۰ء کا باغی خاندان" کا لقب دیا گیا تھا۔ میں جب پانچ سال کا تھا اس وقت خلافت کی تحریک بڑے زور پر تھی۔ والد صاحب (مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی) جیل جا چکے تھے اور ہمارے گھر کا مال و اسباب سڑک پر لاکر نیلام کیا جا رہا تھا۔ یہ تھا وہ ماحول جس کی گونج میں نے آنکھ کھولی۔

خلافت کا دور گزر گیا اور والد صاحب جیل سے باہر تشریف لائے تو میری تعلیم کی فکر ہوئی اور انھوں نے میرے لئے دیوبند کا مدرسہ (دارالعلوم) منتخب کیا۔ دیوبند میں ایک ہی سال رہنے پایا تھا کہ مکہ شریف میں میری تعلیم کا انتظام ہو گیا اور مجھے وہاں بھیج دیا گیا۔ مگر وہاں بھی دو ہی سال رہنے کا موقع ملا۔ دو سال کے بعد جب میں وطن واپس آیا تو یہاں پھر سیاسی جدوجہد شروع ہو گئی تھی اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد والد صاحب پھر جیل چلے گئے۔ جیل میں اتفاق سے والد صاحب اور ڈاکٹر انصاری مرحوم ایک ہی جگہ رہتے تھے وہیں ڈاکٹر صاحب نے والد صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ مجھے جامعہ ملیہ میں بھیج دیں چنانچہ میں ۱۹۲۹ء میں جامعہ میں داخل ہوا۔

جامعہ میں میں نے ۱۹۳۵ء تک تعلیم حاصل کی مگر اس زمانے کی سیاسی جدوجہد نے مجھے جامعہ سے نکال کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور اس وقت سے ۱۹۴۸ء تک میں نے مختلف تحریکوں میں کام کیا کئی بار جیل گیا، کبھی مزدوروں میں کام کیا تو کبھی انتخابی جنگ میں، یہاں تک کہ ہندوستان کی آزادی کی منزل سامنے آگئی اور ملک کی تقسیم کے سلسلے میں میرے عزیز رشتے دار تو پاکستان چلے گئے مگر والد صاحب اور ان کا پورا خاندان اپنا آباء و وطن چھوڑ کر دہلی چلا آیا۔ دہلی میں ۱۹۴۸ء میں بالعموم کی تعلیم کے سلسلے میں تعلیمی مرکزوں کی تحریک جاری تھی، میں نے اس تحریک کا مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اب جب کہ ملک کی سیاسی جنگ ختم ہو چکی ہے، ضرورت ہے کہ اس کی تعمیر نو کا پروگرام شروع کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے میں جامعہ کے شعبہ "تعلیم بالغان" ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ کے حلقے میں

شامل ہو گیا اور اس کے تعلیمی مرکز کے وارڈن کی حیثیت سے کام شروع کیا۔

تعلیمی مرکزوں کے راستے میں جو چیز سب سے بڑی رکاوٹ بنتی ہے وہ بستی کے پرانے سماجی ادارے اور وہ رہنمائیات ہیں جن کے یہ ادارے حال ہوتے ہیں۔ پہلے ہیں تو وہ تعلیمی مرکز کو اچھے کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور کچھ کچھ کھوئے کھوئے سے رہتے ہیں مگر آہستہ آہستہ جب انہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس مرکز کی بددلت پس ماندہ طبقے کو ابھرنے کا موقع مل رہا ہے اور سماجی زندگی کا پرانا ڈھانچا کمزور ہو رہا ہے تو وہ خائف ہونے لگتے ہیں۔ اور اس خوف کا نتیجہ مرکز کے خلاف طرح طرح کی سازشوں میں نکلتا ہے۔ اس ذیل میں مجھے جن باتوں کا احساس ہوا انہیں مختصراً اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے :

(۱) امیر طبقہ پس ماندہ طبقے کی ترقی اور بیداری سے جلنے لگتا ہے۔

(۲) اونچی نسلوں اور خاندانوں کے لوگ پسماندہ طبقے پر ہر قیمت پر اپنی فوقیت قائم رکھنا چاہتے ہیں۔

(۳) سیاسی مزاج کے لوگ مرکز کو پروے ہی پروے میں اپنی سیاسی اغراض کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

اور جب اس مہم میں ان کو ناکامی ہوتی ہے تو مرکز کے خلاف اپنے سیاسی ڈھنگ پر پروپیگنڈا شروع کر دیتے ہیں۔

میں نے اپنے چار سال کے تجربے میں نہ صرف ان مشکلات کو سمجھا ہے بلکہ ان کا مقابلہ کر کے مرکز کو چلایا

ہے۔ یہ تو ضرور ہوا ہے کہ بستی کے کچھ لوگ مرکز اور ان کے کارکنوں سے ناراض ہو گئے ہیں۔ مگر یہ حیثیت مجموعی بستی

کی عام جنتا مرکز کی تحریک کی بددلت گھل مل کر ایک جان ہو گئی ہے اور میری رائے میں کسی مرکز کی سب سے بڑی

کامیابی یہ ہے کہ بستی کے خصوصاً پس ماندہ طبقوں کے لوگ گھل مل کر ایک جگہ جمع ہونے لگیں اور اپنی مشکلات

اور مسائل پر خود قابو حاصل کرنے کے عادی ہو جائیں۔ میں نے مرکز میں کام شروع کرنے کے بعد حالات کا جائزہ

لیا اور اس کی روشنی میں اپنے لئے کام کا جو خاکہ ترتیب دیا اس کا ذکر اپنی سالانہ رپورٹ میں ان الفاظ میں کیا تھا۔

”بستی کے مرکز کو لوگ عام طور پر مدرسہ سمجھتے تھے اور اس غلط فہمی کی وجہ سے کام میں بڑی رکاوٹ پڑتی

تھی۔ میں نے اپنے لئے پہلا کام یہ تجویز کیا کہ بستی کے باشندوں کے دل و دماغ سے یہ غلط فہمی دور کر دینی چاہئے اور

ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دینی چاہئے کہ ”تعلیمی مرکز“ کوئی مدرسہ نہیں ہے بلکہ یہ بالوں کی تعلیم، بچوں کی غیر نصابی

تربیت، والدین کی تربیت وغیرہ کام مرکز ہے جس کے ذریعے ایک اچھے سماج کی تشکیل و تعمیر مقصود ہے۔“

حضرت مرشدی و مولائی شاہ عبدالقادر نور اللہ مرشدہ

کا خط

۳۰ ستمبر ۱۹۵۶ء

از احقر عبدالقادر ! - السلام علیکم درجۃ اللہ و بركاتہ

برخوردار موی عزیز الرحمن۔ السلام علیکم درجۃ اللہ و بركاتہ

برخوردار تھارا خط آیا۔ خیریت و کیفیت معلوم ہوئی۔ برخوردار حضرت مولانا

مرحوم کے انتقال پر ملال سے تمھاری ہی کیا کر لوں گی۔ آپ لوگوں کے ساتھ اور بھی

اس میں شریک ہیں۔ مولانا تو بہت لوگوں کے سہارا تھے۔ ہم لوگ بھی ان کا انتظار ہی

کرتے رہتے تھے کہ کب تشریف لادیں۔ اب سوائے دعا کے کیا عرض کیا جاسکتا

ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو ثبے درجے عطا فرمادیں۔ باقی برخوردار اب تم ہی

ان سب بھائیوں میں سمجھو دا معلوم ہوتے ہو۔ تم ہی اپنے والد بزرگوار کی

جگہ ان کا خیال رکھو۔ آپس میں اتفاق و اتحاد اور انکی نیکی کا خیال رکھو۔

احقر بھی آپ لوگوں کے لئے دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھیں۔

مولوی محمد احمد۔ از ہر طیب۔ بھائی خلیل فرست وغیرہ اور سب

گھروں میں میرا سلام عرض ہے (تعلیم عبدالمنان خادم حضرت دالا

نوٹ :- حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری، رئیس الاحرار کے

پیر و مرشد تھے۔ مرید نے تمام عمر اطاعت کی اور ہر قسم کی روحانی اور

سیاسی رہنمائی حاصل کی اور مرشد نے اپنے مرید پر ہمیشہ اپنی شفقت و

محبت کی بارش کی۔

۱۹۵۵ء

عزیز۔ الرحمنوری

راشترتی بھون نیو دہلی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم سعید الرحمن لدھیانوی۔ یہ معلوم کر کے مجھے افسوس ہوا کہ آپ کے والد ماجد مولانا حبیب الرحمن صاحب اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے ہیں۔ ایک مدت سے میں انھیں جانتا تھا۔ اس دوران میں نے یہ محسوس کیا کہ انھوں نے بے غرضی اور خلوص کے ساتھ قومی آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیا۔ ان کی جدائی سے جو صدمہ آپ کو ہوا ہے۔ اس میں پوری طرح شریک ہوں اور امید کرتا ہوں کہ خدا آپ کو اس صدمے کو برداشت کرنے کی توفیق دے گا۔ خیر اندیش راجندر پرشاد۔ صدر جمہوریہ ہند عزیزم مولوی سعید الرحمن لدھیانوی۔ کوچہ رحمن۔ دہلی

(یہ خط دستی آیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس دن کی تمام مصروفیات ختم کر دی تھیں)

دہلی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم خلیل الرحمن صاحب۔ مجھے یہ سن کر نہایت ہی افسوس ہوا کہ مولانا حبیب الرحمن صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ مرحوم نے اس ملک کی جنگ آزادی میں جو نمایاں حصہ لیا ہندوستان کی تاریخ حریت میں ہمیشہ یاد رہے گا۔ میں آپ کے دکھ میں پوری طرح سے شریک ہوں اور خدا سے دعا کرتی ہوں کہ مولانا مرحوم کو جنت نصیب ہو اور لواحقین کو اس صدمہ عظیم کے برداشت کرنے کی ہمت ملے۔

آپ کی۔ امت کور۔ وزیر صحت حکومت ہند۔ نیو دہلی۔

لاہور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ (بذریعہ ڈاک)

”— ۱ میر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن کے انتقال پر“

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو جب رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کے انتقال کی خبر دی گئی تو شاہ صاحب دیر تک سکھتے کے عالم میں رہے۔ اور جب نامہ بخاری نے شاہ صاحب سے حضرت مولانا مرحوم پر بیان دینے کو کہا تو سنرایا:

”ایک اچھے رفیق، مونس و غم خوار اور سراپا ایثار ساتھی کی جدائی نے میرے سینے میں ایک اور زخم کا اضافہ کیا ہے۔ مولانا کی وفات امت کے لئے ایک سانحہ عظیم ہے۔ اس سانحہ عظیم پر حضرت امیر شریعت دن بھر سو گوار رہے اور مولانا کے ساتھ اپنی دیرینہ رفاقت اور مختلف مراحل کا بار بار ذکر کرتے رہے۔

۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ دہلی۔ محترمی مولانا عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کے والد ماجد گوا

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کے انتقال پر ملال پر ہماری صوبہ کمیٹی نے جو تعزیتی تجویز آج کی میٹنگ میں منظور کی ہے وہ آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ آپ کے بھائیوں اور بہنوں سے اس حادثہ جانکاہ میں ہماری کمیٹی کو پوری ہمدردی ہے لیکن یقین جانئے کہ یہ پوری قوم کا نقصان ہے۔ اور تمام مجاہد وطن اس کو محسوس کر رہے ہیں۔ آپ کا مخلص۔ مقیم الدین فاروقی۔ سکرٹری کمیونسٹ پارٹی۔ دہلی

۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ دہلی

کمیونسٹ پارٹی کی دہلی صوبائی کمیٹی کی قرارداد: مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے انتقال کے سلسلہ میں ”ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کی دہلی صوبائی کمیٹی حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی بے وقت موت پر اپنے رنج و غم کا اظہار کرتی ہے اور مرحوم کے پس ماندگان سے اظہار ہمدردی کرتی ہے۔ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی موت ہندوستان کے قوم پرست حلقوں کے لئے ایک حادثہ جانکاہ ہے۔“ انگریزی سامراج کے خلاف ہندوستان کی جنگ آزادی میں مولانا مرحوم نے جو حصہ ادا کیا وہ تاریخ میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ جنگ آزادی کی کامیابی کے لئے ہندو مسلم اتحاد کی جدوجہد کرنا مولانا مرحوم کی سیاسی زندگی کا ایک اہم حصہ تھا۔ ”ہندوستان کے تمام مجاہد وطن کا فرض ہے کہ وہ مولانا مرحوم کے سامراج دشمن جذبہ اور ہندو مسلم اتحاد کی مساعی کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں۔“ مقیم الدین فاروقی سکرٹری کمیونسٹ پارٹی۔ دہلی اسٹیٹ۔ دہلی لاہور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ لَارْجِعُوْنَ ط

برخوردار خلیل الرحمن سلمہ۔ السلام علیکم۔ کل رات جب ریڈیو پاکستان نے یہ روح فرسا خبر سنائی کہ مولانا حبیب الرحمن انتقال فرما گئے۔ دل کو بے حد صدمہ ہوا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس خبر کے بعد ریڈیو پر کیا خبریں سنائی دیں۔ دل تھام کر بیٹھ گیا۔ گورمانے نے میرے اور مولانا کے درمیان قدغن کھڑی کر دی تھی۔ مگر حد بندیوں کی دودی ہمارے دلوں پر اثر انداز نہ ہو سکی۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپے تک کی دلی رفاقت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے اس طرح آیا کہ اس تصور کے ٹوٹے ہی میں آنسوؤں کے سیلاب میں ڈوب کر رہ گیا۔ ایک نیک سیرت انسان اور ایک بہادر اور جبری رفیق اور میرے بچپن کا ساتھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منہ موڑ گیا۔ اللہ انھیں کر وٹ کر وٹ چین اور سکون نصیب کرے اور جنت میں جگہ دے اور ہم سب پس ماندگان کو جو

ان کی محبت کے دامن سے وابستہ تھے صاحبِ جمیل عطا کرے۔ برخوردارِ ارباب تم صبر کرو۔ تمھارا جلیل القدر باپ
 اللہ کو پیارا ہو گیا۔ ہم سب کو اسی ماہ پر گامزن ہونا ہے۔ بخاری صاحب کو علاج کے لئے ملتان سے لاہور کئے
 لئے تھے۔ کل وہ بھی دن بھر آنسو بہاتے رہے۔ تمھارا غمزدہ چچا۔ تاج انصاری (لدھیانوی مرحوم)
 دفتر مجلس احرار اسلام ہند۔ بیرون دہلی دد داڑہ متصل شاہ محمد غوث۔ لاہور۔ پاکستان۔
 نوٹ:۔ تاج الدین صاحب انصاری مولانا مرحوم کے بچپن کے ساتھیوں میں سے تھے۔ تمام عمر قید و بند کی
 مصیبتیں مولانا کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ جون ۱۹۷۷ء میں تاج الدین صاحب بھی اللہ کو پیائے ہوئے
 اور اپنے ساتھی سے جا ملے۔ عزیز۔ ۱۸ جنوری ۱۹۷۱ء

لدھیانہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادرِ م سید الرحمن صاحب۔ بزرگوارِ م حضرت مولانا صاحب کی
 ناگہانی موت کی خبر سن کر ہم سب کو از حد رنج اور قلق ہوا۔ تمام بال بچے سخت غم میں مستغرق ہیں۔ ان کی بزرگاہ
 عاطفت سب کے دل میں نقش ہے۔ تمام شہر میں اجاب نے ماتم کیا۔ ایسے برگزیدہ بزرگوں کا سایہ سر سے اٹھ
 جانا ہم سب کی بد قسمتی ہے۔ ایشور ان کو شانتی، روحانی تسکین اور تمام برادران کو تسلی دیں۔ بہت افسوس
 صد افسوس۔ آپ کا بھائی۔ ہر بھگوان مودگل۔ (وکیل اور سابق ایم۔ ایل۔ اے لدھیانہ)

ضلع میرٹھ۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بخدمت شریف جناہ مولانا عزیز الرحمن صاحب لدھیانوی۔
 خدمت میں ملتے ہیں کہ حضرت مولانا کے انتقال کی خبر سن کر دل کو بے حد افسوس اور صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ
 وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ۝ بے شک ہم اللہ کے ہیں اور ہم سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے

ابنِ امانت چند روزہ نزد ماست در حقیقت مالک ہر شے خداست

جس طرح آپ اس دنیا میں ہمارے لیڈر تھے اور ہمارے راہبر تھے۔ اسی طرح آپ دنیائے جاد دانی میں بھی ہمارے
 رہبر رہیں گے اور کبھی مسلمان طبقہ کو ماہِ نجات دکھلا کر پلِ صراط سے گزار کر بہشت بریں میں داخل کر دیں گے اور ہمارے
 بادشاہ خدا کی اور خدا کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مامور کر دیئے جائیں گے۔ آمین

جناب باری تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۝ ہر جان دار کو فنا ہونا ہے
 دنیا فانی ہے پھر اس پر افسوس کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بھی ۶۳ سال ہوئی تھی اور حضرت

مولانا کی عمر مبارک بھی صرف ۶۴ سال کی ہوئی۔ یعنی خداوند کریم کو اپنے محبوب بندوں کی عمر اتنی ہی مقبول ہے۔
حضرت مولانا نے اپنے ۷۷ شوال ۱۳۷۵ھ کے نامہ مبارک میں خادم کو لکھا تھا کہ خداوند کریم ہم سب کو ہر قسم
کی آزمائشوں سے محفوظ رکھیں۔ ”میری صحت و سلامتی ایمان اور خاتمہ بالخیر کے لئے دعا کرتے رہئے۔“

مندرجہ بالا جملات میں جناب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کہ آپ انہیں جملوں کے نظریہ کو لے کر
جو مولانا نے فرمائے ہیں خادم کے لئے دعا فرمائیے گا عین عنایت ہوگی۔ چونکہ تعلیمی کام زیادہ ہیں اس لئے ایک پارہ
شریف کی علی الصبح تلاوت کر کے اس کا ثواب حضرت مولانا کی روح کو پہنچا دیتا ہوں اور ماہ ستمبر کی ۳۰ تاریخ تک
انشاء اللہ پورے کلام پاک کی تلاوت کر کے اس کا ثواب حضرت کی روح کو پہنچا دیا جائے گا۔ ایک ساتھی صلاح اللہ
بھی نصف پارہ شریف کی تلاوت و ذرا نہ کر کے حضرت کی روح کو اس کا ثواب پہنچا دیتے ہیں۔ حضرت مولانا
کو خداوند کریم بہشت بریں کا بادشاہ معزز فرمادیں۔ آمین۔ فقط زیادہ حداد۔

خادم سمیع الدین طالب علم جسے ٹی۔ سی کالج۔ ہاپور ضلع میرٹھ

لدھیانہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم مولانا صاحب۔ جے ہند۔ محترم مولانا صاحب کی
موت کی خبر نے مجھے بہت بے چین کیا۔ آپ کو شاید پتہ نہ ہو کہ میں تقریباً تین ماہ سے بستر پر ہوں۔ کل جب
ریڈیو سے یہ خبر ملی تو بہت دکھ ہوا۔ لدھیانہ کے دوستوں نے ان کی جدائی کو بہت محسوس کیا ہے خدا ان کی
روح کو تسکین دے۔ لدھیانہ کا ہر شہری آپ کے اس دکھ میں شریک ہے۔

آپ کا بھائی۔ سرداری لال کپور۔ جگر اڈن روڈ۔ لدھیانہ

کراچی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر سردار صاحب تسلیم۔ السلام علیکم۔ واضح ہو کہ اس سے قبل
ایک خط آپ کی خدمت میں تحریر کر چکا ہوں۔ امید ہے مل چکا ہوگا۔ میں پچھلے ۸۔ ۱۰ روز سے سخت پیٹ کے درد
کی تکلیف میں ہوں اور چونکہ دفتر میں دہری ذمہ داریاں یعنی اسسٹنٹ ڈائریکٹر اور ڈپٹی کا کام سرانجام
دینی پڑتی ہے اس لئے مرتے پڑتے دفتر جانا ضروری ہے۔ پچھلے دو چار روز سے بے حد ڈنڈھال اور مضمحل سا
ہوں۔ بہر حال اسی طرح یہ ہفتہ عشرہ گزر رہا ہے۔ ایسے ماحول میں یہ خط نہایت غم و اندوہ کی حالت میں لکھ رہا
ہوں۔ یعنی اگرچہ گھر میں ریڈیو نہیں ہے اور اس طرح میں محض اپنی کوفت کو ختم کرنے کے لئے کل بعد مغرب گھر سے

باہر سڑک پر گھومنے نکل گیا۔ وہاں ایک مکان میں خبری نشر ہو رہی تھیں۔ میرے پہنچنے کے بعد جو خبروں کا خلاصہ میرے سننے میں آیا ان میں مولانا حبیب الرحمن صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر تھی، جس سے مجھے اس قدر صدمہ ہوا کہ میرے لئے کھڑا ہونا مشکل ہو گیا اور میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ فرط غم سے میرا سر ہلکا رہا تھا اور بدن میں رعشہ طاری تھا۔ دوائے بد نصیبی اور دوری زمانہ کہ تعزیت کے اظہار کو بھی مفتوں میں پہنچایا جاسکے۔ جہاں مولانا مرحوم کے ساتھ قلبی اور مخلصانہ تعلقات کے احساس اور لگاؤ سے دل بھر بھرا آتا ہے وہاں یہ قلع بھی ہے کہ آخری دیدار بھی نصیب نہ ہو سکا۔ بہر حال مولانا مرحوم کے لئے دہلے مغفرت کے ساتھ ساتھ پس ماندگان کے لئے خداوند کریم سے صبر جمیل عطا کرنے کی دعا کی۔ مجھے بالخصوص مولانا خلیل صاحب کا خیال آتا ہے کہ دل کے عارضہ میں ان پر اس غم جانکاہ سے کیا بنی ہوگی؟ تاہم خداوند کریم سے ملجھنا نہ دعا ہے کہ انھیں اور دیگر خورش و اقارب کو اس موقع پر استقامت اور صبر کامل عطا کرے۔ آمین ثم آمین

میرے پاس مولانا خلیل کا پتہ نہیں اس لئے یہ خط آپ کی خدمت میں تحریر کر رہا ہوں۔ اس لئے بھی کہ مولانا مرحوم کے آپ کے ساتھ بھی ویسے ہی مشفقانہ تعلقات تھے جو خود مولوی خلیل صاحب اور دوسروں سے تھے۔ آہ وہ کیا کیا زمانے تھے۔ میری نظروں میں ان کی میٹھک کا ماحول میری نظروں میں بارہا آتا رہا۔ دہی ماحول۔ دہی لدھیانہ۔ دہی ایام اور پھر یہ غم و آلام۔ خداوند کریم ہم سب پر رحم کرے اور صبر جمیل عطا ہو۔ آپ مناسب سمجھیں تو میری طرف سے بھی جملہ افراد خانہ کی خدمت میں اظہار تعزیت لکھ بھیجیں یا میرا یہ خط ہی مولانا خلیل صاحب کو ارسال کر دیں۔ آپ کے یہاں بھادجہ صاحبہ اور ملائیل پور میں بھی دیگر افراد خانہ کی خدمت میں اسی قسم کے اظہار غم کا اظہار کر دیں۔ والدہ منیر بھی انتہائی رقت قلب سے اظہار تعزیت میں شریک ہیں۔ فقط والسلام۔ احقر مغوم آپ کا محمود۔ کراچی

مکان۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادران مولوی خلیل الرحمن، مولوی عزیز الرحمن صاحب سلمہ السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ محذومی حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ کی وفات سے بہت صدمہ پہنچا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو اپنے قرب خاص میں جگہ مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ برادران یہ صدمہ بھولنے والا نہیں۔ ہماری بد قسمتی کہ ملاقات سے بھی محرومی رہی۔ تمنا

تھی کہ اگر کسی طرح اجازت مل جائے تو ایک دفعہ ملاقات جی بھر کر ہو جائے۔ مگر دلے قسمت یہ بات نصیب نہ ہوئی۔ مولانا صاحب کی وفات سے آپ ہی یتیم نہیں ہوئے پوری ملت اسلامیہ یتیم ہو گئی۔ نامعلوم بھارت کے مسلمان پر کیا گزرے گی، جن کا بہادر بزرگ اور مضبوط سہارا ختم ہو گیا۔ میں رات کہہ رہا تھا قدرت کا کرشمہ کہ مولانا صاحب کا خاندان دونوں طرف کس طرح منتشر ہو گیا۔ آپ کی طبیعت جس طرح پہلے متین اور مستحکم تھی اب بھی ایسی ہی رہے۔ برادریاں اور مل خاندان کی نگرانی کریں۔ امید ہے کہ آپ بحیرت ہوں گے اور دعائیں یاد رکھیں گے۔ اپنے حالات سے اطلاع فرمادیں۔ سب کو نام بنام سلام۔ بچوں کو دعا

فقط والسلام محمد علی جالندھری۔ ملتان۔ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

سہارن پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرم و محترم۔ السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت شیخ الحدیث کے نام پر پہنچے ہوئے تار سے آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لڑھیا نوری کے انتقال کی خبر معلوم ہو کر پورے ادارے میں رنج و غم کی ایک لہر دوڑ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم بڑی خوبیوں کے بزرگ اور حق بات کہنے میں بڑے نڈر اور جہاد تھے۔ جدوجہد آزادی کے صف اول کے کام کرنے والے ہیں ان کی خدمات ایک زبردست و دقیق حیثیت رکھتی ہیں۔ انھوں نے ملک کے آزاد کرانے میں اس وقت قربانیاں دیں جب واقعہ جدوجہد آزادی کا ایک مفہوم تھا اور اس میں حصہ لینے والوں کو غیر ملکی حکومت کے سخت سے سخت مصائب کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

مولانا کی وفات ملک و ملت کا ایسا نقصان عظیم ہے جس کی تلافی مستقبل قریب میں دشوار معلوم ہوتی ہے۔ (ارباب مدرسہ آپ، آپ کے جملہ برادران و اقلاب اور مولانا سے تعلق رکھنے والے افراد کے اس غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں درجات عالی سے سرفراز فرمائے اور متعلقین و متوسلین کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا کرے۔ مولانا مرحوم کے لئے قرآن شریف ختم کرا کے ایصال ثواب کرایا گیا ہے۔ اور بعد ختم و ایصال دعلے مغفرت کی گئی ہے۔

محمد اسعد اللہ عفی عنہ ناظم مظاہر علوم۔ سہارن پور

سہارن پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر محترم۔ سلام مسنون۔ آج کے اخبار میں حضرت مولانا حبیب الرحمن

صاحب کے انتقال پر طال کی خبر پڑھ کر انتہائی صدمہ ہوا۔ سرعکرا گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ دیر تک موش و حواس گم رہے۔ موصوف میرے سیاسی پیر محسن رہنا اور مرثی سرپرست تھے اور ان کی نوازش کریمانہ و توجہات بزرگانہ ہمیشہ مجھ پر مبذول رہیں۔ لیکن آہ میں ان سے محروم کر دیا گیا۔ قلب حزیں کی حالت کا نقشہ الفاظ میں کھینچنا ممکن نہیں۔ اپنی اس محرومی پر جتنا رنج و غم کروں تھوڑا ہے۔

آپ کا اور بہادران عزیز کا تصور کرتا ہوں تو دل اور بے چین ہوتا ہے۔ مجھے بھی شریک غم تصور فرمائیے۔ خدا آپ سب کو صبر دے اور انھیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ مجھے ہمیشہ اپنا ہی تصور فرمائیے۔

بہادران محترم کو سلام مسنون اور مضمون واحد۔ آپ کا محمود علی خاں (حال دزیر اذفاف دآپاشی) لکھنؤ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۹ء۔ برادران گرامی قند! سلام مسنون۔ کل صبح بالکل اچانک قومی آفا

میں مولانا مرحوم کے سانحہ ارتحال کی خبر پڑھی۔ چونکہ علالت وغیرہ کی کوئی اطلاع نہ تھی، اس لئے حیرت ہوئی، اور کسی ذریعے سے کچھ اور معلوم ہونے کا انتظار رہا۔ شام کو الجمعۃ ڈاک سے آیا تو تفصیل معلوم ہوئی اور یقین کرنا پڑا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۵ سوچ رہا تھا اس موقع پر خود ہی جائد اس لئے کل خط بھی نہ لکھا۔ لیکن بعض خاص مصروفیتوں کی وجہ سے یہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا انشاء اللہ اگلے ہفتہ حاضر ہوں گا اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے تمام اہل تعلق کو اس حق کے ادا کرنے کی توفیق بخشیں جو اس دنیا سے جانے کے بعد جانے والے کا سب سے بڑا حق ہوتا ہے۔ اور آپ حضرات کو مولانا کی زندگی کے ان پہلوؤں کا وارث و حامل بنائیں جو اس کے نزدیک پسندیدہ تھے۔ والسلام محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ (مدیر الفرقان لکھنؤ)

کراچی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۹ء۔ مکرمی جناب عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ آج بروز پیر بتاریخ ۳ ستمبر روزنامہ انجام میں قبلہ مولانا صاحب کے انتقال پر طال کی خبر پڑھ کر بے حد افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مولانا صاحب کی ہستی قوم کے لئے مشعل راہ تھی جس کی تانی اس دہر میں تقریباً ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو ان کا صحیح معنوں میں جانشین ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ جیسا کہ مولانا مرحوم و مغفور کی زندگی کا طریقہ رہا ہے۔

نقطہ السلام۔ آپ کا مخلص۔ جمیل الرحمن۔ ۲۷/برٹو روڈ۔ کراچی

لائی پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز القادری مولوی محمد احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

سلام مسنون۔ گزشتہ شب عشرہ کے قریب یکایک۔ مہ جانکاہ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا حبیب الرحمن کی خبر وصال سن کر بے حد متاثر ہوا۔ احقر تو پہلے ہی بیمار رہتا ہے۔ پھر حضرت مولانا کی خبر وصال نے بالکل ہی کمزور کر دیا۔ آپ تو خیر مولانا مرحوم کی اولاد ہیں۔ لیکن جو محبت احقر سے فرماتے تھے، اس کے پیش نظر بے حد صدمہ ہوا۔ مولانا مرحوم بلا مبالغہ اپنی نظیر آپ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین قیم کی خدمت بفضلہ تعالیٰ آپ سے لی۔ مولانا مرحوم کا ایثار، مجاہدہ، صبر و شکر، شفقت علی الخلق، حکیمانہ تبلیغی کارنامے، اخلاص اور مولانا تعالیٰ کی رضا و محبت کے کام ایسے نہیں ہیں کہ زمانہ اس کو فراموش کر دے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت فرمائے، بلذات درجات نصیب ہوں۔ آمین۔ آپ کے تمام بھائیوں، بہنوں، اعزاء، استر بار سب کی خدمت میں سلام مسنون اور یہ تعزیتی مضمون عرض ہے۔ مولوی انیس الرحمن سلمہ پہنچ گئے ہوں گے یہاں سے آپ کی پھر پی صاحبہ اور سب لڑکے تعزیت پیش کرتے ہیں۔ والسلام

(مولانا) محمد عفا اللہ عنہ انوری لائی پور۔ پاکستان

لکھنؤ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محبان کمریان زید لطفہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آج اچانک قومی آواز سے حادثہ فاجعہ کی اطلاع ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ط میں خیریت دریافت کرنے کے لئے خط لکھنے والا تھا کہ بجائے عیادت کے یہ تعزیت نامہ لکھنے کی نوبت آگئی۔ کچھ تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔ کیا بخیر آج سے دو ہفتہ پہلے جو ملاقات ہوئی تھی وہ آخری ملاقات ہوگی غرض اللہ لئے واکرم شوالہ۔ آپ سب بھائیوں کے ساتھ دیرینہ تعلقات کی بنا پر اور مرحوم کی بزرگانہ شفقت کی بنا پر شریک غم ہوں اور مغفرت و رضا کے لئے دعا گو ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ بھائیوں سے اپنی پسندیدگی کا کام لے اور مرضیات کی توفیق دے اور آپ حضرات سے خاندان کا نام روشن کرے۔ فقط

خاکسار ابوالحسن علی ناظم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ

دیوبند۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ ۶ یزیم میاں سعید الرحمن و عزیز الرحمن صاحبان سلمہ

بعد دعائے خیر والد صاحب کی اچانک خبر نے میرے قلب حزیں کو پاش پاش کر دیا۔ بڑے افسوس کے ساتھ

چند حرف لکھنے کو قلم اٹھایا ہے۔ انتقال پر ملال کی خبر سن کر سخت صدمہ پہنچا۔ ان کی پر خلوص محبت اور ہمدردی جو ہمارے ساتھ تھی وہ قابل قدر چیز تھی۔ میاں ازہر شاہ و میاں انظر شاہ سلسلہ کو بھی بہت رنج و ملال ہے۔ اب ہمارا ایسا ہمدرد اور محبت والا کوئی نہیں ہے۔ ہم لوگ جتنا صدمہ کریں کم ہے۔ مرحوم کے تعلقات ہمارے ساتھ محبت و ہمدردی کے تھے۔ تمھارے جذبہ و محبت کا جو والد صاحب کی ذات گرامی سے تھا مجھے کما حقہ واقفیت اور پورا پورا احساس علم ہے۔ اور مجھے تمھاری موجودہ قلبی حالت سے گہری ہمدردی ہے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ کارخانہ قدرت میں بے بس و بے کس انسان کو دم مارنے کی مجال نہیں ہے۔ وہ ازل سے مجبور و لاچار پیدا کیا گیا ہے۔ والد صاحب مرحوم کی وفات کی خبر میرے سینے میں ایک موہوم ترپ ہی کر رہ گئی ہے۔ میں اپنے جذبات درد کو تحریر میں لانے سے قاصر ہوں۔ واقعی گم شدہ محبت کو تلاش کرنا اتنا صبر آنا ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ آپ سب بہن بھائیوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو جنت الفردوس میں عالی جگہ عطا فرمائے۔ میری جانب سے سب بہن بھائیوں کو تسلی اور صبر کی تلقین کریں۔ میں ضرور تمھارے غم میں شریک ہوتی۔ لیکن اپنی پرانی علالت کی وجہ سے نہ آسکی، انشاء اللہ تمھارے ہر درد بھائی ضرور دیکھیں گے۔ ہم تمھارے سب بہن بھائیوں کے غم میں شریک ہیں۔

اس مسافر گاہ میں دم بھر ٹھکانے کے لئے

سب مسافر آتے ہیں ایک روز جانے کے لئے

میری پر خلوص دعائیں تمھارے ساتھ ہمیشہ رہیں گی۔ فقط والدہ ازہر شاہ قبیر کا شمیری اہلبیت حضرت علامہ سید انور شاہ کا شمیری۔ دیوبند۔

دیوبند۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سب بھائیوں کے نام۔ سلام مسنون۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کا معنون تعزیت، قلم کا جگر شق ہوتا ہے اور کاتب کا کلیجہ

منہ کو آتا ہے۔ آنکھ کھولنے اور موش و حواس سنبھالنے کے بعد جن درچار بزرگوں کا اخلاص، بزرگانہ شفقت

ہم شکستہ حالوں کے کام آئی مولانا مرحوم کو ان سب میں خاص مقام حاصل ہے۔ آہ کہ آج شفقت

سے ہمارے سروں پر ہاتھ رکھنے والا اٹھ گیا۔ اباجی مرحوم کا خادم خاص نیاز مند نام لیوا، ان کی اولاد پر

جان چھڑکنے والا رخصت ہوا۔ عزیز بھائیو! یہ آپ کا تنہا حادثہ نہیں بلکہ ہم محسوس کر رہے ہیں کہ ہمارے سر پر سے آج باپ کا سایہ اٹھ گیا ہے۔ ہم کس کو تعزیت دیں۔ واقعہ تو یہ ہے کہ تم لوگوں کی طرح ہم بھی تعزیت کے مستحق ہیں۔ وہ مجاہد! اپنے خدا کے حضور حاضر ہو چکا اور اپنی طویل نیک نامیوں کا اجر لینے کے لئے ہمارے سامنے سے روپوش ہو گیا۔ خدا نقلے! ان کی تربت کو ٹھنڈی رکھے اور اپنی خاص عنایتوں سے سرفراز فرمائے۔ ختم نبوت کا محافظ، مدحت صحابہ کا شاخو، آزادی ہند کا نڈر سپاہی، بوڑھا حبیب الرحمن، خداوند تیرے حضور حاضر ہے۔ اس پر اپنی رحمتوں کی بارش برسا۔ آمین۔ ثم آمین

فرصت ملتے ہی ہم دونوں بھائیوں کا ارادہ حاضری کا ہے۔ تم بھائیوں کے رنج و غم میں ہم برابر کے شریک ہیں۔ اماں بھی مغموم ہیں اور تمہارے رنج و الم کا شدید احساس لئے ہوئے ہیں۔ میری طرف سے یہ خط تمام بھائیوں کو سنا دیا جائے۔ والسلام۔ انظر شاہ۔ دیوبند

کراچی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء — عزیز بھائی! السلام علیکم۔ میں خبریں پڑھتا ضرور ہوں لیکن سنتا اس لئے نہیں کہ میرے پاس ریڈیو نہیں ہے۔ آج اتفاق سے میں نے خبریں اس لئے سنیں کہ ریڈیو پاکستان کراچی سے خبروں کے فوراً بعد میری تقریر تھی اور میں دس منٹ پہلے پہنچ گیا تھا۔ یقین کیجئے حضرت قبلہ مولانا کے انتقال کی خبر سے مجھے اتنا دکھ ہوا کہ میں تقریر کرنے کے موڑ میں نہیں تھا۔ ابھی ابھی واپس آکر میں نے مولانا سالک کو بھی اس حادثہ کا گواہ کی خبر سنائی۔ انہیں کل بے حد افسوس ہوا۔ سیاسی مسلک خواہ کچھ ہو لیکن شخصیت بہر حال گنی جاتی ہیں اور مولانا مرحوم کی شخصیت کو کوئی فراموش نہیں کر سکتا۔ اللہ اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ آپ کو اور بھائی خلیل کو اور دیگر متعلقین کو صبر کی توفیق دے۔ اس کے سوا میں اور کیا لکھوں۔ صبر اگرچہ خودی صبر ہے۔ لیکن یہ صبر بھی انسان کو کرنا ہی پڑتا ہے۔ آپ کا نیاز مند مجید لاہوری

دیوبند۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء — محترم بھائی عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم

مولانا حبیب الرحمن کے انتقال کی خبر نے دل و دماغ پر ایک بجلی گرا دی۔ عزیز بھائیو! تمہارے باپ کا انتقال نہیں ہوا بلکہ ایک ایسا مرد مجاہد اٹھ گیا جس نے خطرات کو خطرات ہی نہیں سمجھا۔ جو تختہ دار کے سامنے بھی کلمہ حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتا تھا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا محافظ آج روح محمدی کی بارگاہ

میں پہنچ گیا۔ آسمان کی بلندیوں پر غفلت ہے کہ آفتِ نادر کی عزت و حرمت پر شیر کی طرت سے گونجنے والا حبیب الرحمن آ رہا ہے۔ اباجی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی یادگار اٹھ گئی۔ ہم دونوں بھائیوں کا شیفتہ سر پرست ہم سے جدا ہو گیا۔ وہ ہستی جاتی رہی جس کے ہر سانس میں ازہر و انظر کے لئے بولے محبت تھی۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ایک بڑی طاقت، بڑی قوت، بڑا سہارا ہم سے چھین گیا۔ اللہ تعالیٰ! تیری عنایات و الطاف کا ہزار ہزار شکریہ۔ رنج و غم کے اس موقع پر ہم نا صبوروں کا کیا موقع ہے کہ کوئی حرف شکایت زبان پر لائیں۔ اپنے بندوں کے ساتھ ہمہ وقت بڑا معاملہ رحمت و مغفرت ہی کا ہے چاہے اس کی ظاہری شکل تیرے کوتاہ نظر بندوں کو سخت گیر ہی کیوں نظر نہ آئے۔

اللہ العالمین تیری بارگاہِ رحمت میں مولانا حبیب الرحمن کی دینی، قومی اور ملی خدمات کو قبول فرماتے اور آخرت میں انھیں مقام بلند عنایت فرمانے کی دعا ہے۔ کہہ کیا! ہم دل شکستگان درد فراق کو بھی تاب جدائی اور طاقت صبر عنایت فرما۔ عزیز بھائیو! صبر و ہمت سے کام لو، تمھارا باپ اپنی بہادری، شجاعت اور استقلال کا غیر فانی نقش چھوڑ کر گیا ہے۔ اس رنج و حسرت کے موقع پر تمھیں اس کی رہبری کرنی چاہئے

والسلام تمھارا غم زدہ بھائی۔ سید ازہر شاہ قیصر۔ شاہ منزل۔ دیوبند

۳۰ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر مکرم مولوی خلیل الرحمن صاحب السلام علیکم۔ رات کو یہ سن کر دل از حد صدمہ ہوا کہ قبلہ چچا جان حضرت مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ہم درست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبلہ چچا جان کو جنت الفردوس اپنے حبیب پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے عنایت فرمائے اور جہلم میں ماندگان کو صبر جمیل عطا کریں۔ برادر مکرم جو دل کو صدمہ ہوا وہ حد سے باہر ہے۔ دنیا سے ہر آدمی نے جانا ہی ہے کوئی بھی یہاں ہمیشہ کے لئے مقیم نہیں ہو سکتا۔ لیکن قبلہ چچا جان کی وفات امت اسلامیہ کے لئے نقصانِ عظیم ہے۔ اس سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے۔ اس کا پُر ہونا مشکل ترین ہے۔ ویسے تو خداوند کریم ہر زمانے میں علمائے حق کی کوئی نہ کوئی جماعت تو پیدا کر ہی دیتا ہے۔ لیکن بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جو اکیلے ایک پوری جماعت سے بھی بڑھ کر کام کرتے ہیں اندران کی وجہ سے جماعتیں قائم ہوتی ہیں اور وہ افراد باطل کے مقتدا بن جاتے ہیں

جزوی حیثیت سے بھی ایک جماعت سے کم نہیں ہوتے۔ بہر حال قدرت کو یہی منظور تھا اور صبر کے سوا اب کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہمیں سب کو اس بات پر خوش ہونا چاہئے کہ قبلہ مولانا صاحب کی زندگی اسلام اور ملت اسلامیہ کی سر بلندی کے لئے وقف تھی۔ تمام زندگی باطل کے مقابلہ میں ایک مجاہد کی حیثیت سے گزاری اور کسی وقت بھی صبر و استقامت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اپنے پختہ ارادوں اور ان تھک کوششوں سے سامراج برطانیہ کی غلامی کی زنجیروں کو جو کہ ہم ہندوستانیوں کے پاؤں میں تھیں ان کو کاٹ کر پھینک دیا تو ملک کو آزادی نصیب ہوئی۔ بہر حال ایسی شخصیت کا پیدا ہونا بہت مشکل ہے۔ میں تو دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ بھائیوں میں سے کسی کو توفیق دے جو ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے اور ملت اسلامیہ کے لئے سہارا بنے۔ والدہ صاحبہ اور سب بھائی بہنوں کو دلی صدمہ ہوا۔ والدہ صاحبہ کی طرف سے سب چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کو تسلی دے دیں۔ سب بھائی بہنوں کو درجہ بدرجہ سلام مسنون قبول ہو۔ بچوں کو دعا۔ فقط عبدالقیوم نکو دری

راول پنڈی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر عزیز الرحمن سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عزیز بھائیو اور پیاری بہنوا ابھی ابھی تار ملا۔ اور ریڈیو سے بھی تصدیق ہو گئی کہ قبلہ والد صاحب ہمیشہ کے لئے ہم سب کو داغ مفارقت دے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵ اس خبر سے کسی کا دل قابو میں نہیں رہا۔ بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ کچھ سو جھ نہ رہی۔ سب نے نیم بے ہوشی کے عالم میں ایک دوسرے کو تسلی دینے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر خود دل قابو سے باہر ہو جانا تھا۔ کل قبلہ کا لکھوایا ہوا خط بڑھ کر صحت کے متعلق کافی حد تک اطمینان حاصل ہو گیا تھا۔ لکھا تھا کہ گھر میں چل پھر لیتا ہوں۔ صبح رکشا پر تھوڑی دیر سیر کر لیتا ہوں۔ ہر خط میں یہ فقرہ ہوتا تھا کہ میری صحت و سلامتی کے لئے دعا کرتے رہا کرو۔ کل کے خط سے ریحانہ کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی۔ اباجی مرحوم کو مولانا محمد حسن صاحب کی صحت کی بے حد فکر رہتی تھی۔ تحریر فرماتے ہیں کہ ان کی صحت پر رحم آتا ہے۔ خود اپنی صحت کا یہ حال ہے کہ مولوی محمد حسن صاحب پاکستان کو رخصت ہوئے اور قبلہ مرحوم جنت الفردوس کو چل دیئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ مولوم ہوتا ہے کہ رحلت کے وقت بھائی خلیل الرحمن موجود نہیں تھے۔ برادر سعید الرحمن وغیرہ میں سے بھی

کوئی موجود نہ ہوگا۔ افسوس تم لوگوں کو ہم میں سے کوئی صبر کی تلقین کرنے والا بھی نہیں۔

ہماری بد قسمتی کی انتہا ہے کہ آٹھ سال سے ملاقات تک نہیں کر سکتے۔ بیماری میں کوئی خدمت۔

عبادت۔ پھر آخری نماز اور دوسری تمام چیزوں سے محروم رہے۔ اچھا پیارے بھائی! کُلِّ مَنْ عَلَيْهِ

فَات۔ ہر ایک کو یہاں سے جانا ہے۔ اپنے اپنے وقت پر رخصت ہونا ہے۔ یہاں کے تعلقات مادر و پدر۔

مادر و خواہر۔ پسر و دختر سب عارضی اور ناپائیدار ہیں۔ کیوں کہ یہ جہاں ہی تاپا پیدا رہے۔ خدائے تعالیٰ

کے پاس پہنچ کر تعلقات کو دوام ہوگا۔ وہ جہاں دائم رہا کرتی ہے۔ اس لئے بجز صبر کے چارہ کار نہیں ہے

خدائے تعالیٰ تم سب کو صبر جمیل کی توفیق نصیب فرماوے۔ آمین! اور خدائے تعالیٰ ہمارے والد مرحوم کو فردوس

اعلیٰ میں ٹھکانا نصیب فرمائے

مجھے یقین کمال ہے کہ ہمارے والد صاحب مرحوم خدائے تعالیٰ کے ہاں بڑے درجات کے مالک ہوں گے

انشاء اللہ۔ بفضلہ تعالیٰ ان کی ساری عمر ساراجی طاقتوں سے جہاد کرتے گزری خدائے تعالیٰ ان کی قربانیوں

کو حسن قبول کا درجہ نصیب فرمائے۔ میرے عزیزو! میں تم کو کس طرح صبر کی تلقین کروں۔ میرے پاس الفاظ

نہیں۔ تعزیت کا عام قاعدہ وہی چند کلمات نکھنا ہے۔ صبر کرو۔ ہر ایک کو مرنا ہے۔ بے صبری سے مرنے

والے واپس نہیں آیا کرتے۔ ان کے حق میں دعائے مغفرت کروں گا۔ خود ابا جی نے ۲۲ اگست کے خط میں

لکھا ہے۔ عمر کافی ہو گئی۔ آخر کار ہم سب کو مرنا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا اور اتجا کرنی چاہئے

کہ وہ صحت عطا فرمائے اور آزمائشوں سے محفوظ رکھیں۔ زمانے میں فتنے ہی فتنے ہیں اور دین میں تو

اس قدر فتنے بڑھ گئے ہیں کہ صحیح راستہ تلاش کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کمال پر

موت نصیب فرماوے۔ میں جیتنا ضرور ہوں مگر جینے کی لذت کم ہو گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بدوی نے آکر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی

وفات پر تعزیت ان کلمات میں فرمائی: صَبِرْنَا عَلَىٰ مَا صَبَرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ

صَبِرْنَا اسْخِيَرْنَا مِنَ الْعَبَّاسِ اجْرُو بَعْدَكَ۔ وَاللَّهِ خَيْرٌ مِنْكَ لِلْعَبَّاسِ۔

یعنی اے عبداللہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفات پر صبر کرو۔ ہم بھی تمھارے ساتھ صبر کریں گے۔ کیونکہ

رئیس دسردار قدیم کو صابر دیکھ کر قوم بھی صبر کر لیتی ہے۔ عبداللہ! یقین کرو حضرت عباس کی وفات اور اس صدمہ جانکاہ پر آپ کے صبر نے جو اجر و ثواب آپ کو بارگاہ ایندلی سے دلایا ہے وہ حضرت مرحوم و مغفور سے اور حضرت مرحوم کے حق میں جو ار رحمت ایندلی تم سے بہتر ہے۔

پیارے بھائیو اور بہنو! یقین رکھو، تمہارے ہمارے نزدیک اس قسم کے بزرگوں کی موت معنوی طور پر شہادت کا درجہ رکھتی ہیں اور شبہید مرا نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

یہ صدمہ قابل فراموش نہیں۔ لیکن یہ خیال کرنا چاہئے کہ والد مرحوم ماشاء اللہ لہلہاتا چمن چھوڑ کر اپنے خدائے سے جا ملے۔ بفضلہ تعالیٰ تم سب اپنے اپنے کام پر ہو۔ دو کے سوا سب کی شادیاں ہو چکی ہیں خدائے کی مہربانی سے ان دو کا سلسلہ بھی مرحوم کی دعاؤں اور تم سب کی توجہات سے بالکل درست ہو چکا گا۔ ہم نے کل ہی خالہ کو رخصت کیا ہے۔ عبدالکریم اور خالہ کو اس ہوش ربا سانحہ کی خبر غلب ہے کہ لائلو تک پہنچتے پہنچتے ہو جائے گی۔ ان پر گاڑی میں ہی یہ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ مولانا محمد حسن صاحب کو بھی دو گنا صدمہ ہو گا۔ ریحانہ اور قبلہ مرحوم کا حسین اور خاتون کا معاملہ ہے۔ ان کے ہاں حقیقی بھانجی کا انتقال اور قبلہ مرحوم کا وصال :- ہماری کچھ نہ پوچھو۔ تھوڑے تھوڑے دنوں کے فاصلے سے عزیزہ خالہ کی بچی اور یونس کے بچے کا انتقال اور پھر قبلہ کی وفات کی یہ خبر، ایک طرف جھٹک گئی ہے۔ دوسری طرف شاخیں اگ ہو گئی ہیں۔ تم میں سے ہر ایک گونا گوں صدیات سے دوچار ہے۔ اس نازک وقت پر میں یا تمہاری ہمیشہ حاضر ہو کر تمہارے شریک غم نہیں ہو سکتے۔ حالات ایسے ہیں کہ جہاں کوئی ہے وہیں صدمہ سے تڑپتا ہے۔ ایک دوسرے سے ملنے کے مواقع بھی میسر نہیں ہیں۔ خدائے ہماری حالت پر رحم فرمائے۔ چھوٹے بڑوں کو تعزیت مسنونہ و سلام مسنونہ۔ فقط (مولوی) مولوی محمد یوسف لدھیانوی

مکان ملا۔ راولپنڈی۔ پاکستان

لاہور۔ ۳ ستمبر ۱۹۷۶ء — عزیز ذی حافظ سعید الرحمن صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

دبرکاتہ، ابھی ابھی مولانا صاحب کے انتقال کی خبر پڑھی۔ بے صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ مجھے آپ کی ان دینی اور ملی خدمات

مولانا محمد یوسف صاحب رئیس الاحرار کے بڑے داماد ۵۰۲
تھے جو کہ ۱۲ دسمبر ۱۹۷۵ء کو انتقال فرما گئے۔ حق منور کرے بڑی خوبیوں کے مالک تھے مولانا حافظ الرحمن صاحب کے ہم سبق تھے۔ اُردو۔ فارسی عربی کے شاعر تھے (عربی)

کے باعث جو آپ تمام عمر فرماتے رہے بہت ہی عقیدت تھی۔ آپ ہمیشہ دوسروں کی تکالیف اور درد کو اپنا سمجھ کر درد کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ بہت ہی ہمدرد اور شفیق انسان تھے۔ میں نے ایک سال ان کی ہمسائیگی میں گزارا۔ اس سے پہلے میرا ان سے ذاتی تعارف نہ تھا۔ میں ایک اجنبی کی حیثیت سے لدھیانہ میں وارد ہوا تھا۔ جب آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ بڑے اخلاص اور محبت سے پیش آئے اور ہمیشہ میرے ساتھ مشفقانہ اور ہمدردانہ سلوک کرتے رہے۔ یقیناً جانے مجھے وہ دن ہر وقت یاد آتے ہیں، جب پریشانیوں کے باعث نفسا نفسی کا عالم تھا اور عزیز واقارب بھی ایک دوسرے سے رواداری کرنے سے گریز کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ دینی احکام یاد دلاتے ہوئے میری حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔

موت انسان کے لئے لازمی چیز ہے۔ اس سے کسی فرد کو مفر نہیں ہم سب کو ایک نہ ایک دن اس کا فالقہ چکھنا ہے۔ مگر بزرگوں کا سایہ سر سے اٹھ جانا بہت بڑا صدمہ ہوتا ہے جس سے انسانی طبیعت پر بڑا اثر ہوا کرتا ہے۔ ایسے موقع پر ہمیں صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ وعلہم خدا ہم سب کو صبر عطا فرمائے اور اس صدمہ کے برداشت کرنے کی ہمت دے۔

میرا خط مولانا خلیل الرحمن اور بھائی عزیز الرحمن اور دوسرے بھائیوں کو بھی دکھا دیں۔ کچھ عرصہ ہوا عزیز ندی لالہ میاں آئے تھے۔ عرف دس پندرہ منٹ ٹھہرے۔ کیونکہ ان کو واپسی کے لئے جلدی تھی۔ ان کی زبانی آپ سب کی خیریت معلوم ہوئی۔ اور ان ہی کے ذریعے میں نے اپنا آخری سلام مولانا صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا۔ سب بھائیوں کو میرا سلام کہہ دیجئے۔ والسلام

راقم غلام علی۔ ۳۱ مال روڈ۔ لاہور

مراد آباد۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترمی مکرمی حضرت مولانا صاحب۔ زید لطفہم

السلام علیکم۔ بعد آداب کے گزارش یہ ہے کہ جناب والا کو جو کچھ صدرہ عظیم ہوا ہے وہ تو آپ ہی جانتے ہوں گے۔ مگر یہ دل خراش خبر ہم لوگوں کا دل بھی چیر گئی۔ حضرت مولانا کی ذات گرامی ہندوستان کے لئے ایک عظیم ترین ہستی تھی اور ہندوستان کے مسلمانوں کے واسطے ایک ڈھارس تھی۔ مگر خدا کے حکم کے آگے سب کا سر خم ہے۔ اللہ کی مرضی اسی طرح تھی۔ ہمیں اور آپ کو صبر کرنا چاہئے اور اللہ پر بھروسہ

کرنا چاہئے۔ حضرت مولانا میرے ادب پر بہت زیادہ مہربان تھے اور دیکھ کر خوش ہو جاتے تھے۔ اور میں بھی اپنے آپ کو ان کا خادم سمجھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جو اررحمت عطا فرمائے اور آپ کو صبر عظیم بخشے

آپ کا محمد اسحق نایاب بٹری فیکٹری۔ لال بلاغ۔ سراد آباد۔

خط نمبر ۲۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر مکرم مولانا مولوی عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ سن کر بہت صدمہ ہوا کہ چچا جان کا انتقال ہو گیا ہے۔ ہم سب کو داغ مفارقت دے کر اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ ہم سب گھر والے دست بدعا ہیں کہ خداوند کریم قبلہ مولانا صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔ اور آپ بھائیوں کو ان کے نقش قدم اور اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی طاقت دے۔ آپ کے انتقال سے ملت اسلامیہ کو عظیم نقصان ہوا ہے۔ آپ بہت مخلص اور نیک نیت تھے، جو بھی کام کرتے تھے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ کرتے تھے۔ اپنی غرض کوئی سامنے نہیں ہوتی تھی۔ اپنی غرضوں اور خواہشوں کو قربان کر کے جو کچھ بھی کیا ملت اسلامیہ کے لئے، اللہ اور اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لئے طرح طرح کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن صبر و استقامت کو ہمیشہ ہمیشہ ہاتھ میں رکھا کسی وقت بھی اپنی خودداری پر اذیتے ساحوت نہیں آنے دیا۔ باطل کے مقابلہ میں ہمیشہ چٹانوں اور پہاڑوں کی طرح ڈٹے رہے۔ آخر سامراج برطانیہ سے ہندوستانیوں کو نجات دلا ہی دی۔

حضرت مولانا ہمہ صفت موصوف تھے۔ آپ جیسا نڈر اور بیباک مجاہد شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آیا ہے۔ آپ کی ان تھک کوششوں نے اور پختہ اداروں نے سامراج برطانیہ کے مکاری کے جال کو تار تار کر دیا۔ ان کی غلامی سے ہندوستانیوں کو نجات دلانے میں آپ سب سے پیش پیش رہے اور سب سے زیادہ قربانی دی جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ بہر حال خدا کو یہی منظور تھا۔ صبر کے سوا اب کوئی چارہ نہیں۔ والدہ صاحبہ اور سب بھائی بہنوں کو بہت صدمہ ہوا۔ جس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ سب بہن بھائیوں کو تسلی دے دیں۔ سب کی خدمت میں دست بستہ سلام، بچوں کو دعا۔

فقط والسلام۔ عبدالغفور نکو درسی۔ لائل پور (پاکستان)

خط نمبر ۲۸ — سہارن پور — ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء — برادران محترم۔ سلام مسنون۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب قبلہ کے انتقال کی خبر دیے تو کل شام ہی خصوصی حلقوں میں پھیل گئی تھی۔ لیکن آج صبح کے اخبارات نے تو ایک کہرام پیدا کر دیا۔ میں شہر کے جس حصے سے بھی گزرا لوگوں نے نہایت صدمہ اور رنج کا اظہار کیا۔ عوام کو مستقبل میں مولانا مرحوم سے رہنمائی کی بہت توقعات تھیں جن سے ہم محروم ہو گئے۔ افسوس! ہم مولانا کی زندگی سے ہمیں کافی سبق مل سکتا ہے۔ موت نے ہمارے مادی رشتہ کو ضرور ختم کر دیا ہے، لیکن با اصول اور با ہمت افراد مولانا کے ماضی سے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ حادثہ نہ صرف آپ لوگوں کے لئے صدمہ عظیم کا سبب ہے بلکہ مولانا کو تھوڑا سا جاننے والا بھی کم غمگین نہیں ہے۔ اور میں تو آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں۔ دعا ہے کہ خدا مرحوم کو ان کا نعم البدل عطا کرے اور مولانا مرحوم کی روح کو ابدی سکون میسر آئے۔ اور اللہ جل شانہ آپ کو ہم سب کو صبر جمیل کے ساتھ نیک راہ چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

میرے لائق جو کام ہو تحریر فرمائیے۔ زیادہ فالسلام۔ فقط۔ پیکر غم۔ امیر قریشی۔ نامی پریس۔ سہارن پور

خط نمبر ۲۹ — ضلع میرٹھ — ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء — مکرم محترم مولانا خلیل الرحمن صاحب عزیز الرحمن صاحب دیگر برادران۔ سلام مسنون۔ رات تقریباً ساڑھے نو بجے حادثہ عظیم کی اطلاع ملی۔ میری قسمی کہ میں آخری زیارت نہ کر سکا۔ مولانا کی وفات نہ صرف ایک گوشہ کے لئے باعث تکلیف و نقصان ہے، بلکہ پورے ملک و ملت کو جو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے صدیوں تلافی ممکن نہیں، جہاں آپ کے والد محترم تھے وہاں میں بھی ہمیشہ اپنے والد کی جگہ سمجھتا رہا ہوں۔ مولانا مرحوم کے وہ احسانات و شفقت و محبت نہ بھلا سکوں گا جو میرے ساتھ رہے ہیں۔ آپ کو لکھ رہا ہوں۔ مگر آنکھوں کے سامنے مولانا کا نقشہ ایسا موجود ہے جیسا کہ سامنے بیٹھے ہوئے فرما رہے ہیں اور مسکرا رہے ہیں۔ جب کسی مسئلہ یا معاملہ میں پریشانی ہوتی تھی تو چند منٹ میں مولانا صل فرما دیا کرتے تھے۔ پروردگار عالم نے حضرت مولانا کو فراست و بین دیدیانت، عزم و توکل کا ایک نمونہ بنایا تھا جس کی مثال آج پیش کرنا مشکل ہے۔ حضرت مجاہد جلیل نے ملک و ملت کے لئے جو مصائب برداشت کئے ہیں، ان کا تصور ممکن نہیں۔ افسوس کہ آج وہ

مسند جس پر علمی نکات مذہبی ذخائر سیاست و تقویٰ کا دریا موج زن تھا خالی ہو گئی۔ میں پروردگار عالم سے دست بدعا ہوں کہ حضرت مولانا مرحوم کو رحمت کاملہ سے مقام بلند عطا فرمائے۔ آپ سب بھائیوں اور ہم سب کو صبر کامل عطا فرمائے اور خبر دیر سے ملنے کی بنا پر حاضر نہ ہو سکا۔ جلد ہی حاضر خدمت ہوا ہوں۔
نقطہ۔ سید محمد الیاس کھٹولی۔ خیرنگر میرٹھ

خط نمبر ۳۔ سہارن پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ جناب صاحبزادگان مولانا مرحوم السلام علیکم
مولانا مرحوم کے انتقال کی خبر اخبارات میں دیکھ کر نہایت صدمہ درج ہوا۔ یہ نہایت زبردست
قومی نقصان ہے۔ خداوند کریم ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ سب کو جیل عطا فرمائے۔
آپ کا مخلص۔ مقصود علی۔ کیلاش پور ضلع سہارن پور (والد خان محمود علی خاں ذریعہ پوٹی)
خط نمبر ۳۔ امر وہہ مراد آباد۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرئی بھائی خلیل احمد صاحب۔ السلام علیکم
آج اخبار میں دردناک خبر پڑھ کر کہ حضرت مولانا کا انتقال ہو گیا بے حد افسوس ہوا اللہ پاک
مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرما دیں۔ آمین! اور آپ حضرات کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین!
بھائی صاحب میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں اور سب بھائیوں کی خدمت میں سلام عرض ہے۔
انشاء اللہ جلد حاضری کی کوشش کروں گا۔ فقط محمد یاسین بقلم خود کوٹیج انڈسٹریز۔ امر وہہ اینڈ
راجپور۔ مراد آباد۔

خط نمبر ۳۲۔ لدھیانہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ جناب مولانا صاحب۔ السلام علیکم۔
آج کے اخبار ہندوستان ٹائمز کے ایک فقرہ کو پڑھ کر مجھ کو ایک المناک خبر معلوم ہوئی۔ مجھ کو کس
قدر صدمہ درج ہوا۔ میرے بیان کرنے سے باہر ہے۔ میں یہ عرض نہ آپ کی خدمت میں اس خیال سے نہیں
بھیجتا ہوں کہ اس سے رنج میں تخفیف ہوگی۔ خدا ہی آپ کو تسکین دے سکتا ہے۔ اور میں جانتا ہوں
کہ میرے الفاظ میں وہ طاقت نہیں۔ میں اس المناک واقعہ کو جہاں تک ممکن ہے کم لکھنا چاہتا ہوں۔ یہ
ایسا ہی المناک واقعہ ہے کہ جس کے بیان سے صدمہ ہوگا۔ مگر جناب من میں اس بات کے ظاہر کرنے
سے باز نہیں رہ سکتا کہ اس واقعہ سے میرا اور میرے وطن کا بھی تو لا علاج نقصان ہوا ہے اور مجھ کو از حد

درجہ کا عدم پہنچا ہے۔ مولانا صاحب تو واقعی ہی ایک ایسے گوہر تھے جو کہ چراغ ہاتھ میں لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے۔ ان میں وہ اوصاف تھے جن کے لئے میں ہی نہیں بلکہ ہر انسان محبت رکھتا ہے۔ اور ان کی تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ جب کہ قوم اور دیش کو ان کی از حد ضرورت تھی، ان کی قبل از وقت موت نے ہماری پسندیدہ امیدوں سے ہم کو مایوس کر دیا اور اس سبب سے بہت سے لوگ جن کا کہ ان کی مہربانی پر سہارا تھا، لاچار اور مصیبت زدہ ہو گئے۔

تمہارے جیسے عاقل آدمی کو جاننا فرض ہے کہ مصیبت کو کس طرح برداشت کرنا چاہئے۔ میں صادق دل سے امید کرتا ہوں کہ تم اپنے آپ کو اتنا دل شکستہ نہ کر دو گے۔ اب اور زیادہ میں آپ کے رنج کی حالت میں مداخلت نہ کر دوں گا۔ پس اس خط کو ختم کرتا ہوں اور خداوند کریم سے دلی پرتھنا کرتا ہوں کہ وہ ان کی روح کو شافی دامن بخشنے۔ ازراہ دوستی خالص طور پر فرماتا ہوں۔ اور۔ کے شرما۔ لدھیانہ

خط نمبر ۳۳۔ دیوبند۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم مولوی سعید الرحمن و مولوی محمد احمد صاحبان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پرسوں اچانک قبلہ مرحوم آپ کے والد صاحب کا حادثہ وفات سن کر صدمہ ہوا۔ اللہ مرحوم کو جنت الفردوس میں عالی مقام عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر کی توفیق دے۔ آمین اپنی غلات سے معذور ہوں۔ ورنہ اس موقع پر ضرور آتا۔ بھائی صاحبان کی خدمت میں سلام سنو، عرض کر دیا جہاں تک ہو صبر کو مضبوطی سے پکڑیں۔ مرحوم کو ایصال ثواب کرتے رہیں۔ حتی المقدور میں انشاء اللہ ایصال ثواب کرتا رہوں گا۔ والسلام۔ اصغر علی۔ دیوبند (قاری اصغر علی مدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبند)

خط نمبر ۳۳۔ دیوبند۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم المقام مولانا سعید الرحمن زید مجدکم۔ سلام مسنون حضرت رئیس الاحرار مولانا الحاج حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر طال کی خبر معلوم ہو کر انتہائی صدمہ ہے۔ تمام غلام انور یہ لاہوری دیوبند آپ کے اس حادثہ عظیم میں شریک ہیں اور حضرت رضی اللہ عنہ کے لئے ایصال ثواب کیا گیا۔ خداوند عالم مولانا مرحوم کو جو ارخاص میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ ہماری جانب سے اہل خاندان کو تعزیت فرمادیں اور صبر کی تلقین فرمادیں۔ دعلیہ کہ اللہ پاک آپ حضرات کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ احقر سید حسن رضوی لاہوری طالب علم مدرسہ دارالعلوم دیوبند ضلع سہارن پور

خط نمبر ۳۵ - لائل پور - ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - بر خور دار خلیل الرحمن عزیز الرحمن صاحب السلام علیکم
 مجھے عشار کے وقت عبدالرشید سے خبر ملی کہ مولانا محمد صاحب کو اطلاع آئی مولانا انیس الرحمن
 کی طرف سے کہ مولانا حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ اس دنیائے فانی سے تشریف لے گئے۔ یہ خبر سن کر دل کو بہت
 صدمہ ہوا۔ اندر جو حالت ہوئی خدا بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آخرت میں جنت الفردوس
 میں اپنا قرب نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین! باقی ہم سب
 کی طرف سے آپ سب کو السلام علیکم۔ ناچیز عبدالرحمن لدھیانوی۔ فروٹ کمیشن انجینئرس میوہ منڈی۔ لاہور۔
 خط نمبر ۳۶ - میلسی - ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

محترم بھائی خلیل الرحمن د مولانا انیس الرحمن و عزیز الرحمن صاحبان السلام علیکم
 بعد سلام کے ترستی ہوئی نگاہیں اور ترپتے ہوئے دل کی انگلیں اسی آرزو میں رہیں۔ وقت ملنے پر ایک یا
 دو بار ملاقات ہوئی۔ مگر تقدیر سے تدبیر نہیں ملتی۔ دہری ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ قصا سے کوئی منکر نہیں
 اور یہ دنیا فانی ہے۔ کل بندہ نے جب اخبار میں حضرت قبلہ مولانا کی یہ خبر سنی تو آنکھوں کے سامنے درخت سرنگوں
 تھے۔ سیاہ سیاہ بادل چکر لگا رہے تھے۔ تصویر بہت دور جا چکا تھا۔ ان کی زندگی کے وہ لمحے بچھڑی ہوئی نظروں
 کے سامنے دوڑ دھوپ کر رہے تھے مگر ندامت سے گردن جھکی ہوئی تھی۔ پنچایت کے در دیوار پر اور ذرہ ذرہ پر
 ان کے احسانات، زمین کا ہر خطہ ٹھنڈے سانس لے رہا تھا۔ انسانوں کے دل پر یہ مجروح زخم ہمیشہ کے
 لیے درد دل کا پہلو بن کر رہے گا۔ اس سے ٹھنڈے سانس نکلیں گے۔ وہ دھوئیں دار بادل بن کر یقیناً ہوا کی
 فضا میں بہت دور جائیں گے۔ قدس ترپتے ہوئے دل کی پکار سن کر ان کی تربت پر رحمت کی بارش ہوگی۔ اللہ تعالیٰ
 آپ کو صبر جمیل عطا کرے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بختے۔ جمیع اہلباب میلسی اس غم کے ساتھ شریک ہیں
 اور تمامی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر رحمت کی بارش کرے۔ خصوصاً حضرت مولانا محمد بخش صاحب
 و مولانا کلیم اللہ دیشیخ عبدالرحیم حکیم عبدالصمد محمد یوسف و محمد شفیع و غلام مصطفیٰ اعجمی۔ ابوالوفا غابر،
 جمیع جماعت کے کارکنوں کی طرف سے سلام اور نیا قبول ہو۔ فقط والسلام

بچھڑا ہوا بھائی - محمد عظیم میلسی (صلح مظفر گڑھ - پاکستان)

۵۰۸
 لے محمد عظیم رئیس اہ حرار کے ان فلاکاروں میں ہیں جو ان کے اشارے پر ہر وقت شہادت کے لئے تیار رہتا تھا۔

خط نمبر ۳۔ لائل پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ خدمت جناب بھائی عزیز الرحمن صاحب۔ از طرف بندہ تابعدار
 مشتاق احمد پوستی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد عرض ہے کہ آج مورخہ ۳ ستمبر کو آبا جان کے
 فوت ہونے کی خبر سن کر دل کو بہت ہی پریشانی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت نصیب کرے اور آپ کو صبر
 عطا کرے۔ تمام شہر میں خبر پھیل گئی ہے۔ تمام اہل و عیال کو ہم سب کی طرف سے افسوس ظاہر کریں۔ زیادہ خیریت
 فقط۔ بندہ تابعدار مشتاق احمد عرف پوستی۔ لائل پور

خط نمبر ۳۔ لکھنؤ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرّمی جناب بھائی عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم
 آج صبح ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء کے قومی آداریں حضرت مولانا صاحب کے اچانک انتقال کو پڑھ کر
 سکھ ہو گیا۔ اور تمام گھر کے لوگ ایک دم سکھ کی حالت میں ہو گئے۔ انتہائی رنج و غم ہوا۔ کیونکہ مولانا صاحب
 کی ذات گرامی ایک رحمت ہم لوگوں کے لئے تھی۔ اس کا اظہار کرنا میرے لئے ناممکن ہے۔ مجھ سے بذات خود جس
 قدر محبت اور شفقت فرماتے تھے اس کو میں زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا۔ جتنا بھی افسوس کروں کہ ہے۔
 مشیت خداوندی میں کسی کو دخل نہیں ہوتا۔ بروز جمعہ حضرت کا خط ملا تھا جس میں تحریر تھا کہ اب طبیعت باہل
 ٹھیک ہے۔ میں نے جواب بھی لکھ دیا تھا۔ اللہ پاک اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور رحمت کے پھول برسائے۔
 اور لوگوں کو صبر عطا فرمادے۔ سب کو سلام۔ فقط دھی احمد۔ اصطلیل چار باغ۔ لکھنؤ۔

خط نمبر ۳۹۔ کھاتولی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرّمی بھائی عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ
 وبرکاتہ۔ آج اخبار الجلیقہ میں حضرت مولانا کے انتقال کی المناک خبر پڑھ کر دلی صدمہ ہوا۔ حضرت کے
 اوصاف کے بارے میں کیا تحریر کروں۔ مجھ سے جو شفقت اور محبت فرماتے تھے وہ میرے لئے یادگار ہے۔
 اس اندوہناک حادثہ کے موقع پر میں پوری طرح شریک غم ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ لوگوں کو
 کو صبر جمیل عطا فرمائے اور حضرت کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔ احتقر العباد ذر جسر ڈیرہ کیشنر۔

خط نمبر ۴۰۔ لائل پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر مہربان میاں۔ السلام علیکم۔ گزشتہ رات ریڈیو کی خبر
 سے معلوم ہوا کہ آپ کے والد بزرگوار قبلہ مولوی حبیب الرحمن صاحب اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ ہمیں سب کو خبر سن کر انتہائی رنج و الم کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور ہمارے والد صاحب کو لدھیانہ کا زمانہ یاد آ گیا۔ کاش ہم ان کے آخری درشن ہی کر سکتے۔ مگر زمانہ بہت بدل گیا ہمیں آپ کے والد صاحب کا، آپ کے سر سے سایہ اٹھ جانے کا نہایت افسوس ہے۔ خدا انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور آپ سب بہن بھائیوں و دیگر خاندان کے افراد کو صبر کی توفیق دے۔ آمین

میرے پاس مزید الفاظ نہیں کہ میں آپ سے اپنے دلی افسوس کے جذبات کی ترجمانی کر سکوں۔ خدا آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور قبلہ مولوی صاحب کو جنت میں جگہ دے۔ آمین۔

آپ کا غلام محمد ولد مستری نور محمد۔ انڈین ہوزری مشین میکرس لدھیانہ۔ لائل پور

خط نمبر ۳۱۔ الہ آباد۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادرم عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ ہم جمیع محبان مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم کی جانکاہ خبر کو سن کر ایک حد تک سکوت میں رہ گئے۔ اللہ پاک مرحوم کو جنت میں عالی مقام دے۔ آمین۔ کیونکہ آج صحیح اور سچی بات کو بے جھجک کہنے والا دنیا سے چل بسا۔ افسوس صد افسوس۔ لیکن بھائی یہ سب ہی پڑتا ہے۔ آپ سب لوگ صبر کیجئے۔ اللہ پاک ہم لوگوں کو بھی صبر عطا کرے اور ان کی بتلائی ہوئی راہ پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔ تم آمین۔ فقط

آپ کا مخلص نیاز اشرف علی ۱۹۲۸ء یحییٰ پور۔ الہ آباد۔ یوپی

خط نمبر ۲۴۔ سیکر۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم طبیب صاحب۔ تسلیم۔ آج صبح کے اخبار میں آپ کے والد صاحب کے اچانک اس جہان فانی سے رحلت فرما جانے کی منخوس خبر پڑھ کر بہت ہی افسوس ہوا۔ خداوند کریم ان کی پاکیزہ روح کو شانتی اور آپ سب کو اس ناگوار صدمہ کو برداشت کرنے کی قوت بخشیں۔

مولانا صاحب جیسی ہستی کی آپ کے کنبہ کو اور ہمارے ملک کو بھی ایسے وقت میں جب کہ کئی قسم کے طوفان اٹھ رہے ہیں، اشد ضرورت تھی۔ ان کی موت سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پُر ہونا بہت مشکل ہے لیکن خدا کی مرضی پر صبر کرنا پڑتا ہے۔ آپ کا۔ بی۔ ڈی منوجہ۔ سیکر۔ راجستھان۔

خط نمبر ۳۴۔ دہلی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مانی ڈیرہ بادر۔ جے ہند۔ آپ نے بتایا کہ مولانا صاحب نے وفات سے ایک روز پہلے ایک میٹنگ بلائی ہوئی تھی۔ اور وہ پوربی پنجاب میں مسجدوں کی داکڑاری کے

مستحق تھی۔ اس سلسلہ میں میری ایک تجویز ہے وہ یہ کہ اسے خالص مسلم سوال نہ بنائے۔ نیز اس کام میں ہندوؤں کو بھی شامل کیجئے۔ آپ کو میرے جیسے بہت سے ہندو دوست مل جائیں گے جو اس کام میں پورا تعاون دیں گے اس طرح یہ ایک فرقہ دارانہ معاملہ نہیں رہے گا۔ اس میں جلد کامیابی ہوگی۔ اس ضمن میں اپنے بہت سے دیگر ساتھیوں کی طرف سے بھی تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔ مولانا صاحب جو کام ادھور اچھوڑ گئے ہیں اسے پایہ تکمیل تک پہنچانا آپ کا فرض ہے۔ آپ کے بھائی صاحب نے تھا پر صاحب کے مستحق ایک کام کہا تھا۔ لیکن میں ان کا نام اور ان کے محکمہ کا نام بھولی گیا۔ ان سے کہئے کہ مجھے پورا پتہ دیں۔ بچوں کو پیار۔

آپ کا چمن لال آزاد۔ نائب ایڈیٹر روزنامہ پرتاپ۔ نئی دہلی۔

خط نمبر ۳۴۔ علی گڑھ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزی۔ سلام اور دعا مسنون۔ اخبارات سے والد صاحب کے انتقال کی افسوسناک خبر ملی۔ وہ آپ کے والد تھے۔ سرپرست تھے اور صحیح معنوں میں رہنما تھے ظاہر ہے آپ سو گوار ہوں گے اور بہت زیادہ رنج و غم میں مبتلا ہوں گے۔ اس موقع پر ہر جاننے والے کا تعزیت کرنا اور دلاسا دینا فرض ہے۔ مگر عزیز میاں وہ اپنی شفقت بزرگانہ کی وجہ سے معلوم کتنوں کے باپ کتنوں کے بھائی اور کتنوں کے ایسے دوست تھے کہ ان کی موت کا صدمہ بقیہ حیات کا دائمی رفیق بن گیا ہو گا۔ ان کی کمی ایک خاندان کے رکن کی کمی نہیں ہے۔ ایک ملک اور قوم کے مجاہد کی کمی ہے جس کے سرمایہ مجاہدے میں آخر وقت تک کمی نہیں آئی۔ اب ایسے لوگ کابے کو پیدا ہوں گے۔ خدامِ حرم کو جو ارجمت میں جگہ دے اور قوم میں ان کی مثالیں پیدا کرے۔ اس کی قدرت کے لئے سب آسان ہے۔

خیر اندیش۔ محمد حفیظ الدین۔ انجمن ترقی اردو ہند۔ علی گڑھ

خط نمبر ۳۵۔ گوجران والا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ براہِ محترم۔ السلام علیکم۔ مات آٹھ بجے جموں ریڈیو اسٹیشن سے قبلہ خالو صاحب مرحوم و مغفور کی وفات کی خبر سنی۔ لیکن یقین نہ آیا۔ اپنی قوتِ سامعہ پر شک سا ہونے لگا۔ پھر پاکستان ریڈیو نے بھی اطلاع دی۔ اور صبح جو اخبارات میں شائع ہوا تو یقین کرنا ہی پڑا۔ لوگوں کو کہتے سنتا تھا کہ بھائی کی وفات پر میرا بازو ڈٹوٹ گیا۔ یا ظاں کی وفات پر کمر ٹوٹ گئی۔ لیکن میں نے آج تک یہ محسوس نہ کیا تھا۔ بھائی جان یہ حقیقت اب معلوم ہوئی۔ جب سے خالو صاحب کی وفات محسوس آئی

کی خبر سنی ہے۔ میں واقعتاً یہ محسوس کرتا ہوں جیسے بالکل خالی ہو گیا ہوں۔ دائیں بائیں یہی محسوس کرتا ہوں کہ گویا اکیلا ہوں یا یہ کہ میں بہت کچھ تھا۔ اب کچھ نہیں رہا۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت خالوصاحب کی ذات ہمارے سب کے لئے بہت بڑا سہارا تھی۔ اتنی دور بیٹھے ہوئے بھی میں ان کا سایہ عاطفت اپنے سر پر محسوس کرتا تھا۔ حقیقت میں خالوصاحب بجا طور پر خاندان کے باعث فخر ندرگ تھے۔ خالوصاحب نے ہی اسلاف کی روایات کو زندہ رکھا۔ اور آج وہ بھی ہمارے لئے اسلاف میں شمار ہونے لگے۔ قبلہ خالوصاحب کی وفات سے جو خلا واقع ہوا ہے۔ اس کا پر ہونا ممکن نہیں۔ آپ کی اتنی خوش نصیبی ہے کہ آخری وقت میں زیارت سے محروم نہ رہے اور نماز جنازہ میں شرکت سعادت حاصل کی لیکن ہم بد نصیبوں کے مقدر میں یہ بھی نہیں تھا۔ خالوصاحب نے اس جہاں سے کوچ کیا۔ خبر سنی اور دھوکہ بیٹھ رہے۔ سوائے اس کے چارہ ہی کیا تھا۔ اب جب سے خالوصاحب مرحوم کی وفات کی خبر سنی ہے۔ خون کے آنسو پی بیٹھ رہے۔

جب یہ سوچنا ہوں کہ وہاں دہلی میں تو کھرام مچا ہوا ہو گا اور ہم یہاں بیٹھے ہیں تو دل میں ابال سا اٹھتا ہے۔ آنسو آتے ہیں۔ لیکن پی جانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ اور یہ خط کا اکھٹنا تو ایک رسمی بات ہے۔ نہ تو میں اس پر اپنا دل نکال کر رکھ سکتا ہوں۔ نہ ہی آپ کو اس سے تسلی ہو سکتی ہے۔ بہر حال جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ قبلہ خالوصاحب تو اپنے اسلاف سے جا ملے۔ وہاں تو خوشیاں ہوں گی اور اس کا استقبال ہو رہا ہو گا اور ہمارے بزرگوں کی اس طرح مقدر سے کتنا خوش ہوئی ہوں گی جب کہ ان کے پاس ان کے خاندان کا ہمیشہ پہنچا ہو گا۔ یہ اس دنیا کی پرانی ریت ہے مرگ بزرگوں کا میراث بنی آدم است۔ میں اپنے غم سے ہی آپ کا غم معلوم کر سکتا ہوں۔ آپ کے دالہ بند گوار تو تھے ہی بلکہ آپ کے لئے سب کچھ تھے۔ لیکن تقدیر کے سامنے کیا چارہ؟ ہم سب بہن بھائی، آپ سب کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ پروردگار دو عالم قبلہ خالوصاحب کو جنت الفردوس اعلیٰ علیین میں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ سب کو اور ہمیں صبر کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین۔ میں مفصل طور پر علالت اور وفات کے حالات کا علم نہیں ہو سکا۔ فرصت کے موقع پر تفصیل لکھیں کہ جنازہ کب اٹھا۔ کون کون شریک ہوا۔ جنازہ کتنے لوگوں نے پڑھا اور کہاں مدفون ہوئے اور آخری وصیت کیا تھی،

آخری وقت آپ میں سے کون کون موجود تھے۔

ہمیں ان کی زندگی سے یہ سبق ملا ہے کہ انسان کو ہمیشہ حق کو ہونا چاہئے یہی مومن کی شان ہے۔ قبلہ
خالص صاحب مرحوم کی یہ صفت ایسی تھی جس کا مخالف بھی اقرار کرتے ہیں۔ کہ انھوں نے کبھی حق بات نہیں
چھپائی۔ کسی بھی باطل کی طاقت سے مرعوب نہیں ہوئے۔ انھوں نے اپنی تمام زندگی اسی شان سے گزار دی
آئیں جواں مرداں حق گوئی دہیبا کی اللہ کے شیر دل کو آتی نہیں رو باری

آپ کا غم نصیب بھائی۔ محمد احمد لدھیانوی۔ گوہرانوالا

بخدمت گرامی مولانا عزیز الرحمن جامی لدھیانوی۔ کوچہ رحمان۔ چاندنی چوک۔ دہلی۔

خط نمبر ۳۶۔ لاہور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم مولوی عزیز الرحمن جامی۔ سلام مسنون۔ قبلہ اباجی
کے انتقال پر ملال کی خبر پڑھ کر انتہائی صدمہ ہوا۔ خداوندایزدی نے انھیں ہم سے ایسے وقت جدا کیا ہے
جبکہ ان کی بہت ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ انھیں غرقِ رحمت کرے اور جملہ بھائیوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔
ہماری یہ بھی دعا ہے کہ آپ ان کے صحیح قائم مقام ثابت ہوں۔ والسلام۔ آپ کے شریک غم غنفر حسین صدیقی
معہ بیگم

خط نمبر ۳۷۔ لاہور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر عزیز مولانا خلیل الرحمن صاحب السلام علیکم۔

آج اخبارات سے آپ کے والد مولانا حبیب الرحمن صاحب کی وفات کی خبر پڑھ کر بہت
افسوس ہوا۔ اللہ پاک ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور آپ سب میں ماندگان کو صبر عطا فرمائے
مولانا مرحوم کی زندگی ایک مسلسل جہاد میں گزری۔ انھوں نے ہر خطرے کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔

عربی عزیز الرحمن صاحب سے بھی میری طرف سے افسوس کا اظہار فرمادیجئے گا

نیازمند۔ فتح محمد انوری ایڈووکیٹ۔ ۵۔ ٹیمپل روڈ۔ لاہور

خط نمبر ۳۸۔ سرگودھا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرّمی مولانا۔ زید مجرّم۔ السلام علیکم۔ مکرّمی حضرت مولانا

حبیب الرحمن کے انتقال کا اخبار میں پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ بڑی بڑی نیک ہستیاں ہمارے سروں سے
اٹھ رہی ہیں۔ جو صدمہ ہمیں پہنچا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اسی طرح منظور تھا۔ ہم سب ان کی

دعاؤں سے محروم رہ گئے۔ ماموں صاحب آپ کے اس غم میں شریک ہیں اور ہم سب دعا کرتے ہیں کہ خداوند کریم مولانا صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ سب حضرات کو سلام۔ خداوند تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو صبر عطا فرمائے۔

نوٹ: گاہ بگاہ آپ اپنی خیر و عافیت سے اطلاع بخشا کریں۔ والسلام۔ فقط

ڈاکٹر فیاض الدین ہومیوپیتھک لدرھیا نوئی۔ بلاک نمبر ۲۳۔ لف۔ سرگودھا۔

خط نمبر ۴۔ ضلع کیمپلیور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترمی مکرمی جناب بھائی خلیل الرحمن صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بندہ کل حفر و گیا تھا۔ ہوٹل میں کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھی تھی کہ پاکستان، ریڈیو کی خبریں نشر ہونا شروع ہوئیں تو یہ جانکاہ خبر سن کر رنج و الم کی انتہا نہ رہی کہ حضرت اباجی جتنا اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ۵ ایسے وقت میں ایسے مجاہد اعظم کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھنا ناقابل برداشت ہے۔ مگر مشیتِ الہی متعال کے آگے دم مارنے کی جگہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرما دیں اور ہم سب کو صبر جمیل بخشیں۔ اللہ تعالیٰ سب پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کریں۔ آمین۔ احقر عبدالحامد لدرھیا نوئی مالک سویٹ ہاؤس حسن ابدال۔ ضلع کیمپلیور

خط نمبر ۵۔ پاکستان۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم۔ ۲ ستمبر کی شام کو آٹھ بجے برادر مکرم کے انتقال کی خبر معلوم ہو کر نہایت ہی صدمہ ہوا۔ صدمے سے دل و جان بے قرار ہیں اور سب اہل خانہ بے چین اور غم زدہ ہیں۔ ہم سب تم سب کے غم میں شریک ہیں اور دعائے مغفرت کر رہے ہیں۔ بھائی جان مرحوم کی موت خاندان کے لئے بڑا صدمہ ہے اور ان کی جدائی سے پاکستان میں اکثر لوگ اظہار غم کر رہے ہیں۔ صبر کے سوا چارہ نہیں ہے۔ ہماری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو اللہ تعالیٰ جنت میں جگہ دیں اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

بلقیس نے اپنے آبا جان کی موت کی خبر بخا پنور میں سنی اس کو سخت صدمہ ہوا۔ اور بہت پریشان ہے آج شبیر احمد اس کی والدہ اور مولوی ایاس مرحوم کی بیوی مریم خان پور چلے گئے ہیں اور میں بھی شام کو

خان پور جاؤں گا۔ میری صحت اچھی رہی تو سردیوں میں دہلی آؤں گا۔ سب عزیزان کو سلام و دعا۔ فقط

محمد حسن صدر مدرس مدرسہ رفیق العلماء محلہ قاضیان۔ رحیم یار خاں۔ پاکستان

خط نمبر ۵۔ لاہور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم خلیل الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ کل اخبار میں آپ کے والد بزرگوار کے انتقال پر طال کا حال پڑھ کر صدمہ عظیم ہوا۔ آپ کے اور ہمارے درمیان گہرے خاندانی تعلقات ہیں۔ اور آپ کے خاندان سے ہمیں دلی اور روحانی تعلق ہے اس لئے ان کی وفات کا انتہائی رنج ہوا۔ اور بالکل ایسے محسوس ہو رہا ہے گویا مرحوم کوئی غیر نہ تھے بلکہ ہمارے اپنے عزیز تھے۔ بڑے نیک اور پاک طبیعت بزرگ تھے۔ اللہ کریم انہیں اپنے جوار رحمت میں بلند درجات عطا فرمائے آمین! اور ہم سب کو صبر دے۔ کاش اس موقع پر ہم لوگ بھی شریک ہو سکتے۔ آخری بار ان کو دیکھتے۔ اور ان کی تجہیز و تکفین میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو ایسا منظور نہ تھا۔ لکھو انہیں کون سی جگہ دفن کیا گیا ہے اپنے سب چھوٹے بہن بھائیوں کو ہم سب کی طرف سے اظہار افسوس کر دیں اور تسلی دے دیں کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں کسے دخل کی مجال ہے۔

ایسے بزرگ کا سایہ اٹھ جانا حقیقت میں ہم لوگوں کی نصیبی ہے۔ والدہ صغریٰ۔ صغریٰ، مونس اور سب بچے انتہائی طور پر رنجیدہ اور طول ہیں۔ سب اظہار افسوس کرتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں۔ چھوٹے بہن بھائیوں کو میری طرف سے بہت بہت دعا و پیار۔ السلام۔ آپ کا شریک الم خواجہ محمد یوسف ۹۔ برڈوڈ روڈ۔ لاہور

خط نمبر ۵۲۔ راولپنڈی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر محترم۔ السلام علیکم۔ اچانک اخبار میں آپ کے والد بزرگوار کی وفات کی خبر پڑی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ خدا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میری آخری ملاقات آبا جی سے شاید لاہور ہی میں ہوئی تھی، وہ ہمیشہ مجھے اپنے بچوں کی طرح سمجھا کرتے تھے۔ فسادات کے دوران میں جس قدر انہوں نے ہم لوگوں کی حوصلہ افزائی کی ہے اس کو دہرانا میری ہمت سے باہر ہے۔ ان دنوں بھائی بھائی سے بے خبر تھا۔ مگر یہ ان کا ہی حوصلہ تھا کہ وہ تمام اہل لدھیانہ کو بہت اور حوصلہ کی تلقین کرتے رہے

اس کے باوجود ان کی دیگر سیاسی اور مذہبی خدشات کہ ہم کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتے۔ زندگی میں ایسے لوگ ذرا کم ہی دیکھنے میں آئے ہیں۔ اس دفعہ میرا پکا ارادہ تھا کہ میں دہلی آکر ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا مگر کیا معلوم کہ تقدیر نے یہ دن بھی دکھانا تھا۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی شفقت اور مہربانی کے سائے میں رکھے اور ان کے لواحقین کو صبر اور حوصلہ عطا کرے۔ آمین۔ میں آج کل امتحان دے رہا ہوں۔ دعا کریں کہ کامیاب ہو جاؤں۔ والد صاحب اور دیگر سب خیریت سے ہیں۔ سب بھائیوں کو سلام کہہ دیں۔ فقط مختار علی راولپنڈی۔ (ماہ فروری میں مختار ایک کامیاب انگلستانی تاجر کی حیثیت خط نمبر ۵۱۳۔ اعظم گڑھ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء)۔ عزیز بھائی۔ سلام مسنون۔ بیکایک نظر اخبار سیات پڑھتے پڑھتے اباجی مرحوم کی خبر انتقال پر پڑی۔ بس بالکل سکتہ ہو گیا۔ ابھی چند دنوں کی بات تھی، آپ کے خطوط سے بالکل اطمینان ہو گیا تھا اور ادھر ان کی خرابی صحت کے بارے میں آپ نے کچھ مطلع بھی نہ کیا تھا جس سے کچھ اندیشہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اتنی جلد بلا لیں گے۔ اپنی کوتاہی قلمی دینز کاروباری مشغولیت کی وجہ سے میں خود اس سلسلے میں کچھ آپ سے دریافت کرنے سے قاصر رہا، یوں کہ سمجھی کہ اس دنیائے فانی سے کوچ کرنا ہے۔ لیکن ابھی اباجی کا سایہ ہم لوگوں کے لئے بہت ضروری تھا جس سے ہم لوگوں کو دینی و دنیوی زندگی کی رہنمائی ہوتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مصلحت اگر اسی میں تھی تو اس کے آگے بجز صبر و شکر کے چارہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جملہ متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم اباجی کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔ اب ہم لوگوں کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی دوسرا حل نہیں تفصیل سے مطلع کیجئے۔ جملہ اہل خانہ کو بے حد غم ہے اور سب لوگ مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے کوشاں ہیں۔

والسلام۔ احقر عمران۔ محلہ کرمی ٹولا۔ جنرل اسٹور چوک اعظم گڑھ

خط نمبر ۵۔ جنرل نوالا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ کرمی محلی قبلہ دکنہ حضرت مولانا مولوی محمد یحییٰ صاحب

السلام علیکم۔ کل نوائے وقت اخبار میں قبلہ حضرت مولانا کے انتقال کی بابت پڑھ کر بے انتہا قلق

ہوا ہے جو کہ بیان سے باہر ہے۔ میں نے پہلے بھی جناب کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا تھا۔ شاید آپ

کو ملا ہی نہ ہو گا۔ بہت بہت افسوس ہوا۔ اب سوائے افسوس کے ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو

ایسے ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت نصیب کریں۔ اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائیں
 پنجابی میں مثل مشہور ہے بھائی جنہا ندے مر گئے مٹ گئی اہناں دی بانہ۔ ابھی چند دن ہی ہوئے
 ہیں کہ حضرت مولانا مولوی محمد عبداللہ صاحب کنڈیاں شریف والوں کی دعاؤں سے مرحوم ہو گئے تھے
 اور اب حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا۔ اچھا اپنے مولا کریم کی رضا کے ساتھ ہم بھی راضی
 ہیں۔ ایک ایک کر کے ہمارے جہربان ہم سے جدا ہو کر جا رہے ہیں اور ایک دن ہماری بھی باری آنے والی
 ہے۔ بھائی.... شہادت۔ ہر درزا افتخار سب سلام عرض کرتے ہیں۔ سب حضرات کی خدمت میں سلام
 علیکم عرض ہو اور سب حضرات کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کرنا۔ جناب کی دعاؤں کا طلب گار

دوست محمد جبر انوالا ضلع سرگودھا

خط نمبر ۵۵۔ دیوبند۔ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر مکرم مولانا عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب جن کو ہم آج رحمۃ اللہ علیہ کہہ رہے ہیں۔ اور آج اس طریقے
 سے دامت برکاتہ لکھا کرتے ہیں۔ آپ شاید واقف ہوں دہلی میں بہت پہلے جب مرزائیت اور قادیانی
 تحریک کا زور تھا۔ اس ذیل میں میں نے اور مولانا عبدالسمیع صاحب جو اس وقت مدرس فتح پوری ہیں
 اور مولانا خدا بخش صاحب جو اس وقت پاکستان میں ہیں بنیاد ڈالی تھی۔ دہلی کے حضرات حاجی محمد نازق
 صاحب، محمد عارفین صاحب وغیرہ۔ یہ اب بھی دہلی میں موجود ہیں۔ شاہ جی اور مولانا مرحوم کو بلا کر دہلی میں
 سب سے پہلے ان حضرات کے ذریعے سے قادیانیت کو کچلوا یا اور برہنہا برس ان حضرات کی تشریف آوری
 دہلی ہر مکان اب نہیں۔ شملہ والوں کا جو اس وقت قیام گاہ تھا۔ بہر حال حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے
 بہت قریبی تعلقات تھے۔ افسوس کہ وہ میرے دہلی سے دیوبند چلے آنے کے بعد ۱۹۴۶ء کے ہنگامہ
 کے بعد سلسلہ رسل و رسائل اور آمد و رفت بہت کم ہو گئی۔ لیکن مولانا مرحوم کی سیاسی اور دینی خدمات
 سے بہت زیادہ واقفیت ہے۔ اس صحت یاب ہونے کے بعد یکدم خبر وفات سے بڑی تکلیف پہنچی۔ حق تعالیٰ
 سے دعا ہے کہ وہ آپ حضرات اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل اور اجر جزلی عطا فرمائے۔ آمین۔ حضرت مولانا
 کے ساتھ رسمی ہمدردیاں تو ہیں ہی نہیں۔ حقیقی دعائیں اور ہمدردیاں ہی ہیں ارحم الرحمن کی ذات

سے امیر رہے کہ وہ مولانا کو جنت کے اعلیٰ مقام پر فائز کرے۔ یہاں دارالعلوم میں بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے لئے سب کچھ کیا گیا ہے جیسے کہ حضرت رحیم صاحب نے بتلایا ہوگا۔ خداوند تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔ بہر حال یہ خادم ہی حضرت مرحوم سے بہت دیرینہ تعلق رکھنے والا ہے اور آپ کے غم میں بلاشبہ شریک ہے۔ فقط۔ فخر الحسن مدرس۔ دارالعلوم۔ دیوبند۔

خط نمبر ۵۶۔ طارق آباد۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ حق۔ حق۔ حق۔ مکرری۔ سلام مسنون۔

جناب بھائی صاحب، والد صاحب کی وفات کا سن کر دل کو بے حد صدمہ ہوا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ
قَرٰنَا اِلَیْہِ لَاحْجُوْن ۵ ہم تو بہت دیر سے ترس رہے تھے کہ والد صاحب کی زیارت کریں گے۔ مگر
ہمارے نصیب میں نہیں تھی۔ کاش آج اپنا وطن ہوتا۔ اکٹھے مل کر جاتے۔ والد مرحوم کی یاد میں دل بہت
ترپتا ہے۔ بی بی بہت روتی ہے اور والد صاحب کو یاد کرتی ہے۔ ہم اتنے بے نصیب ہیں ہمیں زیارت بھی
نصیب نہیں ہوئی۔ خداوند کریم کو اسی طرح منظور تھا۔ میں بہت دعا کرتی ہوں کہ میری والدہ اور والد صاحب
کی باری کو خداوند کریم صبر رکھے۔ والد کو خداوند کریم غریقِ رحمت کرے۔ وہ تو جنتی تھے جنت میں اپنا گھر
بنالیا۔ آمین ثم آمین۔ عزیز الرحمن، خلیل الرحمن بھائی کو بہت بہت سلام۔ مولوی محمد طیب کو پیار، بھابیوں
کو سلام۔ بچوں کو پیار۔ مولوی جی کے گھر ہم گئے تھے افسوس کرنے کے لئے ٹھنڈی ریت کھجور کے تلے۔ والد
مرحوم کی یاد میں دل میلا جلیگا ہے پڑھنے سننے والوں کی خدمت میں بہت بہت سلام قبول ہو۔ کوئی غلطی ہو تو
معاف فرمادیں۔ فقط۔ آپ کی بہن زہرہ شیخ۔ طارق آباد۔ گلی ۷

خط نمبر ۵۔ پاکستان۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بگرامی خدمت جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم۔ اخبار نوائے وقت میں آپ کے والد گرامی حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کی وفات
حسرت آیات کی خبر پڑھا کہ از حد صدمہ ہوا۔ مسلمانانِ ہند کا ایک ستون گر گیا۔ مرحوم بے شمار خوبیوں کے مالک تھے
اور دل میں قومی درد رکھتے تھے۔ دعا ہے کہ باری تعالیٰ بزرگ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دیں اور پس ماندگان
کو صبر جمیل عطا کرے۔ میں اور حکیم احمد علی صاحب جب ماہ فروری میں دہلی آپ کے پاس ٹھہرے تھے۔ افسوس
ہے کہ اس وقت مولانا مرحوم کی زیارت سے محروم رہے۔ کیونکہ جس دن ہم دہلی پہنچے تھے۔ اسی دن مولانا اپنے پورے

تشریف لے گئے تھے۔ حکیم احمد علی صاحب کی طرف سے بھی ارحم افسوس ہے۔ فقط والسلام

خادم غلام نبی عفی عنہ۔ غوثیہ دواخانہ رجسٹرڈ۔ منٹگمری۔ پاکستان

خط نمبر ۵۸۔ گوجرانوالا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز بھائی مولوی خلیل الرحمن صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

وبرکاتہ۔ خالو صاحب سے ملنے کی امید آخر پوری نہ ہوئی۔ بات دہی پوری نکلی جو خالو صاحب نے تحریر فرمائی تھی

کہ اگر اس دنیا میں ملا قسمت میں نہ ہوتا تو انشاء اللہ العزیز حوض کوثر پریس میں گئے۔ ۲ ستمبر کو خالو صاحب کے

انتقال کی خبر ریڈیو پر سنی۔ سارے شہر میں بلی کی طرح خبر پھیل گئی۔ صبح کو گوجرانوالا کے کافی لوگ والد صاحب کے

پاس انظار افسوس کے لئے آئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ فَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵ ۳ ستمبر کو مولانا حسین صاحب نے

مسجد باغ والی میں قرآن شریف ختم کرایا اور جامع مسجد شہر گوجرانوالا میں مولانا خلیل الرحمن صاحب اور مولانا

عبدالواحد صاحب نے قرآن شریف ختم کرا کر جناب خالو صاحب کی روح کو ایصال ثواب کیا اور مولانا صاحب

سے عقیدت رکھنے والے تمام لوگوں نے مسجد میں دعائے مغفرت مانگی۔ اور قرآن شریف پڑھ کر ایصال ثواب

کئے۔ اس وقت سے اب تک شہر میں ہر طرف مولانا کی کارگزاریاں اور خدمات کو لوگ خراج تحسین ادا کر رہے

ہیں۔ ادیاد کر رہے ہیں۔ مقامی مہاجر سب یہ بات کہتے ہیں کہ بے باک ہو کر بات کرنے والا اور سختی کے

موقع پر حقیقی بات کہنے والا ایک مرد مجاہد تھا۔ خود دنیا سے رخصت ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت اور

جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے اور حوض کوثر پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میت میں۔

پہلی ملاقات میں والد صاحب فرماتے ہیں کہ وہ شخص تھے جس نے جان بوجھ کر کبھی کسی کا نقصان نہ کیا نہ کرنے

کا ارادہ کیا۔ بہت بڑے مخلص شخص تھے اور رشتہ داروں کے دوست تھے۔ افسوس دو بارہ ملنے کا موقع ہاتھ

نہ آیا۔ فرما رہے تھے کہ میرا پاسپورٹ اب تک بن کر نہ آیا۔ اب اگر آ بھی گیا تو کیا فائدہ، جس کو ملنا محنت وہ

رخصت ہوا۔ جناب والد صاحب دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ سب بھائی بہنوں کو صبر عطا فرمائے۔ ہم

تمام بہادران دہس ماندگان سب آپ کے غم میں شریک ہیں۔ میں تو سہی کہوں گا۔ بدٹھا آج زمانے سے

ہمارا آقا۔ جس دن قدرے اطمینان ہو تو خالو صاحب کے آخری حالات ضرور لکھ کر روانہ فرمائیں یا کوئی اخبار

جس میں پوری تفصیل، نماز جنازہ وغیرہ سب درج ہو ضرور ارسال کر دیں۔ فقط عبدالواسع ناظم دارالعلوم گوجرانوالا

۵۱۹ سال کی عمر میں رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ میں اپنے عزیز

۱۴

خط نمبر ۵۹۔ شیخوپورہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرمی و محترمی جناب مولانا خلیل الرحمن صاحب ادعائیتہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج مبارک ۹ اخبارات میں آپ کے والد محترم حضرت مولانا الحاج حبیب الرحمن صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ بخشے۔ آمین ثم آمین۔ مرحوم بہت صفات کے مالک تھے۔ ان کی یاد رہ رہ کر آتی ہے گو ملاقات کئے ہوئے عرصہ نو سال کا ہو گیا تھا۔ پھر بھی بذریعہ خط و کتابت تبادلہ خیالات ہوتا ہی رہا ہے آپ کو معلوم ہی ہے کہ دنیا فانی ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ "کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهًا"۔ سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ مرحوم نے اپنی زندگی قوم و ملک کے لئے وقف کی ہوئی تھی اور زندگی کا اکثر حصہ بیماری کی حالت میں جلیوں میں کاٹا۔ ان کی قربانیاں انشاء اللہ باعث بندگی و درجات ہونگی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے چھوٹے بھائی سعید الرحمن صاحب لدھیانہ میں دو منزلی مسجد میں مقیم ہیں۔ کیا یہ ٹھیک ہے مفصل حالات سے مطلع فرمائیں۔ کیا وہ درہلی پہنچ گئے تھے۔ عبد المجید نواسہ حجت و دیگر جملہ رشتہ داروں کی طرف سے مولانا صاحب کے انتقال کا بہت افسوس ہے۔ نیاز آگیں عبد الرحمن (لودھیانوی۔ عثمانیہ کالج۔ شیخوپورہ

خط نمبر ۶۰۔ کیلاش پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم بھائی خلیل الرحمن صاحب۔ سلام مسنون۔ حضرت مولانا کے وصال کی اطلاع آج کے اخبارات میں پڑھ کر رنج و غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اس پر آشوب زمانہ میں حضرت مولانا روشنی کا مینار تھے۔ حضرت مولانا کے تعلقات ہمارے خاندان سے ایک خاندان کے بزرگ کے سے تھے۔ آج ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خاندان کا کوئی بزرگ ہم سے جدا ہو گیا دعا ہے کہ خدا حضرت مولانا محترم کو اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب عطا فرمائے اور آپ کو اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ خادم و دود علی کیلاش پور ضلع سہارن پور

خط نمبر ۶۱۔ لاہور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ برادر محترم۔ کل نوائے وقت میں قبلہ مولانا صاحب کے انتقال کی خبر پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ اس ناگہانی خبر نے تمام گھر کے افراد کو سکنتہ کر دیا۔ اگرچہ اس عالم فانی میں سب کو آگے پیچھے جانا ہے۔ مگر اس بے وقت کی جدائی نے تمام کو سخت مصائب

لے خان دود علی خاں کا بھی ۵۷ء کے شروع میں پٹی بھیت میں انتقال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے ورتا

میں مبتلا کر دیا۔ خداوند کریم آپ کو صبر جمیل عطا کرے اور مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔
 انشاء اللہ تعالیٰ بھائی کے ہمراہ آخر ستمبر تک حاضر ہوں گا۔ شریک غم۔ م یسین علی خاں۔ ۱۶ انارکلی لاہور
 خط نمبر ۶۲۔ کلکتہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر محلیل الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ آج صبح اخبار
 میں مولانا صاحب کے انتقال کی خبر پڑھ کر دل کو سخت صدمہ گزرا جو بیان سے باہر ہے۔ پروردگار عالم
 سے دعا گو ہوں کہ وہ مولانا صاحب کو اپنی جوار رحمت میں رکھے اور آپ لوگوں کو صبر عطا فرمائے۔ میری
 طرف سے برادر عزیز الرحمن و دیگر پرسان حال کو تعزیت کا پیغام دیں۔ غایت ہوگی۔
 آپ کے غم کا شریک۔ شریف بٹ لودھیانوی معرفت برکت علی اینڈ برادر س ٹیلر اینڈ
 آؤٹ فیکٹریس۔ کلکتہ

خط نمبر ۶۳۔ سہارن پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرچی۔ سلام مسنون۔ اخبارات کے ذریعہ مولانا محترم
 کے انتقال پر مٹال کی خبر معلوم ہوئی۔ یہ حادثہ نہ صرف آپ لوگوں کے لئے صدمہ کی وجہ ہے۔ بلکہ ہم سب
 کے لئے جو ان کی ذات بابرکات سے واقف ہے نہایت ہی رنج دالم کا باعث ہے۔ افسوس کہ ہم اکابر
 سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ کو اور
 ہم کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ آمین۔ شریک غم۔ حافظ اکرام اللہ۔ سہارن پور

خط نمبر ۶۴۔ گوجرانوالہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز محمد خلیل الرحمن سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم درجۃ
 اللہ وبرکاتہ۔ آہ میرے عزیز۔ دو تین ستمبر کی درمیانی شب ہمارے لئے نہایت غمناک اور اندوہ انگیز خبر
 لائی۔ جب کہ پاکستان ریڈیو کے ذریعہ محترم مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم کے انتقال پر مٹال کی
 خبر سنائی دی۔ گوجرانوالہ میں ہر طرف اجاب میں خصوصاً اور دیگر عوام میں عموماً رنج و غم کی ایک لہر دوڑ گئی
 ۳ ستمبر کو بعد نماز ظہر ہری سنگھ لٹو بلڈنگ میں مرحوم کے ایصال ثواب کرنے کے لئے ایک مجلس قرآن خوانی
 ہوئی۔ جس میں ہمارے طلباء کے علاوہ تمام لدھیانہ والے اجاب نے شرکت کی۔ اور متعدد قرآن شریف
 ختم کئے گئے۔ اس مجلس میں شریک ہونے والے ہر فرد کی آنکھ آنسو بہا رہی تھی۔ بعض کا رونا تو بے بسی کا
 رونا تھا۔ غرضیکہ جس قدر اجاب نے ان کے انتقال پر صدمہ محسوس کیا ہے۔ اس کا تحریر میں آنا محال ہے

قصا پر کسی کا بس نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مقام رضا عطا فرمائے۔ ہمیں اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ تم آمین۔ جہاں تک ہومیرے عزیز و اتفاق و محبت سے رہیں۔ اپنے موجودہ حالات سے بھی پتہ دیں۔ فقط۔ مولوی حسین مسجد باغ دالی پاکستان۔ مغربی گوجرانوالا

خط نمبر ۶۵۔ ناگ پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز محترم مولانا خلیل الرحمن دعوۃ الرحمن صاحب

السلام علیکم۔ میں گاؤں میں رہتا ہوں۔ اخبارات روزانہ مسلسل نہیں ملتے۔ ناگ پور کے ارادہ سے ۳ ستمبر کو شب کے وقت بھوپال پہنچا۔ اجاب سے معلوم ہوا ہمارے مخلص بزرگ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اس دار فانی کو چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ دونوں عزیز اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں حضرت مرحوم کو اپنا بزرگ اور محترم سمجھتا تھا۔ اور مرحوم مجھ سے ویسے ہی محبت فرمایا کرتے تھے۔ تمام سیاسی کشمکش کے باوجود ہمارے ان کے ذاتی تعلقات میں کوئی فرق نہیں۔ اس سانحہ سے جو اثر مجھ پر پڑا ہے آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ باوجود اس کے کہ میں صرف مخلص نیاز مند ہوں جب مجھ پر اس کا اتنا گہرا اثر ہے تو پھر تمام حضرات اور سب گھر والوں پر کیا اثر ہوگا، اس کا مجھے اندازہ ہے بہر حال یہ حادثہ ہونے والا تھا اور اپنے بعد ہمارے لئے صرف صبر کے اور کیا چارہ ہے۔ آپ لوگ خود صاحب علم و فضل ہیں، اپنے گھر والوں کو سہما دیکھئے اور حضرت کے لئے دعائے مغفرت کیجئے۔ مولانا کے اوصاف جس کا مجھ پر اثر ہے اور جس کا میں نے گہرا مطالعہ کیا ہے اس نے ہم دونوں کو ذاتی حیثیت میں جوڑا اور اس پر کسی وقت کسی سیاسی کشمکش کا اثر نہ پڑا۔ میں نے اس وقت سے تم لوگوں کو اپنا بچہ اور عزیز سمجھا اور مجھے یقین ہے کہ تم لوگوں سے میرا یہ تعلق انشاء اللہ قائم رہے گا۔ اللہ اس تعلق میں مزید اضافہ کرے۔ انشاء اللہ دہلی حاضر ہو کر ملوں گا۔ بچوں کو دعا و سلام۔ میں یہ خط ناگ پور سے لکھ رہا ہوں۔ فقط

نور الدین بہاری (مرحوم) سابق صدر کانگریس کمیٹی صوبہ دہلی و سابق ناظم تعلیمات جمعیتہ العلماء ہند

خط نمبر ۶۶۔ احمد آباد۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرمی مولوی سعید الرحمن و مولوی محمد احمد صاحب۔ سلام سنون

مسلمانان دودھیشور روڈ احمد آباد کا یہ عام جلسہ رئیس الامرار حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کی وفات حسرت آیات پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب کہ مسلمانان ہند کو مولانا کا

۵۲۲
حضرت مولانا نور الدین بہاری رئیس الاحرار سے ایک ماہ چودہ دن بعد اپنے گاہی بھوپال میں انتقال فرما گئے۔

جیسے سچے اور بے لوث خادم ملک و ملت کی ضرورت تھی مشیت ایزدی نے ہم مسلمانوں سے جدا کر کے اپنے خوار رحمت میں جگہ دی۔ ہم اس سانحہ فاجعہ پر اپنے حزن و ملال کا جس قدر بھی اظہار کریں وہ کم ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو ان کی خدمات جلیلہ کا اجر جزیل عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عنایت کرے۔ آمین۔
مولانا ابوالکلام قاسمی آپ کے غم میں برابر کے شریک رہے، سلام قبول فرمائیے۔

ہم ہیں آپ کے مخلص مسلمانان دودھیشور روڈ۔ احمد آباد (از قلم شوکت حسین)

خط نمبر ۶۷۔ لدھیانہ۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عظیم المقام جناب مولوی خلیل الرحمن و عزیز الرحمن صاحب السلام علیکم۔ گناراش خدمت ہے کہ آج صد افسوس ہمارا سانحہ غم کے ساتھ یہ خط لکھ رہا ہوں۔ آج ہمارے سردار سے ایسی بزرگ ہستی کا سایہ اٹھ گیا جو ہمیں ملنا مشکل ہے۔ یہ کمی اسلامی دنیا میں بہت بڑی کمی ہے جو کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ ایسا نادر عالم اور بزرگ ہستی والا شاید ہماری زندگی میں ہمیں دوسرا نہ ملے گا۔ وہ بیباکی جو مولانا میں تھی۔ ہم نے کسی میں نہیں دیکھی۔ آج گوجرانوالا میں جب سے کہ مولانا کی رنج و غم کی خبر سنائی ہے۔ تمام لدھیانہ والوں کے دل پر عجیب قسم کے اثرات رونما ہو رہے ہیں۔ جگہ جگہ چرچے ہیں کہ مولانا جیسی ہستی ملنا مشکل ہے۔ ہر موافق اور مخالف مولانا کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ میں زیادہ کچھ نہ لکھتا ہوں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ میاں آپ کو اور تمام رشتہ داروں کو اور تمام عقیدت مندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مولانا کی برکت سے ہمیں نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اور مولانا کو اپنے حبیب پاک کے صدقے میں جنت الفردوس میں جگہ دے آمین! فقط والسلام

حافظ نذیر احمد چوک منیم والا۔ لدھیانہ۔ حال آباد گوجرانوالا۔ چوک۔ سیری والا بازار چور گراں
نذیر دلدھنگ فیکٹری

خط نمبر ۶۸۔ دیوبند۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم و مکرم یا اخی۔ السلام علیکم! عرض ہے کہ احقر نے یہ خبر جانسوزاً الجمعیت میں پڑھی کیا تحریر کروں کہ کیا گزری کہ جناب کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ۵ اللہ تعالیٰ پس ماندگان مرحوم کو صبر جمیل عطا فرمائیں اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دیں اور مرحوم کی قبر کو نور سے منور کر دیں۔ آمین۔ آہ کیا تحریر کروں، مولانا مرحوم کی شخصیت کیا تھی۔

دین کے سچے خادم تھے۔ قوم کے خادم تھے۔ غریبوں کے درد دکھ میں شریک رہنے والے تھے۔ مرحوم کے کارنامے اپنی دنیا کے لئے ایک سبق ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی مولانا کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش فرمائیں گے۔ مرحوم کی زندگی کے حالات سے سبق حاصل کریں گے۔ مرحوم دین کے سچے جاں نثار تھے۔ مرحوم غربا پر درہستہ تھے وہ غربا جو مرحوم کی عاطفت میں اپنی زندگی کے لمحات گزار رہے تھے مرحوم کو کہاں تلاش کریں۔ وہ مسلمان جو کہ مرحوم کی تقاریر سے اپنے مردہ دلوں میں ولولہ ایمانی محسوس کیا کرتے تھے۔ آج مرحوم کو کہاں سے لائیں۔ بھائی صاحب اب آپ کو یہ تمام ذمہ داریاں اٹھانے کے لئے ہمت سے کام لینا ہوگا۔ آج ہندوستان کے مسلمان مرحوم کے بعد آپ کے متلاشی ہیں کہ مرحوم کے صاحبزادوں میں سے کوئی اٹھے تو ہم اس کی اقتدا کریں آج آپ کو مرحوم کے نام کو روشن کرنے کے لئے مرحوم کی زندگی کے حالات سے سبق لینا پڑے گا۔ ہمت کیجئے کوشش کیجئے، خدائی طاقت آپ کے ہمراہ ہوگی اور کیا تحریر کروں۔ انی محترم محمد احمد صاحب لدھیانوی کی خدمت میں احقر کا سلام عرض کر دیں۔ امید ہے کہ کوئی بات ناگوار خاطر لکھی گئی ہو تو معاف فرمائیں گے۔ قاری اصغر علی صاحب کو کھانسی کا دورہ پھر ہا ہے۔ چکر بھی آجاتا ہے۔ فقط والسلام ناچیز محی الدین احمد دارالعلوم دیوبند خط نمبر ۶۹۔ دیوبند۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

بھائی جان! عظمیٰ لاکھ بڑا چاہے تو کیا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ بھائی جان! جس کو آج تک میں مناسب سمجھ رہا تھا، آج اسی کو مناسب سمجھنا پڑا۔ اباجی کا دصال۔ آہ بھائی جان! اباجی کا دصال، جس خبر کو ہندو پاکستان کے باشندوں نے بہت تحمل اور برداشت کے کانوں سے سنے ہیں۔ جہاں بڑے سے بڑا دل چور چور ہو گیا۔ بڑے بڑے دماغوں میں خلا پڑ گیا۔ بڑے سے بڑا آدمی اس پر طال خبر سے بالکل مضطرب ہو گیا ہے۔ وہاں ہندو پاکستان کا چھوٹے سے چھوٹا بھی اپنے قیمتی سرب کو کھویا محسوس کرتا ہے۔ ان کی ہستی اس خطرہ ارضی ملک ہند کے لئے ایک بے بہادری تھی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس زمین کو اگر بولنے کی زبان دی جاتی تو وہ بھی بول اٹھتی کہ ہائے آج میری وہ دولت جس سے میں دوسرے خطوں کے سامنے فخر کیا کرتی تھی چھین لی گئی۔ بھائی جان! حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کی راہ پر قدم رکھتے ہی فوراً معلوم ہوتا ہے کہ وہ اباجی صرف آپ کے نہیں تھے۔ اگر یہ سچ ہے کہ بیٹا باپ کے انتقال پر روتا ہے

تو ماننا پڑے گا کہ ہندو پاکستان کا ہر شہری ان کی اولاد تھی۔ اور درحقیقت بھائی جان آپ کو اتنا ملال نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ ایک من کا بوجھ کسی کے سر کے اوپر ہوا اور چالیس آدمی آکر اس کو تقسیم کر کے لے جائیں تو ظاہر ہے اس کے پاس ایک سیر صرف رہ جاتا ہے۔ آج صرف ہندوستان ہی میں نہیں دیکھ رہا ہوں پاکستان اور دوسرے ممالک کے لوگ بھی آپ کے غم میں شریک ہیں۔ مگر بھائی جان! ملک کو جتنا بڑا نقصان ہوا اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان کا تو وہ ستون ہی ٹوٹ گیا جس کے اوپر باشندگان ہند خصوصاً مسلمانوں کی ارتقائی تفکرات کی چھت کھڑی تھی۔ ان کے انتقال سے ہندوستان کے اندر جو خلا پیدا ہوا ہے اس کو تو دراصل وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جو ان کے پایہ کے ہوں۔ ہم حبیبوں کو تو اس کا کیا احساس ہو سکتا ہے قدر کُل تو بیل ہی جانتا ہے؟ مگر بھائی جان ہم حبیبوں کی بھی اس پُر ملال خبر سے جو کیفیت ہوئی تھی اس کو پیش کرنا محال ہے۔ پھر بھی جہاں تک پیش کرنا چاہتا ہوں۔ کسی سبق میں کوئی اپنے پریشان دل کو تھام کر یاد آریں دیں کہ مولانا حبیب الرحمن صاحب کا انتقال ہو گیا۔ انا اللہ۔ بھائی جان! الٹ کے تو اس طرح ادھر ادھر بھاگنے لگے کہ گویا اسرافیل نے صور پھونکا۔ مگر میرا قدم آگے نہیں بڑھ رہا تھا، گویا مجھے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کدھر جاؤں۔ دروازہ کے سامنے کھڑا رہا۔ سخت دیر کے بعد دیکھتا ہوں کہ لوگ جوق درجوق آکر ختم میں شریک ہو رہے ہیں۔ میں کھڑا دیکھ رہا تھا، دل میں یہ تھا کہ کس بات کی خبر لوگوں میں پھیل گئی۔ یہ سوچتے ہوئے دل میں یہ بات آئی کہ حضرت شیخ کے ہاں جاؤں۔ اس سے پہلے قدم آگے نہیں بڑھ رہا تھا مگر جب یہ ارادہ ہوا تو قدم بہت تیز چلنے لگے اور ایک منٹ میں حضرت شیخ کے ہاں آکر دیکھا حضرت باہر نکلے تھے اور یہاں کوئی نہیں فرما کر قاری صاحب کی طرف روانہ ہو گئے۔ رفتار میں کس قدر تیزی تھی۔ وہاں سے نکل آئے اور مدرسہ کی طرف آنے لگے۔ پیچھے ہم لوگ بھی ہو گئے۔ حضرت کی چال میں کچھ تیزی اب بھی تھی۔ ہلکی آواز سے جانے کیا پڑھ رہے تھے اور جلدی جلدی چل کر جا کے ختم میں شریک ہوئے۔ میں بالکل سامنے بیٹھا تھا۔ ایک مرتبہ آنکھیں اٹھا کر دیکھا تو چہرے پر ایک انقلابی کیفیت تھی۔ میرا دل چڑک رہا تھا کہ پہلے ہی سے دھڑک رہا تھا زیادہ دیر بیٹھ نہ سکا۔ ارے کیا ہو گا۔ اچھا جا کے دیکھوں، لوگ کیا کہتے ہیں۔ لوگوں کے اس پاس گھومنے لگا، تو سنتا ہوں لوگوں میں کوئی یوں کہہ رہا ہے غلام

روشنی سے جس کی روشن دیدہ احرار تھا دل نہ تھا سینہ میں جس کے سعلہ بیدار تھا

بس بھائی جان! اس کے بعد میرے دل میں پھر کچھ یقین سا آنے لگا کہ کیا ایسی ہستی آج سر زمین ہند سے اٹھ گئی؟ ۹۹۹ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵

پھر کیا ایک دل کے اندر ایک آگ سی بھڑک اٹھی۔ بھاگ کے کمرہ میں آیا۔ کتاب رکھی لوگ ختم پڑھ رہے تھے۔ جب دیکھا کہ کوئی صورت نہیں ہے۔ دل سے ایک آہ نکلی اور کہا کہ چلو کچھ پڑھتے ہیں۔ یہ سوچ کر کبھی دانوں سے لالہ الا اللہ کی تسبیح پڑھتا ہوں تو کبھی پارہ قرآن کی تلاوت کرتا ہوں۔ مگر چونکہ دل میں کچھ اندر ہی ہو رہا ہے، اس لئے یہاں بھی بہت دیر تک بیٹھ نہ سکا۔ یہاں سے یہ سوچ کر اٹھا کہ لوگ ایک ایک پارہ کر کے پڑھ رہے ہیں۔ میں اور کیا کروں۔ جب میرے بس میں اور کچھ نہیں ہے تو ایک ختم قرآن ہی پڑھ کر مولانا کی روح کو ایصالِ ثواب کروں۔ دل میں یہ کہہ کر کمرہ میں آیا اور اپنا قرآن مجید نکال کر ایک پارہ تک پڑھنے کے بعد دل کے اندر ایک سوزش پیدا ہو گئی کہ اب دہلی کیسے جاؤں۔ دل بے تاب ہو گیا۔ کوئی صورت سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ آخر ایک صورت یہ سمجھ میں آئی کہ ہستم صاحب دہلی جائیں گے۔ ان سے جا کر کہوں۔ ہو سکتا ہے مجھ کو ساتھ لے جائیں۔ مگر آخر وہاں سے بھی ناامید ہونا پڑا۔ بس بھائی جان! اس کے بعد میرے بس میں اور کچھ نہیں تھا۔ سینہ پر ہاتھ دھکھ کر بیٹھ گیا۔ اور یہی سمجھا، جہاں تک ہو سکے تلاوت قرآن شریف سے آبا جی کو ایصالِ ثواب کروں اور اس ہی ذریعے سے بھائی جان کی تسلی کی بھی طلب کروں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین۔ اب بھی امتحان میں تین چار روز باقی تھے۔ مگر پھر بھی کوشش کی کہ عین موقع پر جانہ سکا تو نہ سہی مگر اس کے بعد ہی اپنے پریشان خاطر بھائی جان کا دیدار کراؤں۔ مگر امتحان سے پہلے تو نہیں آ سکتا۔ اور پھر یہ نامناسب سمجھا کہ ایک ایسے موقع پر صرٹ ایک خط لکھ کر بھائی جان کو مخاطب کروں۔ انشاء اللہ خود ہی چلا جاؤں گا۔ مگر دہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ اس نامناسب کو آج مناسب سمجھ کر مجبوراً خط ہی لکھنا پڑا۔ مگر بھائی جان قسم کھا کر کہتا ہوں جب تک آکر نہ دیکھوں، دل میں تسلی نہ ہوگی۔ مگر اب چوں کہ مجبوریوں نے گھیر لیا ہے۔ اس لئے اچھا یہی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف پڑھ پڑھ کر آبا جی کی روح کو ایصالِ ثواب کروں ممکن ہے کہ اس سے آپ کو بھی کسی قدر تسلی ہو سکے گی۔

بھائی جان! اپنے حالات سے مطلع فرمائیں۔ گھر کی طرف سے بہت پریشان ہوں۔ خط آیا ہے کہ فاقوں سے مرنے کی واردات مسلسل پیش آرہی ہیں۔ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں کے گھر کھانا پکا ہے تو لوٹ لیا جاتا ہے گھر کے اس خط نے بھی بہت ہی زیادہ پریشان کر دیا۔ دعا فرمائیں کہ خدا خیر کرے ہمارے مکان کی مگر کوئی خاص حالت نہیں لکھی۔ دوسرے جن لوگوں کی حالت لکھی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے گھر والے بھی بہت زیادہ مطمئن نہیں۔ بس دعا کیجئے۔ فقط آپ کا ایک نام سمجھ بھائی۔ احرار الزماں بنگال

از دارالعلوم دیوبند

خط نمبر ۷۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم بھائی عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ افسوس ہے کہ اس ماہ کی دد تاریخ کو مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ایک معمولی دورہ قلب کے بعد ۶ برس کی عمر میں اچانک رہ گزارے عالم جاودانی ہو گئے۔ مولانا نے اپنے سب اہل خاندان کی طرح دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی تھی۔ لیکن چونکہ وہ موردی اور خاندانی طور پر ایک مجاہد، بطل حریت اور زعیم قوم تھے۔ اس لئے تعلیم سے فراغت کے بعد ہی عملی سیاست کی دادی پر خاریں کود پڑے۔ اس تقریب سے ان کا تعلق کانگریس سے بھی رہا، اور جمعیتہ علماء ہند سے بھی۔ اس کے علاوہ مجلس احرار کے تودہ نفس ناطقہ یا عقل فعال ہی تھے خوش فہمی کے خطابت، جرأت دہے باکی۔ ذہانت اور طباعی، ایثار و فداکاری یہ ان کی وہ خصوصیات تھیں جن کے باعث وہ جہاں کہیں رہے اور جس محفل میں بیٹھے ممتاز اور نمایاں ہو کر رہے۔ عمر کے کم و بیش بارہ سال جیل میں کاٹے ہوں گے۔ جہاں انھوں نے شرمندہ محن کا مقابلہ بڑی بے جگری اور بے خوفی کے ساتھ کیا۔ آزادی کے صرصر انقلاب نے شہرت و ناموری کے بڑے بڑے دانش چرخ بچھا دیے درنہ

ایک زمانہ تھا کہ مرحوم کی لیڈری کا ڈنکا بجتا تھا۔ زندگی بڑی قلندرانہ اور درویشانہ تھی۔ یعنی "نے غم دزد" نے غم کالا" ایک معمولی سے تہمد بغیر بیٹنوں کا گریبان کھلا کرتے اور سر پہ چو گوشہ ٹوپی، جلوت میں اور خلوت میں۔ اندرون خانہ اور پبلک میں انھیں جہاں کہیں دیکھا اسی وضع میں دیکھا۔ حد درجہ خلیق و متواضع، بڑے سادہ اور بے تکلف، مگر اپنی بات کے پکے اور دھن کے پورے تقسیم کے بعد مشرقی پنجاب سے تعلق کے باوجود پاکستان میں رہنے کے بجائے دلی میں مع اپنے خاندان کے آجسے تھے۔ لیکن کچھ انقلاب روزگار اور

(پتہ) احرار الزماں اب مدنیہ پورہ کی پتہ ہے۔

اور کچھ ہجوم امراض و امتراد سن، ان کا اثر یہ تھا کہ آخر میں عملی سیاست سے دست کش ہو گئے تھے اور سلوک و معرفت کا ان پر اس درجہ غلبہ ہو گیا تھا کہ ان کے سیاسی افکار میں بھی اشتراکیت کا رنگ ابھر آیا تھا۔ عجیب اوصاف و کمالات کے بزرگ تھے۔ ان کی کس کس خوبی کو بیان کیا جائے۔ اب ایسے لوگ کہاں ملیں گے۔ حق تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور اعلیٰ علیین میں مقام جلیل عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط۔ سعید احمد اکبر آبادی۔ ایڈیٹر بہان۔ اردو بازار جامع مسجد۔ دہلی۔

خط نمبر ۷۱۔ بہار۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز بھائی۔ سلام مسنون۔ بطل حریت و مجاہد جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، بالآخر ہم سے جدا ہو گئے۔

چھ در چشم زدن صحبت یا ر آخر شد
دے گل سیرندیم و بہار آخر شد

یکم ستمبر ۱۹۵۶ء کو مولانا کا گھر مشرقی پنجاب و اکابرین علماء و زعمائے مسلمین دہلی و دیوبند والہ آباد دیرٹھ و شملہ وغیرہ سے پُر فور تھا اور انجمن جماعت اسلام پنجاب کی تعمیر ہو رہی تھی اور مساجد کی واکزاری اور مذہبی اوقات کی بحالی پر تمام دن بحثیں ہوتی رہیں۔ مولانا مرحوم جلسہ میں شریک بھی تھے اور نہ بھی تھے۔ اٹھتے، لیٹے، بیٹھے مشورہ دیتے رہے ہر گھر کو سمجھاتے۔ ہدایتوں کا سمندر تمام دن جوش مارتا رہا۔ اور مہمانوں کی پر تکلف میزبانی الگ متوجہ کر رہی تھی۔ کبھی گھر کے اندر جاتے اور پھر آکر بیٹھتے یا لیٹتے۔ عرصہ سے بیماریوں کی وجہ سے نقاہت کافی تھی۔ مگر بہت مردان جوانوں کو شرماتے تھے۔ مہینوں کے بعد نماز عصر، جناب قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی اقامت میں کھڑے ہو کر پڑھوائی اور قاری صاحب سے دیر تک تخلیہ میں گفتگو کی۔ بعض احباب کو جانے سے رد کا جس میں خصوصیت کے ساتھ قاضی زین العابدین صاحب میرٹھ، سید محمد احمد کاظمی ایڈووکیٹ و ممبر پارلیمنٹ الہ آباد، راقم الحروف اور بعض دیگر احباب تھے۔

۲ ستمبر کی صبح بعد نماز، کمپنی بارغ قریب دہلی اسٹیشن پیدل چل قدمی کو گئے اور وہاں ہندو احباب کے مجمع میں بیٹھ کر سیاسیات حاضرہ، مسئلہ ہنسویز پر پُر جوش گفتگو کی اور واپس پھر پیدل تشریف لائے۔ راقم الحروف ہمراہ تھے۔ ہر ملاقاتی سے راستے میں سلام و کلام، مزاج پر سی اور مصافحہ

کرتے آئے وہ جو گھر دس کے سامنے بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے اور مولانا پر جن کی نظر بھی نہ پڑتی ان کو بھی سلام مسنون کر کے مصافحہ کرتے۔ خیریت پوچھتے۔ تمام راستہ چاندنی چوک و کوچہ رحمن کا طے کیا اور مکان کے اندر تشریف لائے اور صبح کی چائے کا دسترخوان حسب معمول بچھ گیا۔ صبح کی چار پر اس دروازے پر جو شیش گنگو پہلے نہیں سنی تھی۔ بس ایک دھن تھی تو انجمن جماعت اسلام پنجاب کے دارغ ذمیل کی۔ اور صورت تو یہ تھی کہ تمام اجاب دکار کن گردہ متحد و متفق ہو کر اسی جوش و صداقت، ایشاد و جانفروشی سے کام کریں جو مجلس احرار اسلام نے کیا تھا۔ نئے ماحول میں نئے رضا کاروں کی نئی تربیت ہو رہی تھی اور وہ ہر دل میں ایک لہر اور ولولہ پیدا کر رہا تھا۔

کیا معلوم تھا کہ پانچ منٹ بعد، یہ محفل تعمیر و تنظیم و تربیت ایک مجلس عزابن جلے گی اور سارا گھر نہیں بلکہ سارا شہر مانتی ہو جائے گا۔ اور ٹیلیفون کی برقی لہریاں اس بطل حریت کی مفارقت دائمی کی خبر حسرتناک گونج کے ساتھ دہلی اور دس سرزمین کے شہر اور دیہات سے تمام ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ تمام دنیا میں نشر کریں گی جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ صفحے کے صفحے سیاہ ہو گئے۔ مگر یہ دارغ مفارقت تازیت دھل نہ سکے گا۔

مولانا مرحوم کی ذات گرامی سے قدرے میری واقفیت مجلس احرار پنجاب کے اجلاس میں آنے کے وقت سے تھی۔ پہلے خانبانہ ایک سیاسی عالم لیڈر کی حیثیت سے۔ پھر بہترین مجاہد اور قید و بند کے عاشق اور آزادی کے دلدادہ کی حیثیت سے، مگر ۱۹۴۷ء سے جب کہ مولانا نے دہلی آکر سکونت اختیار کی بہت قریبی تعلقات قائم ہو گئے اور اس پریشانی اور بے خانمانی کی حالت میں بھی مولانا کے کردار و گفتار کی نمایاں خصوصیتیں ہندوستان اپنی مثال نہیں رکھتی تھیں۔ مولانا کی بہترین خوبی اور مخالفین کی نظر میں تکلیف دہ خصوصیت ان کی بیباکی اور جرأت تھی۔ سخت مگر سچی بے لوث باتوں کو حق و صداقت کے ساتھ حکمرانوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ مولانا کی زبان نے کبھی قصور نہیں کیا اور اس راہ میں جان و مال کی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا بلکہ جنھوں نے ان کے آخری لمحات دیکھے ہیں اور ڈاکٹروں نے مرحوم کو قبض روح کے فوراً بعد دیکھا ہے، وہ اس کی تصدیق کریں گے کہ کسی گہرے خیال نے آخری لمحات میں بھی دماغ پر ایسا اثر ڈالا کہ دماغ کی رگ پھٹ گئی اور جاں بحق تسلیم کر دیا اور گویا صورت حال سے یہ کہہ گئے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مولانا محمد علی مرحوم کی موت کی جو وجہ بتلائی جاتی ہے اور مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی موت کا باعث زیادہ تر وہی عناصر معلوم ہوتے ہیں یعنی دُور ہجرت و مارغ۔ جو گہری فکر و خیال سے پیدا ہوتا ہے۔ جس کو دماغ کی نرم و نازک رگیں برداشت نہیں کر سکتیں اور پھٹ جاتی ہیں۔ خصوصاً جب کہ انسان مدت سے ہر قسم کے مرض و آلام کا شکار ہو۔

مولانا خدمتِ خلق کے زندہ مجسمہ تھے اور آخری سانس تک اس فرض کی ادائیگی میں مشغول رہے۔ مرنے کے چند دنوں قبل سے بس وہی مسئلے زیرِ غور و موضوع بحث تھے، انجمنِ جماعتِ اسلام پنجاب کا قیام اور کارکنان و رضا کاران کی تنظیم و تربیت کا مسئلہ۔ مولانا کے صاحبزادے جب وقت پر دوا نہیں کھلانا چاہتے تو فرماتے کہ مجھے کو اب دواؤں کی ضرورت نہیں ہے۔ بس صرف ہر سوئزر کے متعلق خبریں سنا دیا کرو۔ کبھی جوش میں تمام حاضرین سے کہتے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ مسجدوں میں نہر دوا اور اس کی حکومت کے لئے دعا کریں۔ کیونکہ آج مسلم قوموں اور ملکوں کا معادنِ پندت جو اہل لال نہر دوا اور اس کی حکومت سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں ہے۔ کبھی یہ کہتے کہ میری زندگی کے صرف دو مقصد تھے۔ ایک انگریزوں کی غلامی سے ہندوستان کو آزاد کرنا۔ دوسرے مسلم ممالک کو یورپ کے پنجہ استیاد سے نکالنا۔ ہندوستان بھرا اللہ آزاد ہو چکا۔ اب نہر سوئزر مصری قومی ملکیت میں جانے کے بعد مسلم ممالک بھی یورپ کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے۔ بس اب میری زندگی کا مقصد پورا ہو گیا۔

یہ بھی ایک عجیب واقعہ ہے کہ مولانا نے اپنے تمام دنیاوی تعلقات اور معاملات کو صاف لفظوں میں یہ کہہ کر طے کیا کہ پہلی ستمبر سے مجھ سے کوئی واسطہ نہیں رہے حساب چکا دیا۔ ہر ملازم کو تنخواہ دے دی۔ ہر تعلق کو صاف کیا اور کہا کہ اب میرا کوئی سروکار نہیں رہا۔ مکان کا کرایہ، بجلی، پانی کا بل، بازار کا حساب کتاب، کوئی چیز نظر سے اچھل نہ تھی۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی شخص اپنی زندگی کا چارج دے رہا ہو۔ اور زندگی سے بے تعلق ہو رہا ہو۔ کبھی غلابیہ کہتے کہ جب میں نے کسی مکان کو آراستہ کیا تو وہاں سے نکالا گیا۔ یہ کوچہ رحمن کا مکان بہت آراستہ اور عافیت دہ ہو گیا ہے۔ اب دیکھتا ہوں کس طرح یہاں

سے نکلتا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ یہ بے خانماں، وطن میں بے وطن، مسافر، مہاجر، مجاہد، شہید حریت کوچہ رحمان سے کس طرح نکلا۔ عہد عاشق کا جنازہ تھا بڑی دھوم سے نکلا۔ کوچہ رحمان سے نکلا۔ اور دیارِ رحمن میں جا کر وصل بالرحمن ہو گیا۔

مولانا کی ذات ایک مخصوص و ممتاز مدرسہ خیال و فکر و عمل تھی۔ اخباروں کے مدیر اور نمائندہ کے ادیب مولانا کے وسیع تخیل و قوتِ عمل و تدبیر اور حکمت و سیاست کے خوشہ ہیں تھے اور باوجود صنعتِ پیری و ہجومِ امراض ان کے گرد جمع ہو کر تبادُلِ خیالی سے افادہ کرتے تھے۔ مولانا کے طرز فکر کی ممتاز خصوصیتیں یہ تھیں۔

- ۱۔ اسلامی و فارکوآزاد ہندوستان میں برقرار رکھنا۔
- ۲۔ اسلامی شعار کا قیام و نظام، خاموش عملی اور مسلسل جدوجہد سے باقی رکھنا اور فروغ دینا۔
- ۳۔ آزاد ہندوستان میں متحدہ قومیت کا تخیل پیدا کرنا۔
- ۴۔ فرقہ وارانہ منافرت کی ہر ممکن صورت کا سد باب۔
- ۵۔ انسان کو انسان کی محبت اور خدمت کی تعلیم و تربیت کرنی۔
- ۶۔ دینی تعلیم و تربیت کو مسلمانوں میں عام کرنا۔
- ۷۔ ذاتی منفعت اند منصب گیری کے حوصلوں اور ہوسوں کو پس پشت ڈھکیلنا۔
- ۸۔ اجتماعی مفاد کی قوتوں کو بڑھانا۔
- ۹۔ صداقت اور ایثار کو زندگی کا شعار بنانا۔
- ۱۰۔ ہندوستان کی آزاد جمہوری حکومت کو روز بروز زیادہ طاقت ور اور عمل پذیر بنانا۔
- ۱۱۔ تمام مذاہب کی بنیادی صداقتوں کو تسلیم کرنا۔

آپ کسی نقطہ خیال سے سوئیں۔ آپ کو ان بنیادی اصولوں سے اتفاق کرنا پڑے گا۔ مولانا کی سچی یادگاری یہ ہے کہ مولانا کی اولاد ان کے احباب اور رفقاء کار ان اصولوں کو اپنا شعار زندگی بنائے اور ایک حزبِ اندیشی کا رکنوں کا گروہ قائم کریں۔ یہ اصولی طور پر اس ملک میں فروغ پائیں۔ ہماری قومی۔ سیاسی اور مذہبی زندگی میں جو انتشار اور فرقے پیدا ہو گئے ہیں وہی ان مذکورہ بالا

اصولوں کی خلاف ورزی یا افراط و تفریط کے باعث ہیں۔ خامیاں تو ہر انسان میں ہوتی ہیں مگر خوبیوں کو پیدا کرنا اور ان پر عمل کرنا ہر انسان کا کام نہیں ہے۔

ہزاروں سال نگہ اپنی بے فوری پڑتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ در پیدا
آئیے ہم سب مل کر دعا کریں کہ مولانا مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور ہم پس ماندگان میں چھوٹے سے چھوٹا
گروہ بھی ایسا پیدا کر دے جو جہاد فی سبیل اللہ بن کر اس علم حریت و اخوت و مساوات کو بلند کرے جس کو
مولانا نے قریب قریب نصف صدی تک بلند رکھتے ہیں اپنی جان و مال سب کچھ قربان کر دیا۔ مولانا کا جسم
ہم سے جدا ہو گیا۔ مگر ان کی روح آج بھی ہماری رفاقت کر رہی ہے۔ اے کاش ہم ان کی زندگی سے خود اپنی
مردہ جانوں میں زندگی پیدا کریں اور ان جیسے جاہل و نادان کی صف میں خود کو لا کر کھڑا کر دیں۔
وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَمْوَاتٌ لَّكِنْ لَا تَشْعُرُونَ
نقطہ سید مجتبیٰ - عظمت بارہ - مظفر پور - بہار

خط ۱۷ - بمبئی - ۵ ستمبر - برادر عزیز مولوی غلام الرحمن و عزیز الرحمن صاحب - السلام علیکم
کل شام مظفری جہان سے گودی پر اترتا تو برادر م مولوی انیس الحسن سے یہ جانکاہ خبر معلوم ہوئی
کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گئے۔ قلب میں جو صدمہ محسوس کیا،

سید مجتبیٰ رئیس الاحرار کے خاص عقیدت مندوں اور دوستوں میں سے تھے اور پرانے سیاسی رفیق تھے۔
سفر حج میں ساتھ رہا۔ رئیس الاحرار کے انتقال سے دس منٹ قبل دسترخوان پر ان سے اور حاجی محمد فاروق
صاحب آکل کلاتہ والوں سے نہر سوئیر پر صدر ناصری کی کامیابی کے بارے میں گفتگو فرماتے رہے۔ سید مجتبیٰ
جناب سید محمود وزیر خارجہ حکومت ہند کے ایک عرصہ کیا میں سال تک پرائیویٹ سکرٹری بھی رہے اور
ان کی زمینداری کو دیکھتے اور کام کرتے تھے۔ سید صاحب بہترین وکیل تھے۔ انھوں نے زندگی بھر کبھی
کسی سے کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ پاکستان جا کر ان کے جواں صاحبزادے دسترخوان پر بیٹھے بیٹھے انتقال
کر گئے۔ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ ایٹمی شعاعوں پر ریسرچ کر کے بیمار پڑے تھے اور انہی شعاعوں کی وجہ
سے ان کی فوری موت ہو گئی۔ اس کے بعد سید صاحب بھی تین دن کے بعد اپنے ہو نہار بیٹے کے غم میں سفر آخرت کو
روانہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو کر دہ جنت نصیب فرمائے۔ عذرا حق محضرت کرے عجب آزاد مرد تھا (مرتب)

اس کا ذکر زبانِ ادا نہیں کر سکتی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ۝

مرحوم کی شخصیت، جماعتی خدمت اور ملک و قوم کے لئے جدوجہد کے پیش نظر اہم مقام رکھتی تھی۔ ان کی وفات بلاشبہ ملک و ملت کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو فردوسِ اعلیٰ عطا فرمائے اور آپ سب بہن بھائیوں، عزیزوں اور دوستوں کو صبر جمیل بخشے۔ واللہ اعلم۔ تعزیت پیش کرتی ہیں۔ برادر عزیز مولوی عزیز الرحمن اور سب بھائیوں اور بہنوں سے سلام مسنون کے بعد میری جانب سے یہی کلمات تعزیت پیش کر دیئے۔ دعا گو شریکِ غم محمد حفظہ الرحمن ناظم جمعیتہ علماء ہند۔ ممبئی

خط نمبر ۳۷۔ علی گڑھ۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم بندہ جناب مولانا محمد احمد صاحب رحمانی۔ السلام علیکم دیگر اُن کے آج بعد نماز فجر مسجد مرزا صاحبان محلہ ترکمان دروازہ علی گڑھ میں مسلمانانِ شہر کا ایک تعزیتی جلسہ ہوا۔ قرآن خوانی کے بعد مندرجہ ذیل تجویز پاس کی گئی۔ جلسہ کی صدارت کی خدمت اس ناچیز نے انجام دی۔ تجویز۔ ”اس حادثہ سے جو حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کے سانحہ ارتحال سے ملک اور قوم کو پہنچا اللہ ناقابلِ تلافی نقصان پیش نظر ہے اس کا اظہار کرتے ہوئے یہ جلسہ مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے اور دستِ بدعا ہے کہ مرحوم کی روح پُرنور کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ یہ جلسہ مولانا کے پس ماندگان سے اظہارِ ہمدردی کرتے ہوئے ان کے غم و اندوہ میں اپنی شرکت کا اظہار کرتا ہے۔

نقطہ السلام۔ ڈاکٹر سراج الحق قریشی (ایم۔ اے، پی، ایچ ڈی) بالائے قلعہ۔ علی گڑھ۔

خط نمبر ۳۸۔ ترجنالی۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر محترم۔ السلام علیکم۔ انوار کو ریڈیو پر قبلہ ام حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی صاحب کی رحلت کی خبر سنی۔ اس وقت سے برابر مجھے مرحوم کی شخصیت پسران کے مربیانہ سلوک کا خیال رہ رہ کر تازہ رہا ہے۔ پھر جب آپ کا اور دوسرے احباب کا خیال کرتا ہوں تو یہ صدمہ کچھ اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ میں دہلی سے یہاں اس قدر دور ہوں کہ ایسے موقعوں پر حاضری کی سعادت سے بھی محروم ہوں۔ بہر حال یہ میری بہت بڑی بد قسمتی ہے۔ ایسے چند لمحات سے مجھ اپنے ”پیر دہسی“ ہونے کا بہت ہی شدید احساس ہوتا ہے۔ خدا کرے کہ حالات آپ سے قریب کر دیں۔ اس حادثہ پر کیسے آپ سے تعزیت کروں اور کیوں کر آپ کا غم کروں۔ یہ محض آپ ہی کے لئے نہیں بلکہ ہم سب کے لئے اور کم از کم میرے لئے بہت

سخت صدمہ ہے۔ اب اس کا احساس ہو رہا ہے کہ میں اپنے کیسے بے غرض (اور ان تھک مری سے محروم ہو گیا
خدا مرحوم کو ان نخلصانہ خدمات پر جو زندگی بھر مرحوم نے انجام دیا بلند سے بلند درجات عطا کرے اور ہم سب
اجباب متعلقین اور پس ماندگان کو توفیق دے کہ اس چراغ کے بجھ جانے سے ہم اپنے دل کی روشنی اور حرارت
کو بجھنے نہ دیں۔ محترم خلیل الرحمن صاحب اور سب اجباب سے آپ میری طرف سے مناسب الفاظ میں تعزیت کہنے کیجئے
والسلام۔ سید رفیع الدین احمر ایم۔ اے (ریسرچ اسکالرشپ علی گڑھ) صدر شعبہ اردو

جمال محمد کلج۔ تہ چٹاپلی

خط نمبر ۷۔۔ فیض آباد۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ صدیق مکرم مولانا سعید الرحمن و مولانا محمد احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی۔ کل اخبار قومی آواز کے ذریعے آپ کے والدہ بند گوا
مرحوم کی وفات حسرت آیات کو پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ حق جل مجدہ اپنے لطف و کرم سے حضرت مولانا مرحوم کو
ترقی درجات عطا فرمائے اور جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے اور آپ حضرات کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اس
بات کا رنج ہے کہ تجہیز و تکفین میں بوجہ بُور مکانی شرکت نہ کر سکا۔ مگر سلطان پور میں ملاقات ہوئی تھی۔ یہ اچھا
ہوا۔ عشر بعد ہند مسلم اجتماع آپ کے والد ماجد کے اظہار تعزیت میں ہوا۔ اس میں ایصالِ ثواب کیا گیا۔
اور سب نے افسوس ظاہر کیا۔ تجویز اخبارات کو بھیج دی گئی ہے۔ بہادر محترم مولانا عزیز الرحمن صاحب،
مولانا محمد احمد صاحب اور مولانا خلیل الرحمن صاحب اور عزیز بلال احمد سلمہ کو سلام مسنون عرض ہے۔
جلسہ میں یہ تجویز منظور ہوئی۔ باشندگان کا نور گنج کا یہ ہندو مسلم جلسہ رئیس الاحرار مدبر ملت حضرت مولانا
جلیب الرحمن صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور ان کی وفات
کو ملک و ملت کے لئے ایک حادثہ عظیم تصور کرتا ہے اور بارگاہ ایزدی میں ان کی ترقی درجات اور پس ماندگان
کے لئے صبر جمیل کے لئے دعا گو ہے۔ محرک۔ بشیر احمد قاسمی

خط نمبر ۷۔۔ لاہور۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مولانا عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ آج اخبار میں پڑھ کر
پہنچا کہ مولانا جلیل الرحمن صاحب لدھیانوی فوت ہو گئے ہیں۔ دل کو از حد رنج و افسوس ہوا۔ خواجہ محمد اعظم
صاحب دہلیت گئے ہوئے ہیں۔ ان کو ولایت میں خط لکھ دیا گیا ہے۔ آپ صاحبان کو خداوند کریم صبر دے

اور مولانا صاحب کو خداوند کریم بہشت میں جگہ دے۔ اچھا صبر کرنا چاہئے، اس میں کسی کا چارہ نہیں۔

خواجہ محمد اظہر دینار محمد خاں۔ ایم اعظم اینڈ سنز۔ لاہور۔

خط نمبر ۷۔ امرتسر۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرملی برادر عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ گزارش ہے کہ آج روزانہ اخبار سے قبلہ بزرگوار مولانا حبیب الرحمن صاحب کی رحلت کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ دعا ہے خداوند ان کو اپنی رحمت سے جنت عطا فرمائے۔ احقر کے کوئی کار لائق ہو تحریر فرمادیں۔

احقر محمد ابراہیم۔ فروٹ مریٹس اینڈ کمیشن اینڈ بیس۔ میوہ منڈی۔ امرتسر۔

خط نمبر ۸۔ لاہور۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم حضرت مولانا خلیل الرحمن و عزیز الرحمن صاحب

السلام علیکم۔ عرض ہے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر سن

کر دل کو از حد صدمہ ہوا جس کو تحریر میں نہیں لاسکتا۔ یہ جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا بھرنے کا مشکل ہے۔ دلی دعا ہے کہ پروردگار عالم انہیں کردار جنت نصیب کرے اور آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمادے۔

شریک غم۔ محمد رمضان (آگرہ والا) لاہور۔

خط نمبر ۹۔ سوئی پت۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بھائی عزیز الرحمن صاحب۔ جے ہند۔ غالباً ۳ ستمبر

کے ٹریبیون میں حضرت مولانا حبیب الرحمن کے اس جہان فانی سے رخصت ہو جانے کی افسوسناک خبر پڑی

جو کہ ایک اچانک بجلی کی طرح معلوم ہوئی۔ زیادہ صدمہ اس لئے محسوس ہوا کہ ابھی پچھلے دنوں مجھے ایک

دودھ خیاں آیا تھا کہ ان کو دل آؤں۔ والد صاحب کو بھی اسی لئے اور بھی صدمہ محسوس ہوا، حضرت

کا خط موصول ہوا تھا وہ بھی ملنے کا ارادہ رکھتے تھے یہاں مجھے مل کر گئے ہیں۔ بہت دکھ کا اظہار کرتے تھے۔

خبر کے پڑھتے ہی مجھے وہ ساری اپنی پرانی زندگی یاد آگئی۔ جب سے بچپن سے میں ان کے ساتھ ملتا

جلتا تھا اور ان کی شخصیت کا مجھ پر آہستہ آہستہ اثر ہوتا گیا۔ اگر آج میں ڈرتا ہوں، اسلام کو صحیح

معنیوں میں سمجھتا ہوں۔ قرآن کی تعلیم کے بخور کو جانتا ہوں۔ یہ سب کچھ ان ہی کی بدولت ہے۔ ان کی تقریر

کے خاص خاص فقرے مجھے اب تک یاد ہیں کیوں کہ میں کبھی کبھی دوستوں میں بیٹھ کر یا دیہاتی عوام کے جلسوں

میں ان کا ذکر کرتا ہوں۔ یہ جو میں مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھتا ہوں یہ سب ان کی بدولت ہے۔ کبھی کبھی یہاں

دیہات میں مجھ کو کوئی مسلمان ملتا ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ بھائی کوئی تکلیف تو نہیں ہے تو وہ تھوڑی سی
سن کر پوچھتا ہے کہ ”کیا آپ مسلمان ہیں“ میں جواب دیتا ہوں کہ بھائی نہیں، میں لدھیانہ کا رہنے والا ہوں
جہاں کے مولوی حبیب الرحمن ہیں۔ ان سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ اس وقت
ان کی آنکھوں میں ایک عجیب محبت ہوتی ہے۔ بہت سی باتیں ہیں کبھی ملوں گا تو بتاؤں گا۔ آنجنابی کو
عقیدت کے پھول چڑھانے آئے جب کوئی تو بتا دینا تاکہ اپنے دل کا بوجھ ٹھاسکوں۔ اب بھی میری آنکھیں
بھری ہوئی ہیں۔ فقط لکشمی دت کالیہ ایس۔ ای۔ اد گنور (سوئی پت)

خط نمبر ۸۔ اعظم گڑھ۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز علی عزیز الرحمن۔ دعا۔ کل اخبار میں یہ خبر پڑھی کہ جناب
مولانا صاحب کا انتقال ہو گیا۔ خبر پڑھنے کے بعد ہم سب لوگوں کو انتہائی صدمہ ہوا۔ آپ لوگوں کے رنج و غم
کا ہم لوگ اندازہ نہیں کر سکتے مولانا صاحب کا سایہ اٹھ جانے سے آپ لوگوں کو ایک بہت بڑا نقصان ہوا
خدا سے تعالیٰ مولانا کو بہترین جگہ عطا فرمائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے خلق خدا کی خدمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ
لوگوں کو صبر عطا فرمائے۔ کوشش کروں گا کہ جلد آکر آپ لوگوں سے ملاقات کروں۔ محمد نور کو آج بذریعہ تار
اطلاع کر رہا ہوں خدا سے دعا ہے آپ لوگ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں۔ آپ نے جو پہلے خط تحریر کیا
تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا تھا کہ طبیعت ٹھیک ہے اور ہم سب کو اطمینان ہو گیا تھا۔ آپ نے یہ تحریر نہیں کیا
کہ ان کی حالت یکایک خراب ہوئی اور کیا آپریشن کیا گیا تھا۔ آپ اپنے جملہ بھائی صاحبان اور بہنوں
کو صبر کی تلقین کر دیں۔ لڑکیاں، بچے اور سب لوگ سلام کہتے ہیں اور حضرت مولانا کے لئے دعائے
مغفرت فرماتے ہیں۔ مفصل حالات سے مطلع کیجئے گا۔ فقط محمد احمد محلہ کوری ٹولہ۔ اعظم گڑھ

خط نمبر ۹۔ امرتسر۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر بزرگوارم جناب عزیز الرحمن صاحب السلام علیکم
ہیں نے اپنے بزرگ و معظم مربی کے متعلق اخبار میں پڑھا ہے کہ آنجنابی بزرگوارم ہیں سب بھائی
بہنوں کو ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گئے ہیں۔ آہ یہ خبر سننے ہی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور دل
مارے غم کے اندر ہی اندر بیٹھ گیا ہے۔ یوں تو وہ تین دنوں سے تمام معتقدان صفا ماتم میں بیٹھے ہیں۔
لیکن جیسے ان کی محبت و ہمدردی کبھی بھول نہیں سکتی۔ ان کے سایہ نے مجھے والد صاحب حقیقی کی یاد

بھلا رکھی تھی، آج سے پھر وہ یاد تازہ ہو گئی اور آج میں اپنے آپ کو پنجاب میں یتیم محسوس کر رہا ہوں۔ برادرِ میرے سے زیادہ آپ سب کو ان کی جدائی کا صدمہ پہنچا ہے اور اس نقصان کی کبھی بھی تلافی نہیں ہو سکتی۔ سچ تقدیر الہی کے آگے کسی کا چارہ نہیں چلتا۔ لیکن اس بات کی عمر بھر حسرت نہیں نکل سکے گی آخری وقت ہمیں ان کی زیارت کرنی بھی نصیب نہ ہو سکی۔ لیکن اب بھی ناقص عقل جناب سے ایک التجا کروں گا۔ اگرچہ یہ رنج و محن نہایت کٹھن ہے۔ آپ اسے کبھی بھول نہیں سکتے بالآخر چاروں چار صبری کرنا پڑتا ہے۔ آپ کو نصیحت کرنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ امید ہے جناب ہر طرح سے اب صبر و قرار سے کام کریں گے کیونکہ میرے خیال میں گھر کی تمام ذمہ داری آپ پر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ شدت غم سے طبع مبارک کو نصیب اعدا کوئی صدمہ پہنچے۔ اب میں دلی دعا کرتا ہوں کہ ہم سب پس ماندگان کو خدائے ذوالجلال صبر جمیل عطا کرے اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور جنت نصیب کرے، کیونکہ ان کی شخصیت ایک مجاہدانہ اور غازیانہ درجہ رکھتی ہے۔ سب بہن بھائیوں سے یہ میری عاجزانہ درخواست کر دینا اور میں بھی آپ کا ساتھی اور شریک غم ہوں اور مجھ و ذرا افتادہ کو کبھی کبھی یاد رکھنا۔ امید ہے چند دنوں میں آؤں گا اور میری دعائے صبر قبول فرمائیں۔ صد سال نئے توانند متنا گریستن۔ آپ کا غم خوار اور غمگین بھائی۔ ایم۔ ایم شفیق

(H.F.M) گلوں گیٹ فائر بریگیڈ۔ امرت سر

خط نمبر ۸۲۔ ضلع پشاور۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ جناب مولانا خلیل الرحمن و عزیز الرحمن صاحبان السلام علیکم۔ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء کو موضع شیدو علاقہ خٹک تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور مسجد رجبیری خیل میں بہت سے علماء و فضلاء شیدو جمع ہوئے اور حضرت مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب مجاہد اعظم مرحوم لدھیانوی کے حق میں دعا و مغفرت مانگی گئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مولانا مرحوم کو عفران و رضوان میں کامل جگہ عطا فرمادیں۔ آمین یا رب العالمین۔

علماء شیدو نے اپنے مواظق قرآنی سے سب کو بہت متاثر کیا۔ جناب مولانا مولوی عبدالحمید رضا فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑا خٹک نے اپنی مبسوط تقریر میں فرمایا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی ایک بڑے پایہ کے عالم تھے، اور کفر و فجور و جالی طائفہ کی سرکوبی کے لئے ایک بہترین شخصیت کے

مالک تھے غفر اللہ لہ۔ پھر مولانا مولوی حکیم محمد حسین شاہ صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند نے اپنی مختصر تقریر میں ظاہر فرمایا کہ مولانا مرحوم لدھیانوی قابل عین ہیں۔ اب مجاہدانہ زندگی بسر کر کے واصل الی الحق ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ اشارت تقریر میں باتفاق آراء علماء تجویز پاس کی گئی کہ یوپی (ہندوستان) میں ایک گستاخ دریدہ دہن نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ ہمارے صوبہ سرحد کا بچہ بچہ اس حرکت ناشائستہ کو قہر و غضب کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس حرکت ملعونہ پر لعنت و نفرین بھیج کر پڑا الفاظ میں مذمت کرتا ہے۔ آخر میں صدر جلسہ نے نہایت خلوص قلب کے ساتھ اور سامعین حضرات نے آمین کے ساتھ بارگاہ خداداد قدوس میں دست دعا اٹھائے اور جمیع حضرات نے یہ خواہش ظاہر کی کہ خداوند کریم مولانا مرحوم کی صفات حسنہ ان کے دارثوں کو عطا فرمائیے۔ آمین۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ بندہ خورشید علی فاضل دارالعلوم دیوبند موضع شیدو تحصیل نوشہرہ

ضلع پشاور۔ مغربی پاکستان

خط نمبر ۸۳۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرم محترم جناب مولانا مولوی خلیل الرحمن صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی خبر ریڈیو پر سن کر بہت صدمہ غم، رنج و الم ہوا۔ تمام شہر میں ہوا کی طرح ایک دوسرے کو افسوس اور صدمہ کا اظہار ہوتا رہا۔ ایسے مشفق ہر بان، رحیمانہ کریمانہ طبیعت والے دنیا سے رحلت فرما گئے۔ صبح ہوتے ہی مدرسوں میں قرآن شریف پڑھ کر ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی گئی۔ یہ صدمہ عظیم قوم کو، ملک کو اتنا بڑا پہنچا ہے جس کی تلافی ہونا مشکل ہے۔ خاص کر ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے تو پناہ گاہ تھی۔ اتنی طبیعت متفکر ہے۔ کبھی لدھیانہ کو دیکھتا ہوں کبھی دہلی کو دیکھتا ہوں۔ ہر وقت اسی پریشانی میں ہوں۔ سوائے صبر کے اور کیا چارہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ نصیب فرمادیں اور سب لواحقین و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمادیں۔ آمین۔ حضرت کی بیماری کی کوئی خبر کسی اخبار میں بھی نہیں آئی، دفعۃً اس حادثہ عظیم کی خبر ملی یقین ہے مولوی انیس الرحمن ضرر موقع پر پہنچ گئے ہوں گے۔ سب صاحبان کو سلام عرض ہے۔ فقط

خط نمبر ۸ - لاہور ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء - مکرئی و محترمی جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب السلام علیکم
 قبلہ و محترم جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب کے انتقال کا پڑھ کر سخت صدمہ پہنچا۔ خداوند کریم آپ کو صبر
 جمیل عطا کرے اور مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دیوے۔ میں بھی آپ کے اس غم میں شریک ہوں
 مولانا کا نام اس دنیا میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ انھوں نے جو قربانیاں قوم کی خاطر کی ہیں وہ ہمارے سامنے ہیں
 والسلام۔ سید محمد علی شاہ لدھیانوی (چچا) حکیم محمود الحسن صاحب قلعہ گوجر سنگھ
 گلی نمبر ۳ - مکان نمبر ۵ - لاہور

مکان نمبر ۸۵ - سہارن پور ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء - برادر محترم مولانا عزیز الرحمن صاحب - سلام مسنون
 حضرت مولانا حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ ارتحال آپ کے لئے تو یقیناً ایک عظیم سانحہ
 ہے اور جو کچھ آپ کا دل محسوس کر سکتا ہے اس کا دسواں حصہ بھی دوسروں کے نصیب میں نہیں آسکتا۔
 لیکن ان کی عام شفقت اور ان کی بزرگانہ عظمت نہ جانے کتنے انسانوں کے دلوں کی گہرائی میں محسوس کی
 جاتی تھی اور آج حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عدم موجودگی ان سب دلوں میں رہ رہ کر ایک کرب اور کسک پیدا
 کر رہا ہے۔ میں ان کا ایک گستاخ خادم تھا۔ لیکن ان کی بزرگانہ شفقت مجھے ہمیشہ نوازتی رہی۔ اللہ تعالیٰ
 ان کی قبر کو اپنے انوار و انعامات سے مہر فرمائے۔ برادرِ امین حقیقی طور پر آپ کا شریک غم ہوں۔ اللہ تعالیٰ
 حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت کے ساتھ ساتھ ہمارے قلوب کو بھی صبر و طمانیت عطا فرمائے اور ہمیں
 توفیق دے کہ ہم مولانا کی بتائی ہوئی راہ پر چلیں۔ والسلام نیاز کیش۔ اسعدی (ایڈیٹر مغبتہ دارمیہ) (پانچواں نمبر)
 خط نمبر ۸۶ - علی گڑھ ۵ دسمبر ۱۹۵۶ء - برادر عزیز الرحمن و مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ
 وبرکاتہ۔ کل اچانک والد صاحب قبلہ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع ملی۔ اور یقین جانے دل دھک
 سے رہ گیا۔ اللہ اللہ کس شان اور کن اخلاق کے بزرگ تھے۔ اب ایسا شیر حریت اور مجاہد ملت پیدا
 نہ ہوگا۔ ان کی کس کس خوبی کو بیان کیا جائے۔ مجھ کو بھی یہ صدمہ بالکل اپنا ذاتی صدمہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ
 خود میرے اوپر مولانا مرحوم کی جو ذاتی شفقت تھی اب میں عمر بھر اس کو یاد کروں گا اور روؤں گا۔ اسی ماہ
 بہران میں شجرہ لکھ رہا ہوں۔

اس وقت سمجھ میں نہیں آتا کیا لکھوں؟ قلم یا را نہیں کر رہا ہے۔ مدرسہ کے طلبہ اور اساتذہ ختم قرآن کر رہے ہیں۔ حق تعالیٰ مرحوم کو صدیقین کے درجات عطا فرمائے۔ آپ اور آپ کے بھائی نام بنام میری طرف سے پیغام تعزیت قبول فرمائیں۔ آپ کا شریک غم سعید احمد اکبر آبادی۔ ایڈیٹر برہان پروفیسر شعبہ دینیات علی گڑھ یونیورسٹی

خط نمبر ۸۔ لاہور۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ جناب مولانا مولوی خلیل الرحمن و عزیز الرحمن صاحبان پسران مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم۔ السلام علیکم۔ یہ خبر جانکاہ بڑے مضطرب لمحوں میں سنی گئی کہ ہمارے شہر لدھیانہ کی ایک عظیم ہستی اور ہمارے سرتاج بزرگ عالم مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب قدس سرہ العزیز اس سرائے فانی سے عالم جادو دانی کو رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ۵ اس خبر نے عرصہ تک سکوت کا عالم رہا۔ یہ حقیقت ہے کہ ایسے مستقل رہنماؤں کی مفارقت ناقابل تلافی ہے۔ آج ہم ایک ایسے قابل قدر فخر عالم، اولوالعزم خاندان کے ایک فرد کی جدائی سے آنسو بہا رہے ہیں کہ جن کی یاد کاریں تازیت آنکھوں میں اور دل میں جاگزیں رہیں گی۔ ان چند تحریری لفظوں سے ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اور بارگاہ ایندلی میں دست بدعا ہیں کہ مرحوم مغفور کا فردوسی صحبت میں اضافہ ہو اور قدانور میں رحمت کی بارش ہو۔ آمین تم آمین۔ اور جملہ عزیزان و پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ والسلام۔ دعا گو۔ خواجہ محمد طاہر مسرت لدھیانوی۔ حال بیڈن روڈ۔ مہابیر گلی لاہور

خط نمبر ۸۸۔ چٹان۔ لاہور۔ عزیز بھائی۔ السلام علیکم۔ کل دو بجے دوپہر کھانا کھا رہا تھا تو آل انڈیا ریڈیو سے اردو خبروں کا پروگرام شروع ہوا۔ پہلی خبر تھی آج صبح ۸ بجے مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی انتقال فرما گئے۔ یہ خبر سنتے ہی میں اپنی جگہ ساکت و جامد ہو گیا۔

عزیز بھائی۔ آپ کے ساتھ اس دنیا سے میرا باپ بھی اٹھ گیا۔ کئی باتیں مجھ میں اور مولانا میں مشترک تھیں۔ میں جنگ شروع ہوتے ہی ۱۳ ستمبر ۱۹۴۹ء کو ملتان میں گرفتار کر کے منٹگری جیل میں بند کر دیا گیا۔ اور ۱۹۴۴ء کے شروع میں رہا ہو کر تھانہ انارکلی میں نظر بند رہا "صدر احرار" ۱۹۴۴ء کو گرفتار ہوئے اور ۳ جولائی ۱۹۴۵ء کو دھرم سالہ جیل سے رہا ہوئے۔ اس طرح وہ بھی پانچ سال نظر بند رہے اور میں بھی پانچ سال نظر بند رہا۔

مولانا منٹگری جیل میں چھ بارہ دریاں! چھ احاطے چھوڑ کر نظر بند کئے گئے۔ اور اخائی فدیر کے نام خواجہ محمد طاہر بزرگ مسلم لیگ کے سکریٹری تھے اور بڑے پر جوش انسان۔ لیکن رئیس الاحرار کے، باوجود دیگی ہونے کے

سے جیل میں مشہور ہوئے میں کبھی چھ احاطے چھوڑ کر ساتویں میں نظر بند تھا۔ کچھ دنوں بعد مجھے پتہ چلا کہ منگمری جیل میں کوئی افغانی دزیر نہیں "صدرا تارا" ہند میں۔ ملنے کی تدبیریں کیں راہ پیدا کی۔ ہفتے عشرے میں کامیابی ہوئی ایک جمہدار کی مدد سے یہ ملاقات خفیہ ہوتی تھی۔ مولانا نے بڑی گرم جوشی سے مخالفت کیا اور ہاتھ دلیا۔ جب میرے اور ساتھیوں کے حالات نے توان کی آنکھوں سے موتیوں کی طرح آنسو بہہ نکلے۔ فرمایا: "میں کوشش کروں گا کہ تم لوگوں کی سختیاں کم ہو جائیں، اور جیل کا عملہ انسانیت سے پیش آئے۔ تم تو تین چار ساتھی ہو، میں اکیلا قید تنہائی میں بند ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ دل و دماغ پر کوئی ملال نہیں۔ ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ قرآن پڑھتا ہوں اور قرآن کے رموز و نکات پر غور کرتا ہوں۔ تمہارے اور میرے ملنے کی ایک ہی راہ ہے کہ تم حکومت کو درخواست دو کہ میں مولانا حبیب الرحمن سے قرآن پڑھنا چاہتا ہوں۔ مولانا یہ کہہ کر تشریف لے گئے، دونوں طرف کے احاطوں کے مہیب اور خوفناک دروازے بند ہو گئے۔ یہ دروازے اس لئے بند ہوئے کیونکہ ہم ہندوستان میں "احرار" اور کانگریسی تھے۔

میں نے مولانا کے ارشاد کے مطابق حکومت پنجاب اور سرسکند حیات خاں کو لکھا کہ میں مولانا سے تفسیر قرآن پڑھنا چاہتا ہوں۔ اس کی اجازت دی جائے۔ سکند حیات نے جواب دیا نہ آپ مولانا سے مل سکتے ہیں نہ تفسیر پڑھ سکتے ہیں۔ آپ کے لئے کسی ملا کا انتظام کر دیا جائے گا۔ میں نے حکومت کے اس خط کا برا سخت جواب دیا۔

دوسری بات مجھ میں اور مولانا میں یہ مشترک تھی کہ میں اور مولانا دونوں پھانسی کے تختے پر بھی حق بات کہنے سے نہیں ڈرتے تھے۔ اور اس میں خوشی محسوس کرتے کہ اللہ کے نام کو اور کلمہ حق کو پھانسی کے تختے پر بلند کیا جائے۔ مولانا صحابہ کا خمیر اور میں صحابہ کا اسیر ہوں اور ان کے نقش قدم پر چل رہا ہوں۔ جنگ کے زمانے کی نظر بندی بھی خوب تھی۔ مولانا منظر علی اظہر قائد احرار بن بیٹھے اور خضر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب سے راہ رسم پیدا کر لی۔ شیخ حسام الدین اپنے بھائیوں کی وجہ سے رہا ہوئے۔ اور پھر نہ بولے۔ خاموشی سے زندگی گزارتے رہے۔ مولانا منظر علی اظہر نے پاکستانی حلقوں میں مقبول ہونے کے لئے حکومت الہیہ کا سرالا پا۔ لیکن یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی اور لیگ کے حلقوں نے انھیں قبول نہ کیا۔ مجھے اور مولانا کو جیل ہی میں یہ حالات معلوم ہو گئے تھے۔

منگمری سے مولانا کو دھرم شاہ جیسے جیل میں بھیج کر حکومت نے انتقام کا آغاز کیا۔ کیونکہ مولانا نے سکند حیات خاں اور میاں عبدالحی وزیر تعلیم پنجاب کو سخت چٹھیاں لکھی تھیں۔ میرا بھی یہی حال تھا مجھ پر بھی منگمری جیل میں کیا کیا نہ ستم توڑے گئے۔ مولانا دھرم شاہ جیل میں اور میں منگمری جیل میں حکومت کے خلاف ڈٹے رہے۔ ایمان اور خمداری پر آج نہ آنے دی۔ مولانا فالج میں مبتلا ہوئے اور میں سخت قسم کی پیمیش میں۔

آج مولانا اس دنیا میں نہیں ہیں پر ان کی یاد تڑپا رہی ہے۔ ایسا مجا ہد کہاں پیدا ہوگا جو پس دیوار زنداں بھی اعلیٰ کلمہ الحق کرتا رہے۔ حکومت مولانا اور مجھ کو تشدد پسند سمجھتی رہی حکومت کے فاکٹوں میں میرے اور مولانا

بھی اعلیٰ کلمۃ الحق کرتا رہے۔ حکومت مولانا اور مجھ کو تشدد پسند سمجھتی رہی۔ حکومت کے فائلوں میں میرے اور مولانا کے لئے تشدد کا لفظ استعمال ہوتا رہا۔ مولانا پر سبھاش چندر بوس سے ساز باز کرنے کا الزام تھا اور مجھے بار بار ٹی کاہم نو اٹھا گیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو مقام سرمدی عطا فرمائے اور مجھے ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا ہو میں ایک بھائی کی حیثیت سے آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں اور ایسا بیٹا ہوں جس کا مجاہد باپ بھی پانچ سال تک نظر بند رہا اور مجاہد بیٹا بھی پانچ سال تک قید رہا اور مظالم سہتا رہا۔ ان کی بہت سی باتیں یاد آتی ہیں اور مشعل راہ نہیں گی۔ ۱۹۴۶ء میں آزاد اخبار میں ان کی زندگی پر ایک طویل مقالہ لکھا تھا اور اس میں بہت سے واقعات آگئے تھے۔ اپنی زندگی پر کتاب لکھوں گا تو مولانا کا ذکر مسلسل آئے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو صبر کی توفیق دے۔ آمین

تمہارا اپنا بھائی شورش کشمیری۔ ۳ دسمبر ۱۹۵۶ء

خط نمبر ۸۹۔ سپاہ۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر عزیز۔ السلام علیکم۔ اخبارات کے ذریعہ حضرت مولانا حبیب الرحمن کے اچانک انتقال کی خبر ملی۔ سخت صدمہ ہوا۔ برادر تم ایک شفیق اور مہربان باپ کی محبت ہی سے نہیں محروم ہو گئے بلکہ مسلم قوم ایک ایسے ہمدرد رہنما سے محروم ہو گئی جس کا بدلہ شاید نہ مل سکے ایسے میرے قوم میں کب پیدا ہوتے ہیں۔

ہزاروں سال نگرس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ در پیدا

تمہارا اعظم گڑھ سے مولانا کی علالت کا نارا پا کر کیا ایک چلے جانا باعث پریشانی تھا۔ لیکن چند ہی روز بعد عمران صاحب نے بتایا کہ حالت بالکل ٹھیک ہے۔ لہذا کافی اطمینان ہو گیا تھا۔ مگر یہ کیا معلوم تھا کہ خدا کے یہاں سے پیغام آچکا ہے۔ اس کو لبیک کہنا ہی پڑے گا۔ جو سر جھکتا نہ تھا۔۔۔۔۔ ہم سب تمہارے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ باپ کی شفقت اگرچہ تم سے چھین لی گئی مگر امید ہے کہ انتہائی صبر و ضبط سے کام لو گے اور اپنے آپ کو مولانا مرحوم کا صحیح جانشین ثابت کر دو گے۔ خدا تمہاری مدد کرے اور مولانا کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین! بچوں کو دعا و پیار۔ تمہارا بھائی محمد اکرم صدیقی۔

خط نمبر ۹۰۔ مبارک پور۔ ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز محترم عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم

”من در چہ خیالم و فلک در چہ خیال“۔ اچانک بجلی کی مانند اخبارات میں یہ خبر پڑھی کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ۵ تقسیم ملک کے بعد آخری بار ۱۹۴۷ء کے آخر میں مسجد حسین آباد ہی ملتان شہر میں اتفاقیہ ملاقات ہوئی تھی، جب کہ آپ

ہندوستان کو واپسی کے لئے ہوائی جہاز میں سیدٹ محفوظ کرانے کے لئے ریاست بھادل پور سے ملتان آئے تھے۔
اس کے بعد ایک ہندوستانی وفد کے ساتھ پاکستان تشریف لائے۔ مگر باوجود کوشش کے ملاقات نہ ہو سکی۔
اب پختہ ارادہ کر رکھا تھا کہ بہت جلد دہلی جا کر نیاز حاصل کروں گا۔ چنانچہ اچھے ہفتہ گزرا مولوی انیس الرحمن
صاحب سے لائل پور میں اسی غرض سے ملا تاکہ حضرت مولانا کا دہلی کا ایڈریس دریافت کروں۔

دوران گفتگو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا نے اپنیڈے سائیس کا آپریشن کرایا ہے۔ اور یہ بھی اطلاع آئی
ہے کہ مولانا کو قدرے بخار تھا، اب صحت ہے۔ وفات کی خبر سن کر دل بیٹھ گیا۔ آنسوؤں نے اس بوجھ کو قدرے
ہلکا کیا تو ماضی کے واقعات کا وہ تمام نقشہ سامنے آگیا۔ جس وقت تحریک خلافت کے ایام میں بجوارہ ضلع
ہوشیار پور کی پولیسکل کانفرنس میں حضرت مولانا سے پہلی بار تعارف حاصل ہوا۔ راقم الحروف ان دنوں
کپور تھلہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ چند سال بعد انجمن تعلیم القرآن سلطان پور دہلی (ریاست کپور تھلہ) کی
بنیاد حضرت مرحوم کے مشورہ سے رکھی گئی اور انھوں نے ہی مولانا محمد علی جالندھری کو بطور صدر مدرس
مقرر فرمایا۔ یہ ایک دودھ تھا جو گزر گیا۔

اب امداد ہے کہ ۱۹۵۷ء کے شروع میں حضرت مولانا مرحوم کی آخری آرام گاہ پر حاضر ہو کر فاتحہ
خوانی کروں۔ اور آپ حضرات سے مل کر پرانے تعلقات کو بھی تازہ کروں مولوی خلیل الرحمن صاحب کی
خدمت میں السلام علیکم۔ الراقم فتح محمد سلطان پوری۔ مبارک پور۔ ڈاک خانہ خاص تحصیل کپور تھلہ۔
خط نمبر ۹۱۔ فیروز آباد۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ پیارے بھائی عزیز الرحمن صاحب۔ آداب۔ حضرت مولانا
کے دصال کی خبر ناچیز کو دیر سے ملی۔ پڑھ کر دلی رنج ہوا۔ خدا ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔
آمین۔ پچھلے تقریباً انیس برس سے میں ان کے زیر سایہ تھا۔ باوجود اس کے کہ میرا خیال ہمیشہ طحانہ
رہا۔ لیکن مولانا قبلہ مجھ سے بے حد انسیت رکھتے تھے۔ جس کو میں تا زندگی فراموش نہیں کر سکتا ہوں
اور نہ فراموش کرنے کی مجھ میں طاقت ہے۔ ان کا اخلاق اپنی جگہ ایک مسئلہ ہے۔ زیادہ حد ادب۔
آپ خود بھی محسوس کر سکتے ہیں کہ مجھے کس قدر رنج و غم دلتی تکلیف ہے آپ لوگوں کو خدا
تعالیٰ صبر عطا فرمائے۔ نیازمند۔ رتن لال منسل۔ فیروز آباد۔ آگرہ (یو پی)

خط نمبر ۹۲ - سہارن پور - ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء - عزیزان محترم - سلام مسنون - آج کمی روز اسی کش مکش میں گزر گئے کہ خود دہلی جا کر تعزیت کروں یا خط لکھوں۔ اسی شش دینچ میں رہا اور خیال کیا کہ اگر دہلی گیا اور وہ صورت جس کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو جاتا تھا نہ پایا تو بجز ملال و صدمہ کے کیا ہوگا۔ افسوس کہ مولانا کے مرنے کے ایک روز قبل خط ملا کہ اب بھدا اللہ اچھا ہوں اور مکان کے صحن میں ٹہل لیتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ خدا کا شکر کیا اور اطمینان ہو گیا کہ آپریشن خدانے کامیاب کیا۔ کمزوری ہے وہ بھی خدانے چاہا۔ دہلی ہو جائے گی۔ اگلے دن شیخ الحدیث سے تار کا حال جب معلوم ہوا سن کر ششدر رہ گیا۔ اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵ کہہ کر سوچتا رہا کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ کبھی میں یہ کہتا تھا کہ یہ خبر آئے کہ تار غلط تھا۔ کسی نے دے دیا، کبھی کچھ سوچتا۔ آپ لوگوں کے صدمے میں میں بھی شریک ہوں۔ مگر تحریر کچھ نہیں کر سکتا۔ عجز صبر کے کیا کیا جاسکتا ہے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب تشریف لائے ہیں۔ دور سے دیکھ کر یہ سمجھا کہ مولانا حبیب الرحمن صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ قریب آنے پر دیکھا کہ مولانا یحییٰ صاحب ہیں۔ جب یہ سوچتا ہوں تو مولانا کی یاد دل میں زیادہ آ جاتی ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد جو جو تکالیف اس مجاہد نے برداشت کیں اور ان پر صبر کیا، وہ انہی کا حصہ تھا۔ مجھ کو کئی کئی گھنٹے اور دہلی کے قیام میں بعض مرتبہ کئی کئی دن مولانا کے ساتھ ٹھہرنے کا اتفاق ہوا، مگر استقلال کے سوا کوئی بھی ناشکری کا لفظ زبان سے نہیں سنا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے خواص میں شمار فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ آپ سب حضرات کو اور ہمیں صبر جمیل عطا فرمائے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب غالباً تشریف رکھتے ہوں گے۔ سلام کے بعد عرض ہے کہ اگر یہاں سے کبھی گزر ہوا کرے تو غریب خانہ کو نہ بھولا کیجئے۔ والسلام۔ بندہ محمد یامین طیب سہارن پور

خط نمبر ۹۳ - لاہور - ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء - محترم طیب صاحب - السلام علیکم - قبلہ مولانا صاحب کی وفات کی خبر سن کر اڑھدکھ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جو ار رحمت میں جگہ دے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین - غم زدہ سید ظہور الحسن لدھیانوی

خط نمبر ۹۴ - لدھیانہ - ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء - جناب مولانا سعید الرحمن صاحب - میں نے جب یہ سنا کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا ہے، تو اس کا انتہائی افسوس ہوا ہے۔ میں آپ کے اور آپ کے تمام خاندان

کے غم میں برابر کا شریک ہوں۔ مرحوم کے لئے خدا سے دعا کرتا ہوں کہ جنت نصیب کرے اور آپ کو صبر و تحمل عطا فرمائے۔ مبارک علی آزاد لدھیانوی۔ لاہور

خط نمبر ۹۵۔ دانا پور کینٹ۔ ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرئی و محترمی مولانا خلیل الرحمن صاحب السلام علیکم
کئی روزہ ہوئے اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ دہلی میں مولانا حبیب الرحمن صاحب رحلت فرما گئے
چونکہ زیادہ تفصیل دی ہوئی نہ تھی اور نہ نام کے ساتھ لدھیانوی ہی درج تھا۔ اس لئے ہم لوگوں کو زیادہ تشویش
نہیں ہوئی اس کی تفتیش ہم عقیدت مندان کرتے رہے۔ اور اب یہ پتہ چلا کہ واقعی حضرت مولانا لدھیانوی
کا انتقال پرمال ہو گیا۔ اس خبر سے یہاں مسلمانوں میں خصوصاً شدید رنج و غم کی حالت طاری ہو گئی ہے
اور ایسی بزرگ ہستی کو ایسے زمانہ میں کھو کر ہم لوگ بڑی بے چینی محسوس کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا سے حال
ہی میں یورپی کانفرنس کے موقع پر سلطان پور میں ملاقات ہوئی تھی لیکن اتنی مختصر کہ سیری نہ ہوئی۔ اور نہ ہی
مفصل گفتگو ہو سکی۔ حضرت مولانا نے اس طرت پہلے کاموں میں کچھ دل چسپی یعنی شروعات کی تھی جس سے ہم
لوگ بڑی تقویت محسوس کر رہے تھے اور صحیح رہنمائی کے منتظر تھے کہ خدا نے حضرت کو ہم سے جدا کر دیا۔ ہم
انہر دی کو کون کہے کہ کیا ساز پنہاں ہیں اس کے کاموں میں۔ ہم لوگ اب سوائے صبر و سکوت کے کر بھی کیا
سکتے ہیں۔ دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم حضرت مولانا کو اپنے جوار رحمت میں لے اور جنت الفردوس میں جگہ دے
آمین۔ آپ حضرات سے بھی دلی ہمدردی کے ساتھ یہی استدعا ہے کہ حضرت مولانا کے لئے دعائے خیر فرماتے رہیں
خدا آپ لوگوں کو صبر کی توفیق عطا کرے۔ ہم لوگوں کے لئے بھی دعائے خیر کریں اور حسب سابق نظر عنایت۔
رکھیں اور کار لائق سے یاد فرماتے رہیں۔ نبیازمند۔ عبدالملک دکیل۔ دانا پور کینٹ

خط نمبر ۹۶۔ لاہور۔ ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بھائی محمد احمد صاحب۔ السلام علیکم۔ والد صاحب کی وفات
کا ہم سب کو بے انتہا صدمہ ہوا۔ خدا انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔ بھائی مجھے قبر برسوں گزر
گئے تھے ان کو دیکھے ہوئے۔ آخری مرتبہ انھیں لدھیانویں دیکھا تھا۔ اس کے بعد کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا
مگر ان کی صورت ویسے ہی آنکھوں کے سامنے ہے۔ ہم کو معلوم ہوا تھا کہ ان کا اپنڈے سائیں کا آپریشن ہوا ہے
کیا اس کے بعد ان کی حالت بالکل ٹھیک ہو گئی تھی یا آپریشن کامیاب نہیں ہوا تھا جو بیکارہ ان کا بارتیل ہو گیا

اچھا بھائی جو خدا کی مرضی تھی وہی ہوا۔ اس کی مرضی کے آگے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں۔ افسوس کسی کے دکھ اور درد کو کوئی اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔ اگر ایسا ہو سکتا تو میں تمہارے دکھ درد کو اپنے اوپر لے کر تمہارے دکھوں کو دور کر دیتا۔ بھائی یہ تو اسی قادر مطلق کے اختیار میں ہے تمہارے غم میں برابر کا شریک ہوں۔ افسوس دور ہوں نہیں تو تمہارے پاس پہنچتا، تمہیں تسلی دیتا۔ دنیا کا یہی دستور ہے۔ صبر کرو اور بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ میری طرف سے آپ سب بھائیوں کی خدمت میں سلام۔ والسلام۔ منصور محمد ڈرائنگ ماسٹری۔ بی۔ اے۔ دی ٹل اسکول

آر۔ اے بازار۔ لاہور

خط نمبر ۹۷۔ لاہور۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ ڈیر طیب۔ قبلہ مولانا کی رحلت کی خبر اخبار میں پڑھ کر دل کو بہت رنج ہوا۔ خدا سے دعا ہے کہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ کو دیگر برادران و ہمشیرگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ جن احباب نے بھی سنا، سب نے رنج کا اظہار کیا۔ مرحوم کی خوبوں کو یاد کر کے افسوس کرتے رہے۔ قدیر حسین، حمید اختر سب افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ دیگر برادران کی خدمت میں میری طرف سے رنج و افسوس کا اظہار کر دیں۔ والسلام۔ دعا گو سید مظہر طویل۔ مال روڈ لاہور

خط نمبر ۹۸۔ ضلع ننگر۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادران محترم! سلام سنون۔ راقم الحروف ابھی سفر حجاز سے واپس آیا۔ راستہ میں ہی مخدومنا المطاع سیدنا مجاہد اعظم حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی خبر وحشت فرمائی اور پڑھی۔ آہ۔ خدا مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا اور بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ۵۔ اللہ تعالیٰ وادخلہ الجنۃ ودفنہ بالصبر الجمیل ۵ یہاں جامعہ میں خبر ملتے ہی حضرت والد ماجد مفتی فخر اللہ صاحب رامپور نے جائے کی تعطیلات بند کر کے قرآن خوانی شروع کرادی۔ چارپانچ ختم قرآن سے ایصال ثواب کیا گیا اور حضرت والد ماجد نے قبلہ اساتذہ و طلبہ سمیت دعائے مغفرت فرمائی۔ برادران محترم مولانا محمد عبداللہ صاحب نقاری لطیف الرحمن صاحب پالڈرھری بھی سننے کے لئے آئے ہوئے تھے سب شریک غم ہوئے۔ احقر خادم دنا ظم جا مہر۔ یہ قرار داد تعزیت پیش کی جس پر قاری لطف الرحمن نے ایک رقت انگریزیاں دیا اور حضرت

مولانا مرحوم کے کمالات و محاسن پر تقریر کی اور خلافتِ قدس حضرت دالہ صاحب نے بھی کچھ باتیں بیان فرمائی
اور دیر تک خود بھی روتے رہے اور اہل مجلس کو بھی دلایا۔ یہ تعزیت نامہ سب اہل خانہ اور ازارہ جامعہ
کی طرف سے لکھتے ہوئے بعد ہزار تاسف شریکِ غم ہوں اور آپ حضرات کی استقامت کے لئے دعا گو۔
۷۔ ستمبر جمعہ کے اجتماع میں احقر راقم نے خطبہ میں حضرت مولانا مرحوم کے متعلق منسل تقریر کرتے ہوئے
جامعہ اسلامیہ منٹگری کی طرف سے تعزیت نامہ کی قرارداد پیش کی جس میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت
کی تھی اور سب حضرات نے دعائے مغفرت کی اور تعزیت میں شریک ہوئے۔ راقم الحروف خادمِ فاضل
حبیب اللہ رشید الحسینی ناظم و مہتمم جامعہ رشیدیہ، برادرانِ محترم اور حضرت دالہ صاحب سلام
مسنون عرض کرتے ہیں۔ برادرِ معظم مولانا عبداللہ صاحب ملتان اور قاری لطف الرحمن صاحب یہیں
مقیم ہیں اور حضرت دالہ صاحب دا حقر یہاں منٹگری میں قیام پذیر ہیں۔ فقط محمد احمد رحمانی لدھیانوی
مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامعہ رشیدیہ۔ غلہ منڈی منٹگری

خط نمبر ۹۹۔ لکھنؤ۔ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترمی جناب بھائی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
اخبارات سے محترمی مولانا کے انتقال پر طال کی خبر معلوم ہوئی جس سے بہت ہی صدمہ ہوا۔
إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ ۵ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ سب
کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آج کل ماموں بھی مکہ معظمہ میں ہیں اور قائم علی بھی گئے ہوئے ہیں۔ مجھے یہ نہ معلوم تھا
کہ آخری ملاقات ہے۔ فقط آپ کا خادم شیخ محمد علی۔ مینگو ہاؤس طبع آباد۔ ضلع لکھنؤ

خط نمبر ۱۰۰۔ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم جناب بھائی صاحب زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
حضرت مولانا مرحوم کے انتقال کی خبر اخبار میں بہت رنج و غم کے ساتھ پڑھی گئی۔ نانی صاحبہ اسی
روز سے اب تک ہر وقت روتی رہتی ہیں۔ سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔ دعا ہے خدا تعالیٰ مرحوم کو
جو رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ مولانا کے خطوط سے ظاہر ہے کہ وہ آخری وقت تک اسی کوشش میں رہے
کہ کسی طرح پھوپھی سے ملاقات ہو جائے۔ لیکن خدا تعالیٰ کو منظور نہیں تھا۔ نانی صاحبہ بہت روز سے بیمار تھیں
چند روز سے کچھ افاقہ تھا۔ لیکن یہ خبر سن کر پھر حالت بدستور خراب ہو گئی۔ ہم سب آپ کے ساتھ رنج و غم میں

برابر کے شریک میں۔ فقط والسلام۔ حافظ سیف اللہ نوشہرہ درکاب

خط نمبر ۱۰۱۔ ضلع مظفرنگر۔ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرم و محترم خلیل الرحمن و سعید الرحمن صاحب خلت اکبر
حضرت مولانا مرحوم لدھیانوی۔ السلام علیکم۔ اخبارات سے آپ کے قبلہ والد ماجد کے اچانک انتقال
کی خبر معلوم ہوئی۔ حضرت مولانا ہندوستان کی جس عظیم ترین شخصیتوں میں سے تھے۔ اس سے کبھی انکار نہیں
کیا جاسکتا۔ قوم د ملک کو ان کے اچانک انتقال سے جو نقصان پہنچا ہے اس کی توفانی ناممکن ہے ہی۔
مگر آپ لوگوں کو جو صدمہ عظیم پہنچا ہے۔ اس کی کمی بھی کسی طرح پوری نہیں ہو سکتی۔ ہم سب بھائی اور ہماری
والدہ ماجدہ آپ کے اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔ ہماری سب کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و برکت
سے حضرت مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں۔ آمین اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائیں
آمین۔ میں ہوں غمگین۔ مسعود حسن ایوبی خلت مرحوم مولانا احمد حسن صاحب ایوبی۔ شملہ منزل
کیرانہ۔ ضلع مظفرنگر۔ (روپی)

خط نمبر ۱۰۲۔ لاہور۔ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بخدمت جناب حضرت مولانا مولوی خلیل الرحمن صاحب عفی عنہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں نے مورخہ ۳ ستمبر کے اخبارات میں یہ خبر پڑے رنج دالم کے
ساتھ پڑھی کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی انتقال فرما گئے۔ خبر پڑھتے ہی دل کی کیفیت
کچھ ادا ہو گئی اور دل کو از حد صدمہ ہوا کہ آج ہم سے بہت صدی شخصیت جدا ہوا کہ آج ہم سے بہت بڑی شخصیت
جدا ہو گئی جو کہ پھر بھی نہ مل سکے گی۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور ان کی روح
پر اور ان کی قبر پر ہمیشہ ہمیشہ اپنی رحمت کی بارش فرمائیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اتنے بڑے عالم دین اور صرف دین
کے عالم نہیں بلکہ بہت بڑے بہادر اور بڑے رستی کا ہم سے جدا ہو جانا ہماری بد نصیبی کی ایک دلیل ہے کیونکہ
حضرت مولانا ایک بہت بڑے فاضل اور بہت بڑے مدبر انسان تھے جن کی فتح خاص طور پر پنجاب کی ایک
کونٹ سے لے کر دوسری کونٹ تک روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اور دیگر ہم سب
کو بھی استقامت اور صبر جمیل عطا فرمائیں۔ والسلام۔ مولوی نور محمد بنیان نالاسا نردن لہاری گیٹ
محلہ موہلیان ہاؤس ۳۳۵۶ ڈی۔ لاہور

خط نمبر ۱۰۳۔ لاہور۔ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء مکرمی جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم

اخبارات میں یہ خبر وحشت اثر پڑھ کر نہایت سنج و فحسوس ہوا کہ ہمارے مخلص دوست مولانا مولوی حبیب الرحمن

آخر کار زمانہ کی تاب نہ لا کر ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ سانا اللہ فانا الیہ راجعون ۵

مولانا حبیب الرحمن کے انتقال سے ہمارے حلقہ احباب میں ایک اور مخلص۔ ہمدرد اور خیر خواہ دوست کی جگہ

خالی ہو گئی۔ جس کی تلافی نہیں ہو سکے گی۔ مولوی صاحب کی زندگی کے جستہ جستہ خیالات اخبارات میں

شائع ہوئے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا مقام کس قدر اعلیٰ اور ان کا کریٹر کس قدر مضبوط تھا۔ ان کی

یہی صفات تو ذاتی طور پر مجھے معلوم ہیں۔ اس وقت ماضی کی تمام یادیں تازہ ہو گئی ہیں۔ میری اس تعزیت میں

عزیم مسٹر محمود اور گھر کے دیگر افراد برابر کے شریک ہیں۔ فقط حاجی احمد حسین۔ اچھرہ۔ لاہور

خط نمبر ۱۰۴۔ لاہور۔ ۸ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بھائی عزیز الرحمن۔ السلام علیکم۔ گزشتہ اتوار آپ کے والد محترم

کی وفات کی خبر ریڈیو پر سنی تو کانوں پر بہت گراں گزری۔ دل نہیں مانتا تھا کہ یہ خبر سچی ہے لیکن دوسرے دن

اخبار میں یہ خبر پڑھ کر یقین ہو گیا۔ قبلہ مولوی صاحب کی اچانک موت گھر میں سب کے لئے سخت صدمہ کا باعث

ہوئی۔ جہاں مرحوم نے اپنی سیاسی زندگی میں ایک خاص مقام بنایا تھا وہاں وہ ایک شفیع باپ، مہربان دوست

اور اپنے عزیز اقارب کے لئے بے پناہ شفقت اور بے لوث محبت رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریقِ رحمت

کرے اور آپ سب کو صبر کی توفیق دے۔ آمین! مجھے فحسوس ہے کہ میں خود حاضر ہونے سے محروم ہوں۔ در نہ

یقین رکھئے میری دلی خواہش تھی کہ اس صدمہ جانکاہ میں خود حاضر ہو کر میں آپ کے غم میں شریک ہوتا۔ آخر

میں مرحوم کے لئے دعا گو ہوں۔ آمین۔ عزیزی کلثوم کو میری طرف سے السلام علیکم کہہ دیں اور کہیں کہ وہ صبر

سے کام لے کیونکہ اس کے لئے بھی یہ ایک بہت بڑا صدمہ ہے۔ فقط عبدالغنی روجی۔ لاہور

خط نمبر ۱۰۵۔ راولپنڈی۔ ۸ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرمی و محترمی جناب بندہ۔ سلام مسنون۔ آپ کے خطوط

بنام مولانا محمد یوسف صاحب سے بھائی صاحب کے رخصت کرنے کی ہوش ربا خبر ملی۔ میں اگرچہ دنیاوی اعتبار

سے ایک بے حس آدمی ہوں۔ مگر حیب اس موت کے نتائج پر غور کرتا ہوں تو میرے جیسے افسردہ اور بے حس

انسان کے بھی اندھان خطا ہو جاتے ہیں۔ الفاظ نہیں کہ اپنے پورے پورے اور تکلیف دہ تاثرات کا اظہار

لے حاجی محمد حسین رئیس الاحرار کے والد کے پچاس ۵۴۹ سالہ خاص درستیوں میں ہیں۔

کر سکوں۔ سوائے اس کے کہ مرحومہ کے لئے صدق دل سے دعا کی جائے اور آپ حضرات سے صبر کی درخواست کی جائے اور کیا کیا جاسکتا ہے۔ میرے ذاتی حالات کے متعلق مولانا محمد یوسف صاحب نے شاید کچھ تحریر فرمایا تھا۔ مگر حسب عادت آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اس لئے خاموشی ہی بہتر ہے۔ باقی بہر حال گزر رہی ہے۔ زیادہ آداب۔ حافظ محمد اسماعیل صاحب مدرس مدرسہ انوریہ بھی اظہار غم میں برابر کے شریک ہیں اور بھائی عبداللہ صاحب بھی بہت زیادہ متاثر ہیں۔ الجمعۃ اگر جاری کر سکتے ہوں تو کرا دیں۔ زیادہ سلام و نیاز۔

مشتاق احمد لدھیانوی

خط نمبر ۱۰۷۔ شملہ۔ ۹ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ جناب بھائی عزیز الرحمن صاحب۔ قبلہ والد صاحب کی رحلت کی اندوہناک خبر اخبار کے ذریعہ ملی۔ حد درجہ افسوس اور غم ہوا۔ مولاناؒ کی رحلت نہ صرف عزیزوں، رشتہ داروں اور ان گنت دوستوں اور مداحوں کے لئے ہی باعث غم و افسوس ہے بلکہ ملک و قوم کے لئے بھی ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ہمیں تو خاص طور پر رنج ہے کہ یکایک تبادلہ ہونے کی وجہ سے آخری بار زیارت بھی نہ کر سکے۔ ہماری طرف سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو آغوش رحمت بخشے اور رشتہ داروں اور دوستوں کو صبر جمیل۔ ہماری ہمدردی اور اظہار افسوس ازراہ کرم سب بھائیوں اور بہنوں کے گوش گزار فرما دیجئے۔

آپ کا شریک عم۔ بلبر سنگھ کادیان۔ پر بھادتی۔ شملہ

خط نمبر ۱۰۸۔ لدھیانہ۔ ۹ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مولانا محترم۔ جے ہند۔ ابائے اقدس کی وفات نے شدید صدمہ پہنچایا ہے۔ اس آہ و شبن میں گھر کا ہر فرد شامل ہے۔ بابو جی۔ بی بی جی۔ لیڈر صاحب اور باقی عزیزان ہر وقت آج کی تدفین کرتے ہیں۔ آپ یقین مانئے کہ اس ہوش و باور و دلخراش خبر کو سننے کے لئے ہم میں سے اب بھی کوئی تیار نہیں۔ وہ عموماً زندگی بھر میدان سیاست کے شہسوار رہے۔ مگر میرے لئے وہ سرمایہ تصوف بھی ابھی پھیلی بسیا کھی اٹھوں نے ہمارے ہاں کافی۔ ان کے روحانی ارشادات میرے سینے میں محفوظ ہیں۔ ان کی جدائی نے دلوں کی تاریکی بڑھادی ہے۔ اس سے زیادہ لمحہ المیہ اور کون ہو سکتا ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو جی اور صدر جمہوریہ کے بیانات پڑھ کر محترم کی عظمت درخشاں ہو گئی۔ مگر خیال جدائی نے رنج و محن کی گرم گرم سلاخ سینے پر رکھ دی۔ اب یہ کون اٹھائے گا۔ یہ خطوط رسمی ہوا کرتے ہیں۔ مگر میرا ایسا نہیں ہے۔ آخر میں آج کی جذبہٴ تو

ڈنڈرتا، بیباکی بلکہ جرأت زندانہ کے تئیں خراج عقیدت پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ انھیں جنت نصیب کرے اور آپ سب کو صبر جمیل۔ آپ کا بھائی اندر پرتا پ ایم۔ اے خلف لالہ امر ناتھ نیر۔

برلا ہوزری مل۔ لدھیانہ

خط نمبر ۱۰۸۔ کراچی۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مشفق جناب مولوی انیس الرحمن صاحب سلمہ۔ السلام علیکم
حضرت مولانا حبیب الرحمن کے انتقال پر ملال کی خبر معلوم ہو کر بے حد صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو جنت الفردوس میں ممتاز جگہ عنایت فرمادیں اور آپ سب حضرات کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ دنیا فانی ہے۔ یہاں کی ہر چیز آئی جانی ہے۔ لیکن پدرانہ سایہ سے محرومی کا جس قدر بھی رنج و ملال ہو وہ بجا ہے۔ آپ حضرات کو اللہ تعالیٰ اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔ تم آمین
حضرت مرحوم نے نیک ادلائے چھپے چھوڑ دیے جن کی دعا حضرت مرحوم کے لئے انشاء اللہ توشہ آخرت کا کام دے گی۔ میری طرف سے اپنے سب عزیزوں کی خدمت میں تعزیت کا پیغام عرض کر دیں۔ میں آج صبح خیبر میل سے یہاں پہنچا ہوں۔ انشاء اللہ ۱۳ کی شام کو واپس لاہور روانہ ہوں گا۔ خاکسار عبد الحمید۔ سمرٹ ہاؤس۔ کراچی
خط نمبر ۱۰۹۔ ضلع میرٹھ۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب

۱۳ رجون کو شہری جمعیتہ علماء کی مجلس نظمہ کی میٹنگ بصدرارت جناب شیخ محمد اصغر الحسینی صاحب کے منعقد ہوئی جس میں حسب ذیل رزلوشن پاس ہوئے۔

۱۔ یہ جلسہ حضرت مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کے انتقال پر ملال پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور حضرت مولانا ددیگر پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

۲۔ یہ جلسہ جناب محترم مفتی محمد اسحاق صاحب کو شہری ناظم اعلیٰ سے استعفا پیش کرنے پر اظہار افسوس کرتا ہے اور حکیم سید عبدالرحمن صاحب برنی کو با اتفاق ناظم اعلیٰ تجویز کرتا ہے۔

۳۔ یہ جلسہ تمام ماتحت حلقوں کو ہدایت کرتا ہے کہ اخبار الجمعیتہ کے زیادہ سے زیادہ خریدار بنائیں۔

۴۔ یہ جلسہ آفس کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ وہ رمضان المبارک کے لئے ایک جستری جلد سے جلد طبع کرا کر

شہر دیگر مصافحات میں شائع کرے۔ منجانب شہری جمعیت علماء میرٹھ۔

خط نمبر ۱۱۔ مری نگر۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بسا در عزیز۔ السلام علیکم۔ میں کل علاقائی دورہ سے واپس ہوا تو
محترم حافظ علی اور خاں صاحب سے سیدالاحرار مولانا حبیب الرحمن صاحب کے سانحہ ارتحال کا علم ہوا۔ سکتہ کا عالم
طاری ہے۔ کہیں تو کیا کہوں ان کی تیس سالہ رفاقت کا ہر نفس سامنے ہے۔ بزرگانہ عنایتوں کا نقشہ ذہن میں ہے
جہاں دنیا کی تاریخ نظروں میں ہے۔ کس کس گوشہ پر توجہ دوں۔ جب تک وہ زندہ تھے سب کچھ رہتے تھے جب
وہ ہم میں نہیں رہے تو ہم کچھ نہیں رہے۔ دماغ اتنا متاثر ہے کہ نظم کہنے گیا مگر اشکوں کی طغیانی سے بوکھلا گیا
اگر زندگی کا ہر سانس ان کا تذکرہ کرنے میں صرف ہو تو ان کی حیات کا ایک حصہ بھی شاید بیان نہ کر سکوں۔
ان نلساۃ حالات میں ان کی بے حد ضرورت تھی۔ قصداً قدر کے نظام میں نہ گنجائش ہے نہ دنیا و مکان میں۔
خدا ہم سب کو صبر دے۔ خلیل میاں۔ انیس اور سب عزیزوں کی خدمت میں دلی جذبات اور صبر کی تلقین کرتا
ہوں۔ دولا نا کی مغفرت کا مجھے یقین ہے۔ آپ کے لئے صبر کی دعا کرتا ہوں۔ اور جانشہ ہری سرفراز کٹر سنی
خط نمبر ۱۱۔ بیٹوا۔ ۱۲ ستمبر۔ مکرّمی عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ مجھے دہلی کے ایک خط سے ابھی علوم
ہوا کہ یکم ستمبر ۱۹۵۶ء کی صبح مولانا حبیب الرحمن صاحب کا انتقال ہوا۔ اس خبر سے مجھے کو بہت صدمہ ہوا۔
مولانا مرحوم کا دم ہر زمانے میں غنیمت تھا اور ان کی رائے بعض معاملات میں بہت پختہ ہوتی تھی۔ افسوس ہے
کہ ہم اب ان کی رہنمائی سے محروم ہو گئے۔ خدا سے دعا ہے کہ آپ کو اور آپ کے سب خاندان کو اس حادثہ کو برداشت
کرنے کی سکت دے اور صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ اپنے سب بھائیوں کو میرا پیغام تعزیت پہنچا دیجئے۔

آپ کا شریک غم۔ عبدالحمید جلیو

خط نمبر ۱۱۔ ضلع دھاروار۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم المقام زیاد بھائی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مراج اقدس۔ عرض ہے کہ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء بعد نماز مغرب جامع مسجد مہلی میں مفسر القرآن مولوی ریاض احمد
صاحب فیض آبادی کی صدارت میں پیرزادہ گوہر مرحوم حبیب الرحمن صاحب کا تعزیتی جلسہ منعقد ہوا۔ حاضرین کی تعداد
کثیر تھی۔ صدر محترم مولوی ریاض احمد صاحب مدرس انجمن درس القرآن مہلی نے مرحوم کی سیاسی و مذہبی
کارگزاری پر روشنی ڈالی اور ایصال ثواب کیا و نیز دعا کی کہ خداوند کریم مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ

عنایت فرمائے اور جملہ توفیقیں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ فقط انجمن درس القرآن۔ ممبئی۔ ضلع دھاردار
 خط نمبر ۱۱۳۔ حیدر آباد دکن۔ ۱۴ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز مكرم۔ کل کے منقاری اخبارات میں حضرت مولانا مرحوم
 مغفور کی رحلت کی خبر پڑھی۔ ۲۱ اگست کو حضرت مرحوم نے فرزند اکبر کی رحلت کے موقع پر پیغام مہر دی ودانہ
 کیا تھا کیا خبر تھی کہ یہ آخری خط ہے۔ مطلع یہ کیا تھا کہ پہلے سے اب بہتر ہوں لیکن کمزور کافی ہوں۔ غالباً میرے
 اور مولانا کے جو مخلصانہ و بندگانہ تعلقات تھے اس سے بخوبی واقف ہوں گے۔ مجھے حضرت کی رحلت کا انتہائی
 مصدمہ ہے۔ امید ہے کہ آپ سب بھائی صاحبان ان تعلقات کو میری تاجبات باقی رکھیں گے۔ ارے کی رحلت
 نے میری زندگی میں کافی خلا پیدا کر دیا ہے۔ میں بھی بظاہر زیادہ بہتر نظر نہیں آتا ہوں۔ صحت کی خرابی تو عرصہ
 سے مجھے محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن ان دفعات حادثات نے میری قوت بھی زائل کر دی۔ نقل و حرکت میں بھی مجھے اب
 کافی تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔ خدا کی قوت، کم خرابی کی تسکایت یہ کچھ اچھے آثار نہیں ہیں۔ مولوی عزیز الرحمن
 سلمہ سے بھی میرا پیام کہہ دیجئے۔ اور دوسرے بھائیوں کو بھی مطلع کر دیجئے کہ میں مولانا کے غلص ترین
 نیاز مندوں میں ہوں۔ میں یہاں کی زندگی سے برداشتہ خاطر ہو گیا ہوں اور دہلی کا قیام بھی میرے لئے سوہان
 روح ہو گا۔ مگر بعض ضروریات مجبور کر رہی ہیں کہ میں دہلی کچھ دنوں کے لئے ضرور آؤں۔ مولانا اب دنیا میں نہیں
 ہیں۔ درنہ مجھے آئندہ زندگی کے لئے ان کا پروگرام میرے لئے ہر طرح قابل قبول ہوتا۔ دہلی سے عزیز نے نیز
 دیگر اہل وطن نے سوائے مولانا کے مغفور کے کسی کو پیغام مہر دی بھیجنے کی توفیق نہیں۔ یہاں مقامی لوگ اب
 تک برسلسلہ تعزیت آتے رہتے ہیں نیز باہر سے خطوط کا ایک سلسلہ جاری ہے۔ میں یہ خط حضرت مولانا مغفور ہی
 کے پتہ پر بھیج رہا ہوں تاکہ تمام خاندان مطلع ہو جائے۔ مولانا دفن کہاں کئے گئے اور رحلت کب ہوئی اور کن کن
 لوگوں نے شرکت کی سب مفصل تحریر کیجئے۔ حکیم انوار دہلوی

خط نمبر ۱۱۴۔ لاہور۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرّمی برادر مرحوم سید الرحمن صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
 طالب خیر بخیر۔ حضرت مولانا کے انتقال کی خبر سے بے حد مصدمہ ہوا۔ اسی روز سے دہلی حاضر ہونے کا
 ارادہ ہے۔ مگر آج کل میں ابھی تک حاضری نہ ہو سکی۔ چند روز ہوئے مولانا محمد حسن صاحب بھادوں پور والے
 دہلی تشریف لے جا رہے تھے ان سے عرض کیا تھا اس ہفتہ کو ہوائی جہاز سے دہلی حاضر ہوں گا آج ہفتہ ہے

سیٹ بک ہے۔ مگر اتفاق یہ ہوا کہ تبلیغی دستوں نے امریکہ کی انٹوسمنٹ کے لئے صرف ایک دن کے وعدہ پر پاسپورٹ داخل کروا دیا جس کو چار روز ہوئے ہیں ابھی واپس نہیں ملا ہے اس لئے مجبوری ہے۔ آج بھی غری نہیں ہو رہی۔ ایک ساتھی آرہے ہیں جن کے ذریعہ عریضہ ارسال ہے۔ پاسپورٹ ملنے پر انشاء اللہ جلد حاضر ہونے کی سعی کروں گا۔ دعا فرمائیں۔ چچا مولانا محمد حسن صاحب کو ہندوستانی کرنسی کے مبلغ ۲۵ روپے دہلی واپسی کے وعدے پر دیئے تھے وہ آپ وصول کر کے امانت رکھیں۔ والسلام محمد افضل علی۔ لاہور خط نمبر ۱۱۵۔ مکہ۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزی سید الرحمن صاحب سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آہ خاتم آہ۔ افسوس کہ آپ کو تعزیت کا ایک خط لکھا تھا۔ جواب نہ آنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خط نہیں پہنچا۔ آہ! مولانا مرحوم کے انتقال نے ایک مجاہد کی جگہ ایسی خالی کی جس کی مستقبل قریب میں سخت ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت نامہ سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔ میں دو ماہ سے سخت علیل تھا۔ اب چلنے پھرنے کے قابل ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ میرے لائق جو خدمت ہو فوراً مطلع کیجئے۔ فقط اصغر محمد۔ حکیم سید معراج الحسن بی۔ آئی ایم۔ ایس۔ محلہ شامیہ۔ مکہ مکرمہ

خط نمبر ۱۱۶۔ سہارن پور۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادران مکران۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج مبارک۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی اطلاع ۲ ستمبر کو بذریعہ تار مجھے موصول ہو گئی تھی۔ اس کے بعد تفصیلات اخبار کے ذریعے معلوم ہوئیں۔ اسی وقت حاضری کا قصد کیا تھا اور برابر حاضری کا ارادہ رہا۔ مگر بعض مصروفیتوں کی وجہ سے اس وقت ارادہ حاضری کا ملتوی کرنا پڑا طبیعت پر شدید تقاضا تھا کہ کم از کم اپنی شرکت غم کا اظہار بذریعہ عریضہ ہی کر دوں۔ اس لئے عریضہ ارسال کرتا ہوں۔ مولانا کی وفات کا بے حد طبیعت پر اثر ہے۔ یوں تو دنیا میں جو آیا ہے جانے ہی کے لئے آیا ہے۔ آدمی بہت کم ہیں۔ آدمی مناسب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو بڑے کمالات سے نوازا تھا۔ ان کا خلوص اپنی جگہ مسلم تھا۔ مجھ سے بہت محبت فرماتے تھے اور مجھے اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ آج ایک زبردست ہستی کے سایہ سے ہم محروم ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو اپنے قرب سے فوازع اور حضرت دالا کے درجات عالیہ میں بیش از بیش ترقی عطا فرمائے۔ لفظوں میں تعزیت کا اظہار کروں۔ بہر حال آپ کے غم میں برابر کا شریک

ہوں۔ انشاء اللہ بہت جلد حاضر ہو کر تعزیت کر دوں گا۔ والسلام۔ سید مسعود شاہ کھٹ۔ ضلع سہارن پور

خط نمبر ۱۱۔ لائل پور۔ ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ درپیا را

برادر م مولانا عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ عرض ہے مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کی

شب کو ریڈیو پر قبلہ مولانا صاحب کا سن کر جو صدمہ ہوا۔ خدا ہی بہتر جاننے والا ہے۔ یہ وہ صدمہ ہے جو کہ

مجھے تو صدمہ عظیم نظر آیا بلکہ دوسری میری تو سب امیدوں پر پانی پھر گیا۔ دل میں بڑی آرزوئیں تھیں، نیز

ارادہ بھی تھا کہ دوماہ تک قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ عرض کرتا۔ مگر افسوس خداوند عالم کو منظور نہ تھا

خدا ہی بہتر جاننے والا ہے۔ دعا ہے خداوند کریم قبلہ کو فردوس بریں میں جگہ دے، آپ کو اور سب کو صبر جمیل

عطا کرے۔ آمین ثم آمین۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ط اور آج سے ہندوستان آنے کا خیال ترک

کرتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم آپ کو صبر دے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے آمین

سب کو درجہ بدرجہ سلام۔ بچوں کو دعا۔ برادر محمد رمضان عرف جان کی طرف سے بھی افسوس ہے۔

آپ کا شریک غم۔ لطیف لدھیانوی۔ لائل پور

خط نمبر ۱۱۸۔ امرتسر۔ ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر محترم۔ سلام سنون۔ اسی وقت مولانا عبادت صاحب

میری عبادت کو آئے تھے اور اس سے قبل حضرت قبلہ کا ایک گرامی نامہ شرف صدور لایا تھا۔ مگر میری بد قسمتی

کہ علالت کی بنا پر حاضر نہ ہو سکا اور مزاج پر سی بھی نہ کر سکا۔ مولانا کی زبانی اس حادثہ جانکاہ کی اطلاع ملی

کہ حضرت نے اس دار فانی سے سفر آخرت کیا۔ بزرگوں کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ جانا ہماری عین بد قسمتی

ہے۔ مجھے اپنی شوخی قسمت پر افسوس ہے کہ میں قدم بوسی نہ کر سکا۔ خدا کی مرضی۔ خدا مولانا کو اپنی جوار رحمت

میں جگہ عطا فرمائے اور آپ سب برادران کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔ آمین! دیگر برادران گرامی کو بھی

مضمون واحد ہے۔ اب حضرت جیسا مخلص ہمدرد اور سرپرست ہمیں نصیب نہیں ہو سکتا۔ میں خود غلیل ہوں اور

اخبار وغیرہ بھی نہیں دیکھتا۔ اس بنا پر علالت وغیرہ کا حال نہ معلوم ہو سکا اور نہ انتقال کا۔ اور اپنی مجبوری

علالت اور بد نصیبی کی بنا پر حاضری سے معذرت رہا۔ فقط۔ آپ کے غم کا شریک آپ کا پیرزادہ شردت رضوی امرتسر

خط نمبر ۱۱۹۔ ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ دیوبند۔ برادران محترم۔ سلام مسنون۔ ابھی ابھی واپسی سفر پر
 حادثہ جانکاہ کا علم ہو کر ناقابل بیان صدمہ ہوا۔ ایک ایسے مخلص، صادق، مرنی قوم کا ایسی حالت میں جبکہ
 حیات و زیست کی کش مکش اور عین الرجاء و اسخوف کی حالت طاری ہو اپنے مربیوں سے مفارقت ہو جانے پر
 جس قدر الم و رنج کیا جائے کم ہے۔ یہ حادثہ فاجعہ سطور کے بیان میں ہرگز نہیں سما سکتا بلکہ قلوب کے تحمل
 سے بھی بالاتر ہے۔ آپ ہی نہیں بلکہ پوری قوم بالخصوص مسلم اور اخص خصوص جماعت دیوبند کو غم میں مبتلا کر دیا
 ہے۔ بہر حال تقدیر الہی و حشمت الہی ہمہ آں غالب ہے۔ دست بدعا ہوں کہ حق تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ مقام
 عطا فرما کر راحتوں سے مالا مال بنائے۔ اور ایسا ہی ہوگا۔ میں آپ کے ساتھ اس جانکاہ الم میں برابر کا
 شریک ہوں اور آپ سے مستدعی ہوں کہ میں اور آپ ان کے حقیقی جانشین ہونے کی سعی کریں اور جو ہم سے
 ہو سکتا ہے کہ ایصال ثواب میں کوتاہی نہ کریں۔ اسی سبق میں خصوصیت سے علاوہ اس ختم کے جو عمومی مدرسہ کی
 جانب سے ہوا تھا ختم کرا کے ایصال ثواب کیا ہے۔ تمام پس ماندگان سے میرا پیام عرض کر دیں۔ والسلام
 فقط عبدالاحد۔ دیوبند

خط نمبر ۱۲۔ ملتان۔ ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادران محترم و عزیزان مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
 کل صبح ریڈیو اور شام کو اخبارات میں حضرت اباجی نور اللہ مرقدہ کی وفات کی خبر پڑھی جس سے دل بٹھ
 گیا اور ہوش گم صدم ہو گئے۔ محترم قبلہ والد صاحب تو بے ہوش ہو گئے اور ان پر غشی طاری ہو گئی۔ اس جانکاہ خبر
 سے ایک ماہ قبل ہی حکیم عبد الحفیظ صاحب دہلوی سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے حضرت مرحوم کی صحت اور تازہ
 آپریشن کے حالات سنائے جس سے طبیعت پریشان تو تھی مگر ہماری بد قسمتی کہ قدرت نے ہمارے سروں سے اس
 بزرگ جلیل اور مجاہد اعظم کا سایہ اٹھالیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سوائے صبر کے اور کیا ہو
 ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کوڑ کر ڈھ جنت نصیب کرے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور آپ اور آپ کے
 دیگر عزیزان کو صبر جمیل عنایت فرمائیں۔ جہاں آپ اپنے مشفق باپ کے سائے سے محروم ہوئے ہیں وہاں ہم بد نصیب
 مرحوم کی شفقت، کرم نوازی اور رہنمائی سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ قلیلاً والد صاحب اور بندہ آپ کے غم میں
 بلا ہر کے شریک ہیں۔ والسلام عبدالغفور۔ ملک منزل۔ پاک دروازہ۔ ملتان شہر

خط نمبر ۱۲ - دھام پور - ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - محترم بندہ - سلام مسنون - والد صاحب مرحوم کے انتقال کی خبر الجمعہ میں پڑھی یقین نہ آتا تھا۔ مگر کُلِّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ بھی مد نظر تھی۔ فوراً مدرسہ میں ختم قرآن کرایا۔ خداوند تعالیٰ مرحوم کے مدارج بلند فرمائیں اور جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ میں آپ کے اس غم میں شریک ہوں سب بھائیوں سے میرا سلام کہہ دیجئے۔ فقط والسلام - خادم حقیقۃ الرحمن - رحمانی ددا خانہ

خط نمبر ۱۲ - مدرسہ دارالعلوم دیوبند - ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - محترمی مولانا سعید الرحمن و محمد احمد صاحب السلام علیکم - اچانک والد محترم کی وفات کی خبر سنی کہ از حد افسوس ہوا۔ جب دارالعلوم دیوبند میں خبر آئی، سب کے سب اساتذہ حیرت میں ہو گئے اور اسی وقت میں سے کھڑے ہو کر ختم قرآن پڑھنے لگے۔ لے روانہ ہو گئے۔ اس کا افسوس تمام ملنے والے اور دیگر حضرات نے کیا۔ اطلاع ملنے ہی قرآن ختم کرایا۔ اس کے دوسرے روز مسجد شاہ ولایت میں اپنے ساتھیوں کو مل کر ختم کرایا گیا۔ بعد کمان کی خدمات کی طرف روشنی ڈالی گئی اور دعائے مغفرت کی گئی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت عطا فرمائے۔ ایک صدمہ والد صاحب مرحوم کا اور دوسرا مولانا خالد صاحب کی والدہ کا کیونکہ اسی روز اطلاع ملی ہے کہ ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ ان کا بھی اچانک انتقال ہو گیا ہے۔ بعد کو والد مرحوم کی خبر سنی۔ بہت افسوس ہوا۔ آنے کا ارادہ ہوا مگر وقت گاڑی کا نہیں تھا، معلوم تھا کہ جنازہ ۳ بجے چلا جائے گا۔ بھائی آپ حضرات صبر کریں اور ان کو زندہ رکھنے کی تعبیر یہ ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلیں، آپ سب کو ملنا چاہئے۔ فقط اشفاق احمد مدرسہ دارالعلوم دیوبند

خط نمبر ۱۲ - دیوبند ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - برادران مولوی سعید الرحمن و مولوی محمد احمد صاحب - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - عرض ہے کہ آپ کے والد ماجد جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم مغفور کے ساتھ انتقال کا کیا ایک جو صدمہ پیش آیا وہ بہت زیادہ موجب رنج و افسوس ہے بالخصوص جب آپ اور آپ کے دیگر برادران کے حزن و ملال کا تصور ہوتا ہے تو اور بھی زیادہ قلیں ہوتا ہے۔ درحقیقت آپ سب صاحبان کے لئے یہ ایک سخت صبر آزمائے حادثہ ہے اور یہی وہ وقت ہے کہ صبر کرنے پر بہت زیادہ اجر و ثواب ہے۔ آپ بھی صبر سے کام لیں اور جملہ پس ماندگان کو صبر دلایں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرمادے اور اپنی جوار رحمت میں جگہ

عطا فرمائے۔ اور آپ اور مرحوم کے جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ کے دوسرے بھائیوں کی خدمت میں بہت بہت سلام مسنون کے بعد مضمون واحد عرض ہے۔ میری طبیعت پند لیوم سے علیل ہے۔ دعا کا خواستگار ہوں فقط والسلام۔ احقر مولانا محمد مبارک نائب ہستم دارالعلوم دیوبند

خط نمبر ۱۲۳۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء عزیمت سلمہ تعالیٰ۔ السلام علیکم۔ آج برادر مرگے انتقال کی خبر سن کر دل جان کو صدمہ ہوا۔ بشیر احمد اور سب بھائی مرحوم کی جدائی سے غمزہ ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھائی مرحوم کو اپنی رحمت سے جنت الفردوس میں جگہ دے اور تم سب بھائیوں اور بہنوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ہم سب تمہارے غم میں شریک ہیں۔ اگر میری صحت اچھی ہوئی تو ضرور دہلی آؤں گا فقط محمد حسن

رحیم یار خاں محلہ قاضیان

خط نمبر ۱۲۵۔ رائے پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برخورداران مولوی خلیل الرحمن و عزیز الرحمن و محمد طیب و سعید الرحمن صاحب از احقر عبدالقادر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ بروز اتوار برخوردار عزیز الرحمن کے نام سے بھیجا ہوا نامہ مشتمل بر دفات حضرت مولانا مرحوم موصول ہوا۔ دیکھ کر بہت ہی صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو بڑے درجے عطا فرما کر اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ کیا عرض کروں دنیا اسی طرح آہستہ آہستہ چلی جا رہی ہے ان کا ہمیشہ انتظار رہتا تھا کہ اب تشریف لائیں گے۔ اب وہ بھی ختم ہو گیا۔ مفصل حالات سے مطلع کریں۔ آپ سب برخورداران کو یاد سب حضرات کو نام بنام سلام مسنون۔ یہاں سے تمام اجاب مثلاً بھائی الطاف، مولوی عبدالخلیل صاحب مولوی عبدالرحمن صاحب، آزاد صاحب، قاری صاحبان، مولانا فضل احمد صاحب سلام مسنونہ عرض کرتے ہیں۔ احقر عبدالقادر

(حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری دامت برکاتہم کا خط ہے)

خط نمبر ۱۲۶۔ گوجران والا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادران محترم۔ زیدت مکارمہم۔ سلام مسنون۔

مولانا مرحوم کی وفات سے ہم سب کو بے حد افسوس ہے۔ سب دوست دعائے مغفرت کرتے ہیں اور ایصال ثواب بھی حتی المقدور انشاء اللہ سب کریں گے۔ تین چار ختم قرآن آج انشاء اللہ تعالیٰ کرا دیے جائیں گے۔ آپ سب بھائیوں کے ہم شریک غم ہیں۔ مالک الملک آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ امید ہے

مولوی انیس الرحمن صاحب بھی تشریف لے آئے ہوں گے۔ میں غالباً کل گوجران والا چلا جاؤں گا۔ مہربانی کر کے ایک خط بھائی محمد احمد صاحب اس پتہ پر لکھ دیں۔ گلی پیر دلی شاہ آبادی۔ گھنٹہ گھر معرفت عبدالغنی صاحب
عبدالمنان — گوجرانوالا

خط نمبر ۱۲۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ کھاتولی۔ محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
حضرت مولانا کے انتقال پر طال کی خبر اخبار المجمعۃ میں پڑھ کر انتہائی صدمہ ہوا۔ حضرت مولانا
کا کھاتولی سے خاص تعلق تھا اور وہ یہاں ہر ایک شخص پر پوری طرح مہربان تھے۔ ان کی یاد ہمیشہ ہمارے دلوں
میں باقی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ہم سب کو صبر عطا فرمائے۔ آمین
احقر محمد طاہر حسین۔ کھاتولی

خط نمبر ۱۲۔ ملتان ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ جناب مولانا خلیل الرحمن صاحب دعوٰی الرحمن صاحب۔
السلام علیکم۔ عرض خدمت مبارک میں یہ ہے کہ رات ریڈیو پر مولانا کے انتقال کی خبر سن کر بہت
ہی رنج اور صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔ مجھے ان کے انتقال سے جس
قدر صدمہ ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے اور آپ سب کے صدمے کا خیال کر کے دل بہت پریشان ہے آپ
پر ان کے انتقال سے کیا گزری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور سب کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین۔ یہ ٹھیک ہے
کہ وہ آپ کے والد بزرگوار تھے مگر وہ میرے ماں جی یا بھائی تھے اس لئے صدمہ کسی کو بھی کم نہ ہوگا۔ پچھلے
دنوں میں ٹوبہ گیا تھا تو انھوں نے مجھے بتایا تھا کہ طبیعت اب بہت اچھی ہے اور آپریشن کامیاب ہوا ہے
اب عرض یہ ہے کہ آپ ان کو جس جگہ دفن کریں ان کی قبر پر جا کر ہم سب کی طرف سے سلام علیکم کہہ دیجئے گا۔
مجھے امید ہے کہ ان کو جامع مسجد کے پاس دفن کیا جائے گا۔ اب آپ جہاں دفن کریں مجھے ضرر و اطلاع دیں۔
میں آج صبح والدہ صاحبہ کی قبر پر جا کر بتا آیا تھا۔ فقط قرالین لدھیانوی۔ جنرل اسٹور۔ ملتان

خط نمبر ۱۲۔ ۵ اکتوبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم خلیل الرحمن صاحب السلام علیکم۔ محترم بھائی کے انتقال
کی خبر گزشتہ رات ریڈیو کے ذریعے معلوم ہوئی۔ آج سات روز ہوئے بھائی صاحب نے جواب میں لکھا تھا
کہ میں خیریت سے ہوں۔ آپریشن کامیاب رہا اور اب کوئی تکلیف نہیں، تسلی سی ہوگئی تھی۔ لیکن دفعتاً اس

خبر سے بہت صدمہ ہوا۔ آج صبح بخور دار انیس الرحمن کو خالصہ کالج دیکھنے گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ صبح ۵ بجے کی گاڑی سے لاہور چلا گیا ہے۔ عزیزم کیا کیا جائے معذور ہیں۔ مجبور ہیں اور آنکھوں میں ندامت کے آنسو۔ بھائی نے مجھے تاکید کر دی تھی کہ پاسپورٹ بنوا کر ایک بار مل آؤں۔ کل پاسپورٹ بنوانے کا ارادہ کیا اور آج یہ خبر سن لی۔ خداوند کریم ہم سب کو صبر دے۔ ایم عبداللہ۔ لائل پور

خط نمبر ۱۳۰۔ لائل پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بخیت برادر مکرم۔ السلام علیکم۔ کل کے روز چچا جان کے انتقال کا سن کر سب اہل خانہ کو بے حد صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ چچا جان کو غریق رحمت کرے اور آپ لوگوں کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط عبدالغنی معرفت حاجی فضل الدین محمد اسماعیل۔ پرانی منزل۔ لائل پور

خط نمبر ۱۳۱۔ پاکستان گجرات۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم مولانا خلیل الرحمن و عزیز الرحمن، السلام علیکم۔

آج یہ پرمٹال خبر اخبار میں پڑھ کر از حد صدمہ ہوا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کا انتقال پرمٹال دہلی میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم و مخفوف کو فردوس بریں عطا فرمائے اور آپ کو صبر ایوبی۔ مرحوم نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ ملک و قوم کی خدمت میں گزارا اور کافی حصہ جیل کی کوٹھری کی نذر رہا۔ باری تعالیٰ مرحوم کے اس عمل کے عوض انھیں جنت الفردوس کی کوٹھری عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ میں دیر سے ارادہ کر رہا تھا کہ مرحوم سے زندگی میں ایک بار ملاقات ہو جائے۔ اگر آنسو میں ان کی زیارت بابرکت سے محروم رہا۔

آپ بھی مرحوم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خدمت خلق کا وہی طریق استعمال کریں کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ مولانا کی خدمات جاری ہیں۔ خدمت خلق آپ کے خاندان کے ورثہ میں عرصہ ایک صدی سے چلی آ رہی ہے۔ سب سے پہلے دینی دائرہ اور اسلام کی خدمت کا بیڑا آپ کے بزرگوں نے اٹھایا۔ دیوبند شریف معرض وجود میں آیا۔ ممکن ہے میرا لڑکا اکتوبر میں خانہ خوانی کے لئے دہلی میں آئے۔ والسلام۔ فقط محمد حسن لدھیانوی

معرفت محمد امین B 414/6 پرانی تحصیل قلعہ محلہ گجرات۔ پاکستان

خط نمبر ۱۳۲۔ ملتان۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادران مولانا خلیل الرحمن و عزیز الرحمن صاحب۔

کل ریڈیو پر ارادہ آج اخبارات کے ذریعے معلوم ہوا کہ مولانا صاحب کے انتقال کا پڑھ کر دل پرانہ حد

ٹھیس لگی جو بیان سے باہر ہے۔ میں تو ریڈیو کی خبر سن کر یہ دعا کر رہا تھا کہ اے اللہ یہ خبر کسی دوسرے صاحب

۵۶۰

کی ہو مگر آج امروز نے لکھا ہے کہ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا انتقال ہو گیا تو دل بے چین ہو گیا کہ آج ہم یتیم ہو گئے۔ ان کے ہوتے ہوئے ہمیں ہر قسم کا حوصلہ تھا۔ اس بزرگ ہستی کا دنیا سے چلے جانے کا کوئی کم صدمہ نہیں اللہ تعالیٰ مولانا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ جگہ نصیب فرمادیں آمین اور آپ لوگوں کو اور ہمیں صبر کی توفیق عطا فرمادیں۔ آمین۔ ناچیز آپ کا شریک غم تاج محمد لدھیانوی

خط نمبر ۱۳۳۔ سرگودھا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم بھائی خلیل الرحمن و عزیز الرحمن صاحبان السلام علیکم در رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آج نوائے وقت میں اباجی صاحب کے انتقال پر ملال کی خبر پڑھ کر دل کو بہت صدمہ ہوا۔ افسوس کہ اس آخری وقت پر اپنے عظیم مہربان کی زیارت بھی نصیب نہ ہوئی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ط اللہ تبارک و تعالیٰ مرحوم و مغفور کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین ثم آمین جملہ بھائیوں اور بہنوں کو سلام علیکم۔ والسلام عبدالحفیظ سرگودھا۔

خط نمبر ۱۳۴۔ اذکارہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر م مولانا عزیز الرحمن صاحب و مولانا خلیل الرحمن صاحب سلام مسنون! حضرت مولانا کی وفات حسرت آیات کا ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے پڑھ کر زحمت و صدمہ ہوا۔ دل دعا ہے کہ خداوند کریم حضرت مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور اپنے سایہ میں رکھے آمین احقر آپ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ مولانا کی ذات ہندوستان کے لئے ہی نہیں دینائے اسلام کے لئے باعث فخر تھی۔ فقط۔ محمد صدیق انور ایڈیٹر ”ستلج نیوز“ اذکارہ

خط نمبر ۱۳۵۔ گوجرانوالہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز م مولانا صاحب سلمہ۔ بعد سلام مسنون کے واضح ہو کہ آج اخبار میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کی خبر وفات پڑھ کر بہت صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ط اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو جنت الفردوس عنایت فرمائے اور ہم سب کو صبر کی توفیق عنایت فرمائے۔ گھر میں سب عزیزوں کو تسلی دیں اور صبر کی تلقین کریں۔ یہاں پر سب بفضلہ تعالیٰ خیریت سے ہیں۔ آپ اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہیں۔ گھر میں سب گھروالوں کی طرف سے اور میری طرف سے سب عزیزوں کو سلام۔ بچوں کو پیار۔ فقط والسلام۔ غلام محمد دیوبندی مکان نمبر ۲۷۱

گلی دیارام چوڑہ۔ گوجرانوالہ

خط نمبر ۱۳۶۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادران مولانا خلیل الرحمن صاحب، طیب صاحب، مولانا سعید،

مولانا اظہر، مولوی عزیز الرحمن، مولوی محمد احمد صاحبان۔ سلام مسنون کے ساتھ گزارش ہے کہ کل اتوار کے روز محترمی حضرت مولانا کے وصال پر طال کی اطلاع اچانک موصول ہوئی۔ دل بیٹھ گیا۔ وہی ہوتا ہے اور اسی وقت ہوتا ہے جب منظور خدا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی رحمت و مغفرت سے نوازے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے حصہ وافر عطا فرمائیں۔ اس کے آگے کوئی چار نہیں۔ اس کے کئے کو برداشت کر کے رضا بقضا پر عمل پیرا ہو۔ مصلحتیں اور حکمتیں اس کے ساتھ ہیں۔ اور وہ اپنے بندوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ یہاں پر خانقاہ میں، مدرسہ میں اور گاؤں میں سب نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ دہکتے ہوئے دعائے مغفرت و ترقی درجات کی اور پس ماندگان کے لئے صبرِ احمد کی دعا کی (خانقاہ مجددی ڈیرہ غازی خان)

خط نمبر ۱۳۷۔ لکھنؤ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترمی۔ اسلام علیکم۔ میں سہارن پور سے لکھنؤ آ رہا تھا۔ صبح ہرولی کے اسٹیشن پر اخبار لیا تو اس میں مولانا کی وفات کی اطلاع ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ صاحبان کو توفیق صبر۔

منظور الہی کرہ۔ بی بلاک۔ دار الشفا لکھنؤ

خط نمبر ۱۳۸۔ انبالہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم دوست۔ بھہ ہند۔ آج کے اخبارات میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کے انتقال کی المناک خبر پڑھ کر دل کو انتہائی تکلیف ہوئی۔ ایسے معلوم پڑتا ہے کہ زمین بھٹ گئی ہے یا آسمان ٹوٹ پڑا ہے۔ آج میں اپنے تئیں یتیم محسوس کرتا ہوں۔ حضرت مرحوم میرے از حد ہربان بزرگ تھے۔ میرے سے وہ پدرانہ سلوک کیا کرتے تھے۔ گزشتہ چار سال ہوئے وہ میلہ مانک پور شریف کی زیارت کے لئے اپنے ملازم حافظ جی کے ساتھ میری دعوت پر آئے تھے۔ انھوں نے اپنے رطوکوں کے ساتھ ملاقات کرانے کے لئے مجھے کئی دفعہ دہلی بلایا۔ مگر بد قسمتی سے تعمیل حکم سے بندہ قاصر رہا۔ اکثر وہ مجھے خطوط لکھ کر نصیحتیں کیا کرتے تھے۔ آج ملک و قوم کو ایک ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔ اچھا خدا کی مرضی میں کس کا دخل ہے۔ ایشور حضرت مرحوم کی روح کو شانتی دے اور دو حقیقین کو صدمہ کے برداشت کی توفیق دے۔ آپ کا ہر شیچہ رکوشل۔ مقام ماجری ڈاک خانہ سیالہ ماجری۔ تحصیل کھرڑ۔ ضلع انبالہ

خط نمبر ۱۳۹۔ گوجرانوالہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیز بھائی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے والد کا سن کر اندھ صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ عطا کرے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین
فقط عبدالغنی جنرل اسٹور۔ چوک کلاں۔ گوجرانوالہ

خط نمبر ۱۴۰۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ جناب بھائی سعید الرحمن و محمد احمد صاحب۔ سلام مسنون! اگر ارشاد یہ ہے کہ بروز کشتنبہ جناب قبلہ مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم کے انتقال کی اطلاع ملی۔ میں جسمہ کے دن ان کو غیرت دیکھ کر آیا تھا۔ اس اچانک انتقال سے تعجب اور بہت صدمہ ہوا۔ والد مرحوم کی طرح ان کا بھی اچانک انتقال ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھ کو بہت صدمہ ہوا۔ جو بیان سے باہر ہے۔ میں بالکل بے سہارا تھا، اسی طرح تم بھی بے سہارا ہو، ملازم نہیں ہو۔ جیسا میرا حال تھا ویسا ہی اب تمہارا ہو گا۔

ان آنکھوں کا نہ پوچھو ضبط جن آنکھوں نے دیکھا ہو

سحر مونس سے پہلے شمع کا بے نور جوحانا

بہر حال صبر اور استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ دیکھو تمہاری بے صبری اور غیر استقلال کی دیکھ کر لوگ تمہارے اوپر ہنسنے نہ پائیں۔ صبر و استقلال کے اندر باپ کے نقش قدم پر چلنا، وہ بڑی سے بڑی مصیبت سے بھی متاثر نہ ہوئے تھے اور خدا کی طرف نظر رکھتے تھے۔ مجھ کو اس کا افسوس ہے کہ میرے باپ کا قریب قریب سدا کام آپ دونوں نے کیا مگر میں شریک بھی نہ ہو سکا اور نہ جنازہ میں۔ خدا کی قسم میں ضرور آتا۔ لیکن اس وقت میرے پاس ایک پیسہ نہیں ہے اور نہ کہیں سے قرض مل سکا۔ اس لئے خدا کی قسم مجبور ہوں۔ سب کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ فقط حامد میاں ابن مولانا اعجاز علی مرحوم۔ فریاد بند

خط نمبر ۱۴۱۔ ہوشیار پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترمہ بن خاتون صاحبہ و عزیزان۔ بے ہند۔ اخبار میں پڑھ کر ہم سب حیران ہوئے اور افسوس میں مستغرق ہو گئے کہ کیا ہو گیا۔ کیا واقعی ہمارا پرانا رفیق اس دنیا سے کوہِ کر گیا۔ خبر کو سامنے رکھنے سے تو یقین نہیں آتا۔ سب ساتھی چلے جا رہے ہیں اور جویاتی ہیں تیار۔ میں محترمہ بہن خاتون جنت اور عزیزان ان کا ماتم نہیں کرنا۔ وہ تو اپنی ساری عمر نیک کاموں میں صرف کر گئے اور میرے عقیدے کے مطابق ان کا دہاں استقبال ہوا ہو گا۔ اس منزل پر ہم سب کو جانا ہے۔ وہ جگہ یقینی ہے۔ یہاں کا قیام

عارضی ہے۔ کوئی تقریب مقرر ہوئی تحریر فرمادیں۔ خدا ان کی روح کو اپنے پاس قبول فرمادے۔

آپ کا شبہ چنتک۔ سر دول سنگھ ایڈووکیٹ ہوشیارپور

خط نمبر ۱۴۲۔ گوجراں والا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر عزیز سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کے والد صاحب کے انتقال کا سن کر از حد افسوس ہوا۔ خداوند کبیرم ان کو فردوس بریں میں جگہ عنایت فرمائے۔ آپ کو اور ہم کو صبر دے۔ آمین ثم آمین۔ فقط جان محمد محمد اکرم جنرل مرچنٹ چوک کلاں۔ گوجرانوالا

خط نمبر ۱۴۲۔ گوجراں والا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم بھائی عزیز صاحب۔ السلام علیکم۔ گزشتہ رات مولانا

صاحب کی وفات حسرت آیات سن کر سخت صدمہ ہوا۔ انسان خدا کی رضا کے سامنے بے بس و مجبور ہو جاتا ہے اور سوائے صبر کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور

آپ کو صبر عطا فرمائے۔ آمین۔ ہم سب آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ غمزدہ ظفر عالم۔ گوجراں والا

خط نمبر ۱۴۲۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرمی جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔ مزاج شریف

بندہ نے اخبارات میں یہ المناک خبر پڑھی کہ پاک دہندہ کی مایہ ناز شخصیت جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب

لدھیانوی ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کی صبح کو ملت اسلامیہ کو سوگوار چھوڑ کر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ

اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵ جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی ہمارے قابل احترام بزرگ تھے

اس کے علاوہ سیاسی اعتبار سے ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ جناب مولانا کی وفات سے ملت اسلامیہ کو

جو نقصان عظیم ہوا ہے اور ان کی وفات سے جو صدمہ اقربا اور دوستوں کو ہوا ہے اس کی تلافی مشکل

ہے۔ بندہ کی رب العزت سے دعا ہے کہ وہ مولانا کو جنت الفردوس نصیب کرے۔ آمین۔ آپ کو اور

تمام اقربا و دوستوں کو صبر و تحمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ فقط والسلام۔

عزیز الرحمن، ناظم اعلیٰ مجلس تحفظ ختم نبوت۔ ڈیرہ اسماعیل خاں

خط نمبر ۱۴۵۔ بریلی۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترمی مولانا عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج الجمعیت میں حضرت مولانا کی وفات حسرت آیات کی خبر پڑھی، سیدہ سلمہ کو بھی فوری اخبار دکھایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ

وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵ ہم سب اہل خانہ آپ کے رنج و الم میں شریک ہیں اور اللہ پاک سے دعا کرتے ہیں

کہ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور پس ماندگان کو صبر جمیل۔ احقر حکیم عبدالرشید بریلوی
خط نمبر ۱۳۶۔ گوجران والا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادران باکل شب مولانا صاحب کی وفات حسرت آیات کی
خبر سن کر پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ ایک بجلی کی تار گویا دل و دھڑ کو جلا گئی۔ لیکن انسان کے صبر کو اللہ تعالیٰ نے
پسند فرمایا ہے۔ زندگی و موت کے معاملے میں انسان بالکل بے بس ہے۔ مجبور ہے۔ لہذا ہم مجبوراً صبر کرنے
پر مجبور ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مولانا صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق
عطا فرمائے۔ سوگوار۔ جمیل۔ گوجران والا

خط نمبر ۱۳۷۔ گوجران والا۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بھائی طیب۔ والد صاحب کی زبانی مولانا صاحب کی
حسرت آیات وفات کا سن کر سخت صدمہ ہوا۔ پہلے تو یقین نہ آیا لیکن پھر یہ صدمہ ہی بن گیا۔ مرحوم کی کرم نوازیوں
و ذرہ نوازیوں ہم نہیں بھلا سکتے۔ بخدا ان کی نورانی شکل میرے سامنے ہے اور وہ مجھے اب بھی پسند و نضاع
کر رہے ہیں۔ اے کاش انسان کچھ کر سکتا۔ تو میں وقت کی گردش روک کر مولانا کو ہمیشہ ہمیشہ زندہ رکھتا
اور ایسا مخلص ہمدرد انسان رحم دل اور شفیق باپ کسے مل سکتا ہے لیکن یہ سب جاتے ہوئے بھی ہم بالکل
لاچار مجبور اور بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں اور صبر پر اکتفا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی صبر ہی کرنے کو کہا ہے
ٹھیک ہے انسان مجبور ہو تو صبر کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اللہ آپ کو صبر کی توفیق دے۔ لیکن میں کچھ عجیب
سوچ میں ہوں کہ اللہ کو بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے جس کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ
مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔ بیگم کی طرف سے خاتون جنت سے سے از حد ہمدردی کی تلقین
ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے یتیم دل کو جو صدمہ مندی عطا کرے۔ بھائیوں کے اند دلیوں کو صبر عطا فرمائے
ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ میرے دوست آپ سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ والسلام
آپ کا شریک غم۔ جمیل لدھیانوی۔ گوجران والا

خط نمبر ۱۳۸۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بھائی جان السلام علیکم قبلہ اباجی کی وفات کا سن کر دل کو بہت
صدمہ ہوا۔ گھر میں سب لوگ گہرے رنج و غم کا اظہار کر رہے ہیں اور ہم خداوند قدوس کے حضور میں
دست بدعا ہیں کہ وہ قبلہ اباجی کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر و تحمل کی

توفیق

۵۶۵
۲۶ جنوری ۱۹۲۹ء کو مولانا کا ساتھ دیا اور دو سال کے

توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ کا شریک غم۔ محمد صابر لدھیانوی۔ کرشن نگر لاہور

خط نمبر ۱۴۹۔ مراد آباد۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکر می نید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گزارش یہ کہ بندہ بخیریت ہے اور دارالعلوم میں بھی ہر طرح خیریت ہے۔ بھائی صاحب بے شک یہ ایسا حادثہ عظیم ہے کہ اس کے نقصانات کو دنیا کی کوئی شے بھی پورا نہیں کر سکتی سوائے اس کے ہم کہتے افسوس ملیں اور کیا کر سکتے ہیں۔ اس کا رنج آپ حضرات ہی کو نہیں بلکہ ہندوستان و پاکستان کے تمام مسلمانوں کو اس حادثہ کا رنج و غم ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی قبر مبارک کو اپنی رحمت سے بھر دے۔ ہم لوگ اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ جتنا ہو سکے قرآن پڑھیں اور ایصالِ ثواب کریں اور مغفرت کی دعا مانگیں۔ رنج و غم تو ہوتا ہی ہے۔ طبعی چیز ہے۔ مگر جہاں تک ہو صبر و کام میں لائیں اور حضور کی وفات ظاہری کو یاد فرمالیا کریں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ تمام حضرات اور ہم لوگوں کو صبر و سکون عطا فرمائے اور موصوف کے لئے ایصالِ ثواب کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عنایت فرمائے اور کیا تحریر کروں۔ جتنا بھی لکھا جائے کم ہے مولوی عبدالحمید دیرے بھائی منور حسین و عبدالصمد و دیگر حضرات سلام تحریر کرتے ہیں۔ بندہ کی جانب سے بھی تمام بھائیوں اور اجاب کی خدمت میں دست بستہ سلام عرض ہے۔

فقط والسلام۔ اختر محمد اسماعیل مراد آبادی

خط نمبر ۱۵۰۔ مظفر نگر۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر محترم مولانا عزیز الرحمن صاحب۔ السلام علیکم۔

عرض ہے کہ آج روزانہ اخبارات میں آپ کے والد بزرگوار کے سورگباش ہونے کی خبر پڑھ کر اس قدر صدمہ پہنچا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ انتہائی دکھ ہے۔ خداوند کریم آپ کو برداشت اور صبر کی طاقت بخشے۔ مالک کے آگے کچھ پیش نہیں جاسکتا۔ بہر حال صبر اور حوصلہ سے کام کریں مجھے اپنا شریک غم سمجھیں اور جو کام میرے لائق ہو تحریر فرمادیں۔ بھائی صاحبان کی خدمت میں بھی میری طرف سے اظہارِ ماتم پرسی فرمادیں۔ اس واقعہ کو پڑھ کر میرے تمام قرب و جوار افسوس میں ڈوب گئے۔ یہ قومی نقصان ہے صرف آپ ایک محدود نہیں۔ عنقریب ہی حاضر خدمت ہو کر عرض کر دیں گا۔ آپ کا اتم چند رحیم یار خاں معرفت بھگت موہن لال، ہمیش چندر بھگت رتھ و مظفر نگر۔

خط نمبر ۱۵۱ - ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - محترمی مولانا عزیز الرحمن صاحب - السلام علیکم
 آج اخبار میں پڑھا کہ آپ کے والد بزرگوار مولانا حبیب الرحمن صاحب رحلت فرما گئے ہیں پڑھ کر از حد
 صدمہ ہوا۔ خداوند کریم ان کی روح کو جنت نصیب کرے۔ اب سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں۔ آپ بھی
 حوصلہ رکھیں اور گھر والوں کو بھی صبر دیں۔ ہم آپ کے دکھ میں دہلی غرور شریک ہوتے لیکن اچانک وخصت کا ملنا
 مشکل ہے۔ فقط اوم پرکاش رام سی سینی بآداکٹر کٹر لدھیانہ

خط نمبر ۱۵۲ - مراد آباد - ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - مکرم محترم بندہ حضرت مولانا خلیل الرحمن صاحب - السلام علیکم۔
 مزاج گرامی ابھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی غمناک خبر ملی۔ دل پر از حد صدمہ ہوا۔ حضرت مولانا
 کی قیادت درہنمائی اور بصیرت کی بڑائی وہ منظر میرے سامنے آگئے جس سے بہت زیادہ دل متاثر ہے اب
 کہاں ایسے حضرات ہوں گے۔ ساری زندگی امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درد و غم میں تڑپتے ہوئے گزری
 اسی دھن میں جلیں آباد کیں۔ باہر رہے تو اسی مسئلے سے دوچار رہے۔ حق تعالیٰ بے انتہا اپنی رحمتیں ان پر نازل
 فرمائیں۔ آمین۔ ایصال ثواب ان کے لئے جتنا بھی کیا جائے مسلمانوں پرمان کا حق ہے۔ میں بھی اس سلسلہ
 میں کوشش کروں گا انشاء اللہ اور دل کو بھی توجہ دلا نا ہے۔ یہ خط سب بھائیوں کو دکھا دیں۔ والسلام
 خادم۔ افتخار زیدی۔ فریدی بلڈنگ محلہ سنبھلی گیٹ۔ مراد آباد

خط نمبر ۱۵۳ - گوجران والا - ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - براور مکرم مولانا خلیل الرحمن و عزیز الرحمن صاحب
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مولانا کی وفات کے متعلق ریڈیو اور اخبارات میں پڑھ کر سکتے ہو گیا۔ خدا
 مرحوم کو عالی درجات عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کریں۔ خدا آپ حضرات کی حفاظت کرے لہذا
 ہے۔ ایک قرآن آج ہی ختم کرایا ہے۔ والسلام۔ اختر خلیل اللہ پانی پت جامع مسجد گوجران والا۔

خط نمبر ۱۵۴ - گوجران والا - ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء - عزیزم خلیل الرحمن و عزیز الرحمن صاحب السلام علیکم
 واضح ہو کہ اچانک مولانا حبیب الرحمن کی خبر سن کر سخت صدمہ ہوا۔ خداوند کریم مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ
 دے اور تم لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ یہ صدمہ ایک ایسا صدمہ ہے جس کی تلافی ہونی بہت مشکل ہے۔ آج
 سچا تو مکار ہنسا اور انگریز کا دشمن اس عالم جاودانی سے کوچ کر گیا۔ اللہ کریم اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

اللہ کریم اپنے حبیب کے صدقے سے ہر مرد و عورت مسلمان کا انجام بخیر فرمادیں۔ بہر حال ذکر الہی ضروری ہے جیسے موت ضروری ہے۔ کیونکہ حیات کا کوئی اعتبار نہیں۔ غلام حسین نعت خواں لدھیانوی۔ چائے فروش۔ گوجرانوالہ

خط نمبر ۱۵۵۔ گوجرانوالہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۵ء۔ برادر مرطیب داطہر۔ مولانا مرحوم عیسیٰ مشفق والد کا سایہ سر سے اٹھ جانا قیامت سے کم نہیں۔ میں ان کی عنایتیں، مہربانیاں تازہ نیست نہیں بھلا سکتا۔ یہ ایک عظیم صدمہ ہے جس میں ہم شریک ہیں۔ لیکن خدائی کارخانے میں کون دخل دے سکتا ہے۔ سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں اور انسان تو اس معاملے میں بالکل لاچار و بے بس ہے لیکن صبر پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ لہذا ہمیں بھی صبر پر صبر کرنا چاہئے۔ اور مرحوم کے لئے دعا کرنی چاہئے۔ خدا انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

آپ کے غم میں شریک۔ ظفر گوجرانوالہ (گھڑی ساز لدھیانوی)

خط نمبر ۱۵۶۔ سہارن پور۔ ۳ ستمبر۔ محترم بندہ۔ السلام علیکم۔ آج کے اخبارات سے المناک خبر وحشت اثر ارتحال پر ملا حضرت مولانا مرحوم کی معلوم ہو کر قلبی صدمہ ہوا۔ مولانا کی ذات والا صفات قریم ملک اور عامۃ الناس و مسلمین کے لئے نعمتوں میں سے تھی اور آپ کی پر خلوص خدمات ہمیشہ ان کا نام زندہ رکھیں گی ان کی آنوالی اور موجودہ نسلیں شکر یہ کے ساتھ یاد کریں گی۔ اللہ کریم ان کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔ آپ کو اور جملہ پس ماندگان کو توفیق صبر عطا فرمائے۔ آمین۔ سچ یہ ہے کہ موت العالم موت السلام مگر رضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ یہ ایک قومی سانحہ عظیم ہے جس میں ہم سب آپ کے ساتھ شریک ہیں والسلام راقم معر فضل الرحمن محلہ چوک سہارن پور

خط نمبر ۱۵۷۔ لاہور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم بھائی جلی عزیز الرحمن صاحب سلام سنوئی۔ یہ منحوس خبر سن کر دل کی از حد صدمہ ہوا کہ قبلہ ابا جان اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ خداوند کریم سے دست بدعا ہیں کہ وہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین ہمیں اور آپ کو دیگر پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ شریک غم عبدالرشید شیش محل ہونڈی۔ لاہور

خط نمبر ۱۵۸۔ امرتسر۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم خلیل بھائی، دکھ بھرا سلام قبول کیجئے۔ یہ لکھتے ہوئے کس قدر دکھ ہو رہا ہے کہ کل رات آپ ہی کے والد ماجد نہیں بلکہ بہت سوں کے سرپرست اس دنیا میں اپنے متعلقین کو

روتا پڑتا چھوڑ گئے۔ رات جب یہ منحوس خبر سنی تو پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ مجھے ان کا جس قدر سہارا تھا وہ میں ہی جانتی ہوں۔ ہلے میں ان کی سلامتی کی کس قدر دعائیں مانگتی تھی۔ مگر یہ وہ جگہ ہے جہاں دعا کو دخل نہیں، دعا کو لگاؤ نہیں۔ پہلے ان کے بیٹے حکیم صاحب سدھارے ان کا غم غلط نہ ہوا تھا کہ آبا جی ہم سب کو بے مروتیا کر گئے۔ مگر بحر صبر کے اندر چارہ ہی کیا ہے۔ خدا کو بھی صابر آدمی پسند ہے۔ لہذا میرے عزیز بھائی صبر کیجئے اور گھر میں سب کو صبر کی تلقین کیجئے۔ خدا سے دعا ہے کہ بابا جی کو اپنی رحمتوں سے جنت میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین۔ فقط آپ کے غم کی شریک غمزدہ شمس النساء (بیوہ حکیم آفتاب احمد خاں) امرتہہ ضلع مراد آباد

خط نمبر ۱۵۹۔ لائل پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ برادر م مولوی خلیل الرحمن صاحب۔ السلام علیکم!
حضرت مولانا کی وفات کا سن کر انتہائی صدمہ ہوا۔ مرزا تو ہر شخص کو ہے لیکن ایسے ہر دلعزیز بزرگ اور لیڈر دین نبی کے درد مند عام نہیں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دے۔
غلام محمد ضلع لائل پور۔ پنجاب پاکستان

خط نمبر ۱۶۰۔ علی گڑھ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم بندہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب سلام مسنون۔
آج دوپہر الحجیہ کے ذریعہ حضرت مولانا صاحب کے انتقال پر ملال کی خبر معلوم ہوئی۔ اس روح فرسا خبر نے قلب و دماغ پر جو اثر کیا وہ الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتا۔ گذشتہ ہفتہ حضرت اقدس کی خدمت میں ایک عرضہ بدریافت خیریت لکھا تھا۔ میں تو جواب کا منتظر تھا۔ مگر بجائے جواب کے آج یہ خبر پڑھنی پڑی حضرت مولانا سے میرے تعلقات ۱۹۳۵ء سے تھے اور حضرت مجھ پر بڑا کرم فرماتے تھے ۱۹۳۵ء سے جب کبھی علی گڑھ تشریف فرما ہوئے ہفتہ غریب خانہ پر مقام فرمایا۔ بڑے بڑوں کی پیش کش ٹھکرا دیتے اور اس غریب خانہ کو نظر انداز نہ کرتے آج دنیائے اسلام سے ایک درویش عالم اٹھ گیا اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمان ایک رہنما کی سرپرستی سے محروم ہو گئے۔ رہنما بھی کیسا، دنیا اور آخرت دونوں کا صحیح رہنما حضرت مولانا کے عقیدت مندوں کی تعداد کافی ہے۔ سب شریک غم ہیں اور تعزیت کرتے ہیں۔ عزیز بہن کو میری نظر سے بہت بہت تسلی و تسفی دیجئے۔ دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ حضرت مولانا کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور

جو جگہ خالی ہوگئی ہے اس کو پُر کرے۔ آمین۔ آج ہندوستان کے مسلمان ایک سچے لیڈر کی قیادت سے محروم ہو گئے۔ یہ ہماری بد قسمتی ہے۔ حضرت مولانا کا سایہ صرف آپ کے سر ہی سے نہیں اٹھا بلکہ ہم سب اس کی محسوس کر رہے ہیں۔ مگر سوائے صبر کے چار دہی کیا ہے۔ صبر فرمائیں۔ میں خود حاضر خدمت ہوتا۔ مگر گزشتہ دنوں طبیعت خراب ہوگئی۔ کمزوری ہوگئی ہے اس وجہ سے قاصر رہا۔ فقط والسلام۔ مرزا یوسف بیگ۔ علی گڑھ خط نمبر ۱۶۱۔ سہارن پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم مولوی محمد خلیل الرحمن صاحب۔ السلام علیکم!

حضرت مولانا کے انتقال پر ممال کی خبر سن کر انتہائی رنج و غلت ہے۔ مولانا بڑی خوبیوں کے انسان تھے علاوہ ہمارے ربی و محسن ہونے کے قوم کے لیڈر بھی تھے جن کی اس دور میں از حد ضرورت تھی لیکن مشیت ایندوئی میں کسی کو دخل نہیں۔ یہاں ہر شخص مجبور و لاچار ہے اور سوائے صبر کے کوئی چارہ کار نہیں۔ دعا ہے کہ عفا دند عالم مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ہماری جانب سے آپ کے برادران کی خدمت میں تعزیت قبول ہو۔ فقط والسلام۔ حاجی سید آل علی دھاجی یعقوب علی خاں

چکروٹہ روڈ۔ سہارن پور

خط نمبر ۱۶۲۔ ملتان۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ مکرم محترم مولانا صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اخبارات میں حضرت مخدوم مولانا مرحوم کی وفات حسرت آرات کی خبر پڑھ کر بہت صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۵ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ اور آپ حضرات پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق نصیب فرمائے اور ان کی اتباع نصیب فرمائے۔ حضرت مرحوم بہت خوبیوں کے مالک تھے۔ خصوصاً علماء کا احترام اور مساکین کے ساتھ محبت و ہمدردی بہت تھی۔ مجھے ان سے تعلق بہت تھا۔ بھائی انیس الرحمن کو عریضہ لکھا تھا۔ اکھنوں نے آپ کا پتہ تحریر کیا تھا تو یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔ برادران مولوی عزیز الرحمن، محمد آہر، مولوی محمد احمد راز سعید الرحمن سب کی خدمت میں بعد سلام مسنون مضمون ناہدر فقط والسلام۔ احقر عبداللہ رائے پوری۔ مدرس مدرسہ خیر المدارس۔ ملتان۔ پاکستان

خط نمبر ۱۶۳۔ امرتسر۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم المقام۔ سلام مسنون۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کی خبر وفات سے سب کو صدمہ ہوا۔ حق تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے اللہ

پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے آمین! آج مدرسہ میں تمام مدرسین و طلباء و ملازمین کو جمع کر کے دو قرآن مجید ختم کئے گئے اور مرحوم کی روح کو ایصالِ ثواب کیا گیا۔ تمام اہل مدرسہ آپ کے اس غم میں شریک ہیں۔ یہ غم ملت اسلامیہ کا غم ہے۔ معمولی غم نہیں ہے۔ والسلام۔ محمد اعجاز حسین غفرلہ! ہمت مدرسہ جامع مسجد امردہہ خط نمبر ۱۶- لدھیانہ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ بے حد غم خوار بھائی حضرت مولانا خلیل الرحمن صاحب لدھیانوی آج مورخہ ۳ ستمبر کو اخبار تیج میں یہ خبر پڑھ کر از حد صدمہ پہنچا، ناقابل برداشت رنج و محن کا سامنا ہوا کہ والدِ نبردگوار حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اس دار فانی سے رحلت فرما گئے یعنی کہ وہ ہم پنجابیوں سے ہمیشہ کے لئے روٹھ گئے۔ موت کے دستِ ناہنجار نے ہم پنجابیوں سے ایک آتش بیاں مقرر ہم سے چھین لیا۔ ہماری بہت سی سیاسی امیدیں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کے ساتھ وابستہ تھیں۔ اس ظالم موت کی ایک ہی آوش نے ہماری امیدوں کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ خدا حضرت مولانا کو غریقِ رحمت کرے۔

کا مرید غلام محمد دیوانہ۔ کھنہ ضلع لدھیانہ

خط نمبر ۱۶- سہارن پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ محترم بھائی صاحب۔ السلام علیکم۔ آج کئی دنوں کے بعد بھونان کے دورہ کے سلسلے میں دیہات سے واپس آنے کے بعد یہ جانکاہ خبر ملی کہ والد صاحب انتقال فرما گئے ہیں۔ کاش خلا انھیں زندگی اور دیتا تاکہ ہم بے فوائد کا سہارا بنے۔ اچھا جو اسے منظور۔ خدا انھیں بہشت نصیب کرے۔ میں آپ کے اس موقع پر کسی کام آسکوں تو میں اپنے لئے نیک نیتی سمجھوں گا۔ جلد حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔ سب پر یوار کو سلام عرض کر دیں۔ آپ کا نصیب خاں موڈیاں۔ سہارن پور خط نمبر ۱۶- لکھنؤ۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔ عزیزم سعید الرحمن صاحب سلمہ۔ سلام سنون۔ خیر انتقال پرملاں مولانا صاحب پڑھ کر جو قلب کی حالت ہوئی بیان سے باہر ہے۔ ایک مخلص دوست، بیکر صدق و صفا حقیقی اور سچا خادمِ وطن، بزرگِ ملت، میزبانِ عوام، فخر قوم نہ رہا۔ افسوس! اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ اللہ پاک مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دیں اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمادیں۔ آمین۔ والسلام

شیخ اقبال علی ایڈوکیٹ۔ لکھنؤ

لے رئیس الاحرار کے سفرِ آخرت کے سلسلہ میں تین سو خطوط ابھی شائع ہونے سے رہ گئے ہیں۔ کتابت و طباعت اور کاغذ کی گرانی کی وجہ سے پورے خطوط شائع کرنے کا ارادہ ترک کر دیا (مرتب عزیز الرحمن جامع لدھیانوی)

خط نمبر ۱۶۔ سہارن پور۔ ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء

عزیزم عزیز الرحمن سلمہ

بعد سلام مسنون ایک سال سے کاندھلہ کے سفر کا ارادہ کر رہا تھا۔ وعدہ کیا تاریخ مقرر ہوئی، لیکن امراض کی وجہ سے نہ جاسکا۔ پرسوں گیا تھا۔ آج اس وقت واپسی ہوئی۔ راستہ میں تھا کہ اسٹیشن پر ایک ہندی اخبار کے حوالے سے ایک شخص نے حادثہ جانکاہ کی اطلاع دی۔ اور یہاں سہارن پور پہنچ کر کل شام کے تار کا حال اور الجھنیہ سے مزید تفصیلات معلوم ہو کر جس قدر رنج و قلق ہوا کیا عرض کروں۔ آپریشن کا سخت وقت حق تعالیٰ نے فضل و کرم سے گننا دیا اور یہ وقت ایسے چپکے سے پہنچا کہ کسی کو خبر نہ ہوئی۔ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مغفرت فرما کر اپنی بوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ سب دوستوں کو عبرت جلیل عطا فرمائے۔ یہ وقت ہر شخص کو پیش آتا ہے اور آکر رہے گا۔ پس ماندگان کا جانے والے کے ساتھ جو بہترین سلوک ہو سکتا ہے، وہ اس کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب ہیں۔ امید ہے کہ اس میں آپ سب حضرات زیادہ سے زیادہ سہی فرمائیں گے اور اپنے اجاب سے بھی اس کے لئے اصرار فرمائیں گے کہ مولانا مرحوم کے لئے اب اگر کوئی چیز ہے تو یہی ہے۔ انشاء اللہ ایک آدھ روز میں قرآن پاک پورا ہو جائے گا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اعظم صاحب نے صبح ہی قرآن پاک ختم کرائے اور آئندہ بھی اہتمام کیا جائے گا۔ مولوی نصیر سے معلوم ہوا کہ رات مولوی حبیب الرحمن صاحب کی بے وقت موت کی اطلاع رائے پور بھی کرادی تھی۔ اگرچہ وہاں براہ راست تار بھیجا گیا ہوگا۔ مگر جب یہاں شام کو ۵ بجے کے قریب پہنچا تو وہاں تو نہ معلوم کب پہنچا ہوگا۔ معلوم نہیں مولوی انیس الرحمن صاحب کی آمد کی اطلاع کیا ہے۔

ہمشیرگان کی خدمت میں سلام۔ فقط محمد ذکریا

(مولانا) محمد ذکریا شیخ الحدیث۔ سہارن پور

مولانا عزیز الرحمن جامنی

صحافی - ادیب - مدیر - مورخ، استاد اور مجاہد کی حیثیت میں

آپ مرحوم مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے فرزند ہیں۔ لدھیانہ آپ کا وطن ہے۔ ملک کی تقسیم کے بعد آپ کا خاندان مشکل تمام لدھیانہ سے لاہور پہنچا۔ اپنے پیچھے ایک عظیم الشان مکان اور تمام اثاثہ چھوڑا اور دوست و احباب کو الوداع کہا۔ مولانا حبیب الرحمن مرحوم کے تعلقات بہت وسیع تھے۔ ہندوؤں میں بھی آپ کے دوستوں کی کمی نہ تھی۔ مگر وقت پر کوئی ساتھ نہ دے سکا۔ کچھ دنوں مرحوم اپنے خاندان کے ہمراہ لاہور رہے پھر وہاں سے دلی چلے آئے اور کوچہ رحمن چاندنی چوک میں اقامت کی۔۔۔۔۔“

آج تک اس محلہ میں مقیم ہیں۔ مولانا عزیز الرحمن جامنہ ملیہ اسلامیہ میں ایک عرصہ تک پڑھتے رہے، اپنے مرحوم والد کی طرح جوش اور ولولہ رکھتے ہیں۔ کئی کتابوں کے مولف اور مصنف بھی ہیں، اخبارات میں بھی مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ حافظہ بڑا تیز ہے، جب بولتے ہیں تو مرحوم میں اور آپ میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ یہ بات جہاں اور پورا زور لگا کر کہتے ہیں کسی خاص جماعت سے تعلق نہیں رکھتے ہیں، آزاد فکر کے مالک ہیں اور مسائل حاضرہ پر پورا عبور رکھتے ہیں۔ طبیعت میں استقامت ہے۔ جن جماعتوں کے ساتھ آپ کا اختلاف ہے ان کے بارے میں کوئی لچک نہیں رکھتے۔ مرحوم والد کے نقش قدم پر چلنا باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ اسی لئے بہن سے نظریات اور خیالات آپ کو ورثہ میں ملے ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ آزادی کے حافظ ہیں خصوصاً مسلمان مجاہدین کے کارناموں سے خاص دل چسپی رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں ایک چارٹ بھی شائع کر چکے ہیں جو بہت مقبول ہوا ہے۔

خیالات میں قدرے انتہا پسند ہیں۔ اعتدال پسندی سے طبیعت میں نہیں کھاتی۔ بحث و تکرار میں مخالف کو خاموش کر کے چھوڑتے ہیں۔ چونکہ مرحوم والد کے ہمراہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور پنڈت جواہر لال نہرو سے ملتے رہے ہیں۔ اس لئے ان کی باتیں مزے لے لے کر سناتے ہیں کسی کے بارے میں مولانا آزاد کی رائے بڑی صائب اور جچی تلی تھی۔ اس میں آپ بڑے نکات پیدا کرتے اور اس کو داد بھی دیتے ہیں۔ جن بعض اونچے لیڈروں کے حالات

سناتے ہیں تو ان میں ندرت ہوتی ہے۔ چونکہ مذہبی اور سیاسی خیالات درشتہ میں پائے ہیں۔ اس لئے ان کی روشنی میں مسائل حاضرہ کا جائزہ لیتے ہیں اور ان کی صحت پر اصرار کرتے ہیں۔ مزاج اور عادات کے اعتبار سے بارخاطر معلوم نہیں ہوتے، طبیعت میں خوش گواری اور مزاج ہے۔ بعض دفعہ زبان کے تیر و نشتر سے بھی کام لیتے ہیں اور کسی وقت تنقید حد اعتدال سے گزر جاتی ہے۔ خلیق اور ملتسار ہیں ہر وقت متحرک رہتے ہیں۔ ہر حلقہ میں نشست و برخاست رکھتے ہیں اور کبھی کبھی دو فریقوں میں ٹکراؤ پر بھرپور تنقید کرتے ہیں۔

ایک زمانے میں آپ کمیونسٹوں سے بھی توقعات رکھتے تھے۔ مگر ان کے نظریات کو اپنانے سے قاصر رہے، مطالعہ کا شوق بھی ہے اور اخذ کرنے کا خداداد ملکہ بھی۔ وقتی مسائل پر جب استدلال کرتے ہیں تو برمنی کے ٹنٹنے کو بھی پکڑ لاتے ہیں اور کارلائل کی تحریروں سے بھی اپنے خیالات کو مدلل کرتے ہیں۔ پیشہ صحافت سے بھی دل چسپی رکھتے ہیں اور نام کے بغیر کئی اخباروں کے ادارتی فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔ مولانا عطار اللہ شاہ بخاری کے مداحوں میں ہیں۔ بلکہ ان کا انداز گفتگو بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ مجلس احرار کی یاد بھی تازہ رکھتے ہیں اور ان کے کارناموں کو سراہتے بھی ہیں۔ مجلس احرار کے ارکان اور لیڈروں کو ہر وقت جیب میں رکھتے ہیں۔ غرض جس نے آپ کے والد مرحوم مولانا حبیب الرحمن صاحب سے ملاقات کرنی ہو وہ آپ سے ملاقات کرے، ایسا محسوس ہوگا کہ مرحوم آج بھی بقید حیات ہیں اور اپنی قادر الکلامی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

فارقلیط۔ ایڈیٹر الجمعۃ اند پیام مشرق

نوٹ:۔ مولانا فارقلیط ایک زمانے میں خاموشی سے پیام مشرق میں مقالہ اور قلمی چہرے لکھتے رہے ہیں۔ یہ قلمی چہرہ اس زمانے میں پیام مشرق میں شائع ہوا تھا۔ مولانا فارقلیط کی نشست شب میں ایک ہوٹل میں ہوتی تھی۔ میں بھی اس ہوٹل میں رات کو بیٹھتا تھا۔ مولانا نے اس ہوٹل میں میرے اکثر خیالات سنے اور انہیں قلم بند کر دیا۔ (مرتب)

مولانا عزیز الرحمن جامعی کی تعلیمی اور سماجی خدمات

(از قلم: وحید الدین خاں ایڈیٹر ہفت روزہ المجمعۃ مورخہ ۲۷ جون ۱۹۶۹ء)

دہلی میں بلیماران کے علاقہ میں ایک گلی ہے جس کا نام ”بارہ دری شیراگلن“ ہے۔ مسلم محلہ کی تمام روٹیاں سے بھرپور اس گلی سے آپ گزریں تو اس کی گندگی اور بے ترتیبی کے درمیان ایک خوبصورت بورڈ آپ کو اپنی نظر متوجہ کرے گا جس پر لکھا ہوا ہے ”تعلیمی سماجی مرکز“ اس خوبصورت بورڈ کے پیچھے ایک خوبصورت تربلڈنگ میں وہ اسکول قائم ہے جس کا ہم اس وقت ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک نرسری اور پرائمری اسکول ہے جو پچھلے ۱۸ سال سے کام کر رہا ہے۔ اس کے بانی مرحوم مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے صاحبزادے جناب عزیز الرحمن لدھیانوی جامعی ہیں۔

”۱۸۲۹ء میں لدھیانہ میں ایک عیسائی مشن قائم ہوا“ عزیز الرحمن صاحب نے اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ ”یہ کلکتہ کے بعد ہندوستان کا دوسرا مشنری سینٹر تھا۔ اس مشن کے تحت ایک بہت بڑا لیڈی ہاسپٹل، ایک نرسری اسکول اور ایک ہائی اسکول تھے۔ عیسائی مشن کے اس قیام نے مسلمانوں کے اندر ہل چل پیدا کر دی، چنانچہ اسی زمانے میں میرے جد امجد مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دیہات سے لدھیانہ شہر میں منتقل ہوئے اور مشن کے مقابلہ میں کام شروع کیا۔“

”لدھیانہ میں ہمارا مکان عیسائی مشن کے بالکل سامنے تھا اس کی سرگرمیوں کو دیکھ کر اور گھر کے تذکرے سن کر میرے اندر بھی بچپن ہی سے مشنری اسپرٹ پیدا ہوئی اور میرے ذہن میں یہ خیال جم گیا کہ میں بڑا ہو کر اسی قسم کا ایک اسکول قائم کروں گا۔“

عزیز الرحمن صاحب جامعہ ملیہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ نان کوآپریشن تحریک شروع ہوئی، تعلیم چھوڑ کر تحریک میں شامل ہو گئے اور جیل گئے۔ جیل میں ہندو سیاسی ورکروں کے ساتھ انھیں ایک عجیب تجربہ ہوا۔ مسلمان ورکر جو جیل میں تھے، ان کے گھر سے خط و طے آنا شروع ہو گئے کہ آپ کے جیل جانے کے بعد ہم سخت پریشان ہیں۔ کوئی معاشی وسیلہ نہیں ہے۔ مگر ہندو ورکروں کا معاملہ اس سے مختلف تھا۔ وہ بالکل مطمئن تھے۔ ان سے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ہر ایک کا کوئی نہ کوئی ایسا کام ہے جو اس کے بعد بھی اس کے گھر

دالوں کا سہارا بننا ہوا ہے۔ ان میں بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو اسکول اور پاٹھ شالہ چلاتے تھے۔ یہ ادارے اکثر ہندو سیاسی ورکرزوں نے اپنے بیوی بچوں کے نام پر قائم کر رکھے تھے۔ چنانچہ ان کے جل جانے کے بعد بھی وہ ان کے گھر دالوں کی روزی کا ذریعہ بنے ہوئے تھے۔ اسی زمانے میں گاندھی جی نے چرخہ سنگ قائم کیا تھا جس کے تحت کھادی بھنڈا رچلائے جا رہے تھے۔ اس کی شاخیں ہر شہر میں تھیں اور کانگریسی افراد اس میں کثرت سے ملازم ہوتے تھے۔ مسلمانوں کی بدذوقی کی وجہ سے چرخہ سنگھ میں بھی زیادہ تر کانگریسی تھے۔ ہندو کارکن جیل گیا تو اس کی بیوی اس کی جگہ ملازم ہو گئی۔

نان کو آپریشن میں تقریباً چھ لاکھ ہندوستانی جیل گئے جن میں دو لاکھ مسلمان تھے۔ مگر چرخہ سنگھ ۳ مسلمانوں کا تناسب بے حد کم تھا۔ اس کی وجہ سے ہندو ورکرز جیل میں بھی مطمئن تھے۔ اس کے برعکس درکرز پریشان تھے۔“

”اس وقت مجھے خیال آیا“ عزیز الرحمن صاحب نے کہا ”اگر سیاسی کام کرنا ہے تب بھی سب پہلے معاشی انتظام کر لینا چاہئے۔ انھوں نے نرسری اسکول قائم کرنا طے کیا۔ کیونکہ نرسری اسکول ہر ماں، باپ، پہلی ضرورت ہے۔ بلا نرسری اسکول کے کسی قوم کے بچے اچھی تربیت حاصل نہیں کر سکتے۔ نرسری اسکول چھوٹے بچوں کو یا ایک قسم کا تعلیمی گھر ہے۔ نرسری تعلیم کا بنیادی تخیل یہ ہے کہ بچوں کے اندر کھیل کھیل میں تعلیمی شوق پیدا کر جائے تاکہ جب وہ اسکول کی عمر کو پہنچے تو وہ عمدہ تعلیمی آغاز کے قابل ہو چکا ہے۔ اسکول کی عمر عام طور پر سال سمجھی جاتی ہے اس سے پہلے چند سال تک بچوں کو نرسری میں پڑھایا جاتا ہے۔ نرسری میں استاد کی جگہ طور پر عورتوں کو رکھا جاتا ہے۔ تاکہ وہ چھوٹے بچوں کی ماں کا بدل بن سکیں۔ میرے یہاں جب تعطیلات اعلان ہوتا ہے تو بچوں کو خوشی کے بجائے مایوسی ہوتی ہے۔“ عزیز الرحمن صاحب نے کہا ”کیونکہ بیمار جانے کے بعد انھیں استانیوں کی شفقتیں یا داتی ہیں۔ نرسری اسکول ڈھنگ سے چلایا جائے تو بچوں بارے میں تعلیمی بدذوقی کی شکایت ختم ہو جائے۔“ ابھی قوم کو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں عزیز الرحمن جی ضرورت ہے۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہے کہ قومی سطح پر ہم کو وہ فوائد حاصل ہو سکیں جس کے دوسرے ملک بنے ہوئے ہیں۔ جگر سے وہی تیر پھو پار کر۔ تمنا کو سینے میں بیدار کر

آپ کی خاص توجہ کے لئے اہم نوٹ

ضمیمہ خطوط باب سوم مطابق فہرست باب سوم ۶۴ تا ۸۷

خط نمبر ۳۶ مطابق فہرست باب سوم - خط نمبر ۳۱ خالی جگہ فہرست سوم صفحہ ۳۶۵

اتفاق - یہ ایک اتفاقی بات ہے کہ کتاب مکمل ہونے کے بعد جب کتاب کے خطوط کو فہرست خطوط

باب سوم سے ملایا تو معلوم ہوا کہ جن صاحب سے کاپی میں خطوط نقل کرائے گئے تھے، انہوں نے فہرست کے مطابق خطوط کاپی میں نہیں لکھے۔ یہاں یہ بات بھی عرض کرنی ضروری ہے عزیزہ سرین نے تمام خطوط مرتب کئے لیکن اچانک عزیزہ سرین کو گورنمنٹ ملازمت مل گئی، اس وجہ سے بہت سے خطوط لکھنے سے رہ گئے۔ سرین صاحبہ کے بعد جس نے یہ خطوط کاپی میں لکھے انہوں نے فہرست کے مطابق ۶۳ خطوط لکھ کر پھر آخر کے دو خط لکھ دیئے۔ اس طرح ان سے غلطی ہوئی لیکن اچھا ہوا کہ کتاب مجلد ہونے سے پہلے خطوط کی چیکنگ ہو گئی۔ اس طرح اب یہ خطوط فہرست باب سوم ۶۴ - ۸۷ تک دوبارہ لکھ کر کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ لگا دیا گیا ہے۔

قیمت کے متعلق ایک گزارش

کتاب کے مجلد ہونے کے بعد جب حساب پھیلا یا گیا تو معلوم ہوا کہ سادہ ٹائٹل بلار گیزین کے کتاب کی قیمت بمیں روپے ہونی چاہئے اور مجلد ریزین کی قیمت پچیس روپے ہونی چاہئے۔ اتنی بڑی کتابوں کی اس میار کی کتابوں کی بھی قیمت بازار میں یہی ہے۔ اب مجلد ریزین کی قیمت ۲۵/- روپے اور سادہ ٹائٹل آرٹ پیپر والی کی قیمت ۲۰/- روپے ہے۔

خط فہرست نمبر ۲ - از مقام بھپور ضلع جالندھر مورخہ ۱۱ جنوری ۱۳۳۷ھ

افعی المکرم و معظم والا تبار جناب مولانا صاحب دامت برکاتہ - السلام علیکم۔ پرسوں جناب کا شفقت نامہ موصول ہوا۔ باعث اطمینان قلب ہوا۔ پہلا خط جو کہ حکم حضرت علامہ قبلہ والد بزرگوار صاحب قدس سرہ العزیز جناب کی خدمت میں لکھا تھا تو حضرت مجھ سے لکھواتے تھے کہ میری خواہش تھی کہ آپ سے ملاقات ہو جائے مگر

(مرتب) (دوم سارا جیل میں لکھا گیا تھا۔ فہرست باب دوم میں درج ہونے سے رہ گیا اس لئے یہاں درج کیا گیا۔ مرتب)

شاید ایسا نہ ہو سکے۔ کیونکہ زندگی کا پیالہ اب لبریز ہو چکا ہے مگر میں بباغت کم فہمی کے ان الفاظ کو لکھنے سے
 گریز کرتا تھا۔ چنانچہ یہ الفاظ خط میں رقم نہ کئے۔ اور اس خط کی تحریر سے کچھ دن پہلے خواجہ محمد حسین نعت
 خواں لدھیانوی ملاقات کے واسطے پھلورائے۔ ان کا نام دریافت کرتے ہی آنحضرت نے فرمایا کہ اوہ تو میرے
 میرے دوست حبیب الرحمن کا آدمی ہے۔ میرا حبیب الرحمن کو السلام علیکم کہہ دینا اور کہنا کہ میری قبر کی حفاظت
 کرے یونہی نہ سمجھے۔ غرضیکہ کچھ ایسی ہی تلقین متعلقہ اپنی قبر دیتے رہے۔ غرضیکہ اپنی بیماری کے دوران
 میں جو بھی ضروری باتیں قابل ذکر تھیں مختلف اوقات پر ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی
 ہو کہ آنحضرت نے بتلا نہیں دی۔ چنانچہ ۵ ذی الحجہ کو محترمہ والدہ صاحبہ نے کہا مولوی جی وہ لوگ بھی
 خوش قسمت ہیں جو امسال حج میں شامل ہیں کیونکہ حج اکبر ہے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ ہم بھی توجہ میں ہی
 شامل ہیں۔ اور بعد ازاں بروز پیر ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ عزیمت مولوی خلیل الرحمن صاحب دغزیم سردار محمد
 منشی محمد شفیع کو ہمراہ لے کر آئے۔ منشی محمد شفیع صاحب نے دوائی تجویز کر کے آنحضرت کو ایک خوراک دی۔ اور
 فطوری دیر بعد طبیعت کچھ رو بصحت ہو گئی تو میں نے کہا ابا جی اب تو آپ کو آرام ہے۔ جواب میں فرمایا ”جو رنگ
 رنگہ کے بیگنی کھلے گا۔ تو میں اور دیگر سب گھر والے اس معمہ کو نہ سمجھتے تھے۔

بروز منگل آپ نے فرمایا کہ جمعرات ۱۳ ذی الحجہ کو میرا پہرہ دینا۔ یعنی ایک شخص رات کو۔ ابجے تک جاگے،
 دوسرا بارہ بجے، تیسرا دو بجے اور چوتھا پانچ بجے صبح تک جاگے۔ تو میں نے کہا کیوں جی خیر ہے۔ جواب میں
 فرمایا کہ کچھ چائے اور آگ وغیرہ کی تکلیف ہوتی ہے۔ پھر میں نے کہا جی جمعہ کے بعد تو فرمایا پھر آرام ہو جائے گا۔
 انشاء اللہ تعالیٰ۔ بروز جمعرات ۵ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ صبح پانچ بجے کے قریب سب گھر والوں سے ناراض
 ہو کر گرم پانی کروایا۔ خود چوکی پر بیٹھ کر غسل فرمایا۔ اور اسی وقت ایک دم کچھ بادل جمع ہو کر خفیف سی بوند
 باندی شروع ہو گئی۔ غسل کے بعد نماز تہجد پڑھی۔ اور پھر نماز فجر حسب معمول چار پانی پر لیٹے ہوئے ادا کی۔
 چائے پی لی اور پھر فرمایا کہ دنیا کی باتیں میرے پاس مت کرو۔

پھر تقریباً دو بجے بعد دوپہر اسی روز یعنی جمعرات ۵ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ۔ اور یہی دن آپ کی پیدائش
 کا بھی ہے تو مجھے فرمایا اپنی والدہ کی اطاعت اور خدمت کرنی۔ تو میں نے عرض کیا کیوں جی کیا حال ہے

فرمایا بہت اچھا ہے۔ پھر عزیزم احمد حسن کو فرمایا کہ علم کا شوق رکھنا۔ پھر عزیزم حاجی معراج الدین کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ حاجی میں نے تم کو مریدی میں قبول کر لیا ہے۔ دوبارہ فرمایا میں نے تجھ کو سویت کر لیا ہے۔ میری جائیداد میری کتابیں میں سان کی حفاظت رکھنا۔ اور پھر فرمایا محمد اشرف حسین بی بی کو میرا سلام علیکم کہہ دینا۔ تو والدہ صاحبہ نے کہا حاجی آپ تو ایسی باتیں کر رہے ہیں جیسے کہیں سفر کو جانا ہوتا ہے تو فرمایا بے شک سفر میں تو ہیں ہی۔ مگر حالات۔ چہرہ غرضیکہ کوئی علامت یہ ظاہر نہ کرتی تھی کہ ابھی دس منٹ بعد آپ رخصت ہو رہے ہیں۔ دو بج کر ۱۵ منٹ پر میں نے عرض کی اب حاجی چلے بیٹھی ہے تو فرمایا اچھا۔ غرضیکہ ۲ بج کر ۲۰ منٹ پر دروا کھائی۔ چائے پی۔ پھر فرمایا آج دن جمعرات ہے۔ تو میں نے جواب میں کہا حاجی ہاں۔ وقت کیا ہے۔ میں نے گھڑی دیکھ کر جواب دیا جی ۲ بج کر ۲۰ منٹ ہیں تو فرمایا میری چار پانی کا رخ ٹھیک کر دو۔ پھر نیت باندھ لی اور ٹھیک ۲ بج کر ۲۳ منٹ پر رحلت فرما گئے۔ مگر مجھے انتقال سے تین منٹ بعد تک یقین نہ تھا کہ انتقال کر چکے ہیں۔ بلکہ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ پڑھ رہے ہیں۔ والدہ صاحبہ نے کہا کہ نہیں ختم ہو چکے ہیں۔ ہاتھ کی تکی ناک سے لگائی تو معلوم ہوا کہ سانس نہیں آ رہا۔ میں نے نیت کھول کر ہاتھ سیدھے کر دیے تو باہر نکل کر دیکھا کہ معمولی بوندا باندی جو کہ صبح چھ بجے سے شروع تھی پورے ڈھائی بجے بعد دوپہر بند ہو گئی۔ میں نے درحیانہ۔ جالندھر اطلاع بھیج دی کہ کل بعد جمعہ نماز جنازہ ہوگی اور ٹھیک چار بجے ہوگی۔

مگر قبلہ چچا صاحبان رات کو ۸ بجے بھلا اور پہنچ گئے۔ اور مجبور کیا کہ کل گیارہ بجے صبح جنازہ اٹھایا جانا ضروری ہے کیونکہ شریعت میں جلدی کرنے کا حکم ہے حضرت مرحوم تمام کام شریعت کے مطابق کیا کرتے تھے ہم کو اس پر عمل کرنا پڑا۔ اور پہلے پروگرام کو غلط بنانا پڑا۔ چنانچہ ۱۰ بجے صبح بروز جمعہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ میں حاجی احمد حسن نے قبلہ آنحضرت کو غسل دینا شروع کیا تو ہاتھ اس طریقے پر تھے جیسے وہ اپنا وظیفہ لنگیوں پر پڑھا کرتے تھے۔ چچا عبدالحق نے کہا کہ کرتا پھاڑ دو۔ میں نے دیکھا تو جسم بہت لچکدار تھا۔ چنانچہ کرتا با کھل ٹھیک جیسے بصورت زندگی اتار سکتے تھے، اتار لیا۔ اور نماز جنازہ آپ کے بدنے مولوی حسن صاحب سے پڑھوائی گئی۔ اور قبر کے واسطے آنحضرت نے ایک زمین تقریباً رقبہ دو کتال ہے لی ہوئی تھی اور اسی مطلب کے واسطے لی تھی۔ یہ زمین برچاہہ راسکیا نوالا پھلور اور گاؤں گڑھا کے درمیان ہے اور اپنے گھر سے تقریباً

ایک فلاںک ہے۔ ٹھیک ۱۲ بجے بروز جمعہ آپ کو دفن کیا گیا۔ لحد اور قبر مطابق سنت کچی ہے البتہ ارد گرد کچھ بیٹھنے کی جگہ چھوڑ کر چار دیواری بنادی گئی ہے تاکہ آنے جانے والے معتقدین اور عقیدت مندان کو بیٹھنے میں سہولت ہو۔ اگر تجھیز و تکھین کے موقع پر جناب یہاں ہوتے تو چچا صاحبان بلا وجہ ہم کو مجبور نہ کرتے۔ اچھا شاید جمعہ کی نماز سے پہلے ہی آنحضرت کا دفن کیا جانا افضلیت ہوگا۔ قبلہ بھائی صاحب، اگرچہ اہل پھلور کو آپ کے وجود کے ساتھ کفر عنادی تھا مگر خنازے میں سب شامل تھے اور آپ کے بعد یکدم سب کہنے لگے کہ حضرت مرحوم اپنے زمانے کے قطب تھے مگر ہم نے ان کی قدر نہیں کی۔ علاقہ ہار وغیرہ سے مریدان و عقیدت مندان آدیں گے۔ لہذا ختم شریف جمعرات و جمعہ ۱۳-۱۵ محرم الحرام ہے ختم میں محض قرآن مجید ختم کئے جائیں گے اور چنے کی دال اور روٹی کا انتظام کیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پھلور لادے اور پھر آپ کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کریں اور غم غلط ہو۔ امید تو ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے آنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ اپنی دعاؤں میں بدستور یاد فرماتے رہا کریں۔ قبلہ والد بزرگوار صاحب مرحوم ارشاد فرماتے تھے کہ میں تم سے اور اپنے درستیوں سے جدا نہیں ہوں گا بلکہ میری روح تم سب کے ساتھ ہوگی۔ کچھ سردیاں کل جاویں تو فی الحال ایک خام سی مسجد یا چوترا نماز وغیرہ کے واسطے بنانے کا ارادہ ہے کیونکہ آنحضرت کا فرمان تھا کہ میرے کالوں میں اذان۔ حدیث اور تفسیر اور قال اللہ وقال الرسول کی آواز آتی رہے۔ فی الحال بھی دس تین نمازیں وہاں روزانہ ادا کر لی جاتی ہیں۔ دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ توفیق اور برکت دیوے۔ آمین۔ ثم آمین۔

منجانب محترمہ والدہ ماجدہ صاحبہ بہت بہت السلام علیکم۔ اور بہت یاد کرتی ہیں کہ کاش اس موقع پر مولوی صاحب یہاں ہوتے تو ہم کو تقویت ہوتی۔ منجانب مولوی حاجی مراح الدین صاحب و عزیزم منظور و احمد حسن بہت بہت السلام علیکم قبول ہووے۔ فقط والسلام دعا کا محتاج! حقرا محمد حسین۔
برادر محترم مولوی محمد احمد صاحب زید مجددہ سلام مسنون نیار قرون۔ گرامی نامہ نے شرف فرمایا مولانا کی علالت طبع سے فکر ہوا۔ اللہ تعالیٰ صحت کاملہ عطا فرمائے۔ میری طرف سے مزاج پر سی فرما دیجئے۔
ادراک کارڈ سے طبیعت کے احوال سے مطلع فرمائیے۔ والدہ صاحبہ بعد سلام مسنون مزاج پر سی فرما رہی ہیں

یہاں خیریت ہے مولوی دجدا الزماں صاحب لمبی سے آپکے ہوں گے۔ ان کے لفافہ میں ہی آپ کا یہ موسومہ خط رکھ رہا ہوں۔ مولانا کی خدمت میں سلام مسنون از مرزا ج پرسی فرمادیجئے۔ والسلام

محمد طیب۔ از دارالعلوم دیوبند۔ ۲۱ نومبر ۱۳۵۶ھ

خلیفہ سید مقبول احمد سرمد شریف۔ خط مطابق فہرست نمبر سوم کتاب صفحہ ۳۶۴۔ خط نمبر ۳۶

حضرت مولانا صاحب مدظلہ۔ السلام علیکم۔ دو عدد پوسٹ کارڈ موصول ہو گئے۔ الحمد للہ کہ آپ بالکل تندرست ہیں۔ بندہ کو ابھی تک صحت نہیں ہوئی ہے۔ اختلاج قلب کا سخت دورہ ہوا ہے۔ بلغم کا بہت زور ہے۔ منہ کا ذائقہ میٹھا ہو گیا ہے۔ کمزوری بہت زیادہ ہے۔ یہ سب معاملہ حکمر کی خرابی اور بھینٹروں کی خرابی کا باعث ہے۔ ریاچ کی پیداوار بے انتہا ہے وہی معاملہ ہو گیا ہے جو کچھ بیماری آپ کو ہے۔ کوئی فرق نہیں ہے۔ دعا فرمائیں اللہ پاک صحت عطا فرمائے۔ لیوراسٹک کے انجکشن لگ رہے ہیں ماخللاج بہت زیادہ ہے۔ دل بہت تڑپ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے والے ہیں۔ دعا فرمائیں خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔ مولوی خلیل الرحمن صاحب کی صحت یابی کے لئے دعا کرتا ہوں۔ میری ذرا طبیعت اچھی ہو جائے تو کوکو وغیرہ انتر حسین آکر لے جائے گا۔ حاضرین مجلس کو السلام علیکم قبول ہو۔ یہ خط لیٹ کر لکھ رہا ہوں۔ فقط والسلام

خلیفہ سید مقبول احمد روضہ شریف سرمد ۹ مارچ ۱۳۵۷ھ

خط نمبر ۶ راحت منزل علی گڑھ۔ ۳ جنوری ۱۳۵۷ھ۔ کرمی و محترمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
گرامی نامہ بڑے عرصے کے بعد صادر ہوا۔ میں دہلی میں پارلیمنٹ کے اجلاس کے موقع پر ہمیشہ ہوتا ہوں البتہ جاہ قیام اور ٹیلی فون کا نمبر بدلتا رہتا ہے۔ اگر جناب والا پارلیمنٹ کے زمانے میں کبھی زحمت فرمائیں گے تو میں شرف ملاقات حاصل کر سکوں گا۔

ہاں مجھے یاد ہے یہ میرے پاس آئے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ وہ مولوی طاہر صاحب کے صاحبزادہ ہیں لیکن مجھے اس وجہ سے شبہ رہا کہ مولوی محمد طیب صاحب سے میرے تعلقات ہیں۔ اگر یہ ان کے بھتیجے ہوتے تو وہ ضرور مجھے اپنے خط کے ذریعے سے ان سے متعارف کراتے۔ بہر حال اب آپ کے خط سے مجھے معلوم ہو گیا کہ حضرت قاری محمد طاہر صاحب مرحوم کے بیٹے ہیں۔ میں انھیں جو پتہ آپ نے لکھا ہے اس پر پچاس روپیہ

بطور امداد بھیج رہا ہوں۔ تین سو روپیہ کی رقم کا انتظام تو دشوار ہے، مجھے یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس لئے کہ ”عیاں را چہ بیاں“، اشتراکیت اور شخصی امدادیں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتیں۔ اشتراکیت اگر ہماری

ریاستوں کو قوم کا مال بناتی ہیں تو پھر ان حاجت مندوں کا بار کہ جن کی ہم خدمت کیا کرتے تھے وہ بھی قوم یا قوم

کے نامندوں کی حیثیت سے حکومت کو اٹھانا چاہئے جہاں تک میں نے سنا ہے روس اور چین میں ایسا ہی ہوتا ہے

خدا کرے ۱۹۵۶ء آپ کے لئے مبارک و مسعود ثابت ہو۔ آپ کا نیا زمند احمد سعید

خط ۶۵ سید احتشام الحسن صاحب کاندھلہ ضلع مظفرنگر محلہ مولویان۔ مکرئی محترمی دام مجدکم۔ بعد سلام مسنون

یہ عرضہ ایک ذاتی غرض کے لئے لکھ رہا ہوں خدا کرے کہ بار خاطر نہ ہو۔ مجھے اپنے نام سے کاندھلہ تادمی موٹر

ٹھیلہ چلانے کے لئے پرمٹ کی ضرورت ہے۔ یہ کام چودھری چرن سنگھ وزیر مال یو پی کے ہاتھ میں ہے جس

کے لئے کسی موٹر سفارش کی ضرورت ہے۔ اگر ہو سکے تو کوئی موٹر سفارشی خط حاصل کر کے میرے پاس

بھیج دیں۔ لطف و کرم سے امید ہے میری خاطر یہ تکلیف گوارا ہوگی ممنون کرم ہوں گا۔ امید کہ مزاج گرامی بخیر

ہوگا۔ صاحبزادگان کی خدمت میں سلام مسنون۔ خاکسار احتشام الحسن۔ ۵ مارچ ۱۹۵۶ء (مجموع)

خط ۶۶ سید محمد مجتبیٰ پتی سرلے مظفر پور۔ ۲۰ جنوری ۱۹۵۶ء۔ محب مکرم، مولوی وحید الزماں صاحب۔

سلام مسنون۔ محبت نامہ مرقومہ ۳۱ فروری وارد ہو کر کاشف حالات ہمارے میں نے یہاں پہنچ کر جو خط بھیجا ہے

وہ موصول ہو چکا ہوگا۔ یا ذفرمانی کا شکریہ طبیعت ہر آن اس صحبت کو تلاش کرتی ہے اور کیا لکھوں کہ کس

قدر حسرت و مہجوری طاری رہتی ہے۔

چشمہ اور تولیہ بھیجنے کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ اللہ نے آپ لوگوں کو واقعی خیر و احسان پہنچانے

کے لئے خلق کیا ہے۔ عذرت خلق بود خلق حبیب الرحمن معنای ہر فرد طائفہ حبیب الرحمن پر صادق آتا ہے۔

اللہم زد فخر د۔ یہاں کے حالات مولانا کے ام خط سے ظاہر ہوں گے۔ میری اس کفایت قرطاس کو محاف

فرمائیں گے۔ آپ اپنے متعلق خبروں سے ہم کو ضرور مطلع کرتے رہیں گے۔ اور مولانا کے بیانات وغیرہ سے کوئی نئی

چیز شائع ہو تو ضرور مجھ کو بھیج دیں گے۔ مولوی خلیل الرحمن، مولوی سعید اور مولوی اظہر و مولوی عبداللہ غلط خلیل

وکل دیگر اصحاب صفہ کو میلا سلام پہنچا دیں میں نے تولیہ حافظ خلیل کے نام پہ کر دیا تھا اگر آپ نے یہاں بھیج دیا۔

یہ خط از باب آن چھتاری سابق گورنر یو پی کا ہے۔ ایکشن میں زمیندار پارٹی کے قائد تھے۔ پتہ: سید سیاحی سو بھ بوجھ کے آدمی ہیں نہایت شریف الطبع ہیں۔ حافظ قرآن ہیں پابند صوم و صلوات۔

اب مسئلہ بتلائے یہ کیسے فتح کیا جائے۔ فقط والسلام۔ مجتبیٰ (مرحوم) ۷

خط ۶۴ پٹی سرائے مظفر پور۔ ۲۰ فروری ۱۳۵۶ء (یہ خط مولانا کو تخلصیہ کامل میں پڑھ کر سنایا جائے)

(الف)

مولانا محترم زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میں ہر روز آپ سے عالم خیال میں گھنٹوں ملاقی و متکلم رہتا ہوں اور ایک کیف و سرور اس ملاقات و کلام غائب میں ملا کرتا ہے جس کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے۔ کیا کہوں کس اضطراب میں آیا۔ آپ کچھ تو جانتے ہیں۔ راستے میں لکھنؤ میں جو وقت بسر ہوا اس سے بہت محفوظ رہا۔ خان بہادر اقبال علی صاحب میرے اس نظریہ سے بہت متفق رہے کہ ہم کو ایک مختصر سی جماعت اشاعت و تبلیغ اپنے نظریات کے مطابق بنانا چاہئے اور بلا خیال لومۃ الآخرۃ خاموشی سے اپنا کام کرنا چاہئے۔ آپ چاہیں تو ان کو آگے بڑھنے کے لئے تیار کر سکتے ہیں۔ کارواں سے وہ مقصد حاصل ہو گیا نہیں، ابھی نہیں کہا جاسکتا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی سے دو گھنٹہ خوب گفتگو کیلئے ہی میں ہوئی۔ وہ شے دیگر نظر آئے۔ میں نے شکایتاً عرض کیا کہ شام و دمشق و دیگر بلاد عرب سے زیادہ مستحق بھارت کے مسلمان ہیں کہ ان کی طرف دعوت عزیمت و تبلیغ کا رخ کیا جائے۔ مہنس کر فرمایا کہ یہ آپ لوگوں کا کام ہے اور بلاد اسلامیہ کی روشنی سے بھارت بھی مستفید ہوگا۔ میں یہاں پہنچا تو دو قسم کے طوفانوں میں مبتلا ہو گیا۔ ایک تو گھر اور خاندان کا ماحول اور دوسرا مسلمانان شہر و مدرسہ جامع العلوم جس سے میری تمام زندگی وابستہ رہی ہے گھر کا حال کیا لکھوں۔ پریشانیوں کے جھرمٹ میں جس صبح چار بجے پہنچا۔ میری آمد سے چھ گھنٹہ قبل بڑی بڑکی کو بچہ پیدا ہوئی اور گھر پر ایک متفنن مرد بجز لڑکیوں کے نہ تھا۔ ذمہ دار افراد دیہات میں گھوم رہے تھے۔ اللہ کا شکر بجالایا۔ دعا فرمائیے اللہ نو مولود کو حیات و سلامتی دین و دنیا عطا کرے۔

مدرسہ جامع العلوم میں دستار بندی کا جلسہ ہونا میرے آنے کے دو تین روز قبل طے پایا اور دعوت نامے روانہ کر دیئے گئے۔ تقریب یہ ہوئی کہ قاری طیب صاحب کا دورہ بہار مشہر ہوا اور جناب مولانا منت اللہ رحمانی، مونگیر کی وساطت سے قاری طیب صاحب کو دعوت دے دی گئی۔ مولانا قاسم و مولانا ابوالوفا کو بھی دعوت نامہ چلا گیا ہے اور قاری طیب ۲۹ فروری کو یہاں آ رہے ہیں ایک جماعت نے مولوی اسحاق علی، کان پور پراسرار کیا، اور ان کو بھی دعوت نامہ چلا گیا، اب تک کوئی جواب نہیں آیا ہے، غرضیکہ یہاں

نہ سید مجتبیٰ مرحوم ۱۳۵۶ء سے نہیں الاحرار کے ساتھ رہے اور آخر تک پاس ہی رہے۔ نہیں الاحرار اپنے پیچھے جس سالہ دوست حاجی محمد فاروق صاحب آئی کلا تھا والوں سے اور سید صاحب سے باتیں کرتے کرتے آگے نہ نہانہ مکان میں گئے اور ان کی آن میں ہر شے جمع ہو گئی۔

علمائے دیوبند مع ہتھم صاحب اور علمائے مسلم جماعت کان پور دونوں کا اجتماع ہو رہا تھا کہ ایک مدرسہ امجدیہ جو حال ہی میں قائم ہوا ہے اور حکومت کے منظور شدہ نصاب کو پڑھا کر امداد بھی حاصل کرتا ہے مگر بریلویوں کے قبضہ میں ہے اس نے اپنے جلسے کا بھی اعلان کر دیا ہے۔ اس لئے بریلویوں کا بھی اجتماع ضرور ہوگا۔ پارساں ایک اجتماع اس شہر میں بریلوی علماء کا ہوا تھا جس میں سخت گڑ بڑ مچ گئی اور پولیس کو مداخلت کرنی پڑی اور سپرنٹنڈنٹ نے پولیس کی حفاظت میں مولانا ابراہیم کو جو مولانا احمد رضا خاں صاحب کے غالباً پوتے ہیں، جلسے سے قیام گاہ تک پہنچایا۔

بس میں اسی اضطراب میں ہوں کہ اللہ ہم کو آنے والے شر سے بچائے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ دینی درس گاہوں میں یہ فتنہ انگیزیاں کیوں ہو رہی ہیں۔ یہاں بھی اچھے اسلام و المسلمین کا بظاہر بہت جوش ہے، بباطن جدید ذرائع و مذاہب معاش و منفعت و گروہ سازی خفیہ مقاصد سیاست ہے۔ اس سے زیادہ کیا کہوں۔ عہد پریشاں خوب من از کثرت تعبیر۔ بالآخر کانگریس نے وہی فیصلہ کیا جو میں نے کیا تھا۔ اور کونسل آف ایسٹ و لوکل کونسل کے متعلق سب سابق ناموں کی نامزدگی ہو گئی۔ میں اب اس کو صرف یہ کہہ کر ختم کرتا ہوں کہ یہ آرزو آپ کی پیدا کردہ تھی اس کو دفن کر دیجئے۔ عا اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ میں صرف اس ایک جنون میں مبتلا ہوں کہ کسی صحافتی اور اشاعتی ادارے میں بیٹھوں اور صرف نوک قلم سے خراشہائے دل کو اور بھی زخموں سے بھر کر خون جگر کی آمیزش سے صفحات قرطاس پر گلہائے رنگارنگ سے گلہ سستہ خیال سجا کر دنیا کو نذر کروں اور بلاغ باشد و بس، کہہ کر صبر کرتا رہوں۔

آپ کی محبت، آپ کا سلوک، آپ کی صحبتوں کی یاد اور آپ کی مرشدانہ ہدایتیں انشاء اللہ میری زندگی کا بڑا سرمایہ رہیں گی اور دست بدعا ہوں کہ خدا مجھ کو اس سے تاحیات بہرہ ور کرتا رہے۔ آپ امرت سرشار نہ بنیں گئے۔ مولوی و جید نے صرف عزیزی سعید کا جانا لکھا ہے، آپ کا پروگرام آئندہ ماہ تک کیا رہے گا؟ دہلی یا رائے پور؟ تمام سرگرمیوں اور پریشانیوں کے باوجود میری گزارشیں نہ بھولے گا اور غلطی صاحب، اقبال علی صاحب سے اس کے لئے سلسلہ جنبانی کریں آپ چاہیں تو پانچ دس ہزار کی فراہمی ممکن نہیں ہے (باقی آئندہ) سب لوگوں کو فرداً فرداً میرا سلام فرمائیں۔ فقط۔ آپ کا عزیز خادم محبتی (محمود)

بٹا سرائے مظفر پور۔ ۲۹ مئی ۱۹۵۷ء (یہ خط مولانا کو تخلص میں سنائیں)

خط ۶۶ (ب) مولانا کے محترم۔ سلام مسنون۔ گرامی نامہ وارد ہوا۔ تفصیلات کا شکر گزار ہوں۔ امید ہے آپ کی صحت پہلے سے بہتر ہوگی۔ مولوی وحید الزماں کا قصہ سن کر سخت افسوس ہوا۔ میں آج کچھ تفصیل سے اپنی پریشانیاں گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ میں جس روز امر دہ سے دہلی واپس آیا تو دوسرے ہی روز یہ خبر بدستی کہ میرے رہائشی مکان متصل جو ایک بوسیدہ مکان ایک کٹھ آرائشی کے ساتھ تھا اور جس پر ۲۲ سال سے میں قابض تھا اور متولی سے بندوبست چالیس روپیہ سالانہ پر تھا، وہ وقف بورڈ کے حکم سے قبالہ ہو گیا ایک مین کو س فاصلہ پر رہنے والے دیہاتی نے بائیس سو پر قبالہ لیا اور چوبیس گھنٹے کے اندر سینیہ سے مظفر لیتنگ دروازہ کر کے رجسٹری کر دی گئی۔ اس میں مولوی نور اللہ صدر جمعیتہ علماء کی خاص کوشش اور پردی تھی۔ ان کے بعد ایک رکن وقف بورڈ کے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ قاضی احمد حسین بھی اور مظہر امام بھی ارکان ہیں مگر نامعلوم کیوں کسی کا خیال مجھ عاجز کی طرف نہ گیا، حالانکہ میری درخواست دو سال سے پڑی تھی اور میں نے پندرہ سو روپیہ زرشن پیش کیا تھا۔ اس وقت زمین اور مکان مذکور کی حالت یہ ہے کہ وہ میرے زمانہ مکان کا ایک حصہ اور خلوت ہے۔ ایک دم ملا ہوا کوئی دیوار بھی حائل نہیں۔ بائیس سال کا قبضہ ہے۔ بندوبستی کی رسید ہے۔ زمانہ پانچ خانہ، باورچی خانہ اور دایوں کی رہائش اسی زمین پر ہے۔

اسی حالت میں، میں نے مجبوراً پرسکون جنگ کا فیصلہ کیا اور ایک مقدمہ عدالت میں حق شفع کی بنیاد پر دائر کیا۔ یہ مقدمہ دائر کرنے کے دو روز بعد چالیس آدمیوں کی مسلح جماعت میرے اسی مکان میں زبردستی داخل ہونے اور باہری دیواروں کو توڑنے کے لئے آئی۔ پولیس نے آکر امن قائم کیا۔ صلح کی گفتگو شروع ہوئی اور دو دن کے بعد ۲۲ فروری ۱۹۵۷ء کو مدرسہ عربیہ جامع العلوم کا سالانہ جلسہ تھا جس میں مولوی طیب، مولوی قاسم، مولوی ابوالوفار وغیرہ تشریف لانے والے تھے۔ مدرسہ کے مہتمم بھی یکے از متولیان تھے جنہوں نے قبالہ رجسٹری کیا تھا اس لئے مجھ سے کہا گیا کہ مدرسہ کے جلسے کے بعد ثالثی کر دی جائے گی اور زرشن و خرچہ تمام ادا کر دو، قبالہ تمہارے نام ہو جائے گا۔

میں جلسے کے روز چار بجے صبح ایک مسلح ہجوم دیہاتیوں کا، چالیس پچاس لاکھیاں لئے آیا اور مکان

کی دیوار ڈھانے لگا۔ میں دھوکہ رہا تھا ننگے پاؤں دوڑ کر گیا۔ روکنا چاہا۔ بے بس تھا۔ پردے کی دیوار، زمانے مکان میں جانے والی، ڈھادی گئی۔ مجھ پر لاکھٹی سے حملے ہوئے۔ ڈھیلے برسائے گئے۔ دونوں پاؤں میں ایک ایک اینٹ کا زخم لگا۔ اتنے میں پولیس آگئی، اس نے دس آدمیوں کو گرفتار کیا۔ ڈھیلے جو زمانہ آنکھوں میں پھینکے گئے اس سے میری ایک لڑکی بھی زخمی ہوئی۔ یہ ایسا سانحہ الم ہوا کہ میں آج تک سرگرداں ہوں۔ اس واقعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تین مقدمات فوجداری قائم ہیں۔

(۱) دفعہ ۱۱۱ ضابطہ فوجداری فریق مخالف پر (۲) دفعہ ۱۴۵ بہ نیت قبضہ مکان وغیرہ۔

(۳) استغاثہ بہ نسبت مداخلت بے جا دلوہ، دضرب وغیرہ۔ اس کے علاوہ مقدمہ حق شفع ہے۔

مجھ کو پولیس نے اس وقت تک مدد نہ دی جب تک میں ایس، پی کے پاس نہ گیا، تھا نہ بالکل خلاف۔ رشوت کا بازار گرم۔ میرے پاس رشوت دینے کا سامان نہیں۔ غرض یہ کہ دو ہفتہ میرے مکان پر محافظت کے لئے پولیس تعینات ہوئی۔ اور اس مقدمے میں اس وقت تک پانچ سات سو روپیہ کی زیرباری ہو چکی ہے۔ یہ سب کچھ ”سرداران قوم نے کرایا“ یعنی جمعیتہ علماء اور مسلم لیگ کے بہترین پر جوش ارکان نے، اس لئے کہ میں نے ”ایمان فروشی کی ہے“۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مجھ کو ”آٹھ ہزار روپیہ نقد ملا ہے“ جس کو میں بانٹ کر نہیں کھاتا۔ تیسرا جرم یہ ہے کہ ”میں کسی کے آگے جھکتا نہیں، دکالت چلتی نہیں ہے، پھر بھی آگے بڑھا جاتا ہوں، یہاں تک کہ گورنمنٹ کے پیسے سے جج بھی کیا اور شاہ سعود کی آمد پر دہلی کی سیر کرتا رہا۔ اب مجھ کو نیچا دکھانا چاہئے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو میرے بہت پرانے رفقاء نے میرے منہ پر کہے۔ ایک سینئر وکیل صاحب نے جو کبھی میرے دوست تھے، یہ کہا میرے منہ پر کہ تم نے ”ایمان فروشی کی ہے“ تم کسی ہمدردی کے لائق نہیں۔ سابق صدر لیگ یہاں کے بہت امیر و معتبر وکیل ہیں۔ مجھ سے ایک مخلص وکیل نے کہا کہ ”تم جھکتے نہیں ہو، یہی تمہارا عیب ہے، تم وکیل صاحب سے جا کر مدد مانگو، ان کے آگے جھکو، بغیر اس کے تم اس شہر میں نہیں رہ سکتے ہو“ مجھ سے ہمیشہ یہ بات طنزاً لیگی کہتے ہیں کہ دہلی میں بیٹھ کر مولانا لدھیانوی کی تحریک خوب چلاتے ہو۔ میں نے ان سانحات سے سمجھا کہ منظر یہ بھی ”دہلی“ ہے۔

اب آپ سے دو اہم اس دست بستہ کرتا ہوں۔ (۱) اول تو یہ کہ جب ایک باساپ مجرم ہو چکے، تو

اب دوبارہ مجھ کو ہمیشہ کے لئے بلاد عرب میں بھجوا دیجئے۔ اب میں نے ہندوستان سے بھریا یا۔ مجھ کو کسی طرح
 بمبئی سے جہ کی ٹکٹ اس سال بھی پانی کے جہاز سے کٹوا دیجئے۔ میں آپ کا یہ ملک بہ طیب خاطر چھوڑ دوں۔
 اگر یہ نہ ہو سکے تو اب جس طرح بنے میرے لئے دہلی میں انتظام کریں۔ میں مظفر پور میں تو اب زندگی بسر نہیں
 کر سکتا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ بہت بے دست و پا ہیں۔ مگر ساتھ ہی اب یہ بھی یقین ہو گیا کہ دہلی کی دشمنیاں
 مظفر پور پہنچ گئیں۔ کوئی راہ تو سکون کی ہو۔ بھائیوں کو سلام

قاضی صاحب و کاظمی صاحب کو بھی تسلیم۔ اگر کاظمی صاحب وہاں ہوں تو یہ خط ان کو ضرور سنا دیا
 جائے۔ میں ان کو علیحدہ الہ آباد کے پتے سے بھی لکھ رہا ہوں۔ مولانا وحید الزماں کو بعد سلام معلوم ہو کہ مزید
 حالات سننے کا متنی ہوں۔ فقط محمد مجتبیٰ مرحوم

خط ۶۹ پکی سر لائے مظفر پور۔ ۲۰ جون ۱۹۵۶ء۔ مولانا محترم زید محمد کم۔ سلام مسنون۔ میں ۱۶ کی شام
 کو پٹنہ بخیر و عافیت پہنچا، اور کل صبح وہاں سے چل کر یہاں گیا رہ بجے آگیا۔ سب بچوں کو مع الخیر ملایا۔ تمام سفر
 میں آپ کا عطیہ گلاس ہر گھونٹے پانی کے ساتھ آپ کی شفقت اور محبت یاد دلاتا رہا۔ اور نہایت ہوشیاری
 سے اس کو یہاں تک بچا لایا۔ صراحی اور شیشے کا گلاس، تجربہ، سفر کی صعوبتوں کو برداشت نہیں کرتے اور
 مسافروں اور قلیوں کی جہالت اور بدتمیزی اور ہنگامہ و کشاکش کی دھڑ بھاگ میں اکثر و بیشتر چور چور
 ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس مرتبہ مجھ کو کافی زحمت و توجہ سے صراحی و گلاس کو محفوظ رکھنا پڑا۔ پٹنہ، دونوں
 سمت گھاٹ اور مظفر پور میں خود اس کا حامل رہا اور رکشوں میں گود میں رکھ کر لایا۔

اس بار سفر کو مختصر رہا مگر آپ کی عنایتوں کا بوجہ تنہائی کچھ زیادہ موثر رہا میں ہمیشہ آپ کے یہاں
 سے اگر چند روز بہت بے کیف رہتا ہوں اور دعا کرتا رہتا ہوں کہ اللہ آپ کی صحبتوں سے مستفیض ہونے کا زیادہ تر
 موقع دے۔ کاظمی صاحب سے ملاقات نہ ہونے کا سخت افسوس رہا اور میں الہ آباد اسٹیشن پر سخت حسرت
 سے مامور رہا۔ وحید الزماں صاحب آگے ہوں تو ان کو میرا سلام کہہ دیجئے گا۔ مولوی سعید صاحب کا لڑھکیا نہ
 میں کیا پتہ ہے جس سے خط بھیجوں؟ مائے پو خط لکھیں تو مولوی محمد احمد کو ضرور میرا سلام لکھ دیں۔ مولوی
 خلیل الرحمن، مولوی عزیز الرحمن، مولوی طیب، عقیل فصاحت و حافظ خلیل و مسٹر قمر اور جملہ اصحاب

پرسن حال کو سلام۔ دعا کیجئے کہ خدا کریم پھر جلد ملاقات کا موقع دے جس کام کو کیا تھا وہ ادا ہوا
ہی چھوڑ کر آیا ہوں۔ فقط والسلام۔ محمد مجتبیٰ (مرحوم)

خط ۶۶ (د) پکی سرائے مظفر پور۔ ۲۲ جون ۱۳۵۶ء۔ مولانا نے محترم۔ میں نے یہاں پہنچ کر ایک لفافہ
ردانہ کیا ہے۔ پرسوں کاظمی صاحب کا ایک محبت نامہ ملا جس میں انھوں نے پیسپو ادنیٰ پت کرنا ل
کی وقف اسکیم کے متعلق لکھا ہے کہ تم جلد از جلد مولانا کے پاس جاؤ۔ میں نے ان کو لکھ دیا ہے کہ میں ہفتہ عشرہ سے قبل
نہیں جاسکتا۔ اسکیم کو کام کی راہ پر لگانا اور اس کی تفصیلات پر انشاء اللہ تعالیٰ بروقت ملاقات گفتگو ہوگی۔
سر دست صرف یہ اطلاع دینی ہے کہ فوری طور پر اسکیم مجھ کو منظور ہے مگر میں ۲۹۔۳۰ جون سے قبل وہاں نہیں
پہنچ سکتا۔ امید ہے کہ اتنی تعویق سے کوئی کام حرج نہ ہوگا۔ بقیہ عند الملاقات۔ سب لوگوں کو درجہ بدرجہ
سلام و دعا۔ محمد مجتبیٰ (مرحوم)

خط ۶۷ (د) پانی پت۔ ۵ اگست ۱۳۵۶ء (نوبت شب)۔ حضرت مولانا نے محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مجھ کو قریب مغرب مولانا لقاء اللہ صاحب نے آپ کا خط دکھلایا۔ میں کل تو کسی طرح حاضر نہیں ہو سکتا، کیونکہ
گورنمنٹ پنجاب کا خط آگیا ہے کہ ۷ اگست کی صبح کو مجھ سے آکر ملو۔ چنانچہ میں کل ان کی ملاقات کی غرض سے روانہ
ہو جاؤں گا اور ۷ اگست کو ملاقات کر کے براہ راست آپ کے پاس چلا آؤں گا یعنی ۸ اگست کی صبح دہلی میں
موجود رہوں گا۔ انشاء اللہ۔ آپ مولوی منان صاحب کو ایک روزہ کے لئے روک رکھیں۔ میں انشاء اللہ لہر کہ
دوپہر کی گاڑی سے ان کے ہمراہ روانہ ہو جاؤں گا۔ امید ہے کہ آپ مع انجیر میوں گے۔ سب لوگوں کو سلام عرض
کردیں۔ میں آپ کو ابھی ٹیلیفون کرنے جا رہا تھا کہ مولانا نے حامل رقعہ کو بھیجا کہ یہ دہلی جا رہے ہیں ان ہی کو خط
دے دیں اس لئے عریضہ ترسیل خدمت ہے۔ فقط آپ کا خادم محمد مجتبیٰ (مرحوم)

خط ۶۸ لدھیانہ۔ ۲۸ جنوری ۱۳۵۶ء۔ جناب مولوی صاحب دام اقبالہ۔ بعد آداب کے عرض ہے کہ لفافہ
ملا۔ حالات معلوم ہوئے۔ عرض ہے کہ گورنمنٹ جو قرضے دیتی ہے اس میں شرط یہ ہے کہ اگر دو ہزار قرضہ لینا ہو تو
چار ہزار کی ایک ضمانت ہو اور چار ہزار کی دوسری ضمانت ہو۔ یعنی دو آدمیوں کی ضمانت لیں گے۔ ایک ہی شخص کی
۸ ہزار کی ضمانت نہیں لیں گے یہ ضروری بات ہے۔ جو شخص ضمانت دے اس کی جائیداد چار پانچ ہزار کی ضرورت

دو ہزار روپیہ میاں کا افسوس منظر کر دیتا ہے مگر کوشش سے۔ اگر زیادہ یعنی چار ہزار روپیہ لینا ہو تو منظوری
چند ہی گڑھ سے آتی ہے۔ وہاں آپ کو ہی کوشش کرنی پڑے گی اور چار ہزار کے لئے ۸ ہزار کی ضمانت بھی
ایک آدمی دے گا اور ۸ ہزار کی دوسرا آدمی دے گا۔ یہی گورنمنٹ کا قانون ہے۔ دیے اگر دیکھا جائے تو یہ
طریقہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ غریب آدمی تو لے ہی نہیں سکتا۔ اس کے علاوہ درخواست دیتے وقت حلفیہ بیان
اور کئی طرح کی لکھا پڑھی کرنی پڑتی ہے۔ خیر یہ تو کر ہی لیں گے۔ ضمانت ہر صورت میں دو آدمی دے سکیں گے ایک
آدمی نہیں دے سکتا۔ عرصہ ۶ سال میں واپس کرنا پڑتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اگر چار یا پانچ ہزار روپیہ مل جائے
تو کام چلا لیں۔ اگر کسی صورت میں اتنا نہ بھی مل سکے تو کم از کم دو ہزار ہی ابھی مل جائے پھر دوبارہ کوشش کر لیں گے۔
تاکہ تھوڑا بہت ہی کام چل سکے۔ دو ہزار روپیہ تو دو ماہ کے اندر ساند مل سکتا ہے۔ اگر زیادہ لینا ہو گا تو چار یا پانچ ماہ
لگ جا دیں گے یہ شرائط ہیں۔ اب جیسے بھی آپ کر سکیں لکھیں۔ دوسرے بندہ کسی کے ساتھ حصہ دار بن کر کام نہیں
کر سکتا۔ آج کل کے زمانے میں حصہ دار بن کر کام کرنا مشکل ہے۔ انسان اکیلا ہی کام کرے تو اچھا ہے کیونکہ بعد میں
کوئی بات ایسی ہو جس سے نقصان ہو اس لئے میں حصہ دار نہیں ملا سکتا۔ البتہ اگر کوئی امیر آدمی ویسے ہی رقم بطور
قرضہ دے دے اور بندہ پانچ چھ سال کے عرصہ میں واپس کر دے گا۔ یعنی ہر سال قسط کے طور پر واپس کرتا رہے گا۔
یعنی گورنمنٹ سے قرضہ لینے میں دقت ہوتی ہے، ضمانت وغیرہ کا جھگڑا ہے اور بھی کئی مشکلات ہیں۔ اگر کسی امیر سے
مل جاوے تو آسانی رہتی ہے۔ باقاعدہ لکھ کر دوں گا۔ جس طرح سے بھی ہو سکے سوچ کر کریں، بندہ کو آپ پر بہت
بھروسہ ہے۔ آپ بزرگ ہیں ضرور کوشش سے کسی نہ کسی طرح سے کام کر دے دیں گے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ بندہ
تاجدار ہے۔ عزیز محمد عمر میاں میرے پاس ہی ہے، کام کر رہا ہے اور سب خیریت ہے سب کو سلام۔ میری تو یہی پراپتھنا
ہے کہ آپ میرے حق میں دعا کرتے رہیں آپ کا خادم لال چنند بھکی۔ لدھیانہ

خط ۶۷ منڈی سلا نوالی ضلع سرگودھا محلہ رام نگر۔ ۲۷ فروری ۱۹۵۷ء۔ محترم مکرم جناب بزرگوار حضرت
مولانا صاحب سلامت باشند۔ السلام علیکم درجۃ اللہ۔ امید ہے رب العزت کے کرم سے حضور والا پوری خیر و عافیت
کے ساتھ ہوں گے۔ میں بہت مجرم ہوں۔ چند مجبوروں کی بنا پر خط تحریر کر کے خیریت حاصل نہیں کر سکا۔ نگاہ شفقت
سے بندہ کی کوتاہی کو درگزر فرما کر معاف کر دینا۔ اب بھی اس وقت شہر سلا نوالی میں میونسپل حدود میں مقید

کر رکھا ہے۔ تین ماہ کی حدود بندی کا نوٹس ملا تھا۔ دو ماہ ختم ہو گئے ہیں۔ تیسرا ماہ اسی سیری کا گزر رہا ہے۔ دعا
 فرمائیں رب قدیر استقلال کی توفیق سے نوازے۔ زندگی میں بندہ ناپسند کو آپ سرکار کی خدمت عالیہ میں پیش ہو کر
 زیارت اور خدمت کا موقع میسر ہو۔ سرکار مدنی اور حضور والا کی یاد دافنی مجھے تو بے قرار اور بے چین رکھتی ہے
 جس کا اظہار بذریعہ تقریر کر لیتا ہوں امداد اپنے اہل کاروں سے سزا بھگت لیتا ہوں۔ نگاہ کرم اور دعا سے یاد رکھیں
 حضرت اقدس کی خدمت عالیہ میں ملاقات کے وقت سلام پیش کر دیں۔ بندہ کی جانب سے بھائی جان مولانا خلیل الرحمن
 صاحب، مولوی عزیز الرحمن صاحب، مولوی محمد احمد، حافظ سعید الرحمن، بھائی اظہار اور بھائی طیب صاحبان
 سب کی خدمت میں سلام۔ میری اہلیہ سرکار کی خدمت میں سلام پیش کرتی ہیں۔ خیریت کی اطلاع تحریر فرمائیں
 نوازش ہوگی۔ سلام نوالی کے احباب کی جانب سے سلام پیش ہے۔ آپ کا خادم سید فضل الرحمن جگرانی
 خط ۶۹ فیروز پور کینٹ۔ ۲۸ فروری ۱۳۵۶ء۔ محترم مولانا صاحب۔ السلام علیکم۔ گزارش ہے کہ دل میں
 آپ کو دیکھنے کی بڑی خواہش رہتی ہے جب خدا کی مہربانی ہوگی تو آپ سے ملاقات ہو جاوے گی۔ حالات ایسے ہیں
 کہ دہلی آنا مشکل ہو گیا ہے۔ ایک میرا پرانا اور بڑا نیک مسلمان دوست میرے گاؤں بھادل پور ریاست کا میرے پاس
 آنا چاہتا ہے بعد اپنے عیال کے۔ اس کو لانا ضروری ہے۔ وہ میرے پاس آنے کے لئے بے قرار ہے اور میں اس کے
 لئے کوئی راستہ بتا دیں اور اس کو لانے میں میری امداد فرمائیں۔ خدا کا بڑا شکر ہے اس کی بڑی مہربانی ہے
 کہ میں جب یہ کہتا ہوں کہ خدا ہے آپ دعا کریں کہ میں خدا سے ڈرتا رہوں اور اس کی رحمت کا جس کا میں مستحق
 تو نہیں لیکن اس کی رحمت میرے گناہوں سے بہت بہت بڑی ہے۔ دردانہ میرے واسطے کھلا ہوا ہے۔ خدا آپ
 کو اصرار اپنے انساؤں کو سیدھا راستہ دکھائے۔ اور ان پر اپنی رحمت کرے انساؤں کا خیر خیرات میرے پر بھی
 مہربانی فرماوے مولانا صاحب میں آپ کا بڑا مشکور ہوں آپ نے مجھے اس راستے میں ڈالا ہے کہ اب اور راستہ
 نظر نہیں آتا ہے۔ آپ محاف کریں اگر میں یہ کہہ دوں کہ اللہ کی مہربانی سے ہی یہ ہوا۔ خدا کا شکر ہر بار شکر میں کہیں
 ہوں۔ ایک جنگلی بیابان میں بھٹکتا پھرتا تھا۔ خدا نے مجھے اپنے پر لگایا۔ خدا ہے۔ خدا ہے۔ خدا ہے۔ خدا ہے
 میں اس ساری کائنات میں ایک حقیر انسان ہوں۔ آپ کی باتیں سننے کو جی کرتا ہے۔ خدا کی باتیں۔ کون کرے
 میرے ساتھ خدا کی باتیں۔ اللہ کا شکر۔ سب کو دعا سلام۔ آپ کا خاکسار۔ بدری ناتھ۔

خطبہ کنڈیان - ۱۵۵۶ - البسط المحمد والصلوة دار سال التسليمات از فقیر خان محمد عفی عنہ۔ محترمی جناب حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مدظلہ العالی ملاحظہ فرمائیں۔ گرامی نامہ تعزیت و اظہار حسرت بروقتاً آن ذات والا صفات مجموعہ مکارم نسخہ کمالات الشیخ المرہبی حضرت الحاج مولانا عبداللہ نور اللہ مرقدہ کہ نامزد فقیر ساختہ در دریافتہ بموجب تسکین قلوب غم زدہ دسینہ ہائے مجروح شدہ گردید تقبل اللہ منکم و احسن جزاکم۔ محترمہ صدمہ وفات حضرت مرحوم نہ صرف صدمہ اجاب است بلکہ مصیبت جملہ اہل اسلامت و ہر فرد مسلمان قابل تعزیت کہ موت العالم موت العالم فان اللہ وانا الیہ راجعون۔

سبحان اللہ۔ حضرت شیخ طاب اللہ ثراہ و اکرم مشواہ نہ فقط محط اصفیاء بود بلکہ مرجع فضل و مادی ذوی الحاجات بود نہ بر تعلق اشغال و ادکار طریقہ کفایتی بلکہ در اعلائے کلمۃ اللہ و جہاد اعداء اللہ ہر طریق ممکن سابق و داعی از بصیرت نافذہ، آن ذات ستودہ صفات چہ اظہار نماید کہ اگر صوفیائے راہ بر دقائق عیوب نفس و حقائق کمالات کتبہ از ان شمع نوریت ہم جہاب زدہ علماء را در تحقیق و دقائق مسائل علوم از آنحضرت شرکت بلکہ ہدایت و تہنیت فخر از اللہ تعالیٰ اعنی و عن جمیع اجابہ و عن المسلیس خیرا

و چون اجاب این فقیر را بر جائے حضرت والا برگزیند و اندبا وجود آنکہ این فقیر درمی خود چیزے نمی یابد کہ بادے شائستگی این منصوب دارد لاجرم مستدعی است کہ از دعوات مستجابہ خود مدد و معاون فقیر باشند کہ حق سبحانہ و تعالیٰ ثابت القدر بر طریقہ حضرات عنایت فرمودہ توفیق ادائے حقوق الہی کرامت فرمایند انہ الیسر لکل عسر و علی ما بشار قدیر حضرت اقدس صبیہ بعمر ہفدہ سالہ و صغیر کنی محمد عابد سلمہ بعمر سیزدہ سالہ گزاشتہ است در حفظ قرآن کریم مصروفست۔ عزیزان جملہ اجاب خانقاہ تسلیمات رسانند۔ بدعوت یاد فرمائید والسلام۔ لڑ و نگ براستہ کنڈیان۔ خان محمد خلیفہ و سجادہ نشین مولانا عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ۔

شیخ طریقت خانقاہ کنڈیان دیر غازی خاں

خطبہ ۱۵۵۷ - اردہہ۔ ضلع مراد آباد۔ ۲ مارچ ۱۵۵۷۔ بخدمت شریف مولانا صاحب خادمانہ سلام۔ آپ کا ہمدردانہ خط موصول ہوا۔ بے شک آپ کو جو صدمہ پہنچا ہے وہ مجھ سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ حکیم صاحب آپ کو اپنا والد بتایا کرتے تھے اور دراصل آپ کی ہمدردیاں بھی یہی بتاتی رہیں کہ آپ ان کے، میرے اندر بچوں کے ایک بہترین ہمدرد ہیں یہ میری بد قسمتی کہ وہ آپ کی نیک دعاؤں کے باوجود نہ بچ سکے اور آپ کو اس پیری

میں یہ صدمہ دے گئے۔ بہت چاہتی ہوں کہ مجھے صبر آجائے مگر بچوں کی تڑپ نہیں دیکھی جاتی۔ دعا کیجئے کہ خدا تعالیٰ صبر عطا فرمائے۔ آپ جیسی عظیم شخصیت کا میں کس طرح شکریہ ادا کروں کہ آپ مجھے صبر کی تلقین دیتے ہیں۔ اگر آپ کی دعائیں شامل حال ہیں تو میں ضرور سکون پاؤں گی۔ مرحوم نے مرتے دم بھی آپ کو یاد فرمایا تھا مرنے سے چند منٹ قبل کچھ کہہ رہے تھے تو میری والدہ کہنے لگیں کہ مولانا صاحب کو پتہ نہیں خبر ہوئی یا نہیں۔ اگر انھیں خبر ہوئی تو وہ تمھیں دیکھنے ضرور آتے اس پر انھوں نے اشارے سے آپ کو یاد کیا، حالانکہ کمزوری سے بولا نہیں جاتا تھا۔ ان کی ممانی جو قریب بیٹھی تھیں وہ آپ کے متعلق پوچھنے لگیں کہ وہ کہاں کے رہنے والے ہیں تو یکدم زور سے بول اٹھے۔ آپ نہیں جانتیں وہ دہلی کے رہنے والے ہیں۔ اور اس بات کے دہشت بعد کلمہ پڑھتے ہوئے وہ اس دنیا سے فانی سے چل بسے کہ وہ اپنے باپ سے نہ مل سکے۔ بجز صبر کے کوئی چارہ نہیں۔ آپ بھی صبر فرمائیں اور بھائی صاحب وغیرہ کو بھی صبر کی تلقین دیں۔ میں آپ کی دعاؤں کی ہمیشہ خواستگار رہوں گی۔ یہ سب بچے آپ کو سلام لکھاتے ہیں اور آپ کی دعاؤں کے طالب ہیں۔ میں آپ کی ہمدردیوں کے لئے دل سے ممنون ہوں۔ آپ کی ذات گرامی میرے لئے تسلی کا باعث ہے۔ خدا آپ کا سایہ سب پر قائم رکھے آمین۔ گھر میں سب کی خدمت میں میرا سلام فقط خادمہ غمگین شمس النساء (بیوہ حکیم)۔

خط ۲۷ اردو بہ۔ ضلع مراد آباد ۲۔ فردوسی سٹریٹ۔ بخیریت جناب مولانا صاحب۔ آداب خادمانہ۔

کل یا مین کے ذریعے آپ کی خیریت معلوم ہوئی۔ کیونکہ وہ میرے پاس میری خیریت طلب کرنے کے لئے آئے تھے معلوم ہوا کہ آپ میری طرف سے فکر مند ہیں۔ میں نے ایک عرصے سے آپ کو خط بھی نہیں لکھا۔ اس کی وجہ یہ رہی کہ میں کمزوری تو ایک عرصہ سے محسوس کرتی ہی تھی اب کوئی ایک ہفتہ سے میری طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ میری پیٹھ میں سخت تکلیف ہے۔ سینے میں دکھن رہتی ہے۔ کھانسی برابر ہے۔ چار روز سے بخار میں مبتلا ہوں۔ کمزور ہو گئی ہوں۔ چار روز سے ڈاکٹر کا علاج شروع کیا ہے۔ مجھے اپنی ان تکالیف سے دہم بڑھ رہا ہے ہر وقت پریشان رہتی ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے اب تک خون تو نہیں آیا ہے۔ مگر سینے میں تکلیف رہتی ہے چھوٹے چھوٹے بچوں کا کام بھی مجھے کرنا مشکل لگتا ہے۔ لیکن جہاں تک ہو سکتا ہے کرتی ہوں۔ بڑی بچی کو اس کی خالہ نے پاکستان بلایا ہے اور میرے والد بھی میری بڑی بہن سے ملنے کو اور آصف سلمہ کو ان کے پاس

پہنچانے کے لئے تین مہینے کے لئے پاکستان جا رہے ہیں۔ آصف سلسلہ دہلی ہو کر جائے گی۔ اگر ممکن ہو تو وہ آپ سے مل کر جائے گی۔ ابھی کوئی ایک ہفتہ ہوا کہ مجھے مبلغ ۳۰ روپے کا ایک مینی آرڈر وصول ہو چکا ہے جو دہلی سے آیا تھا۔ مگر ہوا یہ کہ میرے پاس کچھ عورتیں بیٹھی تھیں میری والدہ نے وصول کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ کس نے بھیجا ہے۔ انہوں نے رسید لا کر مجھے دی۔ تو رسید پر کسی کا نام نہیں تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انہوں نے بھی نام نہیں دیکھا۔ میں حیران تھی کہ کس نے بھیجے۔ کل یا مین سے معلوم ہوا کہ آپ نے دریافت کرایا ہے، کہ حاجی صاحب کا کوئی خط تو نہیں آیا میں سمجھ گئی کہ انہیں صاحب نے وہ ۳۰ روپے بھیجے ہوں گے۔ میں نے اسی لئے آپ کو بھی نہیں لکھا کہ ایک تو نام کا پتہ نہیں چلا، دوسرے علالت کی وجہ سے بھی نہ لکھ سکی، خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ان چھوٹے چھوٹے بچوں پر رحم کرتے ہوئے میرے اد پر کرم فرمائے۔ آپ کی صحت کی طرف سے بھی کافی پریشان رہی۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ بفضل تعالیٰ اب ٹھیک تو ہیں۔ میں نے کئی بار چاہا کہ آپ کی مزاج پر کسی خود دہلی حاضر ہو کر کر دوں۔ مگر میرا ارادہ پورا نہیں ہو سکا۔ زیادہ کیا تحریر کر دوں، بچے آداب عرض کرتے ہیں۔ میری جانب سے تمام پرسان حال کی خدمت میں سلام۔ فقط خادمہ شمس النساء ربوہ خط ۲۳ سرگودھا۔ ۶ مارچ ۱۳۵۶ء۔ مرمی حضرت مولانا زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا ارشاد گرامی ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ دن بدن اداسی اور پریشانی بڑھتی جا رہی ہے جو آپ کی زندگی میں سکون اور راحت تھا وہ اب نہیں رہا۔ آپ کا ہر سانس ہماری راحت کا ضامن تھا۔ آپ کے جنازہ کے ساتھ تقریباً ۵۰ افراد نے نماز جنازہ ادا کر کے آپ کی مغفرت کے لئے دعا کی۔ پھر انتقال کے دوسرے دن جمعہ کو ہر مساجد میں نماز جمعہ کے دوران خطیبان نے حاضرین کے ساتھ دعائے مغفرت کی۔ میں ان کی یادگار کہ بہت شوق سے تزیین دے رہا ہوں۔ گویا دکان کو ان کے نام پر تبدیل کر کے ان کے نام کو زندہ رکھوں گا۔ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کام میں برکت کر کے میرے ہاتھوں خدمت خلق ہوا اور لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ ماموں رشید احمد صاحب ٹھیکے داری کرتے ہیں اور ماموں بشیر احمد صاحب نے پرچون اور دودھ پان سگریٹ کی دکان کی ہوئی ہے۔ دونوں ماموں صاحب آپ کو السلام علیکم عرض کرتے ہیں۔ نیز مولانا خلیل الرحمن صاحب اور مولانا امین الرحمن اور مولانا عزیز الرحمن صاحب کو ہماری سب کی طرف سے السلام علیکم عرض کر دیں اور بڑوں کو بھی السلام علیکم

عظیم القاب احمد امروہی

عرض ہے۔ محترم شیخ محمد رفیق صاحب بھی بہت روتے رہتے ہیں۔ کئی دفعہ دعا کے سلسلہ میں تشریف لائے لیکن وہ
 پچھلے چوک سے واپس ہو گئے۔ ان کے دل میں برداشت نہیں رہی۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ جاؤں تو کس کے
 پاس جاؤں وہ کہتے ہیں کہ میرا ایک بازو ٹوٹ گیا۔ ان کی غشش کے لئے کئی گھروں میں تلاوت قرآن سہی ہے
 آپ ہمیشہ ہر دعا میں ہم لوگوں کو یاد رکھیں۔ امید ہے کہ آپ ہمیں ہمیشہ اپنی دعاؤں کے زیر سایہ رکھیں گے۔
 حضرت اقدس رائے پوری شاہ صاحب کی خدمت میں ہماری طرف سے السلام علیکم عرض کر دیں اور ہماری
 نیک سلامتی اور کاروبار کے لئے دعا کریں۔ سرگودھا میں حضرت شاہ صاحب بخاری نے بھی ۱۵ ہزار افراد
 کے ساتھ اباجی کی مغفرت کے لئے دعا کی۔ عرصہ کچھ تفصیلی حالات کی وجہ سے لمبا ہو گیا۔ خیر عافیت سے
 اطلاع بخشیں۔ والسلام مع الکرام۔ فقط تابعداران۔ رشید احمد۔ بشیر احمد۔ ڈاکٹر فیاض الدین ہومیوپیتھ
 خط ۱۲ بھاول پور۔ ۱۲ مارچ ۱۳۵۶ء۔ بخدمت جناب حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مدظلہم
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج شریف۔ آج کے روز آپ کا عنایت نامہ ملا۔ پڑھ کر دل کو خوشی ہوئی تبسم حسب
 جب بھی تشریف لادیں گے ان کی ہر طرح کی خدمت کی جاوے گی۔ آپ کے جوتے کے متعلق عرض ہے کہ بندہ انڈیا
 کا پرٹ بنوا رہا ہے جس وقت تیار ہو گیا آپ کا کھوسہ ساتھ لائیں گے۔ اللہ کے حکم سے پرٹ جلد بن جاوے گا
 کوشش کر رہے ہیں۔ والد صاحب راضی خوشی ہیں۔ چچا کریم بخش صاحب جن کو عرصہ دو سال ہوئے فوت ہو گئے
 ہیں۔ مرحوم اپنے پیچھے ستر کباں، دو بیویاں چھوڑ گئے ہیں۔ کاروبار بوٹ ختم ہو گیا ہے اس وقت ہمارا کاروبار
 زمین باری پر یا پھر ہینڈ لوم فیکٹری ہے۔ گزارہ اچھا ہو رہا ہے دعا کریں۔ باقی حالات زبانی سنیں گے اور میں گے
 آپ ہر بانی فرما کر اسی پتہ پر یعنی چیف بوٹ ہاؤس کے، خط و کتابت کرتے رہا کریں آپ کا لیٹر فائل کر دیا ہے۔
 آپ کا مخلص عبدالحمید پروپرائیٹر۔ چیف بوٹ ہاؤس۔ بھاول پور۔ ویسٹ پاکستان۔
 خط ۱۲ دیوبند۔ ۱۶ مارچ ۱۳۵۶ء۔ بروز جمعہ۔ نذرہ و نصلی۔ مخدوم و معظم حضرت مولانا صاحب۔
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بفضلہ تعالیٰ آپ کی دعاؤں کے زیر سایہ آپ کا خادم اور اہل خانہ بخیریت
 ہیں اور طالب خیر ہیں امید ہے آنحضرت بخیریت ہوں گے۔ پچھلے دنوں مولانا سعید صاحب اور بھائی احمد صاحب
 تشریف لائے۔ ملاقات ہوئی۔ مگر صرف رسمی گفتگو اور سلام و کلام تک محدود رہی۔ عرصہ سے جی چاہ رہا تھا کہ

آنحضرت کو اپنی خیریت کا اور دعا کی درخواست کے لئے دو چار سطریں لکھ دوں۔ مگر قلت وقت اور کثرت اشغال کی وجہ مانع رہی جس کی معافی "از خرداں خطا و از بزرگان عطا" کے تحت میں مانگتا ہوں

میرا امتحان سالانہ تقریری ہو چکا اور انشاء اللہ شعبان ۱۳۸۵ھ کو شرح جامی بحث اسم، شعبان کو قطبی تصدیقات، شعبان کو شرح وقایہ اور شعبان کو میر قطبی کا تحریری امتحان ہو گا۔ تقریری امتحان میں اصول الشاشی۔ شرح جامی بحث فعل کا امتحان دے چکا ہوں جس کا نتیجہ اندازاً اپنی جماعت میں اول نمبر آنے کا ہے۔ اس لئے جیسا کہ عام طور پر میرے ساتھی کہتے ہیں کہ تو نے بہت عمدہ بتایا۔ اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے حضرت مجھے غبرات سے کوئی سروکار نہیں مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ میں نے امسال یکسوئی کے ساتھ ان تمام مذکورہ کتابوں کا طلباء کو کرا بھی کرالیا ہے اور خداوند تعالیٰ کے فضل سے اول آنے کی بھی امید ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس میں میں نے کچھ نہیں کیا بلکہ یہ سب آپ کی دعاؤں کا صدقہ اور بزرگوں کی دعاؤں کا اثر ہے امتحان کے موقع پر زیادہ طویل خط بھی نہیں لکھ سکتا۔ چونکہ اب دو بجے کے قریب میر قطبی کا کمرہ کرنا ہے یہ خط میں جمعہ کی نماز کے فوراً بعد لکھ رہا ہوں ورنہ بالکل کوئی موقع نہ تھا کہ آپ کو خط لکھتا۔ میں بے چین تھا کہ کسی طرح آپ کو دو چار سطریں تحریر کر دوں کہ آنحضرت میرے امتحان سالانہ کے لئے دعا فرمادیں۔ مجھے اپنی کتابیں یاد ہونے پر بجز خدا کے بھر دسہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں محتاج ہوں آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ خداوند تعالیٰ مجھے امتحان میں اول نمبر کامیاب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ مولانا سعید احمد صاحب، مولوی غلام احمد صاحب، مولوی عزیز الرحمن صاحب وغیرہما کو میرا سلام فرمادیں اور دعا فرمائیں کہ گھر میں جو پریشانیاں ہیں زیادہ سی ہوتی جا رہی ہیں ان کو خداوند تعالیٰ اپنے فضل سے دور کر دے۔ آمین ثم آمین۔

نوٹ: جی چاہتا تھا کہ امتحان سالانہ کے بعد آپ کی زیارت سے مشرف ہوں۔ خداوند تعالیٰ آپ کی زیارت سے مشرف فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ فقط والسلام۔ آپ کا خادم جو دور رہ کر بھی آپ کی خدمت کا جذبہ رکھتا ہے۔

خط ۵، احقر محمد آصف قاسمی ابن حضرت مولانا طاہر ابن احمد ابن قاسم صاحب

(احق)

از دیوبند۔ طاہر منزل تاستانہ قاسمی۔ ۱۳۸۵ھ۔ حضرت مولانا صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

وبرکاتہ۔ بعد سلام مسنون! امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہوں گے۔ دیوبند میں ہر طرح خیریت ہے۔ دو چار دن میں

عید ہے موقع اچھا تھا اس لئے بطور مبارک با دنیا زنامہ ارسال کر رہا ہوں۔ خداوند تعالیٰ آپ کو مع متعلقین کے عید مبارک فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ چونکہ وہ وظیفہ جو حکیم صاحب کی طرف سے ہوا تھا اس کی میعاد متعینہ ختم ہو رہی ہے اس لئے اس کی ایک درخواست ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ میں حکیم صاحب کا وہ مخصوص پتہ نہیں جانتا کہ جس پر اس درخواست کو بھیجوں اسی وجہ سے جناب کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں۔

یہ تو حقیقت ہے جس سے انکار ہی نہیں کیا جاسکتا کہ آج تک آپ نے جو کچھ ہمارے لئے کیا بزرگانہ شفقت کے ساتھ اتنا کیا کہ ہم جس کا کبھی بدلہ نہ چکا سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آپ کو اپنا ”محسن اعظم“ سمجھتے ہوئے جب بھی کوئی مصیبت اُڑے آپ کی طرف لپکتے ہیں۔ کیونکہ جب چھوٹوں پر کوئی وقت اُڑے تو وہ اپنے بزرگوں کی طرف ہی رحم طلب نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ہمیں آپ پر ناز ہے کہ اگر خداوند تعالیٰ نے ہمارے سے ہمارے شفیق باپ کو لے لیا تو اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے آپ جیسا خدا ترس اور محسن بے لوث عطا فرمایا۔ تو کیوں نہ میں اس وقت آپ ہی کو یاد کرتا جب کہ مجھے کوئی کام تھا۔ اسی لئے آنجناب کی خدمت عالیہ میں درخواست ارسال ہے۔ تکلیف دی کی معافی چاہتا ہوں چاہئے تو یہ تھا کہ میں آپ کی کوئی خدمت کرتا۔ مگر یہاں معاملہ ہی برعکس ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کسی قابل فرمادے۔ آمین ثم آمین۔ مثل مشہور ہے آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ یہی صورت حال ہماری ہے۔ ایک مصیبت سے نکلنے نہیں پاتے کہ دوسری سر پہ آن کھڑی ہوتی ہے اب ہم نے سوچا تھا کہ انشاء اللہ ٹھیک سے گزرے گی کہ ٹیکس اس قدر ہو گئے کہ بس خدا ہی سمجھے۔ تمام گھروں کے چھجوں کے تختوں وغیرہ کے ٹیکس تقریباً ستر روپے ہوتے ہیں، ادھر کسٹوڈین میں جو ہمارے مکان کا حصہ گیا ہے اس کا کرایہ پونے تین روپیہ ہے (۱۲) وہ کم نخت بیس بیس مہینے کا کر کے لیتے ہیں۔ عید کے چاند میں اس کا بھی ادا کرنا ہے۔ پہلے بجلی کے ہر ماہ روپے جاتے تھے۔ مگر اب دوسرے مہینے پچیس تیس روپیہ جاتے ہیں اس کا بھی عید پہ دینا۔ ویسے اللہ رکھے عید کا بھی خرچ ہے۔ سادہ یہ بتانے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ اگر رمضان سے پہلے مہینوں کا خرچ پانچ روپیہ یومیہ ہوتا ہے تو رمضان میں دس روپیہ یومیہ کا خرچ ہوتا ہے۔ ایسے ہی دوسرے اخراجات ہیں۔ غرضیکہ مولانا اگر ہم گھر کی دوسری الجھنوں سے نمٹے تھے تو اس قدر اخراجات کی بہتات ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں۔ دن رات یہی سوچ ہے۔ ایک طرف آمدنی پر نظر پڑتی ہے وہ ان اخراجات کے لئے بہت ناکافی ہے۔

ہیں اب تو مولانا صاحب آپ مخصوص وقتوں میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ان تمام مصائب کو ختم کر دے اور ہم اطمینان کا سانس لے سکیں۔ اور کیا تحریر کروں۔ قبلہ والدہ صاحبہ آپ کو سلام فرماتی ہیں۔

آپ کی دعاؤں کا محتاج اور خادم۔ محمد آصف قاسمی

خط ۷۷، ڈورلی کلاں۔ ۲۲ مارچ ۱۳۵۶ء۔ قبلہ حضرت مولانا صاحب دہم ظلم۔ السلام علیکم۔ مدت سے ہی خواہش رہی کہ آپ کے نیاز حاصل کر سکوں۔ دیر حاصل کرنے کے بعد ۲۰ مارچ ۱۳۵۶ء کو آبائی وطن جالندھر آگیا۔ جالندھر کے قریب ہی ڈورلی کلاں گاؤں میں رشتے دار موجود ہیں۔ ان کے پاس ٹھہر گیا۔ ڈورلی ہی میں دقت زیادہ عرصہ ہو گیا جس کی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضری نہ ہو سکا۔ انشاء اللہ رمضان شریف کے بعد دوبارہ انڈیا جب آیا تو سیدھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ اس وقت میری آمد مع بچوں کے ہے جس وجہ سے میں حاضری نہیں ہو سکا۔ میری داپسی ۲۶ مارچ ۱۳۵۶ء بروز سوموار ہے۔ میری جانب سے مولانا خلیل الرحمن، مولانا عزیز الرحمن کی خدمت میں السلام علیکم۔ امید ہے کہ جناب ذیل کے پتہ پر اپنی خیریت سے مطلع فرمائیں گے

(علی محمد برہان شیل آئی ایچ بی گوجرہ ضلع لائل پور) طالب دعا علی محمد جالندھری

نوٹ: تقسیم ہونے کے بعد میں گوجرہ ہی چلا گیا تھا۔ لائل پور میں اکثر حضرت مولانا انیس الرحمن صاحب سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔

خط ۷۸، ہریہ ضلع منٹگری۔ ۲۸ مارچ ۱۳۵۶ء۔ واجب الاحترام حضرت قبلہ مولانا صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ قلم قبلہ مرحوم و مغفور کے ہاتھ میں تھا۔ خط و کتابت خود کیا کرتے تھے۔ شاید چار ماہ پہلے آپ کو اپنی بیماری کے مطلق مجبلاً لکھا تھا۔ طبیعت بے انتہا صابر تھی۔ راضی برضا کا معمول ہو چکا تھا، اس لئے اپنی دیرینہ بیماری کے بارے میں کچھ زیادہ تفصیلی لکھنا مناسب نہیں سمجھا ہو گا۔ بہر حال سفر دیر کے بعد شروع کیا اور بہت جلد منزل مقصود پر کامراں و کامیاب ہو کر دم لیا۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیوی محبت دل و دماغ سے نکل چکی تھی۔ اسی لئے پندرہ روز پہلے حاجی جی سے فرمانے لگے کہ عمل تو کوئی نہیں جو ساتھ لئے جا رہا ہوں البتہ دل میں کسی قسم کی کوئی کدورت و لافش نہیں ہے۔ دل بالکل صاف لئے جا رہا ہوں اور یہی میرا سرمایہ ہے جس کو باعث نجات سمجھتا ہوں۔۔۔۔۔ دو ماہ پہلے یکم شعبان ۱۳۵۵ء پر پنجشنبہ کے لئے تمام خویش و اقارب اور احباب کو تاکید خود

خط لکھ کر طلب کر لیا تھا۔ سارے دس بجے رات کے قریب مجھے بلا کر اپنی تافین کے بارے میں جگہ تجویز فرمائی اور فجر کی نماز کے بعد داعی اہل کولبدیک کہا۔ خاتمہ قابل رشک ہے۔ تھوڑی سی عمر میں اچھا مقام حاصل کیا۔ علاقہ ان کے اخلاق اور فیوضات کا گرویدہ ہے۔ بہت خوش نصیب انسان تھا جس کے چار بچے ماشاء اللہ حافظ ہیں پانچواں شیر خوار ہے۔ تین بھتیجے ان کی تربیت میں حافظ قرآن ہوئے۔ یہ گھر والوں کی حالت ہے۔ گرد و نواح کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے۔ قیاس کن زر گلستان من بہار مرا۔ ان کا بڑا لڑکا گزشتہ سال مولوی فاضل اچھے نمبروں میں پاس کر چکا ہے۔ اس سال دورہ حدیث بھی ختم کیا ہے اور ساتھ ہی میٹرک کا امتحان بھی دیا ہے چھوٹا دسویں میں پڑھ رہا ہے۔ اور اس سے چھوٹا پانچویں میں ہے اور بلال نو سال کا ہے جس نے ابھی قرآن پاک حفظ کیا ہے۔ ذالک فضل اللہ یونییہ من یشاء

حاجی صاحب تین سال سے اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس ہیں اور اس وقت میاں چنوں ضلع ملتان میں لگے ہوئے ہیں۔ بڑے بھائی منظور الوہاب صاحب ہڑپہ میں تجارت کر رہے ہیں اور میں بھی ان کو اس معاملہ میں امداد دے رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے یہ صرف قطب العالم کے تصرفات اور توجہات کا نتیجہ ہے۔ آپ حضرات کا بعد سوبان روح بن رہا ہے شاید اللہ تعالیٰ کو کیا منظور ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ دینی و دنیوی درجات میں ترقی عطا فرمائے آمین۔ تم آمین۔ سب بھائی اور بچے سلام و نیاز پیش کرتے ہیں بھائی منظور الوہاب صاحب نے پاسپورٹ بنوایا ہے۔ رمضان المبارک کے بعد بھارت آنے کا ارادہ رکھتے ہیں باقی جو اللہ تعالیٰ کو منظور۔ والسلام مع الاسف الاحترام۔ احمد حسن عفی عنہ ہڑپہ ضلع منٹگری۔

خط نمبر ۲۴ اپریل ۱۳۵۷ء۔ محترمی۔ السلام علیکم۔ پھر سادہ کمیٹی دیوبند کے سلسلہ میں اکثر و بیشتر اصناف میں جانا پڑتا ہے۔ عام طور پر مسلمانوں میں کانگریس سے بے توجہی کو دیکھا۔ یوں تو عموماً ۱۳۵۷ء تک ان کی اکثریت علیحدہ رہی مگر بعد کو حالات کی بنا پر شرکت کرنا چاہا بھی تو مسلمانوں میں ٹھیکہ دار قسم کی جماعتیں پیدا ہو گئیں اور اپنے کو مسلمانوں میں مقبول بنانے کے لئے تو لاتونہ سہی مگر عملاً ایسا کرنے لگیں کہ مسلمانوں میں اب تک کانگریس کو مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ میں عرصہ سے یہ خیال کر رہا تھا کہ اس صوبہ کے مسلمانوں کا ایک خالص اجتماع ہو جس میں کانگریسی ممبران ضلع و ٹاؤن کانگریس کمیٹیاں، کانگریسی ممبران لوکل بورڈز اور وہ پرانے کانگریسی کارکن

جو مقامی پارٹی بندی سے مجبور ہو کر خاموش بیٹھ گئے تھے۔ اس اجتماع میں یہ غور کیا جائے کہ کس طرح مسلم عوام میں کانگریس مقبول ہو سکتی ہے اور مسلمان زیادہ سے زیادہ اس کے ممبر ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اخبارات کو ایک بیان دے چکا ہوں۔ انفرادی طور پر اپنے ساتھیوں سے تبادلہ خیال کر چکا ہوں اور تقریباً اب تک دوسرے گشتی خطوط ضلع ڈاؤن کمیٹیوں کو جاری کر چکا ہوں جس میں مسلمان ممبران کے پتے دریافت کئے ہیں اور دوسرے ذرائع بھی اختیار کر رہا ہوں جس سے زیادہ سے زیادہ پتے معلوم ہو سکیں۔

اس سلسلہ میں کانگریس کو مضبوط بنانے کے لئے آپ کے دو اعلانات دیکھے ان سے مزید ہمت افزائی ہو گئی۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی ہدایات کے ماتحت یوپی میں ایک اجتماع بعد رمضان شریف تک ہو جائے۔ اس کے بعد ایک کل ہند اجتماع ضروری ہے۔ آپ ایک آزمودہ تجربہ کار رہنما ہیں جن پر عوام کو اعتماد ہے۔ میں بھی سنٹر سے کانگریس کا پرانا خادم ہوں لیکن حال میں ادھر ادھر ہو گیا تھا۔ امید ہے کہ آپ میری اس اہم کام میں رہنمائی کریں گے۔ نیازمند محسن نظامی سکرٹری پھر بساؤ کمیٹی یوپی محلہ نیا گاؤں لکھنؤ۔

خط ۹۹ امرتسر۔ ۱۰ جون ۱۹۳۷ء۔ قبلہ محترم بنگوار دام اقبالہ السلام علیکم۔ گزارش ہے بہت عرصہ سے کوئی خیریت نامہ نہیں آیا۔ امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ دہلی جا کر کوشش کی جائے گی، جگہ خالی ہو کر آپ کو مل جائے ابھی تک وہ خالی نہیں ہوئی بلکہ اس کا الٹا اثر ہو رہا ہے۔ وہ لوگ جو اس میں رہتے ہیں بہت بری نگاہ سے دیکھتے ہیں بلکہ پہلے سے زیادہ قبروں پر کوڑا کرکٹ پھینکتے ہیں حالانکہ مسٹر جپ صاحب ان کو بول گئے تھے کہ اب ان قبروں کو صاف رکھو، اس کا الٹا اثر لیا گیا ہے۔ میرے ساتھ ایک بہت بڑا واقعہ پیش آ گیا ہے بندہ جو مال منڈی میں فروخت کرتا ہے جس آڑھتی کے پاس کرتا تھا اس کے ساتھ یہ معاہدہ ہوا تھا، جو مال فروخت ہو اس کی ایک پیسہ روپیہ کمیشن دوں گا۔ مال اس کے ذریعے فروخت ہوتا رہا۔ اب کچھ دن ہوئے اس کے ساتھ حساب کیا اس نے جگہ ڈال دیا ہے کہ میں ایک پیسہ روپیہ کمیشن نہیں لوں گا میں دو پیسہ روپیہ لوں گا۔ میرے مال کی بکری کی رقم اس کے پاس تھی سب روک لی ہے جس کی وجہ سے میں بہت تنگ ہوں۔ بیشتر بھی بہت نقصان ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے سرمایہ میں کمی آگئی ہے۔ دوسرے وہ پروپیگنڈا کر رہا ہے اس کے پاس دکان نہیں مسجد میں رہتا ہے۔ اس سے میرے کاروبار پر بہت برا اثر ہوا ہے۔ آپ کو پہلے اس لئے نہیں لکھا کہ آپ بھی پریشان

ہوں گے۔ مجبوراً تنگ آکر سب احوال مکھ رہا ہوں۔ ایک مہینہ سے بالکل بے کار ہوں۔ اگر یہی حال رہا تو مجبوراً امرت سر چھوڑنا پڑے گا۔ کوشش کر رہا ہوں کہ اس سے فیصلہ ہو جائے۔ اگر فیصلہ نہ ہوا تو آپ کو اطلاع دوں گا۔ ہربانی فرما کر اس جگہ کی کوشش کر دیں تاکہ وہ خالی ہو جائے تو اپنا انتظام ٹھیک کر کے کام کرتا ہوں۔ برادر عزیز لرحمن صاحب کو بولا تھا ایک عرضداشت بھی تحریر کی تھی لیکن جواب نہیں دیا۔ اس جگہ کا واقعہ دراصل یہ ہے اس میں دو شخص ذات پند ہیں۔ ایک کا نام سوچا سنگھ اور دوسرا مول سنگھ ہے۔ یہ جگہ ان کو بطور اردنی ڈپٹی کمشنران کو الاٹ ہوئی ہے۔ حالانکہ سوچا سنگھ اس کا اردنی ٹھیک ہے۔ مول سنگھ بھی اردنی ہے۔ لیکن جس مول سنگھ اردنی کے نام کی الاٹمنٹ ہے وہ یہاں نہیں رہتا بلکہ سوچا سنگھ کا رشتہ دار مول سنگھ اس میں رہتا ہے جو کہ کوڑائیوں کا کام کرتا ہے، اتنا دھوکہ دیا ہوا ہے۔ یہ لوگ کسٹوڈین کے انسپکٹر سے ملے ہوئے ہیں اس کو مظلوم ہے لیکن کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کرتے۔ یہ لوگ لوکل ہیں شرارتی نہیں۔ معلوم فرمادیں۔ ہربانی فرما کر اس کے لئے خاص توجہ دیں۔ ورنہ معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ ساتھ ہی امرتسر چھوڑنا پڑے گا۔ جب کوئی کاروبار نہ رہے گا۔ حاضریں کو بہت بہت السلام علیکم۔ تابع فرمان محمد ابراہیم امرتسر۔

خط ۹۹ امرتسر ۵ مئی ۱۹۵۶ء۔ محترم قبلہ بزرگوار دام اقبالہ۔ السلام علیکم۔ گزارش ہے۔ خیریت نامہ ملا احوال پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی ہدایتوں پر پورا پورا عمل کیا جائے گا۔ مسٹر جپ صاحب سے ملاقات کر کے سب معاملہ گوش گزار کر دیا جائے گا اور موقع بھی دکھا دیا جائے گا تاکہ ان کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔ جعفر نے ۱۹۵۲ء سے امرتسر میں کام شروع کیا ہوا ہے۔ اس سے پہلے بمبئی، دہلی وغیرہ میں مقیم رہا ہے۔ خاص امرتسر کا رہنے والا ہوں اور صرف اکیلا ہی رہا ہوں۔ تمام اہل دیوال پاکستان میں رہتے ہیں۔ کاروبار معمولی گزراوقات تک ہے۔ حقیر آپ سے ناراض کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ بزرگ ہیں۔ آپ کو ہر حق حاصل ہے۔ آپ سب کچھ پوچھ سکتے ہیں۔ چھ جماعت تک تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے بعد اپنے کاروبار میں لگ گیا تھا کیونکہ خدا کا فضل تھا، کاروبار بہت وسیع تھا یہی فروٹ کا کام تھا اور کچھ زمیندارہ تھا۔ اگر آپ کی نظر عنایت شامل ہاں رہے انشاء اللہ تعالیٰ سب مشکلیں آسان ہو کر کاروبار بہت وسیع ہو سکتا ہے۔ سری کرشن صاحب چھبر ڈپٹی کمشنر صاحب کا نام ہے۔ معلوم فرمادیں جو کاروائی ہو تحریر فرمائیں۔ احقر محمد ابراہیم۔ امرتسر

بانی ابراہیم پرانی کانگریس اہل حدیث جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۹۵۶ء کی جنگ کے ذریعہ دسمبر کے آخری ہفتہ میں باریش نیل موٹے سے آفتال نرنگے خدا بخش بہت سی خوبیاں بخش دئے تھیں

خط ۸؎ لاہور ۵ اپریل ۱۹۵۲ء - حضرت مولانا - تعجب ہے کہ آپ نے "نصرۃ الابرار" مکمل بھیجی یا اس کی نقل دینے کا وعدہ فرمایا اور میر صاحب کے ہاتھ چھوٹی کتاب بھیج دی - میری کتاب پریس میں گئی - انشاء اللہ پندرہ بیس دن میں چھپ جائے گی - سرگزشت مجاہدین بھی پندرہ بیس دن میں مکمل ہو کر پریس کے حوالہ ہو جائے گی "جماعت مجاہدین" شائع ہوتے ہی خدمت دالامیں بھیجوں گا - میں نے میر صاحب سے عرض کیا تھا کہ آپ تک یہ پیغام پہنچا دیں مجھے چند روز کے لئے اس کتاب کی ضرورت ہے اور اس کا وقت نزدیک آگیا ہے

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے قیام دہلی کے دوران میں اپنے ایک عزیز دوست کے بھائی حامد علی صاحب کے معاملے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرائی تھی - ان کے لئے آپ نے اپنے ایک دوست سے جس کا نام غالباً ددار کا داس تھا کہا بھی تھا - لیکن وہ معاملہ ان کے ہاتھ میں نہ تھا - نیچے سے فیصلہ حامد علی صاحب کے حق میں ہو گیا ہے - اب ددار کا داس صاحب کے پاس یہ گیا ہے - غالباً ۲۰ اپریل تاریخ مقرر ہوئی - اس سے پیشتر ایک مرتبہ خود تکلیف برداشت کر کے اداس اپنے دوست کے پاس جا کر حامد علی صاحب کے معاملے کے متعلق تاکید کر دیں - اب معاملہ اور بھی صاف ہو گیا ہے - نیچے کا فیصلہ جو حق و انصاف پر مبنی ہے، بحال رہنا چاہئے - آپ کو خود جا کر یہ کام انجام دینا چاہئے - تاکہ اطمینان ہو جائے - ادائیگی اپریل تک میرے آنے کا موقع تھا - اب بشرط جیت مولانا کی واپسی تک برظاہر کوئی موقع نہیں - دعا کیجئے کہ بہتر اوقات میں آپ سے ملاقات ہو - میر صاحب کی خدمت میں سلام شوق پہنچائیے نیز اپنے تمام دوستوں، محبوں اور صاحبزادگان عالی قدر کو - والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - آپ کا - غلام رسول مہر (مرحوم)

خط ۹؎، ارزوری ۱۹۵۲ء - حضرت مولانا - گرامی نامہ کے لئے شکر گزار ہوں - میں نے دو تین مرتبہ آنے کا قصد کیا - لیکن اتفاقیہ مواقع پیش آتے رہے - اب کے مصمم ارادہ ہے - صرف ایک دوست کی اطلاع کے انتظار میں متوقف ہوں - آپ کی صحت کے حالات وقتاً فوقتاً آنے جانے والوں سے دریافت کرتا رہتا ہوں - خدا آپ کو تادیر سلامت رکھے اور مقاصد ہمہ ملکی و قومی کی تکمیل کا موقع عطا فرمائے - استفسارات کے باب میں اجمالاً سن لیجئے : (۱) جن بابا فرید کا دستاورد تعلق گردناہک سے تھا وہ باذوق شکر گنج رحمہ اللہ تھے بلکہ اس نام کے ایک اور بزرگ تھے - لہذا حضرت شکر گنج اور گردناہک کے زمانے میں موافقت کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا -

گردناہک کے دوست باوا فرید کے حالات غالباً سردار موہن سنگھ دیوانہ نے ایک مرتبہ اور نیل کالج میگزین میں لکھے تھے۔ یہ مئی ۱۹۳۸ء کا نمبر تھا۔ اب اس کا ملنا مشکل ہے۔ لیکن اگر سردار موہن سنگھ سے تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں تو میں لکھ دوں گا۔ انھیں فرید ثانی کہتے ہیں۔

۲۔ گرنتھ صاحب کی ترتیب کے بارے میں زیادہ کرید کی ضرورت نہیں۔ جس حد تک مجھے علم ہے، اکثر سکھ مصنفین اس حقیقت کو تسلیم کرتے رہے ہیں کہ اس میں وہ تمام اچھی چیزیں لے لی گئیں جو اخلاق و اعمال کے تزکیہ کے لئے مفید ہو سکتی تھیں، خواہ وہ سکھ گروؤں کی تھیں یا مسلمان اور ہندو درویشوں کی۔ مثال کے طور پر سردار خزان سنگھ نے سکھ دھرم اور اس کے فلسفے پر انگریزی زبان میں جو کتاب لکھی تھی اس میں سلسلہ حالات گردارجن جی سب کچھ دیکھا جاسکتا ہے۔ یعنی کتاب مذکورہ کی جلد اول میں۔ یہ کتاب اب یہاں نہیں مل سکتی۔ لیکن اگر تفصیل درکار ہو تو میں فرصت پا کر لکھ سکتا ہوں۔ البتہ گرنتھ صاحب سے حوالے نہیں دے سکتا۔ اس لئے کہ یہ کام میری دسترس سے باہر ہے۔

۳۔ شیخ میاں میراد گردارجن جی کے تعلقات کی تفصیل مجھے معلوم نہیں۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ دربار صاحب کی بنیاد تبرکاً شیخ موصوف کے ہاتھ سے رکھوائی گئی تھی۔ اگر تفصیلات درکار ہوں تو کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔

۴۔ گردینج بہادر کے واقعہ محزنہ کی کیفیت میرے نزدیک یہ ہے کہ افراد خاندان میں منہ نشینی کے متعلق نزاع پیدا ہو گئی تھی اور ایک فریق نے مقدمہ دربار شاہی میں دائر کر دیا تھا۔ گرد صاحب کو جواب طلبی کے سلسلے میں بلایا گیا تو انھیں غالباً اس بنا پر تعلق ہوا کہ گھر کا جھگڑا عالم آشکارا ہوا اور فیصلہ ایسے فریق سے طلب کیا گیا، جو مذہباً گرد صاحب کے نزدیک فیصلے کا حق دار نہ تھا۔ لہذا انھوں نے جان دینے کا فیصلہ کر دیا اگرچہ سکھ مورخین اس بات سے متفق نہیں ہیں بلکہ مورخین کا کہنا ہے کہ اورنگ زیب نے زیادتی سے کام لیا ہے۔

۔ اس بارے میں دو باتیں اور سن لیجئے جو میرے نزدیک بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱۔ مسلم سلاطین کے ہر فعل کو جائز ثابت کرنے کا ذمہ کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ خواہ وہ اورنگ زیب عالمگیر ہی کیوں نہ ہو اور پوری تاریخ کسی قوم کی بھی بے داغ نہیں۔ البتہ حکم لگانے وقت سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ جس شخص کے بارے میں حکم لگانا ہوتا ہے اس کے عام افعال و کردار کی حیثیت کیا ہے۔ اگر اس پر اعتراض کی گنجائش

کم ہو تو کسی بہ ظاہر ناگوار فعل کے لئے مناسب توجیہ تلاش کی جائے گی۔ جو لمحاظ حالات معقول ہو۔ ورنہ خلاف حکم لگایا جائے گا۔

گوروارجن دیو جی کے زمانے سے مغل حکومت اور گوروارجن میں اختلافات شروع ہو گئے تھے جن کی حکمت عملی کے بارے میں فیصلہ کرنا مورخین کا کام ہے۔ صرف سکہ گوروی نہیں بلکہ بعض مسلم اکابر بھی اس معاملہ میں ماخوذ ہوئے۔ گوروار گوبند جی کے ساتھ جہانگیر کے اتنے گہرے تعلقات تھے کہ ہر وقت انھیں ساتھ رکھتا تھا۔ پھر شاہجہاں کے زمانے میں گوروار گوبند جی اور شاہی فوج کے درمیان منازعت پیدا ہو گئی۔ واضح رہے کہ شاہجہاں نے باوجود ادعائے دین داری شیخ آدم بنوری کو ہندوستان سے جواز جانے کا حکم دے دیا تھا۔ اس لئے کہ ان کے ساتھ پٹنوں کی بہت بڑی جماعت دورہ کرتی رہتی تھی اور دربار میں اس واقعے کو خطرناک صورت میں پیش کیا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت آدم بنوری کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا۔ بہر حال اگر یہ اجمال کفایت کرے تو خیر ورنہ اطلاع دیجئے کہ میں تفصیلات مرتب کر کے بھیج دوں۔ اس میں دقت ضرور لگے گا۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ آپ کے خاندان کے کچھ حالات مجھے مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کے رسالے سے مل گئے لیکن افراد کے حالات مطلوب ہیں۔ کاش آپ انھیں میرے لئے جمع کرادیں۔ تمام احباب کی خدمت میں سلام پہنچا دیجئے۔ مشتاق زیارت۔ (مہر مرحوم)

خط نمبر ۸۔ گوردھا۔ ۲۰ مئی ۱۹۵۶ء۔ مکرئی حضرت مولانا زید مجدد کم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا گرامی نامہ ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ خط کو اس لئے دیر ہو گئی کہ شیخ صاحب لائل پور گئے ہوئے تھے۔ حاجی محمد دین مرحوم کی پہلی بیوی انتقال کر گئی تھیں۔ دوسری بیوی کراچی اپنے بھائی کے پاس ہے اور ان کی دو لڑکیاں بھی انتقال کر گئی تھیں۔ لڑکا پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ ایک لڑکی لائل پور میں ہے اور ان کی والدہ بھی دیر ہو گئی فوت ہو گئی تھیں۔ شیخ محمد رفیق صاحب اشیر حسین بخش صاحب، دوسرے سب حضرات آپ کو سلام کہتے ہیں۔ حافظ سعید الرحمن صاحب کے نیک کام کے لئے ہم سب لوگ دعا کرتے ہیں۔ حاجی علیا رحمۃ اگر حیات ہوتے تو وہ بہت خوش ہوتے۔ ماموں صاحب بھی سلام عرض کرتے ہیں۔ اور ماموں صاحب اور میری طرف سے مولوی خلیل الرحمن مولوی عزیز الرحمن اور مولوی طیب صاحبان کی خدمت میں سلام عرض ہو۔ امید ہے کہ آپ دعا کے وقت

ہیں ضرور یاد کریا کریں گے۔ دعا کے تحت محتاج ہیں۔ خاص طور پر دعا کیا کریں۔ تاکیدا عرض ہے۔ والسلام
مع الکرام۔ خادم نا چیز فیاض الدین۔ شیخ حاجی عمر دین صاحب لائل پور میں دفن کئے گئے ہیں۔
خط ۸۲ نئی دہلی ۱۶ مئی ۱۹۵۳ء۔ محترم مولانا صاحب سبہ ہند۔ آپ کے خیالات سن کر مجھے جتنی خوشی ہوئی اسے بیان
کرنا ناممکن ہے۔ میں نے آپ کے متعلق جو کچھ سنا تھا۔ آپ کو اس سے بھی بلند پایا۔ جس قوم میں مولانا آزاد، مولانا حسین احمد
مدنی اور مولانا جلیل الرحمن جیسی شخصیتوں نے جنم لیا ہے وہ امر ہے اور تعظیم کے قابل ہے۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جن پر
بھوارے کی تلخیاں اثر انداز نہیں ہو سکیں۔ آپ ان تھوڑے سے گنتی کے لوگوں میں ہیں۔ پر مآتما آپ کی عمر دراز کرے
اور دوسروں کے لئے مشعل راہ بنائے۔ مولانا صاحب بڑے آدمی اپنے نیک خیالات کی بدولت قوموں اور ملکوں کی
قسمت بدل دیا کرتے ہیں۔ کاش لوگ آپ سے سبق سیکھیں اور فرقہ دارانہ آلائشوں سے بلند ہو کر سچے دریش بھگت
بنیں۔ گواخبار کے کام میں بہت مصروف رہنا پڑتا ہے لیکن جناب کے تئیں اپنی عقیدت کا ثبوت پیش کرنے کے لئے
گاہے بگاہے نیاز حاصل کرنے کی کوشش کیا کر دوں گا۔ تابعدار چین لال آزاد نیشنل چیف ایڈیٹر پرتاپ اخبار
خط ۸۲ نئی دہلی۔ ۱۳ مارچ ۱۹۵۳ء۔ محترم مولانا صاحب سلام۔ پچھلے چند ماہ سے حالات بورخ اختیار
کر رہے ہیں۔ ان سے یہ دکھائی دیتا ہے کہ پاکستان اور بھارت میں کشمیر کے معاملے پر ٹکراؤ ناگزیر ہے۔ ظاہر ہے کہ
اگر بد قسمتی سے ایسا ہوا تو ملک کی ترقی و تعمیر کی تمام اسکیمیں کھٹائی میں پڑ جائیں گی۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اس معاملہ
پر دونوں دیشوں کے لوگ جذبات کی رو میں بہہ رہے ہیں اور ٹھنڈے دل و دماغ سے غور نہیں کرتے۔ اس لئے
اس بات کی ضرورت ہے کہ آپ جیسے کچھ اور لیڈر میدان میں آئیں اور ایسی فضا پیدا کریں جس سے یہ مسئلہ جنگ کے
بغیر حل ہو جائے۔ پنڈت جی اور مولانا صاحب کے ساتھ آپ کے ذاتی تعلقات ہیں۔ برائے ہر بانی انھیں نیک مشورہ
دیجئے اور حقائق ان کے سامنے رکھئے۔ شیخ عبداللہ کے باہر ہوتے ہوئے کشمیر کے مسلمان لازمی طور پر ہمارا ساتھ
دیں گے لیکن موجودہ حالات میں یعنی بخششی غلام محمد کے پردھان منتری ہوتے ہوئے اس معاملہ میں کشمیری باشندوں
سے دلی تعاون کی امید رکھنا ٹھیک نہیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جس دن کشمیر کے لیڈروں میں پھوٹ پڑ گئی تھی، اور
اور بخششی نے عبداللہ کو جیل میں ڈال دیا تھا اس دن ہم ادھی بازی ہار گئے تھے۔ اب یہ معاملہ بڑا پیچیدہ ہے اور اسے
سلجھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ملک کا کوئی بھی بھی خواہ اس معاملہ پر ٹکراؤ پسند نہیں کرے گا۔ آپ پنڈت جی

اور مولانا صاحب آپ اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے انہیں سمجھائیے کہ یہ سکہ صلح صفائی سے حل ہونا چاہیے
 اور کسی بھی حالت میں جنگ کی نوبت نہیں آنی چاہئے۔ میری پرار تھنا ہے کہ پرمانہ آپ کو اس قدر شگفتی اور ہمت دے
 کہ آپ سچی بات کہنے سے رتی بھری نہ ہچکچائیں۔ تا بعد از چمن لال آزاد نیز چیف ایڈیٹر اخبار پرتاپ
 خط ۸۶ کراچی۔ ۶ جولائی ۱۹۵۶ء۔ کرم معظم قبلہ مولانا صاحب۔ السلام علیکم بعداً آداب کے عرض ہے کہ ڈاکٹر
 فیاض الدین صاحب لدھیانوی حال مقیم سرگودھا کا خط قبلہ حاجی صاحب کے افسوس کا ملا جس میں آپ کی طرف
 سے بہت افسوس ملا تھا۔ قبلہ سوائے افسوس کے اور کوئی چارہ نہیں۔ قبلہ حاجی صاحب کا اتنا سخت صدمہ ہے
 کہ بیان سے باہر ہے۔ مگر خدائے تعالیٰ کے کاموں میں کوئی دخل نہیں دیا جاتا۔ حاجی صاحب کا لاہور میں گروہ
 کا آپریشن ہوا تھا۔ آپریشن کے ۲ گھنٹے بعد حاجی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ صدمہ تو ان کا میں بیان نہیں کر سکتا۔ مگر
 خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ حاجی صاحب نے سب کام اپنے ہاتھ سے طے کئے یہاں تک کہ سب رشتے دار اور حق داروں
 کے لئے وصیت نامہ لکھا جس کو دیکھنے والے حیران ہوتے ہیں اور آخر دم تک کلمہ پڑھتے رہے۔ خدائے تعالیٰ ان کو جنت
 فردوس میں جگہ دے اور ہم کو صبر دے اور زیادہ کیا عرض کروں بس دعا میں یاد رکھیں۔ زیادہ آداب۔
 اکرام الحق۔ کراچی معرفت حاجی محمد علی، گلزار محمد رنگ والے۔

خط ۸۶ لدھیانہ۔ ۱۳ اگست ۱۹۵۶ء۔ کرمی مولانا صاحب۔ تسلیم۔ میاں اللہ دیا کے ہاتھ دیا ہوا خط ملا پڑھا
 کر خوشی ہوئی کہ آپ کی صحت آگے سے اچھی ہے۔ خدائے تعالیٰ کہ آپ جلد مکمل طور پر صحتیاب ہوں۔ میں صرف ٹیبیوں اجا
 میں سوچ سمجھ کر خاص خاص خبریں پڑھتا ہوں۔ اتوار کو ہندوستان اسٹینڈرڈ، ہفتہ واروں میں بٹراؤں باقی
 کسی اخبار کو پچھلے ۳ سال سے ہاتھ نہیں لکایا۔ پرتاپ۔ ملاپ۔ پر بھات، حاجت کی تقریرات سے پاک ہوں اور دماغی طور
 پر بہت ٹھیک رہتا ہوں۔ افسوس مجھے اس سے پہلے آپ کی بیماری کا پتہ نہ لگ سکا، اور نہ آپ نے خط لکھا۔
 ورنہ میں خود حاضر ہوتا۔ عنقریب ہفتہ یا دو ہفتہ میں شاید بالیقیناً دہلی آنا ہو گا۔ حاضر خدمت ہوں گا۔ میں عنقریب
 چند گڑھ جارہا ہوں۔ وہاں رہائش رکھوں گا۔ کسی مہری کی طرف نگاہ نہیں۔ البتہ نئے پنجاب میں مناسب طریقے سے
 بے حد ضرورت کروں گا اور اس پاگل پن کا پاگل بن کر علاج کروں گا۔ آپ کی امداد کی ضرورت ہوگی۔ لیکن پتہ نہیں کہ
 پچھلے ۸۔۱۰ سال سے آپ کہاں سے کہاں پہنچے ہیں۔

جہاں تک منی لال کا لیبل تقسیم ملک کا تعلق ہے وہ فوت ہو چکا ہے۔ ”منی لال لدھیانہ والا“ ایک بے نیاز
 حیثیت سے بنا ہے اور چندی گڑھ کی چڑھتی جوانی میں نوجوان ہو گا۔ اسے اپنے کسی نزدیکی، دور کے رشتہ دار کا بوجھ
 نہیں ہو گا۔ وہ کسی جماعت کا ممبر نہیں ہو گا۔ لیکن ذاتی تعلقات کی بے حد دولت کو اور بڑھائے گا ادیبہ دولت اس کے
 دوستوں کے لئے مشترکہ سرمایہ ہو گی۔ ایک دارالعلم قائم کرے گا جہاں ہندوستانی ساخت کے انسان بنائے جائیں گے اور
 پورے ڈھانچے میں بنے ہوئے ہندوستانیوں کے دماغ و جسم کی مرمت کر کے نئے مشینری میں احتیاط سے چلانے
 کے قابل بنایا جائے گا۔ کچھ کام آپ کے اور عزیزوں کے سپرد کرنے والے میرے ہاتھ میں ہیں۔ دلی آیات و بات کروں گا ورنہ
 آپ خود یا عزیز میاں یہاں آجائیں۔ اچھے کام ہیں اور آپ کے کرنے والے ہیں۔ بہت سے لوگوں کا اس میں فائدہ ہو گا
 اللہ دیا میاں کا کام مجاہدے گا اور جلد ہونے پر آپ کو اطلاع دوں گا۔ عزیزوں کو پیار۔ آپ منی لال۔ کالیہ۔
 خط ۵۸ کراچی ۳۱ اگست ۱۹۵۷ء۔ محترم مکرم جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی۔ السلام علیکم۔

عنایت نامہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض ہے کہ میں آپ سے دہلی میں مولانا محمد الیاس صاحب کی مسجد میں ان کی جیتا
 میں کئی بار مل چکا ہوں۔ مدینہ طیبہ میں آپ کی تشریف آوری کی خبر سنی تھی مگر میں غلیل تھا۔ میں خود تو حاضر نہ ہو سکا اور
 آپ کی کرم فرمائی کا علم آج آپ کے عنایت نامہ سے ہوا۔ فوس ہے کہ نیاز حاصل نہ کر سکا۔ مناجات مقبول ۳۵ ہزار
 چھپ چکی ہیں اور سارے پاکستان میں تقسیم ہو چکی ہیں۔ بلاک بنے ہوئے موجود ہیں یہ کام انجمن اشاعت قرآن عظیم
 نے انجام دیا ہے۔ سید محمد خلیل صاحب اس انجمن کے صدر ہیں جو سید محمد جمیل صاحب کے والد ہیں۔ ان کا پتہ
 اکاؤنٹ جنرل پاکستان کراچی ہے۔ آپ کا سلام پہنچانے کے لئے فوراً ٹیلیفون کیا لیکن وہ موجود نہیں ملے۔ دوسرے
 موقع پر یہ کام پورا ہو گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ دعا حسن خاتمہ کا امیدوار محمد وجیہ الدین۔ صدر کراچی ۳

خط ۵۹ الف پٹنمی پور گورکھپور۔ ستمبر ۱۹۵۷ء۔ مگر می۔ سلام مسنون۔ یہاں ہم لوگ ایسی جگہ پر آ گئے ہیں کہ جہاں پر ڈاک خانہ
 وغیرہ کا پتہ نہیں ہے۔ پروگرام تو ہر روز کا ہی ہوتا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ آپ تک پہنچنا مشکل ہے۔ صرف اسی ایک خط کو
 پہنچانے کے لئے ۱۲ میل سائیکل سے آدمی بھیجا پڑا ہے۔ ان کبھی کبھی کا پروگرام بھیج دیا کریں گے آپ مطمئن رہیں اور کسی
 قسم کا فکر نہ کریں۔ دیگر دہلی آنے پر جو پروگرام یہاں پر ہوتا ہے وہ ہمارے ذہنوں میں ہو گا ہی اسے آپ کی خدمت میں آکر
 سنائیں گے۔ آپ دعائے خیر کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں پر کامیابی نصیب فرمائیں۔ باقی خیریت ہے۔ جواب سے

مطلع فرمائیں۔ آپ کے خیر اندیش فضل الرحمن صاحب قاضی حسن پوری۔ عبدالعزیز صاحب ظفر جنک پوری۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ کا خاص خط

خط ۶۹ عزیز گرامی قدر و منزلت۔ تمھاری مرتبہ کتاب پہنچی تھی اور میں نے فرط شوق میں اپنے واقفین کے حالات مشارکے بعد کوٹا بند کر کے سن لئے تھے اور رسید بھی لکھوا دی تھی جس میں غالباً میں نے اس کا بھی اظہار کیا تھا کہ تمھارے والد صاحب کے حالات بہت ہی کم آئے۔ مگر کل کی ڈاک سے تمھارا محبت نامہ پہنچا جس میں مولانا مرحوم کے مفصل حالات پر تمھاری تالیف معلوم ہو کر بہت ہی مسرت ہوئی۔ خدا کرے میری زندگی میں چھپ جائے تو میں بھی سننے کی کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سعی میں کامیاب فرمائے۔ بہت اشتیاق پیدا ہو گیا۔ میں نے مولانا کا ذکر تو متعدد کتابوں میں کیا ہے۔ اس لئے کہ مولانا کی ابتداء تو میرے ادران کے ذوق کے خلاف کی تھی اور منتہا تو نہایت ہی محبت اور یگانگت کی تھی مگر میں تو جب سے آیا ہوں اس قدر ہجوم میں گھرا ہوں کہ ماہ مبارک میں تقریباً دو ہزار کا مجمع مستقل رہا اور اس سے پہلے میری آمد کا ہجوم رہا اور اب واپسی کا ہجوم بہت ہو رہا ہے اس واسطے مجھے تو بالکل ذہن میں نہیں کہ آپ نے جس مضمون کا اشارہ لکھا ہے وہ کس کتاب میں ہوگا اور وہ کون سا مضمون ہے۔ میرا ایک سلسلہ تالیف آپ بیٹی کا کئی سال سے چل رہا ہے۔ شاید اس میں تو مولانا کا تذکرہ بار بار آیا ہی ہوگا۔ مگر مولوی نصیر نے بیان کیا کہ اس کی کئی جلدیں ختم ہو گئیں۔ اس وقت تو میں ضروری خطوط بھی نہیں لکھوا سکتا اور مسلسل مضامین مجھے یاد بھی نہیں آتے۔ تذکرہ پر باب پر بات یا ناتی ہے۔ مدینہ پاک پہنچ کر حج کے دو ماہ بعد کچھ دماغ فارغ ہو سکتا ہے۔ فقط والسلام

حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب فیوضہم تعلیم مظہر عالم مظفر پوری۔ ۱۱ شوال ۱۳۹۵ھ سہارن پور (یو پی)

خط ۷۰ لائل پور ۲۲ جولائی ۱۳۹۵ھ بزرگوارم قبلہ والد صاحب! زید مجدکم تآپ کے اس احساس اور ہمدردی کا شکر گزار ہوں۔ بیشک مشیت ایزدی میں انسان کا کوئی دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو کرتے ہیں بہتر ہی کرتے ہیں آپ سے استدعا ہے کہ مرحومہ کی مغفرت کے لئے دعا فرماتے رہا کریں۔ بھائی عزیز الرحمن اور دیگر اہل خانہ کی ہمدردی بھی میرے لئے باعث سکون ہے ادران کی اس عنایت اور محبت کا شکریہ۔ مرحومہ نے تین ہوش مند بچے چھوڑے ہیں جن میں سے بڑے لڑکے کی عمر چھ سال ہے۔ دوسری دونوں لڑکیوں کی عمر بالترتیب چار سال اور دو سال ہے۔ مرحومہ نے مرتے وقت ایک نوزائیدہ بچہ چھوڑا تھا جسے اس کے مرنے کے ۱۵ گھنٹے بعد بھائی سردار محمد کی اہلیہ

حضرت شیخ الحدیث نے جنگ آزادی کے مسلم جاہدین کی تیسری جلد کا ذکر کیا ہے اور یہ نظر کتاب رئیس الاحرار در حدیث دیگران پر خوشی کا اظہار فرمایا ہے۔ حضرت شیخ کی دعا سے جنگ آزادی کے مسلح علماء و مددگاروں کی معرفت ایک صفحے میں خود مختار ہو گئی۔ (مست)

کی گود میں ڈال دیا تھا کیونکہ گھر میں اس کی بچی دودھ پیتی تھی اور وہ مرحومہ کے انتقال سے پندرہ گھنٹے بعد بھائی سردار محمد کی محبت میں جہلم سے لائل پور آگئی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کی زندگی منظور نہیں تھی اور وہ ۲۴ گھنٹہ زندہ رہنے کے بعد اپنی حقیقی والدہ کی آغوش میں پہنچ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

علاوہ ازیں اور کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے۔ گھر میں جملہ اہل خانہ بخیر و عافیت ہیں اور آپ کو بالخصوص اور دیگر اہل خانہ کو سلام قبول ہو۔ بھائی سردار محمد بچوں سمیت جہلم سے آئے ہوئے تھے جس وجہ سے آپ کو فی الفور جواب دیا جا رہا ہے وگرنہ مجھ بے علم سے یہ توقع عبث تھی کہ آپ کو جلد جواب دیا جاسکتا۔

آج صبح بھائی انیس الرحمن صاحب کی زبانی آپ کی تندرستی کا حال معلوم ہو کر بے حد خوشی ہوئی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد از جلد صحت کامل عطا فرمائے۔ آمین! ثم آمین!! اور آپ کا سایہ ہمیشہ ہم پر قائم رکھے۔ آمین۔

آپ کا نابعدار۔ گلزار محمد (لدھیانوی)

خدا کے پاک بندوں کو۔۔۔!

سما سکتا نہیں پہلے فطرت میں مرا سودا
غلط سمجھائے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنی

نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب وستی کی
حق آساں عرشوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولی

رہے ہیں اور رہیں فرعون میری گھات میں اب تک
نچھ کیا غم کہ میری آستیں میں ہیں ید بیضیا

خودی سے اس ظلم رنگ بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی تو حیدر تھی جس کو نہ تو سمجھانہ میں سمجھا

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فردغ فادی سینا

نگاہ عشق وستی میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآن وہی فرقان وہی یسین و سی طہ

تمنت بالخیر۔۔۔ آپ کی دعاؤں کا طالب۔۔۔ مرتب

۱۵ فروری ۱۹۷۶ء



راہیں لاہور، مارچ ۱۹۴۳ء تک شکاری جیل میں نظر بند رہے (۲) ۲۰ جون ۱۹۴۳ء تک محرم شاہ جیل میں نظر بند رہے

قد و گیسٹوں قسرو کو بہن کی آزمائش ہے؛ جہاں ہم ہیں ان دارورسن کی آزمائش ہے